فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

کتابُ الجہاد

امیر اہلسنت حضرت قدس سرہ العزیز

علامہ سیّد محمود احمد رضوی

امیر و شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

شعبہ تبلیغ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

احادیث نبویہ کا محبوب مقبول ذخیرہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب
امام الدنیا امیر المومنین فی الحدیث رئیس المحدثین استاذ الحفاظ ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری
قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

پارہ گیارھواں، بارھواں

کتاب الجہاد

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی قدس سرہ العزیز
امیر و شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

شعبۂ تبلیغ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

تبصرہ

فیوض الباری

موقر روزنامہ جنگ راولپنڈی مجریہ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء میں فیوض الباری پارہ سوم پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا

مؤلفہ علامہ سید محمود احمد رضوی مدیر "رضوان" لاہور

پتہ: مکتبہ رضوان لاہور

اہل سنت وجماعت کے حلقہ میں الور کے خانوادۂ علمی کے چشم وچراغ حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ امیر انجمن حزب الاحناف پاکستان کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ان کا علمی پایہ، ان کی فقیہانہ نظر، ان کا عمیق فکر ان کا تقویٰ ودیانت اور وسیع مطالعہ ایسا نہیں کہ اس میں تامل کیا جا سکے حضرت سید صاحب کے فرزند ارجمند مولانا سید محمود احمد رضوی نے بموجب الولد سر لابیہ ان صفات سے پورا پورا حصہ پایا ہے جو بخاری شریف کا اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں اس سے قبل دو پاروں کا ترجمہ وتشریح کر کے شائع کر چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب بخاری شریف کے تیسرے پارے کا ترجمہ وتشریح پر مشتمل ہے اس میں ان احادیث کا بیان ہے جو اوقاتِ نماز، اذان، فضائل نماز، امامت، اقتدار۔ ہیئت نماز۔ نماز کے اذکار اور دیگر متعلقہ مسائل نماز پر شامل ہیں۔ مولانا محمود احمد رضوی صاحب نے اس امر کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ ان احادیث کی تشریح میں احناف رحمہم اللہ کے مسلک کو بدلائل ثابت کیا جائے اور حق یہ ہے کہ وہ اس میں کامیاب رہے ہیں عصر کے ابتدائی وقت کے سلسلہ میں احناف اور دوسرے مدارس فکر میں اختلاف ہے مولانا نے اس بحث کو بڑی محنت سے تحریر فرمایا ہے اور اس بحث کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ فاضل مؤلف ایک ایسے کہنہ مشق عالم دین ہیں جن کی عمر ہی حدیث وفقہ میں بسر ہو گئی ہو حالانکہ مؤلف کا سن بمشکل تیس برس کے لگ بھگ ہوگا۔ اتنی کم عمر میں اتنا جید فقیہہ ومحدث ہو جانا محض فضل خداوندی ہے اسی طرح مؤلف غلام نے رفع یدین۔ نماز میں ہاتھ باندھنے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنا اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی عدم قراءت پر بڑے عمدہ اور سلجھے ہوئے انداز میں احناف کے مسلک کو مدلل ثابت کیا ہے احناف کے مسلک کی تائید میں جہاں دلائل عقلیہ سے کام لیا گیا ہے وہیں وہ احادیث بھی پیش کی گئی ہیں جو حنفیوں کی مستدل ہیں۔ بغرضیکہ ترجمہ وتشریح علمی لحاظ سے بہت بلند اور زبان کے لحاظ سے نہایت سلجھا ہوا ہے حضرت مؤلف کا انداز تحریر مدرسانہ۔ فقیہانہ اور ناصحانہ ہے۔ ان کی تحریر میں تعصب عناد اور کرختگی نہیں۔ بلکہ اکثر مقامات پر فروعی مسائل پر تشدد کرنے والوں کو خوفِ خدا یاد دلایا گیا ہے۔ ہمارے رائے میں حدیث رسول علیہ السلام سے وابستگان کو اس کتاب اور اس کے پہلے دو حصوں کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے اس کا مطالعہ اہل سنت کے مختلف مدارسِ فکر میں اتفاق ویگانگت کا باعث بن سکتا ہے۔

مختصر فہرس

فیوض الباری شرح بخاری (پارہ گیارھواں بارھواں)

نام کتاب —— فیوض الباری شرح بخاری پارہ گیارھواں، بارھواں

مؤلف —— علامہ سید محمود احمد رضوی قدس سرہ العزیز

تاریخ طبع —— سنہ ۲۰۰۰ء

واحد تقسیم کار مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور

مطبع ——

ناشر —— شعبہ تبلیغ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

باہتمام —— صاحبزادہ سید مصطفےٰ اشرف رضوی اشرفی ایم اے امیر دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

مختصر تعارف

مولف فیوض الباری

تحریر۔۔۔ حکیم العلماء علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جس شخص کو دین کا فہم حاصل ہو جائے' رحمت الہیہ اس کے شامل حال ہوتی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **و من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی بصیرت عطا فرما دیتا ہے

پھر اگر اس کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری' حق گوئی اور بے باکی' رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام' تدریس و تصنیف اور اعلاء کلمہ حق ایسے اوصاف بھی جمع ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ فضیلتہ الشیخ' جلالتہ العلم و المعرفتہ' محدث عصر' حضرت علامہ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز ایسی ہی جامع صفات اور نادر روزگار شخصیت تھے' ان کی دینی اور ملی خدمات اس لائق ہیں کہ ان پر علمی اور تحقیقی مقالے لکھے اور شائع کئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو قابل صد فخر فرزند عطا فرمائے۔

۱۔ غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

۲۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری

علامہ سید ابوالحسنات قادری نے میدان سیاست' خطابت قومی خدمات اور تصنیف میں وہ گراں قدر خدمات سرانجام دیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں' ان کی عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ مخالف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نامور علماء بھی ان کے قدموں میں بیٹھنے اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کو سرمایہ فخر تصور کرتے تھے' علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمہ اللہ اپنے دور کے مفتی اعظم پاکستان' یکتائے زمانہ محدث اور بے مثال مناظر تھے' اپنے اور بیگانے سب ہی ان کی جلالت علمی اور ژرف نگاہی کے معترف تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔ اسی دور میں پاکستان کی تاریخ کا سخت ترین مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا' کسی کو لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی' اس کے باوجود حضرت سید ابوالبرکات ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن پاک کا درس دیتے۔ فتنہ قادیانیت کے موضوع پر تقریر

کرتے، ختم نبوت کے بارے میں قادیانیوں کے شبہات کا جواب دیتے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پرزور تائید فرماتے۔ اس اثناء میں کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپ کا لاوڈ سپیکر بند کرا دے۔

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں جنگ ستمبر کے بعد علماء اہل سنت کا ایک وفد جنرل محمد ایوب خاں سے ملا، جس میں حضرت علامہ سید ابو البرکات قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے، ایوب خاں نے مزاج پرسی کے بعد دعا کے لیے کہا تو سید صاحب نے فرمایا:

دعا کیا کروں؟ آپ نے عائلی آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کی بعض دفعات، صریح طور پر قرآن و سنت کے خلاف ہیں، آپ نے شاستری کی ارتھی کو کندھا دیا، ایک مشرک کی ارتھی کو کندھا دینا کب جائز ہے؟

جنرل محمد ایوب خاں نے وعدہ کیا کہ عائلی آرڈیننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کر دی جائے گی، اور شاستری کی ارتھی کو کندھا دینے کے متعلق کہا کہ یہ ایک رسمی چیز تھی اور مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس خاندان نے اعلاء کلمۃ الحق میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اسی عظیم خانوادے کے جلیل القدر فرزند، وسیع النظر محدث، عظیم فقیہ اور محقق، حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مدظلہ العالی شارح بخاری ہیں، جو خاندانی وجاہت کے علاوہ قابل قدر خصوصیات کے حامل ہیں۔ اکثر و بیشتر جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہیں کسی نہ کسی دینی مسئلہ میں غور و فکر کرتے ہوئے پایا، ان کی گفتگو عام انداز سے ہٹ کر، مسائل دینیہ کے بارے میں ہی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں گہری سوچ بچار کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کی تحریرات، مفید عام موضوعات پر ہیں اور عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ علمی اور روحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی میں نشو و نما پائی، درس نظامی کی ابتدائی کتابیں آمد نامہ گلستان وغیرہ اپنے جدامجد، سید المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے پڑھیں، بقیہ کتب، جید اور متبحر اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح تہذیب، قطبی اور مختصر المعانی وغیرہ کتب منطق بابا مولانا محمد دین بدھوی سے، ملاحسن، تفسیر بیضاوی وغیرہ کتب ملک المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا جن میں حضرت مولانا مہرالدین جماعتی رحمتہ اللہ علیہ شارح مختصر المعانی کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ درس حدیث اپنے والد گرامی، مفتی اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا۔ ۱۹۴۷ء میں حزب الاحناف، لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس اجلاس میں پاک و ہند کے اکابر علماء مثلاً حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتی آگرہ مولانا مفتی عبدالحفیظ، محدث اعظم ہند، علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا محمد یار، گڑھی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی، حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی قدست اسرارہم تشریف فرما تھے، حضرت صدر الافاضل نے اس موقع پر بطور تبرک اپنی ٹوپی عنایت فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ۷ر جون ۱۹۴۷ء کو موقر جریدہ "رضوان" جاری کیا، جو ابتداً" ہفت روزہ تھا، پھر پندرہ روزہ ہوا، بعدازاں ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوا اور بحمدہ تعالیٰ آج تک شائع ہو رہا ہے۔ اس جریدے میں وقیع اور گرانقدر مقالات شائع ہوا کرتے تھے، اس جریدے نے دین متین کی حفاظت اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس رسالے کے کئی قیمتی نمبر، راقم کی نظر سے گزرے ہیں، مثلاً نماز نمبر، ختم نبوت نمبر، چکڑالویت نمبر اور معراج النبی نمبر وغیرہ، مشہور شیعہ مناظر مولوی اسمٰعیل گوجروی سے متعدد مسائل پر مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان مباحثوں میں علامہ رضوی مدظلہ کا قلم علمی اور تحقیقی جواہر بکھیرتا رہا۔ علامہ کا استدلال، عالمانہ گرفت، مخالفین کے اعتراضات کے ٹھوس جوابات، یہ سب چیزیں پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت علامہ کی تصانیف رضوی گوجروی مکالمہ، بیعت رضوان، باغ فدک، حدیث قرطاس حضور کی نماز جنازہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

اس خاندان کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی ملی اور ملکی مسئلہ پیش آیا، یہ حضرات راہنمائی میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، تحریک پاکستان کا اہم ترین سٹیج تھی۔ اس اسٹیج سے پاکستان کی حمایت میں اٹھنے والی آواز اتنی زور دار تھی کہ اس کی گونج پورے پنجاب بلکہ اس کے اردگرد تک سنی جاتی تھی۔

۲۷ر تا ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کے باغ فاطماں میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی

کانفرنس، تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اجلاس میں اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ نے اجتماعی طور پر مطالبہ پاکستان کی زبردست حمایت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک پاکستان نہیں بن جاتا ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، علماء پنجاب کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے، اس وفد میں علامہ سید محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، اس تحریک کے صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری تھے۔ علامہ سید محمود احمد رضوی نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی ذاتی مشین پر پمفلٹ چھاپ کر فوج اور پولیس کے نوجوانوں میں تقسیم کئے اور انہیں تحریک کے مقاصد سے آگاہ کیا اور گرفتار ہوئے، قلعہ لاہور اور سنٹرل جیل لاہور میں مقید رہے۔

۲۲ر مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نام نہاد کسان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں "مولانا" بھاشانی مہمان خصوصی تھے۔ اس کانفرنس کا نعرہ تھا، "ماریں گے۔۔ مرجائیں گے۔۔۔ سوشلزم لائیں گے"۔ اسی کانفرنس میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینن گراڈ تجویز کیا گیا۔ اہل سنت کے علماء و مشائخ نے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے سوشلزم کے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے اور کسان کانفرنس کے اثرات زائل کرنے کے لیے عین اسی جگہ ۱۳، ۱۴ر جون ۱۹۷۰ء کو عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن قادری مدنی مدظلہ، مدینہ طیبہ سے تشریف لاکر بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔

اس کانفرنس کا منظر دیدنی تھا۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے غلامان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جم غفیر اور تین ہزار علماء و مشائخ کے مبارک اجتماع سے وہ سماں پیدا ہوا کہ باطل کی تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اس کانفرنس میں اسلامیان پاکستان کو مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا نعرہ ملا، اور اعلان کیا گیا کہ اسی منشور کی بنیاد پر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا۔ اس کانفرنس کے کنوینئر حضرت علامہ رضوی مدظلہ اور ان کے رفقاء تھے۔ انہوں نے ملک بھر کے دورے کرکے کانفرنس کے انعقاد کے لیے فضا ہموار کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا مختار الحق مرحوم اور ان کے رفقاء نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے گرانقدر

خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں تمام مکاتب فکر کے اشتراک سے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ علامہ رضوی مدظلہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے' قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بالآخر ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیان پاکستان کے شدید دباؤ کی بنا پر قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

علامہ رضوی مدظلہ ۱۹۷۴ء تک جمعیتہ العلماء پاکستان کے مرکزی جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک مرحلے پر جمعیتہ داخلی انتشار کا شکار ہو گئی' کوشش بسیار کے باوجود اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ ۱۹۶۹ء میں حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری قدس سرہ نے حزب الاحناف لاہور میں ملک بھر کے علماء کی ایک میٹنگ بلائی' حضرت سید صاحب کی دعا و برکت سے تمام علماء اہل سنت شیر و شکر ہو گئے۔ علامہ رضوی پہلے سنی بورڈ پھر مجلس عمل جمعیتہ العلماء پاکستان کے کنوینر مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمعیتہ کو فعال بنانے کے لیے دن رات کام کیا اور گوناگوں مشکلات کے باوجود اپنی مہم میں کامیاب رہے۔

یا رسول اللہ! کانفرنس

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور تعظیم و تکریم اہل سنت و جماعت کا طرہ امتیاز اور سرمایہ ایمان ہے۔ بارگاہ رسالت کی بے ادبی اور گستاخی دیکھ اور سن کر خاموشی سے برداشت کر جانا ان کے نزدیک غیرت ایمانی کے منافی ہے۔ حضرت علامہ رضوی مدظلہ کو یہ عقیدہ ورثہ میں ملا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کے نام نہاد ڈاکٹر منہاس نے ایک دل آزار کتاب لکھی جس میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے خلاف جمعیتہ علماء پاکستان نے لاہور سے جلوس نکالے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے۔ لیکن حکومت نے مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے ۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء کو علامہ سید محمود احمد رضوی اور مولانا اکرام حسین مجددی' مولانا فیض القادری اور پیر طریقت میاں جمیل احمد شرقپوری کو گرفتار کرلیا۔ پھر ان حضرات کی رہائی کے لیے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اور حضرت مولانا حامد علی خاں کی قیادت میں ایک وفد ۲۰ر جنوری کو اس وقت کے گورنر پنجاب' جنرل عتیق الرحمٰن سے ملا اور ان راہنماؤں کی رہائی کے بارے میں گفتگو کی۔

چنانچہ ۱۲؍ جنوری کو تمام حضرات رہا کر دیئے گئے۔[18]

۲۳؍ مارچ ۱۹۸۴ء کو بادشاہی مسجد، لاہور میں محفل قرات منعقد ہوئی، مصر کے معروف قاری عبدالباسط نے تلاوت کی، سامعین میں ہر مکتب فکر کے افراد موجود تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے نعرہ رسالت بلند کیا اور اس کے جواب میں کسی بدبخت نے مردہ باد کا نعرہ لگایا، نعرہ لگانے والے حافظ غلام معین الدین کو مارا گیا اور اسے مرزائی کہہ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

علامہ رضوی نے اس سانحہ کا بروقت نوٹس لیا اور اپریل ۱۹۸۴ء ملک بھر کے علماء و مشائخ اہلسنت کی میٹنگ بلا کر مجلس عمل علماء اہلسنت قائم کی اور طے پایا کہ ۱۳؍ اپریل کو حزب الاحناف لاہور میں یارسول اللہ کانفرنس منعقد کی جائے، چنانچہ اس کانفرنس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سامعین نے شرکت کی۔ اہل سنت و جماعت نے مغرب اور عشاء کی نمازیں شاہی مسجد میں باجماعت ادا کیں اور رات کے ساڑھے بارہ بجے تک یارسول اللہ کانفرنس کا پروگرام جاری رہا۔ شاہی مسجد کے درو دیوار نعرہ رسالت سے گونجتے رہے۔ چاروں میناروں، برجیوں اور مسجد کے چپے چپے پر یارسول اللہ اور سبز گنبد کے عکس والے جھنڈے لہراتے رہے اور دنیا پر واضح ہو گیا کہ اس دور بے عملی میں بھی مسلمان ناموس رسول کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

مشہور صحافی جناب انور قدوائی نے نوائے وقت لاہور میں لکھا۔

"علامہ محمود احمد رضوی نے جس بات پر علم احتجاج بلند کیا تھا وہ اہم ترین اور سنگین مسئلہ تھا جس سے اختلاف بریلوی کیا؟ کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا تھا"۔ اس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا

(۱) کہ اس واقعہ کی تحقیق کی جائے اور گستاخ رسول کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) سنی اوقاف علیحدہ کیا جائے۔

یہ جنرل ضیاء الحق کی مارشل کا دور تھا۔ مگر اس کے باوجود لاہور اور ملک بھر میں یارسول اللہ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ مجلس عمل نے ۲۱؍ مئی کو شاہی مسجد لاہور اور نومبر ۱۹۸۵ء کو عرس داتا گنج بخش کے موقع پر یارسول اللہ کانفرنسیں منعقد کیں۔ جس کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔

نوائے وقت کے جناب محترم انور قدوائی کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں ۲۱؍ مئی کو علامہ

محمود احمد رضوی نے تمام سرکاری رکاوٹوں کو روند ڈالا اور نہ صرف جلوس نکالا بلکہ بادشاہی مسجد میں جلسہ بھی کیا۔ علامہ محمود احمد رضوی کی اپیل پر جس طرح لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ناموس رسول کے لیے جس جذبہ و جوش کا مظاہرہ کیا ہے' اس سے دو فائدہ ہوئے ہیں۔

ایک تو یہ کہ علامہ محمود احمد رضوی جو ایک عرصہ سے علیل تھے' پھر جوان ہو گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ملک کے اندر اور باہر وہ عناصر جو یہ سوچ کر خوش تھے کہ پاکستان میں ایمان کی طاقت کمزور ہو گئی ہے اور یہ کہ روسی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آئیں گے۔ ان کے خواب بکھر گئے ہیں اور یہ کہ اسلام کے ماننے والوں کا ایمان ابھی تک قائم ہے اور اس ملک میں کسی کو اسلام کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تدریس و تالیف

علامہ رضوی جہاں دقیق النظر محدث' نکتہ رس فقیہ اور مفتی صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ ان کی تقریر علم و فضل' سنجیدگی اور متانت کا بہترین مرقع ہوتی ہے۔

علامہ رضوی نے زمانے طالب علمی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور درس نظامی کی اکثر کتب پڑھاتے رہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے تصنیف و تالیف اور دارلعلوم حزب الاحناف کی تعمیر و انتظام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

علامہ رضوی کی تمام تصانیف' علم و تحقیق کا منہ بولتا ثبوت اور عوام و خواص کے لیے مفید ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے اہم تالیف بخاری شریف کی شرح فیوض الباری ہے جس کے اب تک دس پارے پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خصائص مصطفیٰ' جامع الصفات' روح ایمان' شان مصطفیٰ' مقام مصطفیٰ' معراج النبی' علم غیب رسول بصیرت' لمحات فکر' دین مصطفیٰ' شان صحابہ' چراغ ہدایت' مسائل نماز' روشنی' اسلامی تقریبات' جواہر پارے' فتاوی برکات العلوم' سیدی ابوالبرکات' بھی آپ کی مشہور مقبول تصانیف ہیں۔

علامہ سید محمود احمد رضوی کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادیاں اور سات صاحبزادے عطا فرمائے ہیں۔ صاحبزادوں میں سے سید مصطفیٰ اشرف رضوی بڑے ہونہار اور باصلاحیت نوجوان ہیں جن کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے قابل صد فخر آباؤ اجداد کے مسند نشین ہوں

گے۔

ستارہ امتیاز

حضرت علامہ رضوی نے غیر ممالک کے تبلیغی دورے بھی کئے ہیں۔ آپ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کی بنا پر حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز بھی دیا۔ آپ تقریباً سات سال ۱۹۸۴ء تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے بلامقابلہ چیئرمین بھی رہے اور ۱۹۸۱ء سے ۳۱ر اپریل ۱۹۸۴ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے ممالک اسلامیہ کا بھی دورہ کیا اور تین حج اور ایک عمرہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

فیوض الباری شرح صحیح بخاری

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ قلم و قرطاس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تحقیق کا مادہ ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی تمام تصانیف علم و تحقیق کا بہترین شاہکار اور افادیت عامہ کی حامل ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف، عوام و خواص میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تصانیف کے نام اس سے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس وقت ان کی اہم تصنیف فیوض الباری کا مختصر تعارف پیش کرنا مقصود ہے۔

فیوض الباری کا انداز بیان یہ ہے۔

۱۔ ہر حدیث کا بامحاورہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

۲۔ الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

۳۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

۴۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہی اختلافات کی تفصیل پھر روشن دلائل سے مذہب حنفی کی ترجیح اور تحقیق

۵۔ مسلک اہل سنت کو مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرق باطلہ اور منکرین حدیث کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے معقول اور مسکت جوابات دیئے ہیں۔

۶۔ امام بخاری اکثر و بیشتر احادیث کی پوری سند بیان کرتے ہیں۔ فیوض الباری میں اختصار کے پیش نظر سندوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۷۔ امام بخاری ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں بیان کر جاتے ہیں۔ فیوض الباری میں ابواب کے عنوانات تو باقی رکھے گئے ہیں، لیکن حدیث کو ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور اسی جگہ اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۸۔ حسب ضرورت راویوں کے مختصر احوال بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۹۔ ابتداء میں مفصل مقدمہ ہے جس میں حجیت حدیث، مقام رسول عہد نبوی، عہد صحابہ، عہد تابعین میں حدیث کی حفاظت و کتابت وغیرہ امور پر پرمغز علمی گفتگو کی گئی ہے۔ نیز امام بخاری کا تذکرہ مختصر مگر دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علم حدیث کی چند ضروری اصطلاحات بھی بیان کی گئی ہیں۔

فیوض الباری کو جلیل القدر محدثین نے داد و تحسین سے نوازا ہے۔ قومی اخبارات نے شاندار تبصرے کئے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں بخاری شریف کی ایک بلند پایہ شرح جن خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہے وہ تمام خوبیاں "فیوض الباری" میں پائی جاتی ہیں.... اکثر و بیشتر اردو تراجم میں جو کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں الحمد اللہ! فیوض الباری کا دامن ان سے پاک ہے۔ اس کا مطالعہ عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص اہل علم، طلباء اور مدرسین کے لیے بھی نہایت ہی مفید ہے۔

فاضل مولف نے یہ کتاب لکھ کر وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اور ان کی یہ گراں مایہ تالیف اہل سنت پر ایسا احسان عظیم ہے جس کو ہماری آئندہ نسلیں بھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مولف فیوض الباری، اپنی اس قابل قدر تالیف پر یقیناً شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مرحوم فرماتے ہیں اس کتاب نے لہذ اول تا آخر دریائے علم حدیث کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور حدیث پاک کی وہ خدمت کی ہے جس کے متعلق سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها و وعاها واداها فرب حامل فقه ليس بفقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه** (مشکواۃ ص ۲۵) اللہ تعالیٰ اس بندے کو حسن و رونق عطا فرمائے جس نے میری حدیث سنی اور اس کو یاد کیا اور اسے سمجھا اور ادا کیا، اس لیے کہ بہت سے علم اٹھانے والے عالم نہیں اور بہت سے علم کے حامل اسے سناتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہے۔

الغرض علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ نے فہم و افہام و تفہیم و اتقان و تلقین کا حق ادا کیا ہے اور حقائق و معارف حدیث کے دریا بہا دیئے ہیں اور مشککین کے شکوک و شبہات کو دفع کرکے حنفیہ و عقائد اہل سنت و جماعت کی خوب اور بہت خوب خدمت کی ہے۔ (عبدالمصطفیٰ ازہری' علامہ : تقریظ فیوض الباری ج ۵ ص ۲)

۲۷ر جولائی ۱۹۵۹ء کو روزنامہ نوائے وقت کے تبصرہ نگار نے پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

آج کے دور میں اکثر تصانیف' محض پرانے مصنفین کی محنتوں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ ہو گئی ہے کہ نئے مصنفین' اس محنت' کاوش' وسیع مطالعہ اور عمیق فکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں "فیوض الباری" ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے جس میں مصنف نے وسعت علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کی افادیت علماء اور عوام سب کے لیے یکساں ہوگئی ہے۔ (فیوض الباری : ج ۳ ص ۳)

روزنامہ جنگ' شمارا ۱۱ر ستمبر ۱۹۶۱ء میں تبصرہ نگار تیسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ترجمہ و تشریح علمی لحاظ سے بہت بلند اور زبان کے لحاظ سے نہایت سلجھا ہوا ہے' حضرت مولف کا انداز تحریر مدرسانہ' فقیہانہ اور ناصحانہ ہے' ان کی تحریر میں تعصب' عناد' اور کرختگی نہیں' بلکہ اکثر مقامات پر فروعی مسائل پر تشدد کرنے والوں کو خوف خدا یاد دلایا گیا ہے۔

ان آراء اور تبصروں کے بعد راقم کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ہاں یہ دعا ضرور ہے کہ مولائے کریم حضرت علامہ کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو علم دین میں کمال حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اپنے آباء کی مسند کو سنبھال سکیں۔

سند حدیث اور سلسلہ بیعت

حضرت علامہ رضوی کے جد امجد شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمہ سے بھی درس حدیث لیا۔ اس کے بعد قطب وقت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ سے دوبارہ حدیث کا

درس لیا اور آپ سے بیعت ہوئے۔ حضرت گنج مراد آبادی نے آپ کو اپنی خلافت سے بھی نوازا اور سلاسل اولیاء اللہ کے معمولات و وظائف کی اجازت عطا فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی کے والد محترم شیخ الحدیث علامہ ابو البرکات علیہ الرحمہ طریقت میں اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین شاہ صاحب سجادہ نشین کچھوچھہ شریف علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی اور علامہ رضوی کو بھی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت حاصل ہے۔

علامہ رضوی نجیب الطرفین سید ہیں اور سیدنا امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے علامہ رضوی اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں اور سلسلہ اشرفیہ میں مرید و خلیفہ ہیں۔ نیز آپ کو سلسلہ اشرفیہ کے موجودہ سجادہ نشین صدر شریعت حضرت ابوالمسعود شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف انڈیا نے بھی اپنی خلافت سے نوازا ہے۔

آخر میں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ سید محمود احمد رضوی کا سلسلہ حدیث ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک پہنچتا ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کو امام احمد رضا بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ (اور امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی قدس سرہ تک صرف چار واسطے ہیں۔ ۱۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب رضوی قادری اشرفی۔ ۲۔ امام المحدثین حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحب رضوی قادری فضل رحمانی۔ ۳۔ قطب وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی۔ ۴۔ سراج الہند شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دھلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

استاذ محتشم والد محترم امام العلماء صدر الفضلاء شیخ الحدیث والتفسیر مولانا الحاج علامہ ابوالبرکات سیّد احمد شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ ناظم دار العلوم حزب الاحناف کی خدمت اقدس میں جن کی مقدس تربیت سے راقم الحروف اس کار خیر کے لائق ہوا۔

محمود رضوی

مؤلف فیوض الباری
سند حدیث

الحضرۃ الامام الشاہ عبد العزیز المحدّث الدہلوی قدس سرہ العزیز

امام المحدثین الحضرۃ الامام الشاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہ العزیز

امام اہلسنت شیخ المحدثین حضرت علامہ الحاج ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ الوری محدث قدس سرہ العزیز

الحضرۃ الامام استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قدس سرہ العزیز

سید محمود احمد رضوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے جو بہت مہربان رحم والا ہے

اَلْجُزْءُ الْحَادِیْ عَشَرَ

گیارھواں پارہ

بَابُ الشُّرُوْطِ مَعَ النَّاسِ بِالْقَوْلِ

باب لوگوں سے زبانی شرطیں لگانا

٢٥٤٤ - حَدَّثَنِیْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُوْسٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا کَانَتِ الْاُوْلٰی نِسْیَانًا وَّالْوُسْطٰی شَرْطًا وَّالثَّالِثَۃُ عَمْدًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْھِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا لَقِیَا غُلَامًا فَقَتَلَہٗ فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا فِیْھَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَہٗ قَرَاَ ھَا ابْنُ عَبَّاسٍ اَمَامَھُمْ مَّلِکٌ (بخاری)

حضرت ابن ابی کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ رسول اللہ کا ذکر کیا کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا میں آپ کو پہلے ہی نہیں بتا چکا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ (موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے) پہلا سوال، تو بھول کر ہوا تھا، دوسرا شرط کے طور پر اور تیسرا قصداً۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "میں جس چیز کو بھول گیا۔ آپ اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور نہ مجھ پر تنگی کیجئے۔ دونوں ایک لڑکے سے ملے جسے خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا۔ پھر وہ آگے بڑھے تو انہیں ایک دیوار ملی جو گرنے ہی والی تھی۔ لیکن اسے انھوں نے درست کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (وراءھم ملک کے بجائے) اماھم ملک پڑھا ہے۔

فوائد ومسائل ١۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید کی سورہ میں تفصیل سے آیا ہے (٢) والوسطٰی شرطا کے الفاظ عنوان کے مناسب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا " اگر اس کے بعد میں آپ سے سوال کروں تو آپ میرے ساتھ نہ رہیں " منصود یہ بتانا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف زبانی شرط لگائی تھی اور نہ اس معاملہ کے گواہ کیے تھے۔ اور نہ اس کو لکھا تھا۔ معلوم ہوا۔ زبانی شرط لگانا جائز ہے اور اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

بَابُ الشُّرُوْطِ فِی الْوَلَاءِ

باب ولا کی شرطیں

٢٥٤٥ - امام بخاری نے یہاں بھی حدیث صدیقہ ذکر کی ہے۔ یہ چودھواں مقام ہے جہاں امام بخاری نے اس حدیث

کو ذکر کیا ہے۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے مالکوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ حضرت بریرہ کو عائشہ خرید لیں اور آزاد کر دیں۔ اور بریرہ کی ولا ہمارے لیے ہوگی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ولا کا حقدار تو وہی ہے جو غلام آزاد کرے۔

ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ قَضَاءُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ وَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔ (بخاری)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں جلوہ فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں (معاملات میں) لگاتے ہیں جن کی کوئی اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ ایسی کوئی بھی شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو، باطل ہے، خواہ سو شرطیں کیوں نہ لگائی جائیں۔ اللہ کا فیصلہ ہی حق ہے اور اللہ کی شرطیں ہی قابلِ وثوق ہیں اور ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ بیع و شراء اور دیگر معاملات میں ایسی شرطیں لگانا جائز نہیں ہے جس کی اسلامی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے ——— یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لیت فی کتاب اللہ، قضاء اللہ وشرط اللہ کے جملے ارشاد فرمائے جن کے معنیٰ یہ ہیں۔ وہ شرط اللہ کی کتاب کے خلاف ہو، اللہ کا فیصلہ ہی حق ہے، اللہ کی شرطیں قابلِ وثوق ہیں ـ کہنا یہ ہے کہ قرآنِ مجید کتابِ الٰہی ہے۔ مگر قرآنِ مجید میں یہ کہیں نہیں ہے کہ غلام آزاد کرے تو اس کی ولا آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ یہ حکم تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ——— اور حضور علیہ السلام اپنے ارشاد کو کتابِ الٰہی قرآن کا حکم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اللہ تعالیٰ کی شرط قرار دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلامی کے ہر حکم کا صراحۃً قرآنِ مجید میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ کہ رسولِ کریم کا حکم بھی اللہ ہی کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہے۔

ایمان ہے قالِ مصطفائی   قرآن ہے حالِ مصطفائی

بَابُ اِذَا اشْتَرَطَ فِي الْمُزَارَعَةِ اِذَا شِئْتُ اَخْرَجْتُكَ

باب مزارعت میں کسی نے یہ شرط لگائی کہ جب میں چاہوں گا تمہیں بیدخل کر سکوں گا

۲۵۴۶۔ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا فَدَعَ اَهْلُ خَيْبَرَ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ قَامَ عُمَرُ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامَلَ يَهُوْدَ خَيْبَرَ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نُقِرُّكُمْ مَا اَقَرَّكُمُ اللّٰهُ وَاِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ خَرَجَ اِلٰى مَالِهٖ هُنَاكَ

حضرت نافع نے اور ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب ان کے (ہاتھ پاؤں) خیبر والوں نے توڑ ڈالے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے یہودیوں سے ان کی جائداد کے سلسلے میں معاملہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ جب تک اللہ

فَعُدِیَ عَلَیْہِ مِنَ اللَّیْلِ فَفُدِعَتْ یَدَاہُ وَرِجْلَاہُ وَلَیْسَ لَنَا ھُنَاکَ عَدُوٌّ غَیْرُھُمْ ھُمْ عَدُوُّنَا وَتُھْمَتُنَا وَقَدْ رَاَیْتُ اِجْلَاءَ ھُمْ فَلَمَّا اَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰی ذٰلِکَ اَتَاہُ اَحَدُ بَنِیْ اَبِی الْحُقَیْقِ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُخْرِجُنَا وَقَدْ اَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَامَلَنَا عَلَی الْاَمْوَالِ وَشَرَطَ ذٰلِکَ لَنَا فَقَالَ عُمَرُ اَظَنَنْتَ اَنِّیْ نَسِیْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ بِکَ اِذَا اُخْرِجْتَ مِنْ خَیْبَرَ تَعْدُوْ بِکَ قَلُوْصُکَ لَیْلَۃً بَعْدَ لَیْلَۃٍ فَقَالَ کَانَتْ ھٰذِہٖ ھُزَیْلَۃً مِنْ اَبِی الْقَاسِمِ قَالَ کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ فَاَجْلَاھُمْ عُمَرُ وَاَعْطَاھُمْ قِیْمَۃَ مَا کَانَ لَھُمْ مِنَ الثَّمَرِ مَالًا وَّاِبِلًا وَّعُرُوْضًا مِنْ اَقْتَابٍ وَّحِبَالٍ وَّغَیْرِ ذٰلِکَ (بخاری)

تعالیٰ نہیں قائم رکھے، ہم بھی قائم رکھیں گے اور عبداللہ بن عمر وہاں اپنے اموال کے سلسلے میں گئے تو رات میں ان ان کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ جس سے ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ خیبر میں ان کے سوا کوئی ہمارا دشمن نہیں، وہی ہمارے دشمن ہیں اور انہی پر ہمیں شبہ ہے۔ اس لیے میں انہیں شہر بدر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا تو بنو ابی حقیق (ایک یہودی خاندان) کا ایک شخص آیا اور کہا کہ یا امیرالمومنین، کیا آپ ہمیں شہر بدر کر دیں گے حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں باقی رکھا تھا اور ہم سے معاملہ بھی کیا تھا (ہمیں خیبر میں رہنے دینے کی) شرط بھی آپ نے لگائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھول گیا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم خیبر سے نکالے جاؤ گے اور تمہارے اونٹ تمہیں راتوں رات لیے پھریں گے۔ اس نے کہا یہ تو ابوالقاسم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک مذاق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ خدا کے دشمن! تم نے جھوٹی بات کہی۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں شہر بدر کر دیا اور ان کے باغ کے پھلوں کی قیمت، مال، اونٹ اور دوسرے سامان یعنی کجاوے اور رسیوں کی صورت میں ادا کر دی۔

فوائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث مزارعت کے باب میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے پارہ نہم حدیث نمبر ۲۱۶۸ وہاں اس حدیث پر گفتگو ہو چکی ہے۔ نیز مزارعت کے باب میں بٹائی پر زمین دینے کے مسائل بیان ہو چکے ہیں ۲۔ فدع کے معنیٰ ہڈیوں کو جوڑوں سے توڑنے کے ہیں ۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں خیبر گئے تھے وہاں یہود نے دھوکہ سے موقع پاکر آپ کو بالاخانے سے نیچے گرا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں ۴۔ قصاص، مجرم یا مجرموں سے اس لیے نہیں لیا گیا کیونکہ وہ متعین نہ تھے مشتبہ تھے۔ حضرت ابن عمران کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تھا اور قاتلوں کا پتہ نہ چلا تو حضور نے

دیت بیت المال سے بھی دی جاسکتی ہے

اپنی طرف سے حضرت عبداللہ کی دیت دی تھی۔ آج کل عاقلہ کی دیت کے مسئلہ پر بہت زور بیان صرف ہو رہا ہے لیکن اس حدیث

سے واضح ہوتا ہے کہ عاقلہ دیت کے متحمل نہ ہوسکیں تو اسلامی حکومت کے بیت المال سے دیت ادا کردی جائے گی۔ ۳۔ جب خیبر فتح ہوا تو حضور نبی کریم علیہ السلام نے خیبر کی زمین کے متعلق یہود سے مزارعت کا معاملہ فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا۔ لا یبقین دینانان با ارض العرب عرب کی سرزمین پر دو دین اکٹھے نہیں رہ سکتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ خیبر کی زمین میں ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر کرایہ پر دی تھی کہ جو کچھ پیدا ہوگا نصف ان کا اور نصف ہمارا ہوگا اور حضور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں یہاں رکھیں گے۔ حضور نے یہود سے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ جب تک اللہ چاہے گا یہ معاملہ رہے گا۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف ان کی دشمنی اور معاندانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اسلامی دار الحکومت سے نکال دیا اور چونکہ نبی علیہ السلام نے ان سے معاہدہ فرمایا تھا اس لیے حضرت عمر نے ان کو بے دخل کرکے پھلوں اور مال مویشی وسامانِ زراعت کی قیمت دیدی تھی اور معاہدہ فسخ کردیا تھا ۴۔ اتاہ احد ابی الحقیق یعنی یہودی خاندان کے ایک شخص نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے تو ہمیں خیبر میں باقی رکھا تھا۔ یہ وہی شخص تھا کہ جب خیبر فتح ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا۔ تم خیبر سے نکال دیئے جاؤ گے اور پھر کہیں دور دراز مقام پر تمہیں جانا پڑے گا۔ جہاں کئی دن میں اونٹوں کے ذریعے تم پہنچو گے ۵۔ نبی علیہ السلام نے اپنی حیاتِ ظاہری میں یہود کے متعلق جو پیشگوئی فرمائی وہ حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں ظہور پذیر ہوئی۔ ۶۔ مزارعت کے احکام ومسائل اور اس سلسلہ کی احادیث کی تفہیم وترجمانی فیوض پارہ نہم کتاب المزارعت میں ہوچکی ہے۔

بَابُ الشُّرُوْطِ فِی الْجِهَادِ وَالْمُصَالَحَةِ

باب جہاد میں کفار سے مصالحت کرنے

مَعَ اَهْلِ الْحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوْطِ

اور شرائط کی دستاویز لکھنے کے متعلق

۲۵۴۷ - عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيْثَ صَاحِبِهٖ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ حَتّٰى كَانُوْا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ بِالْغَمِيْمِ فِىْ خَيْلٍ لِّقُرَيْشٍ طَلِيْعَةً فَخُذُوْا ذَاتَ الْيَمِيْنِ فَوَاللّٰهِ مَا شَعَرَ بِهِمْ خَالِدٌ حَتّٰى اِذَا هُمْ بِقَتَرَةِ الْجَيْشِ فَانْطَلَقَ يَرْكُضُ نَذِيْرًا لِّقُرَيْشٍ وَسَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كَانَ

مسور بن مخرمہ اور مروان نے بیان کیا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کے روایت کی تصدیق کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف جارہے تھے۔ ابھی آپ راستے ہی میں تھے کہ فرمایا، خالد بن ولید قریش کے چند سواروں کے ساتھ ہماری نقل وحرکت کا اندازہ لگانے کے لیے مقام غمیم میں ٹھہرے ہوتے ہیں، اس لیے تم ذات الیمین کی طرف سے جاؤ۔ پس خدا گواہ ہے خالد کو حضور کے متعلق کچھ علم نہ ہوسکا اور جب انھوں نے حضور کے لشکر کا غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو قریش کو جلد خبر دینے گئے ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اور جب آپ ثنیۃ المرار پر پہنچے، جس سے مکہ میں اترتے ہیں وہاں آپ کی سواری

بِالثَّنِيَّةِ الَّتِيْ يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ فَقَالَ النَّاسُ حَلْ حَلْ فَأَلَحَّتْ فَقَالُوْا خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَسْأَلُوْنِيْ خُطَّةً يُّعَظِّمُوْنَ فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا ثُمَّ زَجَرَهَا فَوَثَبَتْ قَالَ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَمَدٍ قَلِيْلِ الْمَآءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلَبِّثْهُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوْهُ وَشُكِيَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِهٖ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ جَآءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَآءَ الْخُزَاعِيُّ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِهٖ مِنْ خُزَاعَةَ وَكَانَ عَيْبَةَ نُصْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ تِهَامَةَ فَقَالَ إِنِّيْ تَرَكْتُ كَعْبَ بْنَ لُؤَيٍّ وَّعَامِرَ بْنَ لُؤَيٍّ نَزَلُوْا أَعْدَادَ مِيَاهِ الْحُدَيْبِيَةِ وَمَعَهُمُ الْعُوْذُ الْمَطَافِيْلُ وَهُمْ مُقَاتِلُوْكَ وَصَادُّوْكَ عَنِ الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا تُهَيِّأُ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِيْنَ وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ وَأَضَرَّتْ بِهِمْ وَإِنْ شَآءُوْا مَادَدْتُهُمْ مُدَّةً وَّيُخَلُّوْا بَيْنِيْ وَبَيْنَ النَّاسِ فَإِنْ أَظْهَرْ فَإِنْ شَآءُوْا

بیٹھ گئی۔ صحابہ کہنے لگے حَل حَل (اونٹنی کو اٹھانے کے لیے) لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ اُٹھی۔ صحابہ نے کہا قصوار بیٹھ گئی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قصوار بیٹھی نہیں اور نہ یہ اس کی عادت ہے۔ اسے تو اس ذات نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں (کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے) روکا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قریش جو بھی ایسا مطالبہ رکھیں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تنظیم ہوگی۔ میں ان کا مطالبہ منظور کرلوں گا۔ آخر آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اُٹھ گئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے آگے نکل گئے اور حدیبیہ کے آخری کنارے، ثمد (ایک چشمہ) پر جہاں پانی کم تھا۔ آپ نے قیام کیا۔ لوگ تھوڑا تھوڑا پانی استعمال کرنے لگے اور پھر پانی ختم ہوگیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا کہ اسے پانی میں ڈال دیں۔ بخدا، پانی انھیں سیراب کرنے کے لیے اُبلنے لگا اور وہ لوگ پوری طرح سیراب ہوئے۔ لوگ اسی حال میں تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی (رضی اللہ عنہ) اپنی قوم خزاعہ کے چند افراد کو لے کر حاضر ہوئے۔ یہ لوگ تہامہ کے رہنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص رازدان تھے۔ انھوں نے اطلاع دی کہ میں کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو پیچھے چھوڑے آ رہا ہوں۔ انھوں نے حدیبیہ کے پانی کے ذخیروں پر اپنا پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ ان کے ساتھ بکثرت دودھ دینے والی اونٹنیاں اپنے نومولود بچوں کے ساتھ ہیں۔ وہ لوگ آپ سے لڑیں گے اور بیت اللہ پہنچنے میں مزاحم ہوں گے لیکن حضور اکرم نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے

أَنْ يَدْخُلُوا فِيمَا دَخَلَ فِيهِ النَّاسُ
فَعَلُوا وَإِلَّا فَقَدْ جَمُّوا وَإِنْ هُمْ أَبَوْا
فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلَى أَمْرِي
هَذَا حَتَّى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِي وَلَيُنْفِذَنَّ اللَّهُ
أَمْرَهُ فَقَالَ بُدَيْلٌ سَأُبَلِّغُهُمْ مَا تَقُولُ
فَانْطَلَقَ حَتَّى أَتَى قُرَيْشًا قَالَ إِنَّا قَدْ
جِئْنَاكُمْ مِنْ هَذَا الرَّجُلِ وَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ
قَوْلًا فَإِنْ شِئْتُمْ أَنْ نَعْرِضَهُ عَلَيْكُمْ فَعَلْنَا
فَقَالَ سُفَهَاؤُهُمْ لَا حَاجَةَ لَنَا أَنْ تُخْبِرَنَا
عَنْهُ بِشَيْءٍ وَقَالَ ذُو الرَّأْيِ مِنْهُمْ هَاتِ مَا
سَمِعْتَهُ يَقُولُ قَالَ سَمِعْتُهُ كَذَا وَكَذَا
فَحَدَّثَهُمْ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَامَ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ أَيْ قَوْمِ أَلَسْتُمْ
بِالْوَلَدِ قَالُوا بَلَى قَالَ أَوَلَسْتُ بِالْوَالِدِ
قَالُوا بَلَى قَالَ فَهَلْ تَتَّهِمُونِي قَالُوا لَا قَالَ
أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي اسْتَنْفَرْتُ أَهْلَ عُكَاظَ
فَلَمَّا بَلَّحُوا عَلَيَّ جِئْتُكُمْ بِأَهْلِي وَوَلَدِي
وَمَنْ أَطَاعَنِي قَالُوا بَلَى قَالَ إِنَّ هَذَا قَدْ
عَرَضَ لَكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ اقْبَلُوهَا وَدَعُونِي
آتِيهِ قَالُوا ائْتِهِ فَأَتَاهُ فَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِنْ قَوْلِهِ لِبُدَيْلٍ فَقَالَ عُرْوَةُ
عِنْدَ ذَلِكَ أَيْ مُحَمَّدُ أَرَأَيْتَ إِنِ اسْتَأْصَلْتَ
أَمْرَ قَوْمِكَ هَلْ سَمِعْتَ بِأَحَدٍ مِنَ الْعَرَبِ
اجْتَاحَ أَهْلَهُ قَبْلَكَ وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرَى فَإِنِّي
وَاللَّهِ لَأَرَى وُجُوهًا وَإِنِّي لَأَرَى أَشْوَابًا مِنَ
النَّاسِ خَلِيقًا أَنْ يَفِرُّوا وَيَدَعُوكَ فَقَالَ لَهُ

صرف عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ
مسلسل لڑائی نے قریش کو بھی کمزور کر دیا ہے اور انھیں
بڑا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اب اگر وہ چاہیں تو میں ایک
مدت تک ان سے معاہدہ کر لوں گا۔ اس عرصہ میں وہ
میرے اور عوام کے درمیان نہ پڑیں۔ پھر اگر میں کامیاب ہو
جاؤں اور وہ چاہیں تو اس (دین) میں وہ بھی داخل ہو سکتے
ہیں جس میں اور تمام لوگ داخل ہو چکے ہوں گے، لیکن اگر
مجھے کامیابی نہیں ہوئی تو انھیں بھی آرام مل جائیگا اور
اگر انہیں میری اس پیشکش سے انکار ہے تو اس ذات
کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ جبتک
میرا سر تن سے جدا نہیں ہو جاتا میں اس دین کے لیے
برابر لڑتا رہوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے نافذ فرما دے گا
بدیل نے کہا کہ قریش تک آپ کی گفتگو پہنچاؤں گا چنانچہ
وہ روانہ ہوئے اور قریش کے یہاں پہنچے اور کہا کہ ہم
تمہارے پاس اس شخص (نبی علیہ السلام) کے یہاں
سے آرہے ہیں اور ہم نے ان کو ایک بات کہتے سُنا
ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم تمہارے سامنے اسے بیان کر سکتے
ہیں۔ قریش کے بے وقوفوں نے کہا ہمیں اس کی ضرورت
نہیں کہ تم ہمیں اس شخص کی کوئی بات ہمیں سناؤ لیکن
جو لوگ صاحب رائے تھے انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے
جو کچھ تم نے سُنا ہے ہم سے بیان کرو انھوں نے کہا کہ
میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یہ کہتے سُنا ہے اور
پھر جو کچھ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا
سب بیان کر دیا۔ اس پر عروہ بن مسعود کھڑے ہوئے اور کہا،
اے قوم کے لوگو! کیا تم میری اولاد کے درجے میں نہیں ہو؟
سب نے کہا کیوں نہیں! عروہ نے پھر کہا، میں تمہارے
باپ کے درجے میں نہیں ہوں؟ کیا تم لوگ مجھ پر کسی قسم کی

اَبُوْبَکْرٍ اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ اَنَحْنُ نَفِرُّ
عَنْهُ وَنَدَعُهُ فَقَالَ مَنْ ذَا قَالُوْا اَبُوْبَکْرٍ
قَالَ اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَا یَدٌ
کَانَتْ لَکَ عِنْدِیْ لَمْ اَجْزِکَ بِهَا
لَاَجَبْتُکَ قَالَ وَجَعَلَ یُکَلِّمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکُلَّمَا تَکَلَّمَ اَخَذَ بِلِحْیَتِهٖ
وَالْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَائِمٌ عَلٰی رَاْسِ
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ السَّیْفُ
وَعَلَیْهِ الْمِغْفَرُ فَکُلَّمَا اَهْوٰی عُرْوَةُ بِیَدِهٖ اِلٰی
لحیته النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ
یَدَهٗ بِنَعْلِ السَّیْفِ وَقَالَ لَهٗ اَخِّرْ یَدَکَ عَنْ
لِحْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ
عُرْوَةُ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ الْمُغِیْرَةُ
بْنُ شُعْبَةَ فَقَالَ اَیْ غُدَرُ اَلَسْتُ اَسْعٰی فِیْ
غَدْرَتِکَ وَکَانَ الْمُغِیْرَةُ صَحِبَ قَوْمًا
فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَتَلَهُمْ وَاَخَذَ اَمْوَالَهُمْ
ثُمَّ جَآءَ فَاَسْلَمَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ بِعَیْنَیْهِ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ
کَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَکَ بِهَا وَجْهَهٗ وَجِلْدَهٗ
وَاِذَا اَمَرَهُمْ ابْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ
کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَکَلَّمَ
خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْهِ
النَّظَرَ تَعْظِیْمًا لَّهٗ فَرَجَعَ عُرْوَةُ اِلٰی اَصْحَابِهٖ
فَقَالَ اَیْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلٰی قَیْصَرَ
وَکِسْرٰی وَالنَّجَاشِیِّ وَاللّٰهِ اِنْ رَاَیْتُ مَلِکًا
قَطُّ یُعَظِّمُهٗ اَصْحَابُهٗ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ

تہمت لگا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ عروہ نے پوچھا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے عکاظ والوں کو تمہاری طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑنے کے لیے) بُلایا تھا اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں نے اپنے گھرانے، اولاد اور ان تمام لوگوں کو تمہارے سامنے لا کھڑا کیا تھا جنھوں نے میرا کہا مانا تھا؟ قریش نے کہا کیوں نہیں۔ اس کے بعد عروہ نے کہا۔ اب اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے سامنے ایک اچھی اور مناسب تجویز رکھی ہے اسے تم قبول کر لو اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔ سب نے کہا آپ ضرور جائیے۔ چنانچہ عروہ بن مسعود حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے گفتگو شروع کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی باتیں کہیں جو آپ بدیل سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے اس وقت کہا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں بتاؤ، اگر تم نے اپنی قوم کو نیست و نابود کر دیا تو کیا اپنے سے پہلے کسی بھی عرب کے متعلق تم نے سُنا ہے کہ اس نے اپنے گھرانے کا نام و نشان مٹا دیا ہو۔ لیکن اگر دوسری بات وقوع پذیر ہوئی (یعنی آپ کی دعوت کو تمام عرب نے قبول کر لیا تو اس میں بھی آپ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ) بخدا، میں (آپ کے ساتھ کچھ تو اشراف کو دیکھتا ہوں اور کچھ ادھر ادھر کے لوگ ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ سب بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے عروہ کو گالی دی امصص بظر اللات (لات بت کی شرمگاہ چوس) کیا ہم نبی علیہ السلام کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔ عروہ نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ صحابہ نے بتایا یہ ابوبکر ہیں۔ عروہ نے کہا مجھے

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدًا وَاللهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ وَإِنَّهُ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي كِنَانَةَ دَعُونِي آتِيهِ فَقَالُوا ائْتِهِ فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا فُلَانٌ وَهُوَ مِنْ قَوْمٍ يُعَظِّمُونَ الْبُدْنَ فَابْعَثُوهَا لَهُ فَبُعِثَتْ لَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ النَّاسُ يُلَبُّونَ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا يَنْبَغِي لِهَؤُلَاءِ

أَنْ يُصَدُّوا عَنِ الْبَيْتِ فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ قَالَ رَأَيْتُ الْبُدْنَ قَدْ قُلِّدَتْ وَأُشْعِرَتْ فَمَا أَرَى أَنْ يُصَدُّوا عَنِ الْبَيْتِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ مِكْرَزُ بْنُ حَفْصٍ فَقَالَ دَعُونِي آتِيهِ فَقَالُوا ائْتِهِ فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مِكْرَزٌ وَهُوَ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا هُوَ يُكَلِّمُهُ إِذْ جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ مَعْمَرٌ فَأَخْبَرَنِي أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّهُ لَمَّا جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَهُلَ لَكُمْ قَالَ مَعْمَرٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ فَجَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ هَاتِ اكْتُبْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابًا فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَاتِبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں اب تک بدلہ نہیں چکا سکا تو تمہیں ضرور جواب دیتا۔ عروہ نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا اور دوران گفتگو وہ اپنا ہاتھ حضور کی ریش مبارک پر رکھتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر مارتے اور ان سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹاؤ۔ عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے انہیں مخاطب کرکے کہا، اے غدار! کیا اب تک تیرے کرتوت میں بھگت نہیں رہا؟۔ اصل میں مغیرہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے) جاہلیت میں ایک قوم کے ساتھ رہے تھے، پھر ان سب کو قتل کرکے ان کا مال لے لیا تھا۔ اس کے بعد (مدینہ) آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے (تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا مال بھی رکھ دیا کہ جو چاہیں اس کے متعلق حکم فرمائیں) لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام تو میں قبول کرتا ہوں، رہا یہ مال تو میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ عروہ کن انکھیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (کی نقل وحرکت) دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے بیان کیا کہ بخدا! اگر کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغم بھی تھوکا تو ان کے اصحاب نے اپنے ہاتھوں پر اسے لے لیا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیا۔ کسی کام کا آپ نے حکم دیا تو اس کی بجا آوری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، آپ وضو کرنے لگتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کے وضو کے پانی پر لڑائی ہو جائے گی (یعنی ہر شخص اس پانی کو لینے کی کوشش کرتا تھا) جب آپ گفتگو

قَالَ سُهَيْلٌ اَمَّا الرَّحْمٰنُ فَوَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ مَا هُوَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ كَمَا كُنْتَ تَكْتُبُ فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ وَاللّٰهِ لَا نَكْتُبُهَا اِلَّا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ثُمَّ قَالَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَذٰلِكَ لِقَوْلِهٖ لَا يَسْاَلُوْنِيْ خُطَّةً يُعَظِّمُوْنَ فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ اِلَّا اَعْطَيْتُهُمْ اِيَّاهَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْ تُخَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوْفَ بِهٖ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَا تَتَحَدَّثُ الْعَرَبُ اَنَّا اُخِذْنَا ضُغْطَةً وَلٰكِنْ ذٰلِكَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَكَتَبَ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَعَلٰى اَنَّهٗ لَا يَاْتِيْكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَّهٗ اِلَيْنَا قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ كَيْفَ يُرَدُّ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ جَاءَ مُسْلِمًا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ دَخَلَ اَبُوْ جَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو يَرْسُفُ فِيْ قُيُوْدِهٖ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ اَسْفَلِ مَكَّةَ حَتّٰى رَمٰى بِنَفْسِهٖ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ سُهَيْلٌ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ اَوَّلُ مَا اُقَاضِيْكَ عَلَيْهِ اَنْ تَرُدَّهٗ اِلَيَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَمْ

کرنے لگتے تو سب پر خاموشی چھا جاتی، آپ کی تعظیم کا یہ حال تھا کہ آپ کے صحابہ نظر بھر کر آپ کو دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ عروہ جب واپس مکہ پہنچے اور اپنے ساتھیوں سے ملے تو ان سے کہا، اے لوگو! بخدا، میں بادشاہوں کے دربار میں بھی وفد لے کر گیا ہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی، سب کے دربار میں۔ لیکن خدا کی قسم، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے مصاحب اس کی اس درجہ تعظیم کرتے ہوں، جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کی کرتے تھے۔ بخدا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغم بھی تھوک دیا تو ان کے اصحاب نے اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور اسے اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیا۔ آپ نے انہیں کوئی حکم دیا تو ہر شخص نے اسے بجا لانے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کی۔ آپ نے اگر وضو کی تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کی وضو پر لڑائی ہو جائے گی۔ آپ نے جب گفتگو شروع کی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ان کے دلوں میں آپ کی تعظیم کا یہ عالم ہے کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتے۔ انھوں نے تمہارے سامنے ایک مناسب صورت رکھی ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اسے قبول کر لو۔ اس پر بنو کنانہ کا ایک شخص بولا کہ اچھا، مجھے بھی ان کے یہاں جانے دو۔ لوگوں نے کہا۔ تم بھی جا سکتے ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو حضور اکرم نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے۔ ایک ایسی قوم کا فرد جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس لیے قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دو (تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا مقصد عمرہ کے سوا کچھ اور نہیں ہے) صحابہ نے قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دیئے اور تلبیہ کہتے ہوئے اس کا

نَقَضِ الْكِتَابَ بَعْدُ قَالَ فَوَاللّٰهِ اِذًا لَّمْ
اُصَالِحْكَ عَلٰى شَيْءٍ اَبَدًا قَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجِزْهُ لِيْ قَالَ مَآ
اَنَا بِمُجِيْزِهٖ لَكَ قَالَ بَلٰى فَافْعَلْ قَالَ مَآ
اَنَا بِفَاعِلٍ قَالَ مِكْرَزٌ بَلْ قَدْ اَجَزْنَاهُ
لَكَ قَالَ اَبُوْجَنْدَلٍ اَىْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ
اُرَدُّ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ جِئْتُ مُسْلِمًا اَلَا
تَرَوْنَ مَا قَدْ لَقِيْتُ وَكَانَ قَدْ عُذِّبَ عَذَابًا
شَدِيْدًا فِى اللّٰهِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ
فَاَتَيْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ
اَلَسْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ حَقًّا قَالَ بَلٰى قُلْتُ اَلَسْنَا
عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ بَلٰى
قُلْتُ فَلِمَ نُعْطِى الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَآ اِذًا قَالَ
اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَسْتُ اَعْصِيْهِ وَهُوَ
نَاصِرِيْ قُلْتُ اَوَلَيْسَ كُنْتَ تُحَدِّثُنَآ اَنَّا
سَنَاْتِي الْبَيْتَ فَنَطُوْفُ بِهٖ قَالَ بَلٰى فَاَخْبَرْتُكَ
اَنَّا نَاْتِيْهِ الْعَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّكَ
اٰتِيْهِ وَمُطَوِّفٌ بِهٖ قَالَ فَاَتَيْتُ اَبَابَكْرٍ
فَقُلْتُ يَا اَبَابَكْرٍ اَلَيْسَ هٰذَا نَبِيَّ اللّٰهِ حَقًّا
قَالَ بَلٰى قُلْتُ اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا
عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ فَلِمَ نُعْطِى الدَّنِيَّةَ
فِيْ دِيْنِنَآ اِذًا قَالَ اَيُّهَا الرَّجُلُ اِنَّهٗ لَرَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يَعْصِيْ رَبَّهٗ
وَهُوَ نَاصِرُهٗ فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهٖ فَوَاللّٰهِ اِنَّهٗ
عَلَى الْحَقِّ قُلْتُ اَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا اَنَّا سَنَاْتِي
الْبَيْتَ وَنَطُوْفُ بِهٖ قَالَ بَلٰى اَفَاَخْبَرَكَ اَنَّكَ
تَاْتِيْهِ الْعَامَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّكَ اٰتِيْهِ وَمُطَوِّفٌ

استقبال کیا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا، سبحان اللہ! قطعاً مناسب نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کو بیت اللہ سے روکا جائے۔ اس کے بعد قریش میں سے ایک دوسرا شخص مکرز بن حفص نامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ مجھے بھی ان کے یہاں جانے دو۔ سب نے کہا کہ تم بھی جا سکتے ہو۔ جب وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مکرز ہے۔ ایک بدترین شخص! پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔ ابھی وہ گفتگو کر ہی رہا تھا کہ سہیل بن عمرو آ گیا۔ معمر نے (سابقہ سند کے ساتھ) بیان کیا کہ مجھے ایوب نے خبر دی اور انہیں عکرمہ نے کہ سہیل بن عمرو آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ آسان (سہل) ہو گیا۔ معمر نے بیان کیا کہ زہری نے اپنی حدیث میں اس طرح بیان کیا تھا کہ جب سہیل بن عمرو آیا تو کہنے لگا (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہ ہمارے اور اپنے درمیان (صلح کی) ایک تحریر لکھ لو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلوایا اور فرمایا کہ کہ لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل کہنے لگا، رحمن کو بخدا میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز ہے البتہ تم یوں لکھ سکتے ہو۔ باسمک اللھم جیسے پہلے لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا کہ بخدا، ہمیں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سوا اور کوئی دوسرا جملہ نہ لکھنا چاہئے۔ لیکن آنحضور نے فرمایا کہ باسمک اللھم ہی لکھنے دو۔ پھر آپ نے لکھوایا۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلحنامہ کی دستاویز ہے۔ سہیل نے کہا اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ رسول اللہ ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے۔ آپ تو صرف اتنا لکھئے کہ محمد بن عبداللہ

بِهٖ قَالَ زُهْرِيُّ قَالَ عُمَرُ فَعَمِلْتُ لِذٰلِكَ
اَعْمَالاً قَالَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ
قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا
قَامَ مِنْهُمْ رَجُلٌ حَتّٰى قَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ
فَلَمَّا لَمْ يَقُمْ مِنْهُمْ اَحَدٌ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ
فَذَكَرَ لَهَا مَا لَقِيَ مِنَ النَّاسِ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ
يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَتُحِبُّ ذٰلِكَ اُخْرُجْ ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ اَحَدًا
مِنْهُمْ كَلِمَةً حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَكَ وَتَدْعُوْا
حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ اَحَدًا
مِنْهُمْ حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ نَحَرَ بُدْنَهٗ وَدَعَا
حَالِقَهٗ فَحَلَقَهٗ فَلَمَّا رَاَوْا ذٰلِكَ قَامُوْا فَنَحَرُوْا
وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًا حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ
يَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا ثُمَّ جَآءَهٗ نِسْوَةٌ مُؤْمِنَاتٌ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَ
كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ حَتّٰى
بَلَغَ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ فَطَلَّقَ عُمَرُ يَوْمَئِذٍ امْرَاَتَيْنِ
كَانَتَا لَهٗ فِي الشِّرْكِ فَتَزَوَّجَ اِحْدٰهُمَا مُعٰوِيَةُ
بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَالْاُخْرٰى صَفْوَانُ ابْنُ اُمَيَّةَ
ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى
الْمَدِيْنَةِ فَجَآءَهٗ اَبُوْ بَصِيْرٍ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ
وَهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ طَلَبِهٖ رَجُلَيْنِ فَقَالُوْا
الْعَهْدَ الَّذِيْ جَعَلْتَ لَنَا فَدَفَعَهٗ اِلَى
الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَا بِهٖ حَتّٰى بَلَغَا ذَا الْحُلَيْفَةِ
فَنَزَلُوْا يَاْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَّهُمْ فَقَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ
لِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا
يَا فُلَانُ جَيِّدًا فَاسْتَلَّهُ الْاٰخَرُ فَقَالَ اَجَلْ

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - اللہ گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں، خواہ تم میری تکذیب ہی کرتے رہو۔ لکھو "محمد بن عبداللہ" زہری نے بیان کہ یہ سب کچھ آپ کے اس ارشاد کا نتیجہ تھا کہ قریش مجھ سے جو بھی ایسا مطالبہ کریں گے جس سے اللہ تعالےٰ کی حرمتوں کی تعظیم مقصود ہو گی تو میں ان کے مطالبے کو ضرور تسلیم کر لوں گا - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے فرمایا۔ لیکن شرط یہ ہو گی کہ تم ہمیں بیت اللہ طواف کرنے کے لیے جانے دو گے - سہیل نے کہا بخدا، ہم (اس سال) ایسا نہیں ہونے دیں گے، عرب کہیں گے کہ ہم مغلوب ہو گئے   البتہ آئندہ سال کے لیے اجازت ہے - چنانچہ یہ بھی لکھ لیا - پھر سہیل نے کہا یہ شرط بھی ہے کہ ہماری طرف کا جو شخص بھی آپ کی طرف جائیگا خواہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہمیں واپس کر دیں گے - صحابہ کرام نے یہ شرط سن کر کہا، سبحان اللہ! (ایک ایسے شخص) کو مشرکوں کے حوالے کس طرح کیا جا سکتا ہے جو مسلمان ہو کر آیا ہو۔ ابھی یہ ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ابوجندل بن سہیل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے پہنچے - وہ مکہ کے نشیبی علاقے کی طرف بھاگے تھے اور اب خود کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا تھا۔ سہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا شخص ہے جس کے لیے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ اسے ہمیں واپس کر دیں - نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے (صلحنامہ) لکھا بھی نہیں ہے - سہیل کہنے لگا کہ خدا کی قسم، پھر میں کسی بنیاد پر بھی آپ سے صلح نہیں کروں گا - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا، مجھ پر (ابوجندل کا) احسان کر دو - اس نے کہا میں یہ احسان نہیں کر سکتا - حضور نے فرمایا کہ نہیں، نہیں

وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَجَيِّدٌ لَقَدْ جَرَّبْتُ بِهٖ ثُمَّ جَرَّبْتُ فَقَالَ اَبُوْبَصِيْرٍ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاَمْكَنَهٗ مِنْهُ فَضَرَبَهٗ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْاٰخَرُ حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُوْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ رَاٰهُ لَقَدْ رَاٰى هٰذَا ذُعْرًا فَلَمَّا انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُتِلَ وَاللّٰهِ صَاحِبِيْ وَاِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَاءَ اَبُوْبَصِيْرٍ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَوْفَى اللّٰهُ ذِمَّتَكَ قَدْ رَدَدْتَنِيْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ اَنْجَانِيَ اللّٰهُ مِنْهُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهٗ سَيَرُدُّهٗ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سِيْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَيَنْفَلِتُ مِنْهُمْ اَبُوْجَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتَّى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَا يَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهٗ بِاللّٰهِ وَالرَّحِمِ لَمَّا اَرْسَلَ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ حَتّٰى بَلَغَ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتْ حَمِيَّتُهُمْ اَنَّهُمْ لَمْ يُقِرُّوْا اَنَّهٗ نَبِيُّ اللّٰهِ وَلَمْ يُقِرُّوْا بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَحَالُوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْبَيْتِ

احسان کر دینا چاہئے۔ لیکن اس نے یہی جواب دیا کہ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ البتہ مکرز نے کہا کہ چلئے ہم اس کا احسان آپ پر کرتے ہیں۔ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کیا مجھے پھر مشرکوں کے ہاتھ میں دے دیا جائیگا؟ کیا میرے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوا ہے۔ تم نہیں دیکھتے؟ ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اللہ کے راستے میں بڑی سخت اذیتیں پہنچائی گئی تھیں۔ راوی نے بیان کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا، کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں، میں نے کہا پھر اپنے دین کے معاملے میں کیوں دبیں۔ حضور نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا اور وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر نے پھر عرض کی۔ کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ پہنچ جائیں گے۔ حضرت عمر نے عرض کی نہیں (یعنی آپ نے اس سال کی قید نہیں لگائی تھی)۔ حضور نے فرمایا کہ پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔ انھوں نے بیان کیا کہ پھر میں ابوبکر کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی پوچھا۔ ابوبکر کیا یہ حقیقت نہیں کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نبی ہیں؟ انھوں نے بھی کہا کہ کیوں نہیں۔ میں نے پوچھا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں! میں نے کہا کہ پھر ہم اپنے

دین کے معاملے میں کیوں دبیں۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ عمر بالیقین وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی حکم عدولی نہیں کرسکتے اور ان کا رب ہی ان کا مددگار ہے۔ پس ان کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو، خدا گواہ ہے کہ وہ حق پر ہیں۔ میں نے کہا کہ آنحضور ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ عنقریب ہم بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن کیا آنحضور نے یہ فرمایا تھا کہ اسی سال آپ بیت اللہ پہنچ جائیں گے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ پھر اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ آپ بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ زہری نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بعد میں، میں نے اپنی عجلت پسندی کی مکافات کے لیے نیک اعمال کیے۔ پھر جب صلحنامہ سے آپ فارغ ہوچکے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم سے فرمایا۔ اب جانوروں کی قربانی کرلو اور سر بھی منڈالو۔ انھوں نے بیان کیا کہ خدا گواہ ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی نہ اٹھا اور تین مرتبہ یہی جملہ فرمایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا) کے خیمہ میں گئے اور ان سے لوگوں کے طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ اپنا قربانی کا جانور ذبح کرلیں اور اپنے حجام کو بلالیں جو آپ کے بال مونڈ دے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے کسی سے کچھ نہیں کہا اور یہی سب کچھ کیا، اپنے جانور کی قربانی کرلی اور اپنے حجام کو بلوایا جس نے آپ کے بال مونڈے جب صحابہ نے دیکھا تو وہ بھی ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رنج وغم میں ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔ پھر آنحضور کے پاس (مکہ سے) چند مومن خواتین آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ اے لوگو! جو ایمان لاچکے ہو۔ جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کا امتحان لے لو۔ اسی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دی، جو اب تک شرک کی حالت میں تھیں۔ (کیونکہ ابتدائے اسلام میں مشرکہ عورتوں سے شادی کی ممانعت نہ تھی ——— ان میں سے ایک سے تو معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے نکاح کرلیا تھا اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو قریش کے ایک فرد ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے (مکہ سے فرار ہوکر آئے) وہ مسلمان ہوچکے تھے۔ قریش نے ان کو واپس لینے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا اور انھوں نے آکر کہا کہ ہمارے ساتھ آپ کا معاہدہ ہوچکا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو واپس کردیا۔ قریش کے دونوں افراد جب انہیں لے کر واپس ہوئے اور ذوالحلیفہ پہنچے تو کھجور کھانے کے لیے اترے جو ان کے ساتھ تھی۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک سے فرمایا۔ بخدا تمہاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے ساتھی نے تلوار نیام سے نکال دی۔ اس شخص نے کہا، ہاں خدا کی قسم، نہایت عمدہ تلوار ہے۔ میں اس کا بارہا تجربہ کرچکا ہوں۔ ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ اس پر بولے کہ ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ اور اس طرح تلوار اپنے قبضے میں کرلی۔ پھر اس شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھاگ کر مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو فرمایا۔ یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو کہنے لگا خدا

کی قسم میرا ساتھی تو مارا گیا اور میں بھی مارا جاؤں گا۔ اتنے میں ابو بصیر بھی آگئے اور عرض کیا۔ اے اللہ کے نبی، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی۔ آپ مجھے ان کے حوالے کر چکے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دلائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نادان! اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا تو پھر لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھتے۔ جب انھوں نے حضور اکرم کے یہ الفاظ سنے تو سمجھ گئے آپ پھر کفار کے حوالے کر دیں گے، اس لیے وہاں سے نکل گئے اور دریا کے ساحل پر آگئے۔ راوی نے بیان کیا ہے۔ یہ لوگ قریش کے جس قافلے کے متعلق بھی سن لیتے کہ وہ تجارت کے لیے شام کی طرف جا رہا ہے اسے راستہ ہی میں روک کر لوٹ لیتے اور قافلہ والوں کو قتل کر دیتے۔ اب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر درخواست بھیجی کہ آپ کسی کو ان کے (سہیل اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجیں) کہ وہ قریش کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں اور اس کے بعد اب جو بھی مکہ سے آپ کے پاس مدینہ آئے گا اسے امن ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے سہیل کے ہاں آدمی بھیجا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "اور وہ ذات جس نے روک دیا تمہارے ہاتھوں کو ان سے اور ان کے ہاتھوں کو تم سے (یعنی صدیبیہ کے موقع پر جنگ نہ ہوئی)۔ ان کی حمیت (جاہلیت) یہ تھی کہ انھوں نے معاہدہ میں آپ کے اللہ کا نبی ہونے کا اقرار نہ کیا اور بسم اللہ بھی نہ لکھنے دی اور بیت اللہ اور آپ کے درمیان حائل رہے۔ (بخاری)

وَقَالَ عُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ عُرْوَةُ فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ وَبَلَغَنَا أَنَّهُ لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنْ يَرُدُّوا إِلَى الْمُشْرِكِينَ مَا أَنْفَقُوا عَلَى مَنْ هَاجَرَ مِنْ أَزْوَاجِهِمْ وَحَكَمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ لَا يُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ أَنَّ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَيْنِ قُرَيْبَةَ بِنْتَ أَبِي أُمَيَّةَ وَابْنَةَ جَرْوَلٍ الْخُزَاعِيِّ فَتَزَوَّجَ قُرَيْبَةَ مُعَاوِيَةُ وَتَزَوَّجَ الْأُخْرَى أَبُو جَهْمٍ فَلَمَّا أَبَى الْكُفَّارُ أَنْ يُقِرُّوا بِأَدَاءِ مَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ وَالْعَقْبُ مَا يُؤَدِّي الْمُسْلِمُونَ إِلَى مَنْ هَاجَرَتِ امْرَأَتُهُ مِنَ الْكُفَّارِ فَأَمَرَ

اور حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام عورتوں کا (جو مکہ سے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں) امتحان لیتے تھے (زہری نے بیان کیا کہ) ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مسلمان وہ سب کچھ ان مشرکوں کو واپس کر دیں جو انھوں نے اپنی ان بیویوں پر خرچ کیا ہو جو (اب مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آئی ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں، قریبہ بنت ابی امیہ اور ایک جرول خزاعی کی لڑکی کو طلاق دیدی۔ قریبہ سے معاویہ نے شادی کر لی تھی (کیونکہ اس وقت معاویہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور دوسری بیوی سے ابو جہم نے شادی کر لی تھی۔ لیکن جب کفار نے مسلمانوں کے ان اخراجات کو ادا کرنے سے انکار کیا جو انھوں نے اپنی (کافرہ) بیویوں پر کیے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اور اگر تمہاری بیویوں

اَنْ یُّعْطِیَ مَنْ ذَھَبَ لَہٗ زَوْجٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مَآ اَنْفَقَ مِنْ صَدَاقِ نِسَآءِ الْکُفَّارِ اللَّاتِیْ ھَاجَرْنَ وَمَا نَعْلَمُ اَحَدًا مِّنَ الْمُھَاجِرَاتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ اِیْمَانِھَا وَبَلَغَنَا اَنَّ اَبَا بَصِیْرِ بْنَ اُسَیْدِ الثَّقَفِیَّ قَدِمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا مُّھَاجِرًا فِی الْمُدَّۃِ فَکَتَبَ الْاَخْنَسُ بْنُ شَرِیْقٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُہٗ اَبَا بَصِیْرٍ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ (بخاری)

میں سے کوئی کافروں کے یہاں چلی جائے تو وہ معاوضہ تم خود ہی لے لو) یہ وہ معاوضہ تھا جو مسلمان کفار میں سے اس شخص کو دیتے جس کی بیوی ہجرت کرکے (مسلمان ہونے کے بعد کسی مسلمان کے نکاح میں آگئی ہو) پس اللہ تعالیٰ نے اب یہ حکم دیا کہ جس مسلمان کی بیوی (العیاذ باللہ مرتد ہوکر کفار کے یہاں) چلی جائے، اس کے (مہر ونفقہ) کے اخراجات ان کفار کی عورتوں کے مہر سے ادا کر دیئے جائیں جو ہجرت کرکے آگئی ہیں (اور کسی مسلمان نے ان سے نکاح کرلیا ہے) اگرچہ ہمارے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ کوئی بھی مہاجرہ، ایمان کے بعد مرتد ہوئی ہوں (لیکن بہرحال یہ حکم نازل ہوا تھا) اور ہمیں یہ روایت بھی معلوم ہوئی ہے کہ ابوبصیر بن اسید ثقفی رضی اللہ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مومن ومہاجر کی حیثیت سے معاہدہ کی مدت کے اندر ہی حاضر ہوئے تو اخنس بن شریک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تحریر لکھی جس میں اس نے (ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کا) مطالبہ آپ سے کیا تھا، پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔

صلح حدیبیہ سے متعلق ایک طویل حدیث اور اسکے فوائد ومعارف اور مسائل

۱۔صلح حدیبیہ سے متعلق پارہ دہم میں بھی حدیث نمبر ۲۵۲۸/۲۵۲۰، ۲۵۲۱/۲۵۳۰ مع تفہیم وترجمانی کے گزر چکی ہیں ضرور ملاحظہ فرمالیں ۲۔عنوان سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں حربی کافروں سے صلح کرنے اور صلح کی شرائط کا ذکر ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ سے اس سفر میں صلح فرمائی اور شرائطِ صلح لکھی گئی۔مکہ اس وقت دار الحرب تھا اور اہلِ مکہ حربی ۳۔یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مروان صحابی نہیں ہیں اور مسور بن مخرمہ صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود نہ تھے۔البتہ ان دونوں کا جماعتِ صحابہ سے اس واقعہ کو سُننا ثابت ہے جو صلح حدیبیہ میں موجود تھے جیسے حضرت عمر، عثمان علی، مغیرہ بن شعبہ، حضرت سہل بن حنیف، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۴۔محب طبری نے فرمایا۔حدیبیہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک بستی ہے جس کا اکثر حصہ حرم میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ذیقعدہ ۶ھ بروز پیر عمرہ کی نیت کرکے قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہوکر مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے۔آپ کا ارادہ کفارِ مکہ سے جنگ کا نہ تھا۔صرف عمرہ کی نیت تھی۔اسی لیے آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے جانور لیے جنھیں حرم میں ذبح کرنا تھا اور احرام بھی باندھ لیا —— ابن عقبہ نے حضرت جابر سے روایت کی کہ ہر سات افراد کے لیے ایک اونٹ تھا اور کل اصحاب کی تعداد ۱۴۰۰ تھی۔ ۵۔قَصْواء۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام ہے۔اسے عَضباء اور جَدعا بھی کہتے تھے۔یہ وہی مقدس اونٹنی ہے جسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنی قشیر سے تقریباً چار سو درہم میں خریدا تھا اور اسی اونٹنی پر حضور علیہ السلام نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی اور اسی اونٹنی پر

آپ بنیت عمرہ مکہ روانہ ہوئے تھے۔ ۶۔ حَلْ حَلْ - یہ کلمہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی ایک جگہ اڑ کر بیٹھ جائے اور اسے اٹھانا مقصود ہو۔ ثنیۃ المرار کے مقام پر قصواء اونٹنی بیٹھ گئی ۔صحابہ کرام نے خیال کیا کہ جیسے عام جانور تھک کر بیٹھ جاتے ہیں ۔قصواء کی بھی یہی عادت ہوگی مگر حضور نے صحابہ کے خیال کی نفی فرمائی کہ تھک کر بیٹھ جانا اس کی عادت نہیں ہے ۔اسے تو مکہ میں داخل ہونے سے اس ذات نے روکا ہے جس نے لشکر ابرہہ کو دخولِ مکہ سے روکا تھا۔ ۶۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ کے آخر میں پہنچے تو ایک ایسے چشمے پر قیام فرمایا۔ جس کا پانی بہت تھوڑا تھا ۔صحابہ کرام نے اس کا پانی استعمال کیا ۔جب وہ ختم ہوگیا تو صحابہ نے بحضور نبوی پانی کے ختم ہونے کی شکایت کی ۔حضور نے ایک برتن میں پانی طلب کیا۔ وضو فرمایا اور اس برتن میں کلی فرمائی اور برتن کے پانی کو چشمہ میں ڈال دیا اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حضرت براء ابن عازب کو دہ تیر چشمہ میں گاڑنے کا حکم دیا ۔انھوں نے حضرت ناجیہ بن جندب کے تعاون سے چشمہ میں اتر کر وہ تیر اس میں گاڑ دیا ۔چشمہ سے پانی ابلنے لگا۔۔۔۔۔ بخاری ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر پانی ختم ہوگیا تو صحابہ کی شکایت پر حضور علیہ السلام نے ایک پیالہ میں دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں پانی فوارے کی طرح جاری ہوگیا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر سے مروی واقعہ ثمد چشمہ پر جلوہ فرما ہونے سے پہلے کا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حدیبیہ ہی کے موقع پر متعدد مقامات پر پانی کا معجزہ ظہور پذیر ہوا ہے ۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔ واضح ہو کہ اشیاء میں غیر معمولی اضافہ ہو جانے کا معجزہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر ظہور پذیر ہوا۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ کی متعدد احادیث خصائص کبریٰ میں ذکر کی ہیں ۔ راقم الحروف کی زمانہ طالب علمی میں لکھی ہوئی تالیف جامع الصفات میں اس نوع کے معجزات کا ذکر ہوا ہے ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزے کبھی پانی ، کبھی کھانے کی چیزوں وغیرہ میں ظاہر ہوئے ہیں ۔یہ معجزے تواتر سے منقول ہیں۔ کبھی آپ دعا فرماتے ، کبھی اس چیز کے گرد چکر لگاتے ۔کبھی کھانے پینے کی تھوڑی چیز لائی جاتی اور آپ اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیتے اور اس میں اضافہ ہو جاتا۔ کبھی آپ پیالہ میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیتے اور آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ؎

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری ۔ موج پر آتی ہے جب غمخواری تشنہ سیراب ہوا کرتے ہیں

پنجۂ مہر عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے ۔ چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ۔ ندیاں پنج آبِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

۷۔ عَیْبَۃٌ ۔ اس لفظ کے لغوی معنیٰ وہ چیز جس میں حفاظت کے لیے کپڑے رکھے جائیں ۔ اسی لیے اس لفظ کو ایسے شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جو راز کی حفاظت کرے ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ عَلِیٌّ عَیْبَۃُ عِلْمِیْ ۔علی میرے علم کے امانت دار ہیں۔ نُصح کے معنیٰ مخلص ۔ اَعْدَادُ جمع ہے عد کی۔ اس کے معنیٰ وہ پانی جو ختم نہ ہو ۔ العوذ المطافیل ۔ عُوذ عُوذ کے معنیٰ بچے والی اونٹنیاں ۔ مَطَافِیل جمع مُطفِل وہ اونٹنی جو عنقریب بچہ جننے والی ہو ـــــ عَیْبَۃَ نُصْحِ رسول اللہ الخ کے معنیٰ ہوں گے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا مخلص رازدار اور آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے امر و نہی کی تعمیل کرنے والا ہو۔ زیرِ بحث حدیث میں یہ جملہ حضرت بدیل بن ورقاء خزاعی تہامی اور ان کے ساتھیوں کے لیے بولا گیا ہے۔ حضرت بدیل اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ (جس میں عمر بن سالم، خراش بن امیہ، خارجہ بن کرز، یزید بن اُمیہ بھی تھے) بحضورِ نبوی حاضر ہوئے عرض کی سرکار قریش تو حدیبیہ کے چشموں پر پورے جنگی سازو سامان کے ساتھ آپ سے جنگ کرنے کے لیے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ آپ کو دخولِ مکہ سے روکیں گے ــــ حضور نے جواباً فرمایا ہمارا تو جنگ کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں ہے۔ ہم تو عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں اور قریش کو تو نقصان بھی بہت ہوا ہے اگر وہ چاہیں تو میں جنگ بندی کا معاہدہ کر لیتا ہوں۔ اس عرصہ میں وہ میرے اور دیگر کفار و مشرکین کے معاملہ میں نہ پڑیں۔ اگر مجھے کامیابی ہو گئی تو قریش بھی اسلام قبول کر سکتے ہیں۔ اگر میں ناکام ہوا تو قریش کو جنگ و جدال سے چھٹکارا مل جائیگا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایسا فرمانا کہ میں غالب ہوں گا یا مغلوب بطور فرض و تنزل تھا۔ ورنہ حضور کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا اور کفار مغلوب ہوں گے (عینی ج ۱۴ ص ۹)

۸۔ عروہ بن مسعود ثقفی جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش کے ساتھ اپنے وقت کے اعلیٰ درجہ کے مدبّر اور ذی رائے اصحاب میں تھے۔ عمر بھی بہت تھی اور اسی کے مطابق تجربات بھی تھے۔ سارے عرب خصوصاً قریش میں آپ کا بڑا اعتماد قائم تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہی قریش کے نمائندہ بن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے آئے تھے۔ دورانِ گفتگو عروہ نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا اور جواب میں آپ نے عُروہ کو سخت قسم کی گالی دی۔ امصص بظر اللات۔ لات بُت کی شرمگاہ چُوس۔ ہم حضور کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں یعنی یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم حضور کا ساتھ چھوڑ دیں گے ــــ معلوم ہوا کہ حسبِ ضرورت خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ کافر افترا و بہتان باندھ رہا ہو اسے گالی دینا جائز ہے اور حدیثِ ممانعت میں بھی مسلمان کی قید ہے سباب المسلم فسوق (بخاری) مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اگر ایک مسلمان مسلمان کو گالی دے اور وہ قاضی شرع کی عدالت میں مرافعہ کرے تو قاضی مسلمان کو گالی دینے والے کو تعزیر کر سکتا ہے۔ ۹۔ در اصل ہر شخص اپنے فکر اور ماحول کے مطابق سوچتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ جس ہستی مقدس کے ساتھیوں کے متعلق جو سوچ وہ رکھتا ہے اس کی اصل کیفیت کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت تو عروہ کے خیال میں جو آیا انھوں نے کہہ دیا مگر کچھ دیر حضور اور صحابہ کے درمیان رہ کر حضور سے صحابہ کی عقیدت و محبت کے جو مناظر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو انہیں یقین ہو گیا کہ صحابہ کرام جیسی جاں نثار قوم کوئی دنیا میں پیدا نہیں ہوئی۔ چنانچہ عروہ نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو کہا۔ صلح کر لو ورنہ شکست کھاؤ گے۔ پھر عروہ نے تفصیل کے ساتھ صحابہ کرام کی عقیدت و محبت کا حال ان سے بیان کیا اور کہا میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی ایسے بادشاہوں کے دربار میں ان کے مصاحبوں کو دیکھا ہے لیکن خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے مصاحب کو اس کی ایسی تعظیم و توقیر کرتے نہیں دیکھا جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کی کرتے ہیں۔ جب وہ تھوکتے ہیں تو آپ کے لعابِ دہن کو صحابہ ہاتھوں پر لے کر اپنے چہرہ اور بدن پر ملتے ہیں۔ جب آپ وضو فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وضو کے غسالہ کے حصول کے لیے ان میں لڑائی کی نوبت آجائے گی۔ جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر صحابی اس تعمیل کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور جب وہ گفتگو فرماتے تو ہر طرف ادب و احترام کی خاموشی چھا جاتی ہے۔ صحابہ کرام کے دلوں میں ادب و احترام کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتے ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت اور احترام کی یہ وہ کیفیت ہے جو چشم فلک نے اس سے قبل کہاں دیکھی ؛ صحابہ نے تعظیم رسول کا ایک معیار قائم کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہ کرام کے اس کردار سے معلوم ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعظیم کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ حد تو اس کی ہوتی ہے جس کے محاسن و فضائل کی کوئی حد ہو۔ ۱۰۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سے والہانہ عقیدت و محبت دشمنانِ اسلام کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب و دبدبہ کا باعث ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کی فتوحات کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے دل رسول اللہ کی محبت و تعظیم سے معمور و مخمور تھے ۱۱۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور جس چیز کو بزرگوں سے نسبت ہو جائے اسے متبرک سمجھنا جائز ہے۔ شرک و بدعت ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ نیز قرآن مجید سے بھی اس امر کی صاف و صریح طور پر تائید و توثیق ہوتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں جب سپیدی آگئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا :۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا (سورہ یوسف)	میری یہ قمیص لے جاؤ۔ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

اور جب وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈالی۔ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔ اسی وقت ان کی آنکھوں کی سپیدی جاتی رہی اور بینائی درست ہو گئی ——— اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے اجسام سے جس چیز کو نسبت ہو جائے اس میں برکت اور امراض کے ازالہ کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے ——— نیز یہ بھی واضح ہوا کہ انسان کا تھوک، بلغم اور بدن سے جدا ہونے والے بال شرعاً پاک ہیں۔ مگر انسانی بالوں کا استعمال بوجہ انسان کی حرمت و عزت کے جائز نہیں ہے۔ ۱۲۔ عرب کا یہ طریقہ تھا کہ بڑوں سے گفتگو کرتے وقت ان کی داڑھی تک ہاتھ لے جاتے بلکہ پکڑ پکڑ لیا کرتے اور وہ توہین کی نیت سے ایسا نہیں کرتے تھے۔ عروہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے دوران ایسا کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ جو آپ کی حفاظت کے لیے ہتھیاروں سے چاک و چوبند پہرہ دے رہے تھے اپنا ہاتھ تلوار کے دستہ پر مارتے اور کہتے خبردار حضور کی ریش مبارک تک اپنا ہاتھ نہ لے جانا۔ حضرت مغیرہ نے عظمتِ شانِ نبوت کے پیش نظر یہ بھی گوارا نہ کیا کہ محض رواج کی بنا پر کوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش اقدس تک اپنا ہاتھ لے جائے۔ عروہ کو ان کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا تھا ۱۳۔ سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ کو قریش نے صلح کی آخری گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر اس کے نام سہیل سے نیک فال لی اور فرمایا کہ تمہارا معاملہ آسان (سہل) ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف نیک فال لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ نیک فال لینا جائز ہے۔ ۱۴۔ زمانہ جاہلیت میں باسمک اللھم لکھا کرتے تھے۔ جب صلح کی دستاویز لکھنے کا موقع آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔ سہیل نے کہا۔ اما الرحمن فواللہ ما ادری ما ھوا۔ نہیں جانتا رحمن کیا ہے۔ چنانچہ بسم اللہ کی جگہ باسمک اللھم لکھا گیا۔ خود حضور سید عالم بھی ابتداء اسلام میں باسمک اللھم ہی لکھتے تھے۔ لیکن جب بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا نازل ہوئی تو آپ بسم اللہ

لکھنے لگے۔ جب آیت ادعوا الرحمٰن نازل ہوئی تو آپ بسم اللہ الرحمٰن لکھنے لگے اور جب انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی۔ آپ پوری بسم اللہ لکھنے لگے۔ ۱۵۔ واضح ہو کہ جس سال صلح حدیبیہ ہوئی اس وقت مسلمان پہلے سے بہت زیادہ قوی اور طاقت ور تھے۔ اگر جنگ ہوتی تو اسباب کے لحاظ سے مسلمان کامیاب کامران اور کفار مغلوب ہوتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ سے فرمایا تھا کہ ہم مکہ معظمہ جا کر بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی نیت کی۔ احرام باندھا۔ قربانی کے جانور بھی ساتھ لیے اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بنا پر صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت عمر کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ اسی سال مکہ معظمہ پہنچ کر طواف بیت اللہ کی سعادت حاصل ہو گی ـــــ لیکن حدیبیہ پہنچ جانے کے باوجود عمرہ نہ ہو سکا اور حضور نے کفارِ مکہ سے صلح کر لی اور ان کی من مانی شرائط کو بھی تسلیم کر لیا جو بظاہر کفار کے غلبہ اور شوکت کی غماز تھیں۔ یہ وہ امور تھے جن کی وجہ سے صحابہ کرام اور حضرت عمر کو سخت و شدید رنج ہوا اور اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں حضرت عمر نے بحضور نبوت عرض کی۔ یا رسول اللہ جب آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور ہم حق پر ہیں تو دین کے معاملہ میں کفار سے کیوں دبیں؟ حضور علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اور میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ حکم الٰہی ہے۔ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر نے عرض کی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم مکہ معظمہ پہنچ کر کعبہ کا طواف کریں گے۔ حضور نے فرمایا۔ مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال بیت اللہ پہنچ جائیں گے ـــــ حضرت عمر نے عالمِ اضطراب میں حضور علیہ السلام سے جو سوال کیے انھیں زندگی بھر افسوس رہا اور اسی لیے اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس جرأت کی مکافات کے لیے بہت نیک اعمال کیے تاکہ اللہ تعالیٰ میری اس غلطی کو معاف کرے۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اس دن سے اپنی جرأت کی مکافات کے لیے میں برابر روزے رکھتا رہا، صدقات دیتا رہا، نماز پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا (عینی ج ۱۴ ص ۱۳) ـــــ روافض جنھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت ہے یہاں کبھی ڈنک مارنے سے نہیں چوکتے اور حضرت عمر کے سوال کرنے کو بھی انھوں نے مطاعنِ عمر میں شامل کر لیا۔ حالانکہ اگر انصاف و غور سے دیکھا جائے تو حضرت عمر کے سوالات کا انداز ہی بتا رہا ہے کہ انھوں نے اطمینانِ قلب کے لیے سوال کیا تھا۔ کیونکہ صلح حدیبیہ جن شرائط پر ہوئی۔ خصوصاً یہ شرط، جو اسلام قبول کر کے مدینہ آئے گا اسے بھی واپس کر دیا جائیگا۔ ایسی شرط تھی جس نے صحابہ کرام کو حیران و پریشان کر دیا اور یہ شرط بظاہر مسلمانوں کے حق میں بھی نہ تھی۔ مگر یہ تو تصویر کا ظاہری رُخ تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کی بنا پر یہ صلح کر رہے تھے۔ یہ بات صحابہ پر واضح نہ تھی۔ حضرت عمر حضور سے اور حضرت صدیق اکبر سے سوال کا جواب پا کر حضور اکرم کے عمل پر مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کوئی چوں و چرا نہ کی بلکہ جرأتِ سوال پر تمام زندگی ملول رہے اور اپنی اس خطا کے ازالہ کے لیے نیکیاں کرتے رہے ـــــ اور اگر مخالف اس واضح صورتِ حال کے باوجود حضرت عمر پر طعن کریں تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے جو سوال کرنے کی جرأت کی زیادہ سے زیادہ یہ فعل گناہ تھا۔ کہہ دیجیے کہ گناہِ کبیرہ تھا؟ مگر حضرت عمر تو نادم ہو رہے ہیں اور توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔ نہ صرف نادم بلکہ اس تلافی کے لیے نوافل پڑھ رہے ہیں۔ صدقات و خیرات اور غلام آزاد کر رہے ہیں اور قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات۔ نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں اور

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کوئی برائی کرو تو اس کے بعد نیکی کرو۔ وہ نیکی برائی کو مٹا دے گی ایسی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زبانِ طعن دراز کرنے کا کوئی جواز ہے؟ —— ۱۷۔ اس موقع پر امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ثبات اور حضور کے جوابات کے ساتھ توارد ان کی عظمت اور ان کے مزاج شناس رسول ہونے بلکہ فنا فی الرسول ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ صلح حدیبیہ اور شرائطِ صلح سے متعلق صحابہ کرام مع حضرت عمر کے سخت تشویش و اضطراب میں مبتلا ہوگئے مگر صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ ایک ایسی شخصیت تھے جنھوں نے تشویش و اضطراب اپنے قریب نہیں آنے دیا اور اپنے قول و عمل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موقف کو اختیار فرمایا اس پر مطمئن اور ثابت قدم رہے —— حضرت عمر نے اسی اضطراب و پریشانی میں حضرت ابوبکر سے بھی وہی سوال کئے جو حضور سے انھوں نے کیے اور حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو وہی جواب دیے جو حضور نے حضرت عمر کو دیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات اور حضرت صدیق اکبر کے جوابات میں توارد اور موافقت یقیناً اس شعر کے مصداق ہے ؎

۱۸۔ زیر بحث حدیث میں یہ جو جملہ آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیا آپ ہم سے کہتے نہیں تھے کہ "ہم بیت اللہ جاکر اس کا طواف کریں گے"۔ اور پھر حضور کا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی، جواب کہ یہ کہاں کہا تھا کہ اسی سال وہاں پہنچیں گے اور طواف کریں گے"۔ اس سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے صرف طواف کا ذکر کیا تھا کہ ہم سب بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے مگر سال اور وقت کا تعین آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ لیکن جب آپ نے عمرہ کی نیت سے احرام باندھا اور قربانی کے جانور بھی ساتھ لے کر مکہ روانہ ہوئے تو قدرتی طور پر صحابہ کرام کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اس مرتبہ ہم بیت اللہ پہنچ کر ضرور کعبہ معظمہ کا طواف کریں گے اور جوش و جذبے کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ یاد نہ رکھ سکے کہ آنحضور کا وعدہ وقت کے تعین کے ساتھ نہیں تھا۔ جب یاد دلایا گیا تو انہیں بھی یاد آیا اور حضرت عمر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا —— ۱۹۔ جب صلح کی دستاویز مکمل ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔ اونٹوں کو ذبح کرو، بال کٹواؤ۔ احرام کھول کر حلال ہوجاؤ۔ یہی حکم محصر کے لیے ہے مگر صحابہ کرام میں سے کسی نے تعمیل نہ کی۔ صحابہ کرام کا تعمیل نہ کرنا اس غلط فہمی کی بنار پر تھا حضور کا یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے یا ان کا خیال تھا کہ شاید اللہ کی طرف سے کوئی اور حکم آجائے —— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کی یہ کیفیت دیکھی تو ام المومنین حضرت ام سلمہ سے صحابہ کے طرز عمل کا ذکر کیا۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی۔ حضور آپ کچھ کہے بغیر صحابہ کے سامنے اپنا اونٹ ذبح کردیں۔ بال کٹوالیں۔ احرام کھول دیں۔ حضور نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ کرام نے یہ دیکھا کہ حضور نے قربانی کا جانور ذبح کردیا ہے تو اب انہیں یقین ہوگیا کہ حضور کا حکم استحبابی نہیں بلکہ وجوبی تھا اور یہ کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا حکم نہیں آئے گا تو سب نے حکم نبوی کی تعمیل میں قربانی کے جانور ذبح کئے۔ بال کٹوائے اور احرام کھول کر حلال ہوگئے —— معلوم ہوا کہ محصر کے لیے ضروری ہے کہ اپنی قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرے کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد نبی علیہ السلام نے قربانی کے جانور کو حرم میں ذبح فرمایا تھا۔

مسائل حدیث

حدیث زیر بحث کے مسائل یہ ہیں ۲۰۔ حربی کفار سے معینہ مدت تک صلح کرنا جائز ہے جبکہ

اسلام اور مسلمانوں کا اس میں فائدہ ہو۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے البتہ مدت کے تعین میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مدتِ صلح دس سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہئیے کیونکہ حدیث زیرِ بحث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں مدتِ صلح دس سال مقرر فرمائی تھی۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ مدتِ صلح میں کمی بیشی جائز ہے کیونکہ فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب تک مسلمانوں کا صلح میں فائدہ ہو اس وقت تک صلح جائز ہوگی۔ اور حدیثِ زیرِ بحث میں دس سال کی قید وجوبی نہیں ـــــ ۲۱۔ کافروں سے کچھ لے کر یا ان کو کچھ دے کر صلح کرنی بھی جائز ہے جب کہ ایسی صلح مسلمانوں کے حق میں فائدہ مند ہو۔ کفار سے جو کچھ لے کر صلح کی جائے گی تو اس کا مصرف وہی ہوگا جو جزیہ کا ہے ۲۲۔ صلح کی شرائط وغیرہ کو لکھ لینا اور اس دستاویز پر گواہوں کے دستخط کرا لینا ضروری ہے تاکہ جو فریق خلاف ورزی کرے اس سے باز پرس ہو سکے ـــــ ۲۳۔ جب تک خصوص کی دلیل نہ ہو متکلم کا کلام عموم پر محمول ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً یہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے اسی سال طواف کرنے کی قید نہیں لگائی تھی۔ فقہاء کرام نے اس سے یہ استدلال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے کی قسم کھائے مگر کوئی وقت مقرر نہ کرے تو اس کی ساری زندگی قسم پورا کرنے کا وقت ہے۔ مرنے سے پہلے جس وقت بھی وہ کام کرے گا اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔ ـــــ ۲۴۔ کسی مسلمان کی قبر کے قریب مسجد بنانا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو جندل نے حضرت ابو بصیر کی قبر کے قریب مسجد بنائی ۲۵۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی کے مطابق صلح حدیبیہ میں یہ شرط تسلیم کر لی تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر دار الاسلام مدینہ منورہ میں آئے گا تو اسے بھی کفار کو واپس کر دیا جائیگا ـــــ آج اگر مسلمانوں کا امیر ایسی شرط پر صلح کرے گا تو وہ صلح جائز نہ ہوگی۔ رہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شرط پر صلح کرنا تو وہ حضور کیساتھ خاص تھا۔ یا اب آیت فلا ترجعو هن ( ) الخ سے منسوخ ہے۔ ۲۶۔ صاحب فضل اور صاحبِ بصیرت خواتین سے مشورہ کرنا اور اگر وہ صحیح ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا۔

بَابُ الشُّرُوْطِ فِي الْقَرْضِ

باب قرض میں شرط لگانا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ رَجُلًا سَاَلَ بَعْضَ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اَنْ يُّسْلِفَهٗ اَلْفَ دِيْنَارٍ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى
وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَعَطَآءٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذَا اَجَّلَهٗ فِي الْقَرْضِ جَازَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا۔ جس نے بنی اسرائیل کے کسی دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگا اور اس نے ایک متعین مدت تک کے لیے دیدیا۔
حضرت ابن عمر اور عطا بن ابی رباح رضی اللہ تعالے عنہما نے فرمایا کہ اگر قرض (کی ادائیگی) کے لیے کوئی مدت مقرر کی تو جائز ہے۔
(بخاری)

فوائد ومسائل ۱۔ حدیث ابوہریرہ ایک طویل حدیث ہے جسے امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب الحوالہ میں ذکر کیا ہے۔ یہاں اس حدیث کا ایک حصہ ذکر کر دیا ہے جو عنوان کے مناسب ہے۔ کتاب الحوالہ پارہ نہم صہ ۶۲، ۶۳، ۶۴ ملاحظہ کیجئے ۲۔ اور حدیث ابن عمر بھی باب اذا قرض الخ فیوض پارہ نہم صہ ۱۹۲ پر ہے جو تفہیم و ترجمانی کیساتھ گزر چکی ہے۔

بَابُ الْمُكَاتَبِ وَمَا لَا يَحِلُّ

باب مکاتب اور ان شرطوں کا بیان

مِنَ الشُّرُوْطِ الَّتِیْ تُخَالِفُ كِتٰبَ اللّٰهِ وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فِی الْمُكَاتَبِ شُرُوْطُهُمْ بَيْنَهُمْ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَوْ عُمَرُ كُلُّ شَرْطٍ خَالَفَ كِتَابَ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ وَّقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يُقَالُ عَنْ كِلَيْهِمَا عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عُمَرَ

جو کتاب اللہ کے خلاف ہوں
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکاتب کے بارے میں فرمایا کہ ان کی (یعنی مکاتب اور اس کے مالک کی) شرطیں ان کے درمیان (جائز) ہیں۔ بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہوں۔ حضرت ابن عمر یا عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کی مخالف ہو، باطل ہے خواہ ایسی سو شرطیں بھی لگالی جائیں۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ عمر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دونوں سے روایت صحیح ہے۔

۲۵۴۸ ۔ اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری نے حدیث بریرہ ذکر کی ہے جو اس سے قبل متعدد بار ذکر ہو چکی ہے ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۳۹۱، ۲۳۹۲، ۲۳۹۴ مطلب واضح ہے کہ کسی بھی معاملہ میں ایسی شرطیں لگانا جو شریعت کے خلاف ہیں جائز نہیں ہیں۔

بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ الْاِشْتِرَاطِ وَالثُّنْيَا

باب اقرار میں شرط لگانا اور استثناء کرنا جائز

فِی الْاِقْرَارِ وَالشُّرُوْطِ الَّتِیْ يَتَعَارَفُهَا النَّاسُ بَيْنَهُمْ وَاِذْ قَالَ مِائَةٌ اِلَّا وَاحِدَةً اَوْ ثِنْتَيْنِ

ہے اور وہ شرطیں لگانا جائز ہیں جو لوگوں میں متعارف ہوں مثلاً کسی نے کہا ایک سو مگر ایک یا دو۔ یہ استثناء درست ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ رَجُلٌ لِّكَرِيِّهٖ اَدْخِلْ رِكَابَكَ فَاِنْ لَّمْ اَرْحَلْ مَعَكَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا فَلَكَ مِائَةُ دِرْهَمٍ فَلَمْ يَخْرُجْ فَقَالَ شُرَيْحٌ مَنْ شَرَطَ عَلٰى نَفْسِهٖ طَائِعًا غَيْرَ مُكْرَهٍ فَهُوَ عَلَيْهِ (بخاری)

ابن عون اور ابن سیرین کے واسطہ سے بیان کیا کہ کسی نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تم اپنی سواری تیار رکھو اگر میں تمہارے ساتھ فلاں دن نہ جا سکا تو تمہارے مجھ پر سو درہم، پھر وہ اس دن نہ جا سکا تو شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنی خوشی سے خود کو کسی شرط کا مکلف بنایا ہو اس پر کوئی جبر بھی نہیں کیا گیا تھا تو وہ شرط لازم ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ صرف حضرت قاضی شریح علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔ دوسرے فقہاء شرط کو لازم نہیں قرار دیتے۔

وَقَالَ اَیُّوبُ عَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ اِنَّ رَجُلًا بَاعَ طَعَامًا وَقَالَ اِنْ لَّمْ اٰتِکَ الْاَرْبِعَاءَ فَلَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بَیْعٌ فَلَمْ یَجِیْ فَقَالَ شُرَیْحٌ لِلْمُشْتَرِیْ اَنْتَ اَخْلَفْتَ فَقَضٰی عَلَیْهِ (بخاری)

ایوب نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ کسی شخص نے غلہ بیچا اور (خریدنے والے نے) کہا کہ اگر میں تمہارے پاس بدھ کے دن نہ آسکا تو میرے اور تمہارے درمیان بیع کا معاملہ باقی نہ رہے گا۔ پھر وہ اس دن نہیں آیا تو شریح رحمۃ اللہ علیہ نے خریدار سے کہا۔ تم نے وعدہ خلافی کی ہے۔ آپ نے وعدہ اس کے خلاف کیا۔

یعنی قاضی شریح نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ خریدار نے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس لیے یہ بیع ختم ہوگئی۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی اور مالک فرماتے ہیں کہ بیع تو صحیح ہے مگر شرط باطل ہے اور مشتری کو غلہ لے جانا ہوگا۔

استثناء اور اس کے مسائل

۱۔ ثُنْیَا کے معنی اقرار میں استثناء کے ہیں۔ استثناء خواہ قلیل کا کیا جائے یا کثیر کا دونوں جائز ہیں ۲۔ استثناء کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ کے بعد جو باقی رہا اس کا اقرار یا اثبات کر رہا ہے۔ استثناء کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ، کلام سابق کے ساتھ متصل ہو۔ بلا ضرورت درمیان میں فاصلہ نہ ہو۔ اگر ضرورت کی وجہ سے فاصلہ ہو جائے تو یہ مضر نہیں ہے مثلاً سانس ٹوٹ گئی یا چھینک آگئی یا کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تاکہ بول نہ سکے ——— واضح ہو کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ اقرار میں قلیل کا استثناء کثیر سے کیا تو یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کسی نے اپنے اقرار میں یہ کہا کہ میرے ذمہ زید کے ایک سو روپے ہیں مگر ایک تو یہ استثناء صحیح ہے اور اسے ننانوے ۹۹ روپے دینے لازم ہوں گے۔ اسی مثال میں اگر دو کا استثناء کیا تو بھی صحیح ہے اور اس شخص کو اٹھانوے روپے دینا لازم ہوں گے اور قلیل کا کثیر سے استثناء کے جواز پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ امام بخاری نے اپنے موقف کی دلیل میں حدیث زیر عنوان نقل کی ہے مگر حدیث میں کثیر کے استثناء کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے ——— اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اقرار میں خواہ استثنا قلیل کا کیا جائے یا کثیر کا دونوں جائز ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے اپنے اقرار میں کہا میرے ذمہ زید کے ایک سو روپے ہیں مگر ننانوے تو درست ہے اور اسے ایک روپیہ دینا لازم ہوگا یا اگر اپنی بیوی سے کہا تجھے تین طلاق مگر دو تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی۔ جمہور اپنے موقف کی دلیل میں یہ کہتے ہیں۔ جب قلیل کا استثناء جائز ہے تو کثیر کا بھی جائز ہونا چاہیے۔ نیز قرآن مجید کی ان دو آیتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ الا من اتبعك من الغاوین (الحجر ۴۲) الا عبادك منهم المخلصین (الحجر ۴۰)۔ ان دونوں آیتوں میں غاوین اور مخلصین کا استثناء کیا گیا ہے تو اگر مخلصین کو اکثر مانا جائے تو اس کا بھی آیت میں استثناء ہے اور اگر غاوین کو اکثر مانا جائے تو اس کا بھی آیت میں استثناء ہے۔ ثابت ہوا کہ اکثر کا استثنا کرنا جائز ہے ——— ۳۔ والشروط، یعنی بیع و شراء میں ایسی شرط لگانا جو لوگوں میں متعارف ہوں جائز ہیں بشرطیکہ وہ شرعاً ممنوع نہ ہوں۔ فقہاء اسلام نے اس سلسلہ کی متعدد مثالیں دی ہیں اور ان کے جواز کی دلیل عرف کو قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے فقہا نے بیع و شراء میں جس

شرط کو ناجائز قرار دیا ہے۔ عرف بدل جانے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں وہ شرط لگانا جائز ہو۔ مثلاً فقہار نے کہا ہے کہ گندم خریدی اس شرط پر کہ بائع اس کو پیس دے یا گھر پہنچا دے تو یہ شرط جائز نہیں ہے اور دلیل اس کی یہ دی ہے کہ مذکورہ بالا شرط عوام میں متعارف نہیں ہیں۔ لیکن اگر عرف بدل جائے اور یہ شرطیں عوام میں متعارف ہو جائیں تو پھر ایسی شرط لگانا جائز قرار پائیں گی ——— دیکھئے جب ہم بازار سے سبزی گوشت یا گھی یا تیل لینے جاتے تھے تو اس کے لیے مشتری کو کپڑا یا برتن اپنے ساتھ لے جانا ضروری تھا کیونکہ اس زمانہ میں عرف یہی تھا لیکن اب ہمارے اس زمانہ میں ان اشیاً کے لیے کپڑا یا برتن لے جانا ضروری نہیں ہے کیونکہ اب عُرف یہ ہو گیا ہے کہ دُودھ دہی یا گھی وغیرہ پلاسٹک کے تھیلے میں دینا بائع کی ذمہ داری ہے۔ فافہم

۲۵۴۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو، جو شخص ان سب کو حفظ کرے گا وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

اسمائے الٰہی کے متعلق چند ضروری فوائد و مسائل

۱۔ امام بخاری نے اس حدیث کو توحید اور دعوات میں بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے دعوت، نسائی نے یں اور ابن ماجہ و حاکم و ابن حبان نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۲۔ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور امام ترمذی اور امام بیہقی نے جو حدیث دعوات میں ذکر کی ہے اس میں ننانوے اسمار کا ذکر ہے۔ ترمذی کے ذکر کردہ اسمار میں سے ستائیس اسمارِ مبارکہ ایسے ہیں جن کا ذکر صراحۃً قرآنِ مجید میں نہیں ہے مثلاً القابض، الباسط، الخافض، الرافع، الواجد، الباقی، المقسط وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کچھ اسمارِ مبارکہ ایسے ہیں جو قرآن مجید میں بصیغہ اسم وارد ہوئے ہیں مگر روایتِ ترمذی میں الفاظ کا ذکر نہیں ہے اور کچھ اسمارِ مبارکہ ایسے ہیں۔ جن کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ترمذی شریف کی مذکورہ حدیث میں بلکہ دیگر احادیث میں ان کا ذکر آیا ہے جیسے حنان، منان، جواد، وتر، جمیل، قدیم، عادل، معطی، مغیث، طیب، طاہر، مبارک وغیرہ ۳۔ واضح ہو کہ اسمائے الٰہی جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں انہیں میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسمار ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب تورات، انجیل یا زبور میں ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اپنے ایک ہزار نام ذکر فرمائے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ

الٰہی میں تیرے ہر اس نام (کے توسل سے) جو تیرا (معروف) ہے۔ تو نے خود اس کو اپنا نام رکھا یا اس کو اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتلایا یا تو نے اس کو علمِ غیب (کے خزانہ) میں اپنے پاس ہی محفوظ

عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدِكَ　|　رکھا۔ (حصن حصین)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی انہیں الفاظ سے دُعا کی۔ تو ان کی دُعا کے مذکورہ بالا الفاظ کی حضور علیہ السلام نے تائید فرمائی۔ معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث میں جس قدر اسماءِ الٰہیہ کا ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مبارکہ ہیں اور ہمارے لیے ضروری ہے کہ مجمل طور پر تمام اسماءِ الٰہی پر ایمان لائیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو موسوم کیا ہے۔ خواہ وہ اسماء ہمیں معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ ۴۔ ترمذی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوا ___ اللہ جل جلالہٗ۔ ذاتِ سبحانی کا علم ہے۔ صرف اسی کے لیے خاص ہے۔ غیر پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ اسمًا لفظ اسم۔ سمو سے مشتق ہے۔ اس کے معنی بلندی، برتری، علامت کے ہیں۔ جس سے وہ چیز دیگر اشیاء سے ممیز، برتر اور علیحدہ شمار میں آتی ہے۔ چونکہ تعینِ اسم کے فوائد و اغراض یہی ہیں۔ اس لیے نام کو اسم کہتے ہیں۔ اسماء الحسنیٰ میں جو لفظ حسنیٰ ہے۔ یہ احسن کی جمع ہے۔ ۵۔ احصاھا کا ترجمہ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حفظ کرنے کے کیے ہیں۔ یعنی جس مسلمان نے ان تمام اسماءِ الٰہیہ کو حفظ کر لیا وہ جنتی ہے۔ صحیح حدیث میں بھی اس کے معنی حفظ کرنے کے آئے ہیں۔ مَنْ حَفِظَھَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (مسلم) علامہ طیبی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ حفظ کرنے سے مراد ان تمام اسماء کو بار بار پڑھنا اور ان کا ورد کرنا ہے۔ نیز علماء نے احصاء کے متعدد معنیٰ بیان کیے ہیں۔

۱۔ احصاء کے معنیٰ یہ ہیں کہ دُعا مانگنے والا صرف چند اسماء پر اکتفا نہ کرے بلکہ تمام اسماء کو پڑھ کر دُعا مانگے ۲۔ احصاء کے معنیٰ ان اسماء کے مقتضیٰ و مفہوم پر عمل درہے مثلاً رازق کہے تو اللہ تعالیٰ کی رزق رسانی پر یقین و اعتماد ہو ۳۔ احصاء سے مراد ان اسماء کے معنیٰ و مفہوم اور اسرار و رموز کو بخوبی سمجھ لینا ہے۔ محاورہ ہے فلاں ذوحصاۃ یعنی فلاں شخص صاحب عقل و ہوش ہے۔ علامہ قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے خواہ کوئی بھی صورت ہو صحتِ نیت کے ساتھ بہر صورت بندے کو جنت میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ (فتح الباری ج　ص　)

۶۔ بعض لوگ اسماءِ الٰہیہ کو اللہ تعالیٰ کے غیر پر استعمال کو مطلقاً شرک و کفر قرار دیتے ہیں۔ ایسا کہنا درست نہیں بلکہ ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ بعض اسماء ایسے ہیں جن کا اطلاق غیر اللہ پر بلا شبہ جائز ہے بلکہ بعض اسماء تو ایسے ہیں جن کا غیر اللہ پر اطلاق بلا شبہ جائز ہے بلکہ بعض اسماء تو ایسے ہیں جن کا غیر اللہ پر اطلاق قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز، ملک، مومن، شہید۔ بہر حال جن اسماءِ الٰہیہ کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے ان کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے کیونکہ بندوں کے ناموں میں وہ معنیٰ مراد نہیں ہیں جن کا ارادہ اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنے میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی صفات ازلی، ابدی، سرمدی، ذاتی ہیں اور تغیر و تبدل سے پاک ہیں۔ بندے کا نام کریم رکھ دیجئے۔ اس کی یہ کیفیت اور خصوصیت کہاں؟

فائدہ: ۷۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء جیسے الکریم، الرحیم، العزیز، اللطیف، الکبیر، الخالق کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے۔ گو کہ جن معنیٰ میں ان اسماء کا اطلاق بندے پر ہوتا ہے اس

معنی میں اللہ پر نہیں ہوتا اور اللہ اور الرحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں۔ اسی طرح یا الرحم الراحمین و یا اکرم الاکرمین یا خالق السموٰت و الارضین کا اطلاق بھی غیر اللہ پر جائز نہیں ۲۔ بعض اسماء الٰہی وہ ہیں جن کا اکیلے ذکر کرنا جائز ہے جیسے یا اللہ، یا رحمٰن، یا حیّ، یا حکیم یعنی ان کو ملا کر ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً صرف یا حیّ کہہ سکتے ہیں جیسے کہ یا اللہ کہہ سکتے ہیں اور بعض اسماء کے ذکر کی کیفیت یہ نہیں ہے مثلاً ممیت اور ضار۔ ان کا اکیلا ذکر کرنا جائز نہیں جیسے یا ممیت، یا ضار نہیں کہہ سکتے بلکہ واجب ہے کہ یوں ذکر کیا جائے یا محی یا ممیت۔ یا ضار یا نافع۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۲۷)

اسماء الٰہیہ میں الحاد کی ممانعت اور اس کی صورتیں

۸۔ اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۤءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَاۤئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاعراف پ۹ آیت ۱۸۰)

اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انھیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے۔

مشرکین نے اعتراض کیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو ہے کہ وہ ایک پروردگار کی عبادت کرتے ہیں پھر وہ اللہ اور رحمٰن دو کو کیوں پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور انھیں بتایا گیا کہ معبود تو ایک ہی ہے۔ نام اس کے بہت ہیں۔ فادعوا بہا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا، تسبیح و تمجید انھیں اسماء حسنیٰ کے ساتھ کی جائے۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہیں ناموں سے پکارا اور موسوم کیا جائے۔ جن کا ذکر قرآن و حدیث میں آگیا ہے۔ اپنی طرف سے ایسا کوئی نام مقرر کرنا یا ایسے ناموں سے اسے یاد کرنا جائز نہیں ہے جن کا ذکر قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ فادعوہ بہا کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو نام یا صفت قرآن و حدیث میں ذکر ہو گئی ہے اسی اسماء کے ساتھ قسم اٹھاؤ۔ کسی اور نام سے نہیں ——— وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ الخ ازروئے لغت الحاد کے معنیٰ مقصد سے ہٹنے کے ہیں۔ حق سے عدول، تحریف و تبدیل، صحیح معنیٰ کو ترک کرنا الحاد ہی ہے۔ اس آیت میں ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے جو اسماء الٰہیہ میں الحاد سے کام لیتے ہیں۔ اسماء الٰہی میں الحاد کی متعدد صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالےٰ کے ناموں کو ذرا بگاڑ کر بتوں پر اس کا اطلاق کرنا جیسے مشرکین اللہ کا لات، عزیز کا عزیٰ اور منان کا منات کرکے اپنے بتوں کا نام رکھتے تھے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نام مقرر کیا جائے جو قرآن و حدیث میں نہ آیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثنا اسی نام یا صفت سے کی جائے جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ اپنی طرف سے اس کا کوئی نام یا صفت مقرر کرنا اسماء الٰہی میں الحاد کجروی اور حق سے تجاوز ہے۔ کریم، سخی، نور، ابیض، شافی، طبیب، یہ الفاظ گو کہ ہم معنیٰ ہیں مگر ان میں سے اللہ تعالیٰ کو سخی، ابیض اور طبیب نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ منقول نہیں ہیں۔ سوم یہ کہ ذاتِ الٰہی کے اجلال و احترام کا خیال رکھنا اور حسنِ ادب کی رعایت بھی لازم و ملزوم ہے اس لیے یا خالق القردہ کہنا جائز نہیں اگرچہ حقیقت ہے۔ اس کی جگہ یا خالق الخلق کہنا چاہیے چہارم یہ کہ اللہ تعالےٰ کے لیے ایسا نام مقرر کرنا جس کے معنیٰ فاسد ہوں یہ بہت ہی سخت ناجائز ہے جیسے رام،

یا پرماتما سے اسے موسوم کرنا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے اسماء کا اطلاق جن کے معنی معلوم نہیں ہیں اور یہ نہیں جانا جاسکتا کہ وہ جلالِ الٰہی اور شانِ الٰہی کے لائق ہیں یا نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان از صدر الافاضل علیہ الرحمۃ)

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْوَقْفِ

باب وقف میں شرطوں کا حکم

مطلب عنوان یہ ہے کہ مکان، زمین اور وہ منقول اشیاء جن کے وقف کا رواج ہے ان کو وقف کیا اور واقف نے وقف کی آمدنی یا وقف کو استعمال کرنے کے متعلق شرائط عائد کر دیں تو شرطیں لگانا جائز ہے اور واقف نے جو شرطیں لگا دی ہیں۔ انہی شرطوں کے مطابق نظامِ اوقاف کو چلانا واجب و لازم ہے۔ واقف کی شرائط کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ شرط الواقف کنص الشارع (فتح المعین ج ۲ ص ۵۱۴)

۲۵۵۰۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَامِرُهُ فِيهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّي اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَامُرُ بِهٖ قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا قَالَ فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَآءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهَا اَنْ يَّاكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ وَيُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهٖ ابْنَ سِيرِينَ فَقَالَ غَيْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظم کو خیبر میں ایک زمین ملی۔ انہوں نے بحضور نبوت عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھ کو خیبر میں ایک زمین ملی ہے۔ اس سے زیادہ نفیس مال مجھ کو کبھی نہیں ملا۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو اصل کو روک لو۔ اور اس کے منافع کو صدقہ کر دو۔ حضرت عمر نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ صدقہ کیا کہ اصل نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو اور اس کے منافع فقراء اور رشتہ والوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے مجاہدوں کے لیے، مسافروں اور مہمانوں کے لیے خرچ کیے جائیں اور خود متولی اس میں سے دستور کے مطابق کھائے یا دوسروں کو کھلائے تو حرج نہیں بشرطیکہ اس میں سے مال جمع نہ کرے۔ ابن عوف نے کہا۔ جب میں نے یہ حدیث ابن سیرین کو سنائی تو انہوں نے کہا متولی وقف سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو (یعنی غیر متمول کے یہ معنی ہیں)

فوائد و مسائل اس حدیث سے وقف کرنے کا استحباب و جواز ثابت ہوا اور یہ بھی کہ عمدہ مال کو وقف کرنا، صلہ رحمی کرنا اور اپنے رشتہ داروں کے لیے وقف کرنا، امورِ خیر میں صاحب بصیرت افراد سے مشورہ کرنا مسنون ہے۔

وقف کے متعلق چند ضروری وضاحتیں ۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة اشياء صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له

(رواه الجماعة الا البخاری)

جب آدمی انتقال کر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے ۱۔ صدقہ جاریہ (وقف) ۲۔ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ۳۔ اولادِ صالح جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

۱۔ اس حدیث اور زیرِ بحث حدیث ابن عمر کو علماء نے وقف کے استحباب اور جواز کے لیے اصل قرار دیا ہے۔ جمہور اور امام ابو یوسف و محمد کے ہاں وقف کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو اپنی مِلک سے خارج کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی مِلک کر دینا۔ اس طرح کہ وقف کے منافع بندگانِ خدا میں سے جس کو واقف چاہے ملتے رہیں یا جن امورِ خیر کے لیے واقف نے وقف کیا ہے وقف کو انہی امور میں استعمال کیا جائے۔ صاحبین کے نزدیک چونکہ محض وقف کر دینے سے وقف لازم ہو جاتا ہے اس لیے واقف نہ وقف سے رجوع کر سکتا ہے نہ اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ کسی کو ہبہ کر سکتا ہے اور نہ واقف کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی ـــــــ وقف کی آمدنی کو واقف کی شرائط کے مطابق خرچ کرنا واجب و لازم ہے۔ وقف کا منتظم وقف کی آمدنی سے اپنے گزر اوقات کے لیے دستور کے مطابق لے سکتا ہے ۲۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی وقفِ لازم کے احکام وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ ۳۔ واضح ہو کہ جمہور اور امام محمد و امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ جب واقف نے کسی شی کو وقف کر دیا تو محض اس کے وقف کرنے سے وہ چیز واقف کی مِلک سے خارج ہو جائے گی ـــــ اور سراجِ اُمت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے محض وقف کرنے سے شی موقوفہ واقف کی مِلک سے خارج نہ ہوگی ـــــ ہاں اگر قاضی وقف کو لازم کر دے یا خود واقف یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ شے وقف ہے ـــــــــ تو اب شی موقوفہ واقف کی مِلک سے خارج ہو جائے گی۔ سیّدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے موقف کے دلائل سے ایک دلیل یہ ہے۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ بات یاد نہ ہوتی کہ میرا یہ صدقہ حضور علیہ السلام کی رضا کے لیے ہے تو میں اس کو واپس کر لیتا یعنی اس وقف کو فسخ کر دیتا۔ لولا ذكرت صدقتی لرسول الله صلى الله عليه وسلم او نحو هذا لرددتها (طحاوی ج ۲ ص ۲۵۰) حضرت عمر کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ محض وقف کرنے سے شے موقوف واقف کی مِلک سے خارج نہیں ہوتی اور واقف رجوع کر سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت عمر نے اس سے رجوع کیوں نہ فرمایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ جو کام انھوں نے حضور علیہ السلام کے مشورہ کے مطابق کیا اور حضور کی حیاتِ اقدس میں اس پر قائم رہے اسے حضور کے وصال کے بعد فسخ کر دیں جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان نفلی روزوں کو حضور کے وصال کے بعد ترک کرنا گوارا نہ کیا جو وہ حضور کی حیاتِ اقدس میں رکھا کرتے تھے۔ حالانکہ شرعاً ان کو ان نفلی روزوں کو ترک کر دینا جائز تھا۔ مزید توضیح کے لیے عینی ج ۱۳ ص ۲۵ فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲۳ ملاحظہ کیجیے۔

وقف کے متعلق سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے موقف کی وضاحت

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے موقف کی صحیح پوزیشن یہ ہے۔ اوّل واقف اصل شے کو اللہ تعالیٰ کے لیے وصدقہ کر دے۔ یا مسجد، مقبرہ، مسافرخانہ، رفاہِ عامہ کے لیے کوئی عمارت بنا دے تو اس صورت میں واقف کے محض وقف کرنے سے وقف لازم ہو جائے گا۔ یہ صورت متفقہ ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے۔ دوم یہ کہ واقف اصل شے کو اپنی ملک میں رکھے اور اس شے کے ثمرہ اور منفعت کو فقراء وغیرہ کے لیے مختص کر دے۔ اس صورت میں واقف کے لیے یہ واجب ہے کہ جبتک وہ زندہ رہے اس شے کی منفعت، یعنی آمدنی کو انہیں امور میں خرچ کرے جن کے لیے اس نے ان کو وقف کیا ہے۔ اس صورت کے جواز پر بھی سب کا اتفاق ہے ــــ مگر لزوم میں اختلاف ہے۔ صاحبین لزوم کا قول کرتے ہیں اور سیّدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ جواز کے تو قائل ہیں مگر لزومِ وقف کے قائل نہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ صورتِ دوم میں وقفِ لازم اس وقت ہوگا جب کہ قضاءً قاضی ہو یا واقف نے تابید کی شرط لگائی یا واقف نے بعد وفات کی قید لگائی ہو۔

لزوم و عدم لزوم کے معنیٰ

عبر عن اللزوم بزوال الملك (فتح المعین ج ۲ ص ۵۰۲) زوالِ ملک واقف کو لزوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وقف لازم کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیٔ محض واقف کے وقف کر دینے سے واقف کی ملک سے خارج ہو جائے گی اور وقف غیر لازم کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز واقف کی ملک سے خارج نہ ہوگی۔ واقف وقفِ غیر لازم سے رجوع کر سکتا ہے، کسی کو ہبہ کر سکتا ہے اور واقف کے مرنے کے بعد وقفِ غیر لازم میں وراثت بھی جاری ہوگی۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا موقف عقلاً و نقلاً بہت قوی ہے عقلاً اس لیے کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع اور نقلاً کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید ابن عبد ربہ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرا یہ باغ صدقہ (وقف) ہے اور یہ اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ پھر حضرت ابن زید کے والدین نے بحضورِ نبوت عرض کی یہ باغ بہت قیمتی ہے (یعنی ہم اس وقف سے رجوع کرتے ہیں) حضور نے وہ باغ انہیں واپس دیدیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ وقف غیر لازم واقف کی ملک سے خارج نہیں ہوتا اور واقف کو اس وقفِ غیر لازم سے رجوع ہبہ بیع وغیرہ کا حق باقی رہتا ہے۔

کِتَابُ الوَصَایَا

یہ کتاب وصیت کے احکام کے متعلق ہے

وصیت کے لغوی معنیٰ اتصال کے ہیں۔ اور وصیت کو وصیت اس لیے کہتے ہیں کہ میّت کے معاملات کے ساتھ متصل ہوتی ہے یا یہ کہ وصیت کرنے والا اپنی زندگی کے معاملات کو زندگی کے بعد کے ساتھ متصل کر دیتا ہے۔ وصیت کے شرعی معنیٰ تملیك مضاف الی ما بعد الموت ہیں یعنی موت کے بعد کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَّةُ الرَّجُلِ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَانِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (سورہ بقرہ ۱۸۰)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ آدمی کی وصیت لکھی ہوئی ہونی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لیے موافق دستور۔ یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر (بخاری)

فوائد و مسائل

واضح ہو کہ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرتے وقت ایسے لوگوں کے نام اپنے مال کی وصیت کر جاتے جن کا ان سے دُور کا بھی رشتہ نہ ہوتا اور اس عمل کو وہ زعمِ باطل میں سخاوت سے تعبیر کرتے اور اگر کوئی وصیت کیے بغیر مر جاتا تو وراثت صرف اولاد اور بیٹوں میں بٹ جاتی اور دوسرے رشتہ دار بالکل محروم رہتے۔ چونکہ یہ طریقہ ظلمِ صریح تھا۔ اس لیے قرآن نے حکیمانہ انداز سے اس کی اصلاح فرمائی۔ ابتدا میں انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں۔ لیکن اتنے اہم کام کو عوام کی مرضی پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس لیے کچھ مدت کے بعد سورہ نساء میں وراثت کے احکام تفصیل سے بیان فرما دیئے اور والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے کے حکم کو منسوخ فرما دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ وصیت اور احکامِ وراثت کی وضاحت فرماتے ہوئے دو قاعدے بیان فرمائے۔ اوّل یہ کہ رشتہ داروں کے حق میں وصیت کی ممانعت فرما دی۔ دوم ہر شخص کو اپنے مال کے تیسرے حصہ تک وصیت کرنے کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو ۱/۳ حصہ تک اپنے غیر وارث رشتہ داروں یا دوسرے مستحق لوگوں یا رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔

وصیت اور اس کے چند ضروری مسائل

۱۔ خیر کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس میں سے ایک معنیٰ، مال کے بھی ہیں۔ باتفاق مفسرین یہاں اس آیت میں خیر سے مال مراد ہے۔ ابتدائے اسلام میں جب وارثوں کے میراث میں حصے مقرر نہ ہوئے تھے۔ یہ فرض تھا کہ اپنے والدین اور قریب کے رشتہ داروں کے موافقِ دستور کے وصیت کر دے یعنی موافقِ دستور شریعت کے عدل کرے اور ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کرے۔ جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو حکمِ وصیت منسوخ ہو گیا ___ تفسیر احمدی میں ہے کہ ابتداءِ اسلام میں یہ وصیت فرض تھی جب میراث کے احکام نازل ہوئے تو یہ منسوخ کر دی گئی۔ اب غیر وارث کے لیے تہائی مال سے کم میں وصیت کرنا مستحب ہے بشرطیکہ وارث محتاج نہ ہوں یا ترکہ ملنے پر محتاج نہ رہیں ورنہ ترکِ وصیت سے افضل ہے (تفسیر احمدی) ___ ۲۔ حضرت ابن عمر، ابو موسیٰ، سعید بن مسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن زبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، قتادہ، سعدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیم نخعی، قاضی شریح، ضحاک اور ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۰ منسوخ ہے یعنی سورہ نساء کی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ (نساء، ۷) نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اکثر مفسرین اور فقہا معتبرین

کا بھی یہی قول ہے ۳۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (ترمذی)	اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق مقرر فرما دیا ہے۔ اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے (عینی ج ۱۴ ص ۲۶)

۴۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ تُجِيْزَهُ الْوَرَثَةُ (احکام القرآن جصاص)	کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ سب وارث اس کی اجازت دیں (تو جائز ہے)

امام جصاص نے اس حدیث کو حکماً متواتر قرار دیا ہے اور امام طبری نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی تو اس پر اجماع صحابہ ہو گیا ــــ آیت میراث، حدیث رسول اور اجماع صحابہ نے ان لوگوں کے حق میں جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے فرضیت وصیت کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح وہ رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ مقرر نہیں ہے۔ ان کے حق میں بھی فرضیت وصیت منسوخ ہو گئی۔
۵۔ حدیث مذکورہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ جن وارثوں کے حصے قرآن نے مقرر کر دیئے ہیں ان کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ ہاں اگر تمام ورثار اس وصیت کی اجازت دیدیں تو جائز ہے۔ ۶۔ ایک مسلمان کو اپنے مال کے تہائی میں وصیت کرنے کا حق ہے۔ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ہے تو اگر کسی نے وصیت کی تو اس کے مال کے تیسرے حصہ میں وصیت جاری و نافذ ہوگی اور ورثار کو یہ حق نہیں ہے۔ ایک تہائی مال کی وصیت کو رد کر دیں۔ ایسا کرینگے تو سخت ظالم اور گنہگار پائیں گے۔ اگر وصیت کا مقدمہ اسلامی عدالت میں پہنچ جائے تو متوفی نے جو وصیت کی ہے قاضی متوفی کے تہائی مال میں حکماً نافذ کرائے گا کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ورثہ کا حق وصیت سے مؤخر رکھا ہے۔ سورۂ نسار کی آیت ۱۱ میں ارشاد ہے :۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ	بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دین کے۔

یعنی وصیت اور دین ترکہ کی تقسیم سے مقدم ہے اور دین (قرض) وصیت پر بھی مقدم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ الدَّيْنَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ ـــــ لہٰذا نفاذ وصیت سے پہلے متوفی کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین بقدر مسنون کی جائے گی۔ متوفی پر اگر کسی کا قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے گا یعنی مصارف تجہیز و تکفین بقدر مسنون اور ادائے قرض کے بعد جس قدر جائداد منقولہ وغیر منقولہ باقی بچے، اس کے تیسرے حصہ میں وصیت جاری و نافذ ہوگی۔ وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے حسب ضابطہ شریعت ورثار میں تقسیم کیا جائیگا۔

فائدہ اور اگر متوفی نے تیسرے حصہ سے زائد وصیت کی ہے تو اس زائد علی الثلث کا نافذ ہونا وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ یعنی اگر تمام وارث اجازت دیدیں تو وارثوں کی اجازت سے وہ بھی جائز اور واجب التسلیم ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر متوفی نے اپنے مال و دولت کے تیسرے حصے سے زائد وصیت کی ہے یا کل مال کی وصیت کر دی

ہے اور ان دونوں صورتوں کو وارثوں نے جائز نہیں قرار دیا تو پھر متوفی کے مال کے تیسرے حصہ میں وصیت جاری و نافذ ہوگی۔

وصیت واجب اور حرام فقہاء اسلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی پر اللہ تعالیٰ کا حق ادائیگی سے رہ گیا ہے مثلاً کسی سال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی یا حج نہیں کیا یا نماز روزے چھوٹ گئے جن کی قضا نہیں کی تو حج و زکوٰۃ کی ادائیگی اور نماز روزہ کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے ___ اسی طرح اگر کوئی شخص بندوں کے حقوق ادا نہیں کر سکا۔ مثلاً کسی پر اس کا قرض ہے یا کوئی چیز امانت رکھی ہوئی ہے یا کسی کی کوئی چیز غصب کر رکھی ہے جن کا کسی کو پتہ نہیں ہے تو ان کی ادائیگی کی وصیت کرنا بھی واجب ہے ___ اور گناہ و معصیت کے کاموں کی انجام دہی کے لیے وصیت کرنا حرام و گناہ ہے (رد المحتار وغیرہ کتب فقہ)

۱۲۵۵۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس وصیت کے لائق کوئی چیز ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ وصیت کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کیے بغیر دو رات گزار دے۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم، مالک، ترمذی، نسائی، احمد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے ۲۔ اس حدیث سے متعلق مختلف اقوال علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۴ ص ۲۸ پر تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیئے ہیں ۳۔ اس حدیث سے علماء اہل ظاہر نے یہ استدلال کیا کہ مطلقاً وصیت کرنا واجب ہے مگر ان کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔ حدیث میں یہ الفاظ "یرید ان یوصی جو وصیت کرنے کا ارادہ کرے" سے ظاہر ہے کہ وصیت کا حکم ہر شخص کے لیے نہیں ہے۔ البتہ آدمی پر اگر کسی کا حق ہے۔ قرض، امانت وغیرہ تو اس کو وصیت کرنا واجب ہے تاکہ حقدار کا حق ضائع نہ ہو ۴۔ احناف کہتے ہیں کہ وصیت کی مشروعیت پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن مطلقاً وجوب کا قول کرنا درست نہیں ہے۔ وصیت کرنا مستحب ہے چونکہ اپنے مال میں دوسرے کا حق ثابت کرنا وصیت ہے اس لیے یہ واجب نہیں جیسے ہبہ اور عاریت واجب نہیں ہے اور اس حدیث سے وجوب کا قول کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہوں نے وصیت نہیں کی۔ ان کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ جو حدیث انہوں نے روایت کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وصیت کرنا واجب ہے ۵۔ حضرت امام نخعی، شعبی ثوری، امام مالک اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مطلقاً وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سلف اوّل میں سے میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے مطلقاً وجوب وصیت کا قول کیا ہو ___ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حضرت ابن منذر نے حضرت ابو ثور سے نقل کیا ہے کہ حدیث زیر بحث میں جو وصیت کا ذکر ہے تو اس کا تعلق صرف اس صورت سے ہے کہ جس پر اللہ کا

یا بندہ کا کوئی حق ہو مثلاً نماز روزہ کا فدیہ، قرض امانت وغیرہ تو ایسے شخص پر وصیت کرنا واجب ہے (عینی ج ۱۴ ص ۲۹)

۲۵۵۲- اَبُوْ اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحٰرِثِ خَتَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخِیْ جُوَیْرِیَۃَ بِنْتِ الْحٰرِثِ قَالَ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِہٖ دِرْھَمًا وَلَا دِیْنَارًا وَلَا عَبْدًا وَّلَآ اَمَۃً وَّلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَتَہُ الْبَیْضَآءَ وَسِلَاحَہٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَۃً (بخاری)

ابو اسحٰق اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی عمرو بن حرث نے جو حضرت جویریہ ام المؤمنین کے بھائی تھے، بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت سوائے اپنے سفید خچر، اپنے ہتھیار اور اپنی زمین کے جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا نہ کوئی درہم چھوڑا تھا نہ دینار، نہ غلام، نہ باندی اور نہ کوئی اور چیز۔

فوائد و مسائل ۱- اس حدیث کو امام بخاری نے خمس، جہاد، مغازی میں بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے شمائل میں اور نسائی نے احباس میں ذکر کیا ہے ۲- ابن اعرابی، ابن فارس اور اصمعی کہتے ہیں۔ ختن بیوی کے بھائی یا باپ کو کہتے ہیں اور عام طور پر داماد کو ۳- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خچر تھے ۱- بغلہ فضہ، یہ فروہ بن عمرو جذامی نے آپ کو ہدیہ دیا۔ حضور نے یہ خچر حضرت ابوبکر کو عطا فرما دیا تھا ۲- بغلہ ایلیہ، یہ آپ کو ایلہ کے بادشاہ ابن علما نے ہدیہ کیا یہ سفید رنگ کا تھا ۳- ایک خچر شاہ حبشہ نے ۴- ایک صاحب ذوالجندل نے آپ کو ہدیہ کیا۔ ۵- بغلہ شہبار، جسے دلدل سے موسوم کیا جاتا ہے حضور اقدس کے وصال کے بعد دلدل حضرت علی کی تحویل میں آیا ان کے وصال کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس رہا۔ یہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ حضرت عبداللہ اسے جو باریک کر کے کھلاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ کے دورِ خلافت میں اس کا انتقال ہوا۔ حدیث زیر بحث میں اسی دلدل کا ذکر ہے یعنی بغلۂ شہبار سیاہی پر سفیدی کا غلبہ ہو تو اس کو شہبار کہتے ہیں ۴- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں اور پانچ تیر تھے۔ آپ کی تلواروں میں ذوالفقار مشہور ہے جو آپ کو غزوۂ بدر میں حاصل ہوئی تھی۔ یہ تلوار حضور نے حضرت علی کو عطا فرما دی تھی۔ پھر حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس آئی۔ پھر حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تحویل میں آئی ۵- امام ابن تین علیہ الرحمہ نے فرمایا اس حدیث میں جس زمین کے صدقہ کرنے کا ذکر ہے اس سے فدک مراد ہے (عینی و کرمانی) ۶- اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ وصال کوئی مال و دولت نہیں چھوڑا جس میں میراث جاری ہوتی۔ حضور کا فقر اختیاری تھا۔ جو کچھ آپ کو ملتا تھا وہ حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ ہم کسی مال و دولت کا وارث نہیں بناتے جو چھوڑ بھی جائیں وہ صدقہ ہے۔ زمانہ طالب علمی میں لکھا ہوا راقم کا ایک رسالہ بنام باغ فدک اور حدیث قرطاس میں ان مسائل پر تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے۔

۲۵۵۳- حَدَّثَنَا طَلْحَۃُ بْنُ مُصَرِّفٍ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ اَبِیْ اَوْفٰی ھَلْ کَانَ

طلحہ بن مصرف نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى فَقَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ اَوْ اُمِرُوْا بِالْوَصِيَّةِ قَالَ اَوْصٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ

(بخاری)

کی تھی۔ انھوں نے کہا، نہیں۔ اس پر میں نے پوچھا کہ پھر وصیت کس طرح لوگوں پر فرض ہوئی یا لوگوں کو وصیت کا حکم کیوں دیا گیا انھوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی تھی۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے مغازی اور فضائلِ قرآن میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے وصایا میں ذکر کیا ہے ۲۔ حضرت طلحہ بن مصرف نے یہ سوال کیا تھا کہ جب آپ نے خود وصیت نہیں فرمائی تو لوگوں پر وصیت کرنا کیوں فرض کیا؟ اس سوال کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انھوں نے یہ خیال فرمایا کہ وصیت کا حکم اب بھی باقی ہے حالانکہ یہ حکم منسوخ ہوچکا تھا جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان ہوا —— بہرحال حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے واضح کردیا کہ حضور علیہ السلام نے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید پر عمل کرنے کی وصیت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے نہ تو مال کی وصیت کی اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے خلیفہ بلافصل ہونے کی وصیت فرمائی جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں

۲۵۵۴۔ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ ذَكَرُوْا عِنْدَ عَائِشَةَ اَنَّ عَلِيًّا وَصِيًّا فَقَالَتْ مَتٰى اَوْصٰى اِلَيْهِ وَقَدْ كُنْتُ مُسْنِدَتَهٗ اِلٰى صَدْرِيْ اَوْ قَالَتْ حَجْرِيْ فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدِ انْخَنَثَ فِيْ حَجْرِيْ فَمَا شَعَرْتُ اَنَّهٗ قَدْ مَاتَ فَمَتٰى اَوْصٰى اِلَيْهِ (بخاری)

اسود بن یزید کہتے ہیں لوگوں نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ حضرت علی کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کب وصیت فرماتے حضور میرے سینے یا میری گود میں سہارا لیے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے پانی کا طشت منگایا پھر حضور میری گود میں آرہے اور مجھے معلوم ہی نہ ہوا کہ آپ وصال فرما چکے ہیں۔ تو آپ نے کس وقت حضرت علی کے لیے وصیت کی؟

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے مغازی میں، مسلم نے وصایا میں، ترمذی نے شمائل میں، نسائی نے طہارت اور اور وصایا میں، اور ابن ماجہ نے جنائز میں ذکر فرمایا ۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ تصریح فرمادی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے خلافت کی وصیت نہیں فرمائی البتہ مسلم شریف کی حدیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالنے اور وفد کی عزت کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ (مسلم کتاب الوصیۃ حدیث نمبر ۱۶۱۹)

۲۔ امام بخاری نے حدیث کا صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔ مکمل حدیث اس لیے ذکر نہیں کی کہ وہ ان کی شرط پر نہ تھی۔

۳۔ اگرچہ اس حدیث کی تمام اسناد پر محدثین نے کلام کیا ہے مگر مجموعہ اسناد صحت پر دال ہے اسی لیے سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ متن حدیث متواتر ہے کیونکہ تمام محدثین اور فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال یہ فرمایا۔ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (فتح الباری) علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ عنوان حدیث

مرفوع کا ایک حصہ ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز ابن ماجہ نے حضرت انس سے، ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے، دارقطنی نے محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا:۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ اِلَّا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ | کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کا حصہ مقرر فرما دیا ہے اب کسی کے لیے وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

لَا تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ الْوَرَثَةُ (عمدۃ القاری صفحہ ۳۸ ج ۱۴) | وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ تمام ورثا اجازت دے دیں۔

۳۔ حدیث میں لایجوز، لاتصح، لاوصیۃ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وارث کے لیے کسی نے وصیت کی تو وہ وصیت لازم نہ ہوگی۔ اس کا نفاذ نہ ہوگا۔ ہاں اگر تمام ورثا اجازت دیں تو وصیت لازم و نافذ ہوگی۔ مسائلِ شریعت گزشتہ اوراق میں ذکر ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ اس حدیث میں قرآن مجید کی جس آیت کا ذکر ہے اس سے واضح ہوا کہ ابتدائے اسلام میں والدین کے لیے وصیت کرنے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب کا حصہ مقرر فرما دیا (۱) لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر (۲) شوہر اگر انتقال کر جائے اور اس کی اولاد ہو تو بیوی کے لیے آٹھواں حصہ (۳) اور اگر اولاد نہ ہو تو بیوی کے لیے چوتھا حصہ (۴) اگر بیوی کا انتقال ہو جائے اور اس کی اولاد ہو تو شوہر کو چوتھا حصہ (۵) اگر اولاد نہ ہو تو شوہر کا نصف حصہ مقرر فرمایا۔

۵۔ اگر انتقال کرنے والے شخص نے ورثہ کی اجازت سے وارث کے لیے وصیت کی تو اس شخص کے انتقال کے بعد وارثوں کو رجوع کا حق ہے یا نہیں؟ حضرت عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابن ابی لیلیٰ، زہری، ربیعہ اور امام اوزاعی رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ ورثہ رجوع نہیں کر سکتے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود، قاضی شریح، حکم، طاؤس، سفیان ثوری، ابو ثور، سیدنا امام شافعی و امام احمد اور سراجِ امت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ورثہ اگر رجوع کرنا چاہیں تو انہیں رجوع کا حق ہے۔ مزید تفصیل کے لیے عینی ج ۱۴ صفحہ ۳۹ دیکھیے۔

بَابُ اَنْ يَّتْرُكَ وَرَثَتَهٗ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ

باب اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا اس سے بہتر ہے

اَنْ يَّتَكَفَّفُوا النَّاسَ | کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں

۲۵۵۵۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِىْ وَاَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِىْ هَاجَرَ مِنْهَا قَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ عَفْرَاءَ | حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں اس وقت مکہ میں تھا۔ حضور اکرم اس زمین پر موت کو پسند نہیں فرماتے تھے جہاں سے کوئی ہجرت کر چکا ہو۔ حضور نے

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْصِيْ بِمَالِيْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ وَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّكَ مَهْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَّفَقَةٍ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتّٰى اللُّقْمَةَ الَّتِيْ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ امْرَأَتِكَ وَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَّيُضَرَّبِكَ اٰخَرُوْنَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ يَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَةٌ (بخاری)

فرمایا اللہ ابن عفرا (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں اپنے سارے مال و دولت کی وصیت (اللہ کے راستے میں) کردوں؟ آنحضور نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا، پھر آدھے کی کردوں؟ آپ نے اس پر بھی فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا پھر تہائی کی کردوں؟ آنحضرت نے فرمایا۔ تہائی کی کرسکتے ہو اور یہ بھی بہت ہے۔ اگر تم اپنے وارثوں کو اپنے پیچھے مالدار چھوڑدو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انھیں محتاج چھوڑدو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اس میں کوئی شبہ نہ رکھو کہ جب بھی تم کوئی چیز (جائز طریقہ) پر خرچ کروگے تو وہ صدقہ ہوگا۔ ...... وہ لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں اٹھا کر دوگے (وہ بھی صدقہ ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے گا اور اس کے بعد تم سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوگا اور دوسرے نقصان اٹھائیں گے۔ اس وقت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صرف ایک صاحبزادی تھیں۔

صدقہ وخیرات کا ضابطہ وصیت کے مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الجنائز میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت سعد مالدار شخص تھے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ انھوں نے بحضور نبوت عرض کی ۔۔ اِنَّ مَالِيْ كَثِيْرٌ (میں بہت مالدار ہوں) معلوم ہوا کہ جائز طریقہ سے مال و دولت حاصل کرنا جائز ہے۔ پھر انہوں نے عرض کی میں اپنے کل مال کی وصیت کردوں۔ حضور نے فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کی نصف مال کی وصیت کردوں؟ حضور نے فرمایا نہیں۔ پھر انہوں نے تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا: ہاں مگر یہ بھی زیادہ ہے۔ معلوم ہوا کہ تہائی مال سے بھی کم کی وصیت کرنا مناسب ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے مال کے تہائی حصہ کی وصیت کرنا بہرحال و بہرصورت جائز ہے۔ اس سے زیادہ کی جائز نہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اگر ورثا مالدار ہوں تو ایک تہائی کی اور اگر محتاج ہوں تو تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے ۔۔ اور جس کا کوئی وارث ہی نہ ہو اس کو اپنے کل مال کی وصیت کرنا جائز ہے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، اسحاق اور امام احمد علیہم الرحمہ سے ایک روایت یہ ہی ہے۔ نیز امیرالمومنین سیدنا علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہ ہی مسلک ہے ۲۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (انك ان تدع ورثتك اغنياء) سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو اس کے لیے تہائی سے زیادہ کی وصیت بھی جائز ہے ۳۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات اس انداز سے کیا جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے عزیز و اقارب کو دوسروں کے سامنے بھیک نہ مانگنی پڑے۔ ۴۔ انك ان تدع الخ سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضرت سعد کی صرف ایک بیٹی نہیں بلکہ ان کی اور اولاد بھی ہوگی جو ان کے وارث بنیں گے چنانچہ حضرت سعد کے تقریباً ۱۶ سولہ لڑکے اور ۱۲ بارہ لڑکیاں پیدا ہوئیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے غیب کی خبر دی۔

۵۔حتیٰ اللقمہ الخ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنا (نفقہ) تو واجب ہے مگر حدیث کے اس جملہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو فعل آدمی پر واجب ہے اس میں رضائے الٰہی کی نیت کر لینے سے اس کے ثواب میں زیادتی ہو جاتی ہے ۶۔ان یرفعک اللہ تعالیٰ یقیناً تیری عمر دراز کرے گا اور بعض کو تجھ سے نفع اور بعض کو تجھ سے نقصان پہنچے گا۔ یہ اخبار عن الغیب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ آپ نے تصریح فرمادی کہ سعد اس مرض سے وفات نہیں پائیں گے بلکہ ان کی عمر طویل ہوگی۔ حضرت تقریباً پینتالیس ۴۵ سال زندہ رہے۔ آپ کے ہاتھ پر عراق فتح ہوا۔ عراق کے آپ گورنر بھی مقرر اور بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے دینی و دنیوی کامیابی و کامرانی کی دولت پائی اور جو اسلام لانے سے محروم رہے ان کو نقصان ہوا (نووی) حضرت علامہ ابن تیمن علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ نفع سے مراد فتوحات ہیں مثلاً قادسیہ وغیرہ آپ نے فتح فرمائے۔ نقصان سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ میرے فرزند شہزادہ کونین سیدنا امام حسین سید الشہداء علیہ السلام کو شہید کریں گے اس گروہ کا امیر تمہارا بیٹا عمر بن سعد ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ صفحہ ۳۰/۳۱)

۶۔اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ مریض کی عیادت کرنا سنّت ہے اور یہ بھی کہ عیادت کرنا جیسا کہ عام لوگوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح امیر و رئیس المسلمین کیلئے بھی مستحب ہے۔ بخاری کتاب الطب میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیٹ اور چہرہ پر تین مرتبہ اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا کی الٰہی سعد کو شفا عطا فرما ____ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں اب ہمیشہ اپنے سینہ اور چہرہ پر حضور کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں (خصائص کبریٰ)

۲۵۵۶۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَوْغَضَّ النَّاسُ إِلَى الرُّبُعِ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيْرٌ اَوْ كَثِيْرٌ

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کاش لوگ وصیت کو چوتھائی تک کم کر دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تہائی کی وصیت کر سکتے ہو اور تہائی بھی بہت ہے یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) بڑی (رقم) ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔اس حدیث کو امام مسلم نے فرائض اور نسائی و ابن ماجہ نے وصیت میں ذکر کیا ہے ۲۔بخاری شریف میں عروہ کی حضرت ابن عباس سے صرف یہی ایک روایت ہے ۳۔غض کے معنی کم کرنے کے ہیں اور کلمہ لو شرط ہے اس کا جواب لکان اولیٰ محذوف ہے۔ ثلث مال کی وصیت کے جواز و نفاذ پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے ۴۔بعض علماء کا قول ہے کہ جس کا مال کم ہو اور اس کے وارث بھی موجود ہوں تو اسے وصیت نہ کرنا افضل ہے۔ سیدنا علی، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے ۵۔ہم نے یہاں ضرورت کے مطابق گفتگو کی ہے تاکہ عوام الجھن میں نہ پڑیں۔ علماء کرام نے وصیت کی مقدار کے متعلق اقوال صحابہ و تابعین جو بیان کیے ہیں اس کی تفصیل کے لیے عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۳۵/۳۶ ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ

باب تہائی مال کی وصیت

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا يَجُوْزُ لِلذِّمِّيِّ وَصِيَّةٌ

حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذمی کے لیے تہائی سے زیادہ

إِلَّا الثُّلُثَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحْكُمَ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ

کی وصیت جائز نہیں (مسلمان کی طرح) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان میں (یہودیوں میں) اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ا۔ واضح ہو کہ امام بخاری کا موقف ہے کہ اگر ذمی ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے تو تہائی سے زیادہ میں وصیت نافذ نہ ہوگی خواہ اس کے ورثہ ہوں یا نہ ہوں۔ ۲۔ اگر مسلمان ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ وصیت جائز و نافذ ہوگی اور اگر اس کے ورثہ ہوں تو وصیت نافذ نہ ہوگی اِلّا یہ کہ اس کے ورثہ اجازت دے دیں تو پھر تہائی سے زیادہ کی وصیت بھی نافذ و جائز ہوگی ـــــ سیدنا امام بخاری کا آیتِ مذکورہ سے استشہاد اس لیے درست نہیں ہے کہ اس صورت میں ذمی کافر اور مسلمان دونوں کے لیے حکم یہ ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو ورثہ کی موجودگی میں صرف تہائی میں وصیت نافذ ہوگی ـــــ اور تہائی کی وصیت کے جواز و نفاذ میں تمام ائمہ و فقہا کا اتفاق ہے۔

۲۵۵۷۔ عامر بن سعد نے اور ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ میں بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے دُعا کیجئے کہ اللہ مجھے اُلٹے پاؤں واپس نہ کر دے (یعنی مکہ میں میری موت نہ ہو جسے میں اللہ کے راستے میں چھوڑ چکا تھا) حضور اکرم نے فرمایا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں صحت دے گا اور تم سے بہت سے لوگ نفع اُٹھائیں گے۔ میں نے عرض کیا میرا ارادہ وصیت کرنیکا ہے۔ ایک لڑکی کے سوا میرے کوئی (اولاد) نہیں۔ میں نے پوچھا، کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا آدھا تو بہت ہے۔ پھر میں نے پوچھا تو تہائی کی کردوں؟ فرمایا کہ تہائی کی کرسکتے ہو اگرچہ یہ بھی بہت ہے یا (یہ فرمایا کہ) بڑی رقم ہے۔ چنانچہ لوگ بھی تہائی کی وصیت کرنے لگے اور یہ ان کے لیے جائز رہا۔ (بخاری)

اسی مضمون کی حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے اوپر گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۵۵۵

بَابُ قَوْلِ الْمُوْصِي لِوَصِيِّهٖ تَعَاهَدْ

باب وصیت کرنے والا وصی سے کہے کہ میرے بچے کی

وَلَدِي وَمَا يَجُوْزُ لِلْوَصِيِّ مِنَ الدَّعْوٰى | دیکھ بھال کرتے رہنا اور وصی کیلئے کسی طرح کے دعوے جائز ہیں؟

۲۵۵۸۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا لڑکا میرا ہے اس لیے تم اسے پرورش میں لے لینا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر سعد نے اسے لے لیا اور کہا کہ میرے بھائی کا لڑکا ہے انہوں نے اس کے بارے میں مجھے وصیت کی تھی۔ پھر عبد بن زمعہ اُٹھے اور کہنے لگے کہ یہ تو میرا بھائی ہے اور میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے مجھے اس نے وصیت کی تھی لیکن عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ میرا بھائی اور میرے والد کی باندی کا لڑکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہ فرمایا کہ لڑکا تمہارا ہی ہے عبد بن زمعہ! بچہ .... فراش کے تحت ہوتا ہے اور زانی کے حصہ میں پتھر ہیں لیکن آپ نے سودہ بنت زمعہ

رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کرو کیونکہ آپ نے عتبہ کی مشابہت اس لڑکے میں پائی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد اس لڑکے نے سودہ رضی اللہ عنہا کو کبھی نہ دیکھا حتیٰ کہ وفات پا گیا۔ (بخاری)

یہ حدیث متعدد بار آچکی ہے اس لیے ہم نے یہاں صرف اس کا ذکر کر دیا ہے۔ اس حدیث کے مسائل کے لیے فیوض پارہ ہشتم صد ۲۵ اور حدیث نمبر ۲۲۶۰ ملاحظہ کیجیے۔

بَابُ إِذَا أَوْمَأَ الْمَرِيضُ بِرَأْسِهِ إِشَارَةً

باب، اگر مریض اپنے سر سے کوئی واضح اشارہ کرے تو قابل قبول ہے؟

بَيِّنَةً جَازَتْ

۲۵۵۹۔ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ أَفُلَانٌ أَفُلَانٌ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا فَجِيءَ بِهِ فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى اعْتَرَفَ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ (بخاری)

حضرت انس نے بیان کیا کہ ایک یہودی نے ایک (انصاری) لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا۔ لڑکی سے پوچھا گیا کہ تمہارا سر اس طرح کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں شخص نے کیا؟ کیا فلاں نے کیا؟ آخر اس یہودی کا نام لیا گیا (جس نے اس کا سر کچل دیا تھا) تو لڑکی نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ پھر وہ یہودی بلایا گیا اور اس نے بھی اعتراف کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کا سر بھی کچل دیا گیا۔

فوائد و مسائل امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ قاضی کی عدالت میں اشارہ کا اعتبار کیا جائیگا لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اشارہ سے صرف مجرم کی نشاندہی ہوتی ہے محض اشارہ کی بنیاد پر اس یہودی کو سزا نہیں دی گئی بلکہ خود اس یہودی کے اعتراف جرم کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزا سنائی جیسا کہ زیر بحث حدیث میں جملہ حتیٰ اعترف سے واضح ہے اسی لیے احناف کا مسلک یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں محض اشارہ کی بنا پر ملزم کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ یہ حدیث اس سے قبل بھی گزر چکی ہے ملاحظہ کیجیے حدیث نمبر ۲۲۵۲

بَابُ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

باب، وارث کے لیے وصیت جائز نہیں

۲۵۶۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ حَظَّ الْأُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ (میراث کا) مال لڑکے کو ملتا تھا اور وصیت والدین کے لیے ضروری تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا اس حکم کو منسوخ کر دیا پھر لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر قرار دیا۔ والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ، بیوی کا آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ قرار دیا، اسی طرح شوہر کا آدھا اور چوتھائی حصہ قرار دیا۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے ۲۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث مذکورہ سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ جب والدین کے حق میں وصیت منسوخ ہو گئی تو ان رشتہ داروں کے لیے جو قرابت میں والدین سے کم درجہ رکھتے ہیں بطریق اولیٰ وصیت منسوخ قرار پائے گی جس کا حاصل یہ ہوا کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔

بَابُ الصَّدَقَةِ عِنْدَ الْمَوْتِ

باب موت کے وقت صدقہ کرنا

۲۵۶۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ حَرِیْصٌ تَاْمُلُ الْغِنٰی وَتَخْشَی الْفَقْرَ وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبوت عرض کی۔ کس وقت صدقہ کرنا افضل ہے۔ فرمایا تندرستی اور صحت کی حالت میں صدقہ کرو۔ مال کی حرص ہو۔ حصول مال کی امید ہو اور فقر و غربت سے ڈرتے ہو (ان حالات میں صدقہ کرنا افضل ہے) اور کار خیر میں تاخیر نہ کرو کہ جب رُوح حلق تک پہنچ جائے تو کہو کہ اتنا مال فلاں کے لیے ہے اور اتنا مال فلاں کے لیے۔ حالانکہ اس وقت وہ فلاں کا (وارثوں کا) ہو چکا ہوگا۔

فوائد و مسائل ۱۔ خلوص و للّٰہیت یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ و خیرات کرنا بہرحال باعثِ اجر و ثواب ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نمازیوں کو باب الصلوٰۃ سے، مجاہدوں کو باب الجہاد سے صدقہ کرنے والوں کو باب الصدقہ سے اور روزہ رکھنے والوں کو باب الریان سے جنت میں بلایا جائیگا۔ مسلم شریف کی حدیث میں حضور نے فرمایا۔

اَنْفِقِیْ اَوِ انْفَحِیْ وَلَا تُحْصِیْ وَیُحْصِیَ اللّٰهُ عَلَیْكَ (مسلم)

خرچ کرو اور گن گن کر مت رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ راہ خدا میں صدقہ و خیرات کرنے میں تنگ دستی اور بخل سے کام نہ لو۔ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو خوشدلی کے ساتھ خوب خرچ کرو۔ اسی طرح اپنے بیوی بچوں پر بھی گن گن کر جیسے بخیل خرچ کرتے ہیں ایسا نہ کرو بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھاؤ اچھا پہنو کیونکہ اہل و عیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہی ہے ۲۔ حدیث زیر بحث کتاب الزکوٰۃ میں بھی گزر چکی ہے ——— کے معنی یہ ہیں کہ کس وقت اور کس حالت میں صدقہ و خیرات کرنا زیادہ اجر اور زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ بَعْدِ وَصِیَّةٍ

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ وصیت کے نفاذ

یُوْصِیْ بِهَا اَوْ دَیْنٍ | اور قرض کی ادائیگی کے بعد

۱ء مطلب آیت یہ ہے کہ میت کے مال کی تقسیم وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ امام بخاری کا اس آیت کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ مریض کا مطلقاً کسی کے دین (قرض) کا اپنے اوپر اقرار کرنا صحیح و درست ہے خواہ مقرلہ (جس کے لیے اقرار کیا ہے) وارث ہو یا اجنبی کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وصیت اور دین کو میراث کی تقسیم پر مقدم کر رکھا ہے۔ لیکن سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اوّل اس لیے کہ دین سے وہ دین مراد ہی نہیں ہے جو مریض کسی کے لیے اقرار کرے یعنی جو دین اقرارِ مریض سے ظاہر ہو رہا ہے وہ دین مراد نہیں ہے بلکہ وہ دین مراد ہے جو مرنے والے نے بحالت صحت تسلیم کیا ہو یا اس کے متعلق دستاویز وغیرہ ہوں یا ورثا اس دین قرض کا اقرار کریں کہ واقعی مرنے والے پر فلاں کا قرض ہے۔
دوم یہ کہ آیت میں وصیت اور دین کا ذکر ہے تو وصیت تو دلیل سے خارج ہو گئی کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ تو اسی طرح وارث کے لیے دین کا اقرار بھی خارج ہو گیا کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ وَلَا اِقْرَارَ بِدَيْنٍ۔ یعنی وارث کے لیے (دین) قرض کا اقرار جائز نہیں۔

وَيُذْكَرُ اَنَّ شُرَيْحًا وَعُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَطَاؤُسًا وَعَطَاءً وَابْنَ اُذَيْنَةَ اَجَازُوْا اِقْرَارَ الْمَرِيْضِ بِدَيْنٍ وَقَالَ الْحَسَنُ اَحَقُّ مَا يُصَدَّقُ بِهِ الرَّجُلُ اٰخِرَ يَوْمٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاَوَّلَ يَوْمٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَالْحَكَمُ اِذَا اَبْرَاَ الْوَارِثَ مِنَ الدَّيْنِ بَرِئَ وَاَوْصٰى رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ اَنْ لَّا تُكْشَفَ امْرَاَتُهُ الْفَزَارِيَّةُ عَمَّا اُغْلِقَ عَلَيْهِ بَابُهَا وَقَالَ الْحَسَنُ اِذَا قَالَ لِمَمْلُوْكِهٖ عِنْدَ الْمَوْتِ كُنْتُ اَعْتَقْتُكَ جَازَ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ اِذَا قَالَتِ الْمَرْاَةُ عِنْدَ مَوْتِهَا اِنَّ زَوْجِيْ قَضَانِيْ وَقَبَضْتُ مِنْهُ جَازَ

روایت کی جاتی ہے کہ شریح، عمر بن عبد العزیز، طاؤس، عطاء اور ابن اذینہ نے مریض کے قرض کے اقرار کو جائز قرار دیا ہے۔ حسن نے فرمایا کہ سب سے زیادہ تصدیق کیے جانے کا مستحق، انسان کا وہ اقرار ہے جو دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن کی ابتدا کے وقت (جان کنی کے وقت) وہ کرتا ہے، ابراہیم اور حکم نے فرمایا کہ جب مریض وارث کو قرض سے بری کر دے تو وہ بری ہو جاتا ہے۔ رافع بن خدیج نے وصیت کی تھی کہ ان کی بیوی فزاریہ جو کچھ دروازہ بند کر کے رکھیں اس کی تلاش و جستجو نہ کی جائے۔ حسن بصری نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنے غلام سے اپنی موت کے وقت کہا کہ میں نہیں آزاد کر چکا تھا تو آزادی کا نفاذ ہو جائے گا۔ شعبی نے فرمایا کہ اگر کسی عورت نے یہ کہا کہ میرے شوہر نے میرا حق ادا کر دیا ہے اور میں لے چکی ہوں تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ تمام آثار اس امر کے ثبوت کے لیے ذکر کیے ہیں کہ مریض کا وارث اور غیر وارث کے لیے دین (قرض) کا اقرار کرنا درست ہے اور اس اقرار کو میراث کی تقسیم سے قبل نافذ کیا جائے گا ــــــ امام بخاری نے یذکر و استعمال فرمایا ہے جو تمریض کا صیغہ ہے تو انہوں نے بھی ان آثار کی نقل پر جزم نہیں فرمایا اور مجہول کا صیغہ استعمال کر کے خود انہوں نے اقرار کر لیا ہے کہ سند میں ضعف ہے چنانچہ ان آثار کو ابن ابی شیبہ نے مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قاضی شریح کے اثر میں جابر الجعفی، حضرت طاؤس کے اثر میں لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔ اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عطاء کے

اثر کو اور امام عبدالرحمن ابن اُذینہ (جن کا نام عبدالرحمن ہے۔ یہ تابعی ہیں ثقہ ہیں۔ ۹۵ھ میں ان کا وصال ہوا) اسی سند کے ساتھ جس میں ضعف ہے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا يَجُوْزُ إِقْرَارُهٗ لِسُوْءِ الظَّنِّ بِهٖ لِلْوَرَثَةِ ثُمَّ اسْتَحْسَنَ فَقَالَ يَجُوْزُ إِقْرَارُهٗ بِالْوَدِيْعَةِ وَالْبِضَاعَةِ وَالْمُضَارَبَةِ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا يَحِلُّ مَالُ الْمُسْلِمِيْنَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةُ الْمُنَافِقِ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا فَلَمْ يَخُصَّ وَارِثًا وَّلَا غَيْرَهٗ فِيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مریض کا اقرار (اپنے بعض ورثہ کے لیے) صحیح نہیں، سوءِ ظن کی وجہ سے۔ پھر انہی بعض حضرات نے استحسان سے کام لیا اور کہا کہ مریض کا اقرار، ودیعت، بضاعت اور مضاربت کے سلسلے میں ہو تو جائز ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ بدگمانی سے بچتے رہو۔ اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور کسی مسلمان کا مال (ناجائز طریقے سے حاصل کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ منافق کی علامت یہ ہے کہ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقوں تک پہنچا دو۔ اس آیت میں وارث یا غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اس سلسلے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ایک روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ قال بعض الناس کے جملہ سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے احناف کے موقف کو رد کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے احناف مریض کا وارث کے حق میں اقرار کو جائز قرار نہیں دیتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس اقرار کے جواز سے باقی وارثوں کے حق میں سوءِ ظن پیدا ہوگا۔ امام بخاری کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے۔ سوءِ ظن کو عدم جواز کی دلیل بنانا درست نہیں ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور یہ کہ کسی مسلمان کا مال ناجائز طریقے سے لینا جائز نہیں ہے اور یہ کہ امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے کہ امانت رکھنے والے کی امانت اس کے سپرد کر دو ۲۔ احناف کی طرف سے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اقرارِ مریض کے عدم جواز کی دلیل سوءِ ظن کو نہیں بناتے بلکہ احناف کے ہاں عدم جواز کی دلیل دوسرے ورثا کو نقصان پہنچنے کو بناتے ہیں کیونکہ جواز کا قول کرنے سے ورثہ کی میراث میں کمی ہو جائے گی اور اگر سوءِ ظن کو بھی دلیل بنایا جائے تو بھی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ ظن ناجائز ہے جو فاسد ہو۔ (بخاری ج اول حاشیہ ۳۸۴)

غرضیکہ احناف مطلقاً اقرار مریض کے عدم جواز کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں مطلقاً وارث کے لیے مریض کے اقرارِ دین کو صحیح ماننے سے باقی ورثہ کو نقصان ہوگا۔ اسی حدیث میں فرمایا کہ مریض کا وارث کے لیے اقرارِ دین صحیح نہیں ہے ——— البتہ اگر واضح دلیل قائم ہو یا ورثہ خود تصدیق کر دیں تو پھر مریض کا وارث کے لیے اقرار صحیح و درست

ہے۔ فافہم۔ ۳۔اسی طرح امام بخاری کا یہ اعتراض کہ احناف اقرار مریض کو تو جائز نہیں مانتے۔ مگر ہاں ہمہ اگر مریض وارث کے لیے ودیعت اور مضاربت اور بضاعت کا اقرار کرے تو اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔ لہذا احناف کے موقف میں تضاد ہے جواب یہ ہے کہ ودیعت، مضاربت اور امانت کو اقرار سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ قرض میں اقرار کی بنیاد لزوم پر ہوتی ہے اور مذکورہ بالا امور میں اقرار کی بنیاد امانت ہے۔ لہذا احناف کے موقف میں تضاد نہیں ہے اور فاسد نہ ہو وہ گناہ نہیں ہے ـــــ علاوہ ازیں احناف کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا اِقْرَارَ لَهٗ بِدَيْنٍ وارث کے حق میں وصیت اور قرض کا اقرار جائز نہیں ہے (عینی ج ۱۴ ص ۱۴۱)

۳۔ محدث کبیر حضرت مولینا احمد علی صاحب سہارنپوری شارح بخاری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شمس الائمہ امام سرخسی نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر مرض الموت میں کوئی شخص اجنبی کے لیے دین کا اقرار کرلے اگرچہ وہ اس کے تمام اموال کا احاطہ کرلے تو یہ اقرار جائز ہے ـــــ اور اگر وارث کے لیے اقرار کرے تو یہ تحریر باطل ہے الا ان یصدقہ الورثہ۔ ہاں اگر ورثہ اس کی تصدیق کریں تو جائز ہے وبہ اخذ علمارنا اور علماء احناف کا بھی یہی موقف ہے۔

۴۔ نیز تعجب کی بات یہ ہے کہ امام بخاری نے احناف کو تو ہدف تنقید بنا ڈالا حالانکہ اس مسئلہ میں دیگر ائمہ بھی احناف سے اتفاق کرتے ہیں۔ سیدنا امام مالک کا وہی مذہب ہے جو احناف کا ہے۔ اسی کو امام رویانی شافعی نے اختیار کیا اور قاضی شریح اور حسن بن صالح سے بھی یہی مروی ہے کہ مرض وفات میں اپنی بیوی کے حق مہر کے علاوہ کسی اور وارث کے حق میں اقرار جائز نہیں اور امام قاسم، سالم، حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ وارث کے حق میں اقرار مریض مطلقاً جائز نہیں اور امام امام ابن المنذر نے فرمایا امام شافعی کا اسی قول کی طرف رجوع ثابت ہے نیز امام احمد بن حنبل کا بھی مذہب ہے۔

۵۔ لایحل الخ۔ احناف کے موقف کے رد کے لیے امام بخاری علیہ الرحمہ نے مزید فرمایا کہ خیانت کا ترک واجب ہے تو اسی طرح بما علیہ کا اقرار بھی واجب ہے۔ اس لیے مریض کے اقرار کو جائز قرار دینا چاہیے ورنہ وجوب اقرار کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔ جواب یہ ہے ہم بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خیانت کا ترک لازم و واجب ہے۔ اسی طرح امانت کی ادائیگی بھی واجب ہے مگر احناف مطلقاً وجوب اقرار بما علیہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہم وہاں وجوب اقرار کو تسلیم کرتے ہیں جہاں نہ تہمت لگ سکے کہ اقرار کرنے والے نے ورثہ کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور نہ ورثہ کو نقصان پہنچے جیسے اجنبی کے لیے اقرار کو ہم جائز مانتے ہیں مگر وارث کے لیے اقرار سے چونکہ بقیہ ورثہ کو نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اس کو جائز نہیں مانتے۔

۶۔ ان اللہ یامرکم الخ۔ اس آیت سے امام بخاری نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے مطلقاً امانت کو واپس کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا وارث کا حق جو مریض کے ذمہ ہے وہ بھی امانت کی طرح ہی ہے لہذا مریض کا اقرار وارث کے لیے اس آیت کی روشنی میں جائز قرار پاتا ہے ـــــ مگر اس کا جواب یہ ہے یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ مریض کے ذمہ وارث کا کوئی حق تھا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی وارث سے مریض کو زیادہ لگاؤ ہو اور اس بناء پر وہ اس کے حق میں اقرار کر رہا ہو۔ لہذا مطلقاً اقرار مریض برائے وارث کو امام بخاری کا جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر ورثہ تصدیق کر دیں تو

تو احناف بھی اقرارِ مریض برائے وارث کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۲۵۶۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے

علاماتِ نفاق ۱۔ یہ حدیث کتاب الایمان فیوض جلد اوّل میں گزر چکی ہے ۲۔ اس حدیث میں تین عادتوں کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے تو یہ بطور حصر نہیں ہے کہ صرف یہ تین عادتیں ہی نفاق کی عادتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر احادیث میں تین سے زیادہ علاماتِ نفاق بیان ہوئی ہیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصر کہیں نہیں فرمایا۔

۳۔ واضح ہو کہ ایک نفاق تو ایمان وعقیدہ کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی بظاہر اپنے کو مومن ومسلم ظاہر کرے اور دل سے اس نے اسلام کو قبول نہ کیا ہو اس کو حقیقی نفاق کہتے ہیں اور یہ نفاق کفر کی ایسی بدترین قسم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ نفاقِ حقیقی کے مجرم

فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورہ آیت) | دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے

نبی علیہ السلام نے جو علاماتِ نفاق بیان فرمائی ہیں وہ دراصل حضور کے زمانۂ اقدس کے منافقین مثلاً عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین میں پائی جاتی تھیں۔ نبی علیہ السلام نے ان کی نشاندہی فرما کر مسلمانوں کو ان منافقانہ عادتوں اور خصلتوں سے کلی طور پر بچنے کی تلقین فرمائی ہے ——— پس اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں ان عادات میں سے کوئی عادت پائی جائے تو یہ سیرت وکردار کا نفاق ہے جسے نفاقِ عملی کہتے ہیں یعنی اس میں عقیدہ کا نہیں بلکہ عمل میں نفاق پایا گیا جو کہ کفر نہیں ہے مگر گناہِ کبیرہ ہے اور حرام ہے۔ یعنی جس مسلمان میں کوئی منافقانہ عادت پائی گئی اور وہ مسلمان اس عادت کو عقیدۃً حرام اور گناہ سمجھتا ہو مگر باایں ہمہ بشری کمزوریوں کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو جائے تو وہ کافر نہیں قرار پائیگا بلکہ اسے گنہگار مسلمان کہا جائے گا۔

——— چنانچہ بعض احادیث میں واضح لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں میں یہ منافقانہ عادتیں، خصلتیں جمع ہو جائیں وہ خالص منافق ہیں (مُنَافِقًا خَالِصًا۔ بخاری ومسلم) تو اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جو ان علاماتِ نفاق، جھوٹ، خیانت، عہد شکنی وغیرہ کو حلال وجائز سمجھے وہ (منافق حقیقی) کافر ہے۔

غور کیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن منافقانہ اعمال وکردار سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اگر انہیں ترک کر دیا جائے تو یقیناً معاشرہ امن وامان، اعتدال وتوازن کا گہوارہ بن جائے۔ یہ منافقانہ اعمال وافکار ہی ہیں جو مسلمانوں کو ذلیل وخوار کیے ہوئے ہیں اور ہمیں ہر موڑ پر ذلت ونکبت سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے ہم سب کو سیرت وکردار کی منافقت سے محفوظ ومصئون رکھے۔ آمین!

بَابُ تَاوِيْلِ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ بَعْدِ

باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کے متعلق

وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ | جو وصیت تم کر جاؤ بعد ادائے دین کے

وَيُذْكَرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَقَوْلِهِ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا فَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ أَحَقُّ مِنْ تَطَوُّعِ الْوَصِيَّةِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يُوصِي الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ أَهْلِهِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ ۔

ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی کو رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انکے مستحقین تک پہنچا دو"۔ پس امانت کی ادائیگی (جو واجب ہے) وصیت کے نفاذ سے جو نفل ہے، مقدم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداری کی صورت میں ہی صدقہ دینا چاہیئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وصیت نہ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے۔

قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے

۱۔ واضح ہو کہ میت کی تجہیز و تکفین بقدر مسنون کے بعد سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد جو باقی بچے گا تہائی مال میں وصیت نافذ کردی جائے گی۔ اگر اس سے زیادہ کی وصیت ہو تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے۔ نیز یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ضابطہ یہی ہے کہ ادائے دین (قرض) نفاذ وصیت سے مقدم ہو گی حتیٰ کہ اگر تمام مال قرض کی ادائیگی میں صرف ہو جائے تو اب نہ وصیت نافذ ہوگی نہ ورثہ کو میراث میں کچھ ملے گا ــــــ لیکن سورۂ نساء کے اس رکوع وصیت کا ذکر تین مرتبہ دَین (قرض) سے پہلے کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کا حق دین (قرض) سے مقدم ہے حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ دَین وصیت سے مقدم ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے اس غلط فہمی کو ان الفاظ سے رفع فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت تلاوت کرتے ہو۔ من بعد وصیة توصون بها او دین تو آیت میں اگرچہ وصیت کا لفظ مقدم ہے مگر حضور اقدس نے عملی طور پر قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ | وصیت کو دین کے بعد رکھا ہے

علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں وصیت کو دین پر لفظی طور پر مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وصیت کو وارثین کی جانب سے نافذ کرنے میں کوتاہی اور ناگواری کا قوی اندیشہ ہے اس لیے شانِ وصیت کے اظہار کے لیے آیۂ مبارکہ میں وصیت کو دین پر مقدم رکھا گیا حالانکہ حکم دین ہی مقدم ہے۔

۲۔ امام بخاری نے زیرِ عنوان حدیث بصیغۂ مجہول ذکر کی ہے۔ جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے لیکن امام ترمذی نے فرمایا کہ اہلِ علم کے اس پر عمل نے اس کو قوی کر دیا۔ اس لیے امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقات میں ذکر فرمایا ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ وارث کے لیے اقرار کرنا صحیح ہے کیونکہ مقروض غنی نہیں اور وصیت ایک رضاکارانہ عمل ہے۔ اس کا حکم نفل کا سا ہے اور قرض کی ادائیگی لازم و واجب ہے لیکن یہ استدلال تام نہیں ہے۔ کیونکہ ہر مقروض کا غنی نہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہی مقروض نہیں قرار پاتا جس پر قرض نے احاطہ کرلیا ہو لہٰذا مطلقاً مدیون حکم کی بناء نہیں بن سکتا ــــــ اسی طرح آیت اداءِ امانت سے بھی ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ

اَنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَاَبٰى اَنْ يَّقْبَلَهُ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنِّىْ اَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِىْ قَسَمَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَاْبٰى اَنْ يَّاْخُذَهُ فَلَمْ يَرْزَاْ حَكِيْمٌ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تُوُفِّىَ

(بخاری)

کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ آپ کے بعد کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا تا آنکہ دنیا سے اُٹھ جاؤں۔ تا آنکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں (اپنی خلافت کے عہد میں) بُلاتے تھے تا کہ کچھ عطیات دیں لیکن حکیم رضی اللہ عنہ کسی چیز کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دینا چاہا اور آپ نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مسلمانو! میں انہیں ان کا حق دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں غنیمت کا حصہ دیا ہے اور یہ اسے بھی لینے سے انکار کرتے ہیں۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر کبھی کسی سے سوال نہ کیا حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔

فوائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے یہ واضح کیا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر و افضل ہے تو قرض وصول کرنے والا ہاتھ کسی طرح بھی نیچا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو اپنا حق وصول کر رہا ہے جسے وہ بذریعہ عدالت بھی وصول کر سکتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بلا ضرورت سوال کرنا ناجائز ہے

۲۔ متعدد احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حتی المقدور سوال سے گریز کریں۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بلا ضرورت سوال کرنا، مانگنا اور بھیک کو پیشہ بنا لینا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہٹے کٹے صحیح سلامت افراد بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور انہوں نے بھیک مانگنے کو پیشہ بنا لیا ہے۔ شرعاً حرام و ناجائز ہے اور ایسے بھیک منگوں کو کچھ دینا بھی جائز نہیں ہے بلکہ بہت سے مفاسد اور برائیوں کی امداد و اعانت کرنا ہے۔ یہ بھیک مانگنے والے پیشہ ور بھکاری عموماً جرائم پیشہ ہوتے ہیں۔ جیب کاٹنا، چوری کرنا اور کرانا۔ بچوں کا اغوا اور بچوں کو بھیک منگوانے کے لیے اپاہج کر دینا۔ چرس افیون ہیروئن وغیرہ نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت اور قوم کے نونہالوں کو نشہ کی عادت ڈالنا وغیرہ انہی کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ ایسے ظالم بھکاریوں کو کچھ دینا کارِ ثواب نہیں بلکہ حرام و گناہ ہے ـــــــ سخت و شدید ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے۔ ان کی امداد و اعانت کرنا (خصوصاً ایسے غریب سفید پوشوں کی جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا اپنی عزتِ نفس کے خلاف سمجھتے ہیں) جائز ہی نہیں بلکہ باعثِ برکت و رحمت اور ثوابِ عظیم کا موجب ہے۔

۲۵۶۴۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَالْاِمَامُ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِىْ اَهْلِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر شخص راعی (نگران) ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ امام (تمام مسلمانوں کا) نگران ہے

امانت کی ادائیگی بیشک لازم وواجب ہے۔ جب کہ ورثہ اس کی تصدیق کریں یا کسی اجنبی کے لیے اقرار ہو — ویسے یہ آیہ مبارکہ ان اللہ یامرکم الخ حضرت عثمان بن طلحہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی چابیاں ان سے لے لی تھیں لیکن فتح مکہ کے دن جب آپ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو آیت مذکورہ تلاوت فرمارہے تھے تو آپ نے کلید کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ کو عطا فرمادیں۔

۳۔ لا صدقۃ حدیث سے بھی ان کا استدلال تام نہیں ہے کہ مدیون کا مطلقاً غنی نہ ہونا درست نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح علی الاطلاق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر سے استدلال بھی تام نہیں ہے کیونکہ اگر غلام کو آقا کی طرف سے تصرف کی اجازت نہیں ہے تو بلا خلاف اس کا وصیت کرنا ہی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہے تو وصیت کیا کرے گا۔ اگر غلام ماذون ہو تو آقا کی اجازت سے وصیت کر سکتا ہے۔

۵۔ اثر ابن عباس اور حدیث العبد راع الخ سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ غلام کے مال میں اس کا حق متعارض ہو تو مالک کا حق قوی ہے اس لیے اس کو مقدم رکھا اور غلام کو اس کا محافظ قرار دیا۔ اسی طرح حق دین اور حق وصیت متعارض ہوئے حالانکہ دین واجب ہے اور وصیت نفل۔ تو دین کو وصیت پر مقدم رکھا گیا — علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری نے جواب میں فرمایا کہ غلام تو کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہے تو غلام کے حق اور اس کے آقا کے حق میں معارضہ کیسے ہوگا؟ اسی طرح حق وصیت کو حق دین کے معارض قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دین کو واجب اور وصیت کو نفل قرار دینا اس کے نادرست ہونے کی دلیل ہے کیونکہ واجب اور نفل میں معارضہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اگر امام بخاری علیہ الرحمہ کی مراد یہ ہے کہ وصیت پر دین مقدم ہے تو یہ تو اتفاقی مسئلہ ہے اس میں تو نزاع ہے ہی نہیں۔

۲۵۶۳۔ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِىْ ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَاَعْطَانِىْ ثُمَّ قَالَ لِىْ يَا حَكِيمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ الَّذِىْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يَدْعُوْ حَكِيمًا لِيُعْطِيَهُ الْعَطَاءَ فَيَاْبٰى اَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا ثُمَّ

حضرت سعید ابن مسیب اور عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا تو آپ نے مجھے دیا۔ میں نے پھر مانگا آپ نے عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، حکیم! اس مال میں (بظاہر) بڑی رونق اور لذت محسوس ہوتی ہے اور جو شخص اسے دل کی سخاوت کے ساتھ لیتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو کوئی نیت کی برائی اور لالچ کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو کھائے جاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ اس ذات

وَالْمَرْءَةُ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا رَاعِیَةٌ وَّ مَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَّعِیَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِیْ مَالِ سَیِّدِهٖ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِهٖ قَالَ وَحَسِبْتُ اَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ مَالِ اَبِیْهِ (بخاری)

اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی اپنے گھر کا نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اسکی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ خادم اپنے مخدوم کے مال کا نگران ہے اور اس سے اسکی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ انھوں نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا، آدمی اپنے والد کے مال کا نگران ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث افراد بخاری سے ہے اور بعینہ اسی سند سے امام نے اس حدیث کو کتاب الجمعہ، باب الجمعہ فی القریٰ میں بھی ذکر کیا ہے وہاں اس پر ہم گفتگو کر چکے ہیں ۲۔ کسی بھی شارح بخاری نے اس حدیث کے یہاں ذکر کی وجہ بیان نہیں کی ہے۔

برائی کو روکنے کے تین درجے

۱۔ اس حدیث میں ہر خلاف شرع کام کو روکنے کی بقدرِ استطاعت سعی کوشش کرنے کا ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے اور اس کے تین درجے بیان فرمائے گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو ہر صاحبِ ایمان کا نصب العین ہے اس کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اول۔ اگر طاقت و اقتدار حاصل ہے اور اس کے ذریعے بُرائی کو روکا جا سکتا ہے تو طاقت کو کام میں لا کر اسے روکنا لازم و واجب ہے۔ یہ بات مسلمان حکمرانوں کے فرائض و واجبات سے ہے کہ طاقت کے ذریعے برائیوں کو روک دیں اگر وہ اس معاملہ میں کوتاہی کریں گے تو سخت گناہگار قرار پائیں گے ______ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو حکومت اور اقتدار تو نہیں رکھتے مگر کسی نہ کسی درجہ میں انہوں نے ایسی پوزیشن حاصل کی ہے کہ وہ چاہیں تو بُرائی کو روک سکتے ہیں۔ جیسے خاندان کا فردِ اعلیٰ، قبیلہ کا سربراہ، کارخانہ کا مالک جو اپنے اثر و رسوخ سے اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ باپ اگر بیٹے کو دکان دیر سے کھولنے اور خاوند بیوی کو وقت پر کھانا نہ پکا کر دینے ایسے امور پر سرزنش کر سکتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر کسی کی پرواہ نہ کرنے پر اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے جس کا کچھ نہ کچھ اثر تو ہوگا مگر افسوس فی زمانہ اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی جا رہی ہے (الا ماشاء اللہ) یہ کوتاہی بھی گناہ ہی ہے۔

دوم۔ اگر طاقت و اقتدار اس کے پاس نہیں ہے تو پھر زبان سے برائی کو مٹانے کی طرف توجہ دے مثلاً زبانی افہام و تفہیم، پند و نصیحت اور وعظ وغیرہ سے برائی کو روکنے اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔ فی زمانہ زبان سے برائیوں کے خلاف جہاد کا ایک موثر ذریعہ یہ بھی ہے کہ دینی لٹریچر، مذہبی و اصلاحی مضامین پر کتابیں اور کتابچے شائع کر کے تقسیم کیے جائیں۔

سوم۔ اور اگر برائی کے خلاف زبان کھولنا بھی دشوار ہو اور حالات ایسے ناموافق اور اہلِ دین ایسے کمزور ہو گئے ہوں کہ زبان سے بھی کام نہ لیا جا سکے تو اب آخری درجہ یہ ہے کہ آدمی اس بُرائی کو دل سے بُرا سمجھے اور اس بُرائی کو مٹانے کا جذبہ تو دل میں رکھے ______ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ یعنی دل سے بُرائی کو بُرا سمجھنا ایمان کا کمزور درجہ ہے۔ بہرحال اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے کہ بُرائی مٹانے، خلافِ شرع امور کے

خلاف حسب موقع ومحل مذکورہ بالا تینوں طریقوں میں سے کسی طریقہ کو ضرور اپنائے۔ اور کچھ نہیں تو وہ بحضور رب العلمین جل مجدہٗ برائی کو مٹانے ہمت وقوت عطا فرمانے کی دعائیں کرتا رہے اور تدبیریں سوچا کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل ہم سب کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین

بَابٌ اِذَا وَقَفَ اَوْ اَوْصٰى لِاَقَارِبِهٖ

باب جب کسی نے اپنے عزیزوں کے لیے وقف یا

وَمَنِ الْاَقَارِبُ وَقَالَ ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ طَلْحَةَ اِجْعَلْهُ لِفُقَرَاءِ اَقَارِبِكَ فَجَعَلَهَا لِحَسَّانَ وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسٍ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ثَابِتٍ قَالَ اجْعَلْهَا لِفُقَرَاءِ قَرَابَتِكَ قَالَ اَنَسٌ فَجَعَلَهَا لِحَسَّانَ وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَكَانَا اَقْرَبَ اِلَيْهِ مِنِّيْ وَكَانَ قَرَابَةُ حَسَّانَ وَاُبَيٍّ مِنْ اَبِيْ طَلْحَةَ وَاسْمُهٗ زَيْدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ الْاَسْوَدِ بْنِ حَرَامِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ عَدِيِّ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ وَحَسَّانُ ابْنُ ثَابِتِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ حَرَامٍ فَيَجْتَمِعَانِ اِلٰى حَرَامٍ وَهُوَ الْاَبُ الثَّالِثُ وَحَرَامُ بْنُ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ عَدِيِّ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ فَهُوَ يُجَامِعُ حَسَّانَ وَاَبَا طَلْحَةَ وَاُبَيًّا اِلٰى سِتَّةِ اٰبَاءٍ اِلٰى عَمْرِو بْنِ مَالِكٍ وَهُوَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ ابْنِ النَّجَّارِ فَعَمْرُو بْنُ مَالِكٍ يَجْمَعُ حَسَّانَ وَاَبَا طَلْحَةَ وَاُبَيًّا وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِذَا اَوْصٰى لِقَرَابَتِهٖ فَهُوَ اِلٰى اٰبَائِهٖ فِي الْاِسْلَامِ

وصیت کی اور اعزہ کون لوگ قرار پائیں گے؟ ـــــ ثابت نے انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اسے (بیرحا کا باغ) اپنے غریب عزیزوں کو دیدو۔ چنانچہ انھوں نے حسان بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دے دیا تھا اور انصاری (محمد بن عبداللہ بن مثنیٰ) نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے ان سے ثمامہ نے اور ان سے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، ثابت کی حدیث کی طرح بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اسے اپنے غریب عزیزوں کو دیدو۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو وہ زمین دے دی تھی یہ دونوں حضرات مجھ سے زیادہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ آپ سے دونوں کی قرابت داری تھی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نسب زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید منات بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار اور حسان بن ثابت بن منذر بن حرام رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح حرام کے ساتھ ان دونوں حضرات کا نسب مل جاتا ہے جو تیسری پشت ہیں ہیں اور حرام بن عمرو بن زید منات بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار، گویا حرام بن عمرو پر ان دونوں کا نسب ایک ہو جاتا ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان دونوں حضرات کا نسب چھٹی پشت میں عمرو بن مالک پر ملتا ہے۔ ان کا نسب اس طرح ہے۔ ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن

عمرو بن مالک بن نجار، گویا عمرو بن مالک بن نجار پر حسان، ابوطلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سب کا نسب مل جاتا ہے
بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کسی نے اپنے عزیزوں کے لیے (قرابت کی تعیین کے ساتھ) وصیت کی، تو مسلمان اجداد کے اعتبار سے اس کا نفاذ ہوگا۔

فوائد و مسائل ۱۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنے مال کے تہائی میں اپنے اقربا کے لیے وصیت کی تو کونسے اقربا اس وصیت کے مستحق ہوں گے۔ اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمام ذی رحم محرم خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے سب اس وصیت کے مستحق ہوں گے۔ شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی فرماتے ہیں کہ اس میں اس کے والدین اور اولاد شامل نہ ہوگی۔

۲۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پہلے وصیت کا نفاذ اس کے ان رشتہ داروں سے شروع کیا جائیگا جو باپ کی طرف سے قریب ہیں۔ کیونکہ وصیت میراث کی بہن کی طرح ہے لہذا اقرب کا اعتبار کیا جاتے گا جیسے میراث میں اقرب کا اعتبار ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو وصیت میں چچاؤں میں جاری ہوگی اور اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کو نصف اور دونوں ماموں کو نصف دیا جائیگا۔

۳۔ اور وصیت میں والدین اور اولاد کو شامل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اقربین کا والدین پر عطف کیا ہے اور معطوف اور معطوف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے۔

۴۔ رہی یہ بات کہ موصی کا دادا اور پوتا بھی اس وصیت میں شامل ہوں گے؟ تو زیادات میں تو یہ لکھا ہے کہ داخل ہوں گے اور اس مسئلہ میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا اور امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی کہ دادا اور پوتا اقارب میں داخل نہ ہوں گے اور امام ابو یوسف سے بھی یہی مروی ہے اور یہی صحیح ہے (عینی ج ۱۴ ص ۴۵)

۵۔ وقال ثابت الخ۔ یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام احمد، مسلم، نسائی نے بسند حماد بن سلمہ عن ثابت روایت کیا ہے کہ جب "لن تنالوا البر" الخ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ نے بحضور نبوی عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی زمین جو (بیرحا) میں واقع ہے اللہ کے لیے صدقہ کردی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ زمین تم اپنے اقربا کو دے دو تو انہوں نے حضرت حسان بن ثابت اور ابی بن کعب پر صدقہ کردی (فتح الباری ج ۵ ص ۳۸۰ و عینی ج ۱۴ ص ۴۵)

۲۵۶۵ - اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسًا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ طَلْحَةَ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِيْ يَا بَنِيْ فِهْرٍ يَا بَنِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا میرا خیال ہے کہ بیرحا کے باغ کو (جن کے صدقہ کرنے کا تم نے ارادہ کیا ہے) اپنے عزیزوں میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ اس زمین کو انہوں نے اپنے عزیزوں میں تقسیم کردیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت اتری "اور آپ اپنے قریبی

عَدِيٍّ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ

رشتہ داروں کو ڈرائیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نِدا کی۔ اے بنو فہر! اے بنو عدی! قریش کی مختلف شاخوں کو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی" اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معشر قریش!

بَابُ هَلْ يَدْخُلُ النِّسَاءُ وَالْوَلَدُ فِي الْأَقَارِبِ

باب کیا عورتیں اور بچے بھی عزیزوں میں داخل ہوں گے؟

۲۵۶۶۔ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُولِ اللَّهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور فرمایا۔ اے معشر قریش! یا اسی طرح کا کوئی دوسرا کلمہ' اپنی جانوں کو خرید لو (اللہ سے) اسلام و نیک عمل کے؛ یعنی نجات دلوا لو میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں [illegible] اگر تم ایمان نہ لائے، اے بنی عبد مناف! میں تمہیں اللہ سے بالذات نہیں بچا سکتا، اے عباس بن مطلب! میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے بالذات نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! (رسول اللہ کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے بالذات نہیں بچا سکتا، اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ سکتی ہو۔ لیکن اللہ کی پکڑ سے بالذات نہیں بچا سکتا۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت کے متعلق شارحین نے اگرچہ تاویلات سے کام لیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق انذار و تخویف سے ہے وصیت اور وقف سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے مطلب حدیث یہ ہے کہ ایمان کے بعد عمل صالح ہی نجات کامل کا ضامن ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے اور کفر و نفاق کی حالت میں بغیر توبہ کیے مر گئے تو ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ بحضور رب العالمین ان کی مغفرت کے لیے شفاعت کی جائے۔ کیونکہ کافر کے حق میں شفاعت نہ ہو سکتی ہے نہ کی جا سکتی ہے۔ شفاعت تو صرف گنہگار مسلمانوں کے لیے ہوگی اور مقربانِ بارگاہِ الٰہی انبیاء اولیاء اور صلحاء گنہگار مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر اقرباء ایمان نہیں

لائے تھے۔ اس لیے حضور کے ارشاد کہ تمہیں اللہ کی پکڑ سے قیامت کے دن نہیں بچا سکتا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کفر پر قائم رہے اور کفر پر ہی تمہیں موت آگئی تو کافر کی شفاعت کوئی نہیں کرے گا۔

حضور کا ارشاد' اے فاطمہ عمل صالح اختیار کرو۔ میں تمہیں قیامت کے دن اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا' کا صحیح مطلب

اور حضور علیہ السلام کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ فرمانا کہ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا بطریق انذار و تخویف ہے اور مطلب حدیث یہ ہے کہ میں خود بخود بالذات یہ اختیار نہیں رکھتا۔ رہا مسلمان گنہگاروں کے لیے حضور کا قیامت میں کام آنا اور ان کی شفاعت فرمانا۔ خط کشیدہ جملوں سے اس امر کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب آیت وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی نازل ہوئی کہ آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحضور رب العلمین جل مجدہٗ عرض کی کہ جب بات یہ ہے اِذًا لَّا اَرْضٰی وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ تو میں تو اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری اُمت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا (تفسیر قرطبی)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری اُمت کے لیے میری شفاعت قبول فرمائیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَرَضِیْتَ یَا مُحَمَّدُ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اب آپ راضی ہیں؟ تو میں عرض کروں گا یَا رَبِّ رَضِیْتُ اے میرے رب میں راضی ہوں ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

نیز آیت کے الفاظ بھی حضور کے عرض فرمودہ کلمات اذًا لا ارضٰی کی تائید و توثیق کرتے ہیں کیونکہ اس میں عموم و اطلاق ہے یعنی آیت میں معین کر کے یہ نہیں فرمایا گیا کہ کیا دیں گے بلکہ مطلقاً فرمایا فترضٰی کہ اے حبیب آپ کی ہر مرغوب چیز اتنی عطا فرمائی جائے گی کہ آپ راضی ہو جائیں۔ مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جس کا تعلق سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام سے ہے۔ پھر آپ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول ہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ پھر آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی۔

اور بار بار عرض کرتے تھے اللھم اُمتی اُمتی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین کو بھیجا (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) اور فرمایا میرے حبیب سے دریافت کرو کہ آپ کیوں روتے ہیں۔ جبریل امین حاضر دربار ہوئے اور سوال کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنی امت کی بخشش چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جاؤ میرے حبیب سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔ (مسلم)

۳۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَوَّلَ مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ مِنْ اُمَّتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ | سب سے پہلے میں اپنی امت میں اپنے اہلبیت کی

ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ الحدیث (صواعق محرقہ صد ۹۵)

کی شفاعت کرونگا پھر درجہ بدرجہ اقارب کی (طبرانی و دار قطنی)

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَاخَلَا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ (صواعق محرقہ صد ۹۵)

کہ روزِ قیامت تمام قرابتی و نسبی رشتے منقطع ہوجائیں گے سوائے میرے قرابتی و نسبی رشتوں کے

۵۔ امام ابن حجر علیہ الرحمۃ نے صواعق محرقہ میں یہ حدیث درج کی۔

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاطِمَةُ اُحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَ اللّٰهُ ذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ (صواعق محرقہ، طبرانی، ابونعیم)

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ صاحبِ عفت ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ذُرّیت تک کو آتشِ دوزخ پر حرام کر دیا ہے۔

۶۔ ابن ماجہ کی حدیث یوں ہے:۔

تُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِيْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءًا فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ (مشکوٰۃ شریف ۴۹۴ باب الحوض والشفاعۃ)

یعنی دوزخی صف بستہ کھڑے کیے جائیں گے پھر ان پر ایک جنتی گزرے گا۔ اس سے ایک دوزخی کہے گا کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں جس نے آپ کو ایک مرتبہ پانی پلایا تھا اور کوئی دوزخی کہے گا میں وہ ہوں جس نے آپ کو وضو کے لیے پانی دیا تھا۔ پس وہ بہشتی اس کی شفاعت کرکے اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔

۷۔ ازینجا معلوم میشود کہ فاسقاں وگنہگاراں اگر خدمتے و امدادے باہلِ طاعت و تقویٰ در دنیا کردہ باشند در آخرت نتیجہ آں بیابند و بامداد شفاعتِ ایشاں در بہشت درایند

اس حدیث اور اس کی شرح سے واضح ہوا کہ دنیا میں اگر کسی گنہگار مسلمان نے کسی نیک صالح مسلمان کی کوئی خدمت کی ہے حتیٰ کہ ایک معمولی سی خدمت مثلاً پانی پلانا یا وضو کے لیے پانی مہیا کر دینا بھی قیامت کے دن کام آئیگا اور جس جنتی کو دوزخی نے دنیا میں پانی پلایا تھا تو جنتی اس کو اس معمولی سی خدمت کے حوالہ سے بھی اس دوزخی کی شفاعت کرے گا اور بارگاہِ الٰہی میں وہ شفاعت قبول ہوگی۔

۔ امام ابن حجر ہیتمی علیہ الرحمۃ صواعق محرقہ صد ۹۲ میں ایک حدیث صحیح نقل فرماتے ہیں:۔

صَحَّ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ عَلَى الْمِنْبَرِ مَابَالُ اَقْوَامٍ يَقُوْلُوْنَ اَنَّ رَحِمَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفَعُ

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر فرمایا ان قوموں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں کہ روزِ قیامت رسول اللہ علیہ السلام کی قرابت ان کی قوم کو نفع نہ دے گی ہاں خدا کی

قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَلٰى وَاللّٰهِ اِنَّ رَحِمِيْ مَوْصُوْلَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاِنِّيْ اَيُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَكُمْ عَلَى الْحَوْضِ

قسم میری قرابت دُنیا و آخرت میں موصُولہ ہے اور میں اے لوگو حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں۔

امام ابن حجر صواعق محرقہ صفحہ ۹۴ میں لکھتے ہیں :-

وَجْهُ عَدَمِ الْمُنَافَاةِ كَمَا قَالَهُ الْمُحِبُّ الطَّبَرِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْلِكُ لِاَحَدٍ شَيْئًا لَا نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُمَلِّكُهُ نَفْعَ اَقَارِبِهِ بَلْ وَجَمِيْعِ اُمَّتِهِ بِالشَّفَاعَةِ الْعَامَّةِ وَالْخَاصَّةِ فَهُوَ لَا يَمْلِكُ اِلَّا مَا يُمَلِّكُهُ مَوْلَاهُ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ بِقَوْلِهِ غَيْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا وَكَذَا مَعْنَا قَوْلِهِ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اَيْ بِمُجَرَّدِ نَفْسِيْ مِنْ غَيْرِ مَا يُكْرِمُنِيْ بِهِ اللّٰهُ مِنْ نَحْوِ شَفَاعَةٍ اَوْ مَغْفِرَةٍ وَخَاطَبَهُمْ بِذٰلِكَ رِعَايَةً لِمَقَامِ التَّخْوِيْفِ وَالْحَثِّ عَلَى الْعَمَلِ وَالْحِرْصِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَوْلَى النَّاسِ حَظًّا فِيْ تَقْوَى اللّٰهِ وَخَشْيَتِهِ ثُمَّ اَوْمَا اِلٰى حَقِّ رَحِمِهِ اِشَارَةً اِلٰى اِدْخَالِ نَوْعِ طَمَانِيْنَةٍ عَلَيْهِمْ وَقِيْلَ هٰذَا قَبْلَ عِلْمِهِ بِاَنَّ الْاِنْتِسَابَ اِلَيْهِ يَنْفَعُ وَبِاَنَّهُ يَشْفَعُ فِيْ اِدْخَالِ قَوْمٍ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَرَفْعِ دَرَجَاتِ الْاٰخَرِيْنَ وَاِخْرَاجِ قَوْمٍ مِنَ النَّارِ

یعنی حدیث لا اَملِکُ لکُم وَ اَمثالِہ اور احادیث شفاعت میں کوئی منافات نہیں اس کی وجہ جیسی کہ محب طبری وغیرہ میں اجلہ علمار نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کے لیے کسی شے کے مالک نہیں نہ نفع کے نہ ضرر کے لیکن اللہ عزّ وجل آپ کو آپ کے اقارب بلکہ تمام امت کے نفع کا مالک بنائے گا شفاعت عامہ و خاصہ کے ساتھ تو آپ مالک ہوں گے مگر اپنے مولیٰ کے مالک بنانے سے جیسا کہ حضور نے اپنے قول غیر ان لکم رحما سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ کا یہ ارشاد لا اغنی عنکم اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں تم کو محض اپنی ذات سے اللہ کے عذاب سے بے نیاز نہیں کر سکتا بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر یہ اکرام فرمائے اور شفاعت و مغفرت وغیرہ کرامت کرے ——— اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقارب وغیرہ کو اس طرح اس لیے خطاب فرمایا کہ آپ کو مقامِ تخویف کی رعایت اور عمل پر ترغیب منظور تھی اور یہ خواہش تھی کہ اہلبیت و اقارب تقویٰ و خشیت الٰہی میں اوروں سے اعلیٰ و اولیٰ ہوں۔ پھر حق رحم کی طرف اشارہ فرما کر اُن کے دلوں کو اطمینان بخشا۔ بعض علمار نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حضور نے پہلے فرمایا تھا اس کے بعد حضور کو اس کا علم دیا گیا کہ آپ کے ساتھ نسبت رکھنا آخرت میں نافع ہوگا اور یہ کہ آپ مقبول الشفاعۃ ہیں ایک گروہ کو اپنی شفاعت سے بغیر حساب کے جنت میں داخل کریں گے۔ ایک کے درجے بلند کرائیں گے۔ ایک قوم کو دوزخ سے نکالیں گے۔

۷- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف ج رابع ص ۲۹۲ پر فرماتے

ہیں۔ من مالکم نیستم مرشمارا از عذاب خدا چیزے را یعنی بے اذن او امر او قدرت تصرف و دخل دراں نباشد۔
اس سے بھی ظاہر ہے کہ حدیث زیرِ بحث میں نفی اختیار ذاتی کی ہے نہ کہ عطائی کی۔ اس سے چند سطر بعد حضرت شیخ نے فرمایا۔ واین غایت تخویف و انذار و مبالغہ دراں است والافضل بعضے از ہیں مذکورین و در آمدن ایشاں بہشت را و شفاعت آں سرور عصاۃ امت را چہ جائے اقربہ و خویشاں وے باحادیث صحیحہ ثابت شدہ است۔
مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ (جو وہابیوں کے ہاں بھی معتبر ہے) میں لکھا ہے کہ فاطمہ زہرا کہ جگر گوشہ حضور اور سیدہ نساء عالم ہیں اور آگ دوزخ کی ان پر حرام ہوئی تو ان کو (حدیث میں حضور علیہ السلام کا) آتشِ دوزخ سے خوف دلانے کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ گنہگارانِ امت کو خوف دلانا منظور ہے۔ الغرض حدیث زیرِ بحث سے غیر مقلد وہابیوں کا یہ استدلال کہ معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن نہ اپنے اہلبیت کے کام آئیں گے اور نہ مسلمانوں کے' باطل اور حدیث زیرِ بحث کی معنوی تحریف کرنا ہے۔ مطلب حدیث صرف اس قدر ہے بیں اللہ کے حضور کسی کو نفع پہنچانے کا ذاتی اختیار نہیں رکھتا۔ اور آپ نے اس حدیث میں مسلمانوں کو عمل صالح کی طرف ترغیب دینے کے لیے تخویف و انذار میں مبالغہ فرمایا ہے اور اس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شامل فرما کر انذار و تخویف میں مزید قوت پیدا فرمادی اور نہایت حکیمانہ انداز میں مسلمانوں کو گناہوں سے بچنے اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنے کی ترغیب فرمائی ہے اور جیسا کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔ اہلبیت نبوت کا فضل و شرف اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنتی ہونا اور حضور علیہ السلام کا گنہگار مسلمانوں کی شفاعت فرمانا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

بَابُ هَلْ يَنْتَفِعُ الْوَاقِفُ بِوَقْفِهِ

باب کیا واقف اپنے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے

وَقَدِ اشْتَرَطَ عُمَرُ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهُ أَنْ يَأْكُلَ وَقَدْ يَلِي الْوَاقِفُ وَغَيْرُهُ وَكَذٰلِكَ مَنْ جَعَلَ بَدَنَةً أَوْ شَيْئًا لِلّٰهِ فَلَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا كَمَا يَنْتَفِعُ غَيْرُهُ وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی (اپنے وقف کے لیے) کہ جو شخص اس کا متولی ہوگا۔ وہ حسبِ دستور اوقاف کی آمدنی سے اپنے گزر اوقات کے لیے لے سکتا ہے (وقف خود بھی وقف کا متولی ہو سکتا ہے اور دوسرا شخص بھی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اونٹ یا کوئی اور چیز اللہ کے راستے میں وقف کی تو جس طرح دوسرے اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں خود واقف بھی اٹھا سکتا ہے (اگرچہ وقف کرتے وقت) اس کی قید نہ لگائی ہو۔

۲۵۶۷-۲۵۶۸- حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص قربانی کا جانور ہانکے لیے جارہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، ان صاحب نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ تو قربانی کا جانور ہے۔ آں حضور نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا، افسوس! سوار بھی ہو جاؤ۔ (یا آپ نے ویلک کے بجائے) ویحک فرمایا۔

فوائد و مسائل | ۱- احناف کے ہاں بھی مسئلہ یہ ہے جو عنوان میں مذکور ہے مگر امام بخاری نے زیرِ عنوان قربانی کے جانور سے

استفاع کی حدیث سے اپنے موقف پر جو دلیل قائم فرمائی ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ عید الاضحیٰ یا حج کے موقع پر جو جانور قربان کیا جاتا ہے تو وہ وقف نہیں ہوتا۔

بَاب اِذَا وَقَفَ شَیْئًا فَلَمْ

باب اگر واقف نے مال موقوفہ کو کسی دوسرے

يَدْفَعْهُ اِلٰى غَيْرِهِ فَهُوَ جَائِزٌ لِاَنَّ عُمَرَ اَوْقَفَ وَقَالَ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهُ اَنْ يَّاْكُلَ وَلَمْ يَخُصَّ اَنْ وَّلِيَهُ عُمَرُ اَوْ غَيْرُهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ طَلْحَةَ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَفْعَلُ فَقَسَمَهَا فِيْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ

کے قبضہ میں نہیں دیا تو جائز ہے

اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے (خیبر کی اپنی زمین) وقف کی اور فرمایا کہ اگر اس میں سے اس کا متولی بھی کھائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں آپ نے اس کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی کہ خود آپ ہی اس کے متولی ہوں گے یا کوئی دوسرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنی زمین (جسے تم صدقہ کرنا چاہتے ہو) اپنے عزیزوں کو دیدو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ اپنے عزیزوں اور بنی اعمام میں اسے تقسیم کر دیا۔

بَاب اِذَا قَالَ دَارِيْ صَدَقَةٌ لِّلّٰهِ

باب اگر کسی نے کہا کہ میرا گھر اللہ کی راہ میں صدقہ

وَلَمْ يُبَيِّنْ لِلْفُقَرَاءِ اَوْ غَيْرِهِمْ فَهُوَ جَائِزٌ وَّيَضَعُهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ اَوْ حَيْثُ اَرَادَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ طَلْحَةَ حِيْنَ قَالَ اَحَبُّ اَمْوَالِيْ بِيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِّلّٰهِ فَاَجَازَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَجُوْزُ حَتّٰى يُبَيِّنَ لِمَنْ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ

ہے، فقراء وغیرہ کیلئے صدقہ ہونیکی کوئی وضاحت نہیں کی تو جائز ہے اسے وہ اپنے عزیزوں کو بھی دے سکتا ہے اور دوسروں کو بھی (کیونکہ صدقہ کرتے ہوئے کسی کی تخصیص نہیں کی تھی) جب طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے اموال میں مجھے سب سے پسندیدہ بیرحاء کا باغ ہے اور وہ اللہ کے راستے میں صدقہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار دیا تھا حالانکہ انھوں نے کوئی تعیین نہیں کی تھی کہ کسے دیں گے، لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ جب تک صدقہ کے مصارف نہ بیان کر دے جائز نہیں ہوگا۔ پہلا مسلک زیادہ صحیح ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ اگر واقف نے شی موقوفہ کا کسی دوسرے کو متولی مقرر نہ کیا ہو تو جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم نے وقف کیے اور شے موقوفہ کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا اور اس کے منافع (آمدنی) کو صدقہ فرماتے رہے۔ جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

۲۔ وَقَالَ النَّبِیُّ لِاَبِیْ طَلْحَۃَ الخ سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ واقف کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ شے موقوفہ کو اپنے قبضہ سے خارج کر کے کسی دوسرے کے قبضہ میں دیدے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ کے صرف اتنا کہنے سے کہ یہ زمین اللہ کے لیے صدقہ ہے اسے جائز قرار دے دیا حالانکہ انھوں نے ان کے مصارف وغیرہ یہاں تعیین نہیں کیے تھے اور اس صورت میں واقف کو اختیار ہے کہ فقراء کو دے یا اپنے اقرباء کو دے اور واقف کے یہ کہنے سے کہ یہ مکان اللہ کے لیے صدقہ ہے وقف تام ہو جائے گا ——— اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ جس نے صرف اتنے جملے کہے کہ میری یہ زمین صدقہ ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس زمین کو فقراء و مساکین پر صدقہ کر دے کیونکہ مطلقاً صدقہ فروخت کر کے اس کے ثمن کو مساکین پر صدقہ کر دے کیونکہ مطلقاً صدقہ کیا جائے اور کسی کی طرف منسوب نہ کیا جائے تو وہ مساکین کے لیے ہوتا ہے اور ایسی صورت میں وہ چیز وقف نہ ہوگی۔ اگر واقف مر جائے تو یہ ساری کی ساری حسب ضابطہ ورثاء میں تقسیم ہوگی۔

۳۔ وَقَالَ بَعْضُھُمْ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض سے مراد سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ وقف اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک شے موقوفہ کے مصارف نہ بیان کر دیئے جائیں۔ (عینی ج ۱۴ ص ۴۹)

بَابُ اِذَا قَالَ اَرْضِیْ اَوْ بُسْتَانِیْ صَدَقَۃٌ

باب، کسی نے کہا میری زمین یا میرا باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے تو یہ بھی جائز ہے خواہ اس میں بھی اسکی وضاحت نہ کی ہو کہ کس کے لیے صدقہ ہے۔

عَنْ اُمِّیْ فَھُوَ جَائِزٌ وَّاِنْ لَّمْ یُبَیِّنْ لِمَنْ ذٰلِکَ

۲۵۶۹۔ اِبْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَۃَ تُوُفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُوَ غَائِبٌ عَنْھَا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْھَا اَیَنْفَعُھَا شَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَۃٌ عَلَیْھَا (بخاری)

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ انکی خدمت میں موجود نہیں تھے۔ انھوں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ! میری والدہ کا جب انتقال ہوا تو میں ان کی خدمت میں حاضر نہیں تھا۔ کیا اگر کوئی چیز ان کے لیے صدقہ کر دوں تو اس سے انہیں فائدہ پہنچے گا حضور نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا مخراف باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ سعد بن عبادہ خزرجی انصاری ۵ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ دومۃ الجندل میں تھے۔ اسی اثناء میں ان کی والدہ حضرت عمرہ بنت مسعود کا انتقال ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ سے واپس ہوئے تو آپ نے سعد بن عبادہ کی والدہ عمرہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس حدیث کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی ہیں جو اس وقت اپنے والدین کے ہمراہ مکہ میں تھے اسلیے یہ حدیث مرسل ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر میت کا ولی جنازہ میں شامل نہ ہو سکا ہو اور میت کی تدفین ہو چکی ہو تو ولی یا سلطان اعظم اس کی قبر پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

۲۔ ان حائطی۔ حائط کھجور کے درخت کے ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار ہو۔ مخراف، یہ باغ کا نام ہے۔ اس پر زبر اس لیے ہے کہ عطف بیان ہے۔ شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کو نفع دیتا ہے۔ اسی طرح تلاوت قرآن کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّ ثَوَابَ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ يَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ وَ يَنْفَعُهُ ـــــ ايضا بوصول ثواب القرأة الى الميت (عینی ج ۱۴ ص ۵۲)

جیسے کافر کیلئے شفاعت نہیں اسی طرح ایصال ثواب بھی جائز نہیں

۳۔ قرآن مجید کے ارشاد اَن لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى سے یہ شبہ پیدا کرنا صحیح نہیں ہے کہ کسی کے عمل کا فائدہ دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ایصال ثواب کا جواز قرآن و سنت دونوں سے واضح طور پر ثابت ہے۔ شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے بھی فرمایا ہے کہ یہ آیت عام نہیں ہے کرمانی ج ۱۲ ص ۴۷) ـــ بعض علمائے نے فرمایا کہ آیت کے عموم کا مصداق کافر ہے۔ کافر کو کسی بھی نیک کام کا ثواب پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا۔ (بلکہ کافر کو ثواب پہنچانا جائز ہی نہیں ہے جیسے کافر کے لیے شفاعت نہیں ہے) ـــــ چنانچہ اس امر کی تائید حدیث ابوداؤد سے بھی ہوتی ہے۔ امام ابوداؤد نے کتاب الوصیت میں اوزاعی سے روایت کی کہ عاص بن وائل نے بوقت وفات یہ وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ عاص بن وائل کے دوسرے بیٹے عمرو نے جب باقی پچاس غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واقعہ عرض کیا گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر عاص بن وائل مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، صدقہ و خیرات کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا؛ مطلب یہ کہ عاص کافر تھا اس کو ثواب نہیں پہنچے گا لہٰذا آیت ان لیس للانسان الخ کا محمل بھی کافر ہے۔ غرضکہ جو افراد بحالت کفر مر گئے ان کے لیے نہ ایصال ثواب جائز ہے اور نہ اس کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے اور نہ انہیں ثواب پہنچتا ہے۔ کافر و مشرک کے تو نیک اعمال کا ثواب قیامت کے دن بھی اسے نہیں ملے گا ـــــ رہے مسلمان تو اگر انہیں ایصال ثواب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں ثواب عطا فرماتا ہے۔

قرآن و حدیث اور فقہاء احناف کی تصریحات سے ایصال ثواب کا ثبوت

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر وفات شدہ مسلمان کو ایصال ثواب کے لیے صدقہ وغیرہ کیا جائے تو یہ جائز ہے بدعت نہیں ہے اور یہ کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اہلسنت وجماعت کا یہی موقف و مسلک ہے البتہ فرقہ معتزلہ ایصال ثواب کا منکر ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے۔

۱۔ وَفِىْ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتِهِمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَهُمْ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ	زندے مردوں کے لیے دعا کریں اور صدقہ کریں تو مردوں کو نفع پہنچتا ہے معتزلہ اس کے مخالف ہیں۔

۲۔ قرآن مجید کی ان آیات سے بھی ایصال ثواب کا جائز اور صحیح ہونا واضح ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (سورہ حشر، ۱۰)

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے

اس آیت سے واضح ہوا کہ وفات شدہ مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیئے اور اس عمل سے ان کے گناہوں کی بخشش اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابِ (سورۃ)

اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا (اسراء، ۲۴)

اور کہو اے رب میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

معلوم ہوا کہ دعا سے میّت کو فائدہ پہنچتا ہے اور دعا بھی ایک نیک عمل ہے۔ ایسے ہی نیک اعمال سے بھی میت کو فائدہ پہنچے گا۔

احادیث سے ایصالِ ثواب کا ثبوت

۱۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے عرض کی:۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَلْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ

(ابوداؤد و نسائی ج ۱ ص ۲۳۶)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا تو کونسا صدقہ (اس کے لیے کرنا) بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا، پانی کا صدقہ کرنا (کہ وہاں اس کی کمی تھی) انھوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہہ دیا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے (یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے)

۲۔ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں:۔

اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ (بخاری و مسلم ج ۱ ص ۱۸۶)

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری ماں دفعۃً مرگئی اور میرا گمان ہے کہ وہ اگر کچھ بولتی تو صدقہ کرتی تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ تو اسے ثواب پہنچے گا۔ ارشاد فرمایا، ہاں۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "لمعات" میں فرماتے ہیں۔

فِی الْحَدِیْثِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ ثَوَابَ الصَّدَقَةِ یَصِلُ اِلَی الْمَیِّتِ وَكَذَا حُكْمُ الدُّعَاءِ هٰذَا هُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ الْحَقِّ وَاخْتَلَفُوْا فِی الْعِبَادَاتِ

اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ میّت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور دعا کا بھی یہی حکم ہے اور اہل حق کا یہی مذہب ہے اور عبادات بدنیہ مثلاً نماز و تلاوت قرآن

الْبَدَنِيَّةِ كَالصَّلٰوةِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَالْمُخْتَارُ نَعَمْ قِيَاسًا عَلَى الدُّعَاءِ (لمعات)

میں اختلاف ہے اور مذہب مختار یہ ہے کہ دعا پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ يَمُوْتُ مِنْهُمْ وَ يَتَصَدَّقُوْنَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِلَّا اَهْدٰى لَهٗ جِبْرَائِيْلُ عَلٰى طَبَقٍ مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ يَقِفُ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ فَيَقُوْلُ يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيْقِ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَيْكَ اَهْلُكَ فَاقْبَلْهَا فَيَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا فَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزَنُ جِيْرَانُهُ الَّذِيْنَ لَا يُهْدٰى اِلَيْهِمْ شَيْءٌ (تفسیر مظہری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اسکی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرائیل امین نور کے تھال میں اسے رکھتے ہیں۔ پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والو یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کرلے۔ اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا وہ غمناک ہوتے ہیں۔

۴۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف، الادب المفرد البخاری صہ ۲/۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرماتا ہے وہ بندہ پوچھتا ہے یارب میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کی (اسکی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا) (احمد)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ صہ ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اسکی ماں یا بھائی یا وفادار دوست کی دعا اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اسکی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور وفات شدہ مسلمانوں کے لیے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت کیا کریں۔

۵۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا لَمْ تُوْصِ وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ

کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہ کر سکی۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسے بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا حضور نے فرمایا۔ بے شک ملے گا۔ (مسلم ج ۲ صہ ۴۱، ابوداؤد ج ۲ صہ ۴۳)

شارح مسلم امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

وَفِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ جَوَازُ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ وَاسْتِحْبَابُهَا وَاِنَّ ثَوَابَهَا يَصِلُهُ وَيَنْفَعُهُ وَيَنْفَعُ الْمُتَصَدِّقَ اَيْضًا وَهٰذَا كُلُّهٗ اَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ

کہ اس حدیث شریف میں میت کی طرف سے صدقہ کا جواز اور استحباب ثابت ہو گیا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کو نفع دیتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی اس کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس کے ثواب کا میت کو پہنچنا اور متصدق کو خود بھی اس سے ثواب حاصل ہونا یہ سارے امور ایسے ہیں جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے سُرمئی خصی مینڈھے ذبح فرمائے۔ جب آپ نے ان کو قبلہ رُخ گرایا تو یہ دُعا پڑھی۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اس کے بعد آپ نے جانور ذبح فرمائے (ابوداؤد ج ۲ صہ ۳۰)

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ (ابوداؤد)

الٰہی یہ قربانی محمد و آلِ محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔

۷۔ حضرت حنش فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو دو مینڈھے ذبح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے عرض کی یہ کیا ہیں ؟ تو حضرت علی نے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ (ابوداؤد ج ۲ صہ ۲۹)

مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں۔ پس میں آپ کی طرف سے (ہر سال عید قربان کے موقع پر) قربانی کرتا ہوں۔

غرضکہ بہت احادیث اس مضمون کی ہیں۔ جن سے ایصالِ ثواب کا جواز واضح ہوتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے متعلق احناف کی تصریحات

۱۔ علامہ ابن نجیم حنفی اور ائمہ دین فرماتے ہیں :۔

۱۔ مَنْ صَامَ اَوْ صَلّٰى اَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ

یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ جس نے روزہ رکھا

لِغَيْرِهِ مِنَ الْاَمْوَاتِ اَحْيَاءً جَازَ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَيْهِمْ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب دوسرے کو (مُردوں اور زندوں) کو پہنچائے تو یہ جائز ہے اور ان کا ثواب پہنچے گا۔
(بحر الرائق)

۲۔ اَلْاَصْلُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ تَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلٰوةً كَانَ اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَيْرَهَا كَالْحَجِّ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ وَالْاَذْكَارِ وَزِيَارَةِ قُبُوْرِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالشُّهَدَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَتَكْفِيْنِ الْمَوْتٰى وَجَمِيْعِ اَنْوَاعِ الْبِرِّ

اپنے عمل کا حساب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے، نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا اس کے علاوہ جیسے حج اور قرات قرآن واذکار اور زیارت قبور انبیاء و شہداء و اولیاء وصالحین و تکفین اموات اور ہر قسم کے نیکی کے کام۔
(فتاویٰ عالمگیری)

۳۔ اَلْاَفْضَلُ لِمَنْ يَّتَصَدَّقُ نَفْلًا اَنْ يَّنْوِیَ لِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلَيْهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ

جو شخص صدقہ کرنا چاہتا ہے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرلے کہ ان سب کو پہنچے گا اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔
(محیط، تاتارخانیہ، رد المحتار)

۴۔ اَلْاَصْلُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ تَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلٰوةً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَيْرَهَا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ لِمَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ اُمَّتِهٖ مِمَّنْ اَقَرَّ بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَشَهِدَ لَهٗ بِالْبَلَاغِ (ہدایہ)

اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے، روزہ یا نماز یا صدقہ یا حج) اور اہل سنت کے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دو خوبصورت مینڈھوں کی قربانی کی۔ ان میں ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے جنہوں نے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور اس بات کی شہادت دی حضور نے ان کو اس کا ثواب پہنچا دیا۔

۵۔ مَنْ صَامَ اَوْ صَلّٰى اَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ لِغَيْرِهٖ اَوْ مِنَ الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ جَازَ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب اپنے علاوہ مُردوں اور زندوں کو بخش دیا تو اس کا ثواب ان تک پہنچے گا۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک۔
(بدائع و بحر الرائق)

۶۔ علامہ ابن عابدین رد المحتار میں تحریر فرماتے ہیں:۔
(تنبیہ) صَرَّحَ عُلَمَاؤُنَا فِیْ بَابِ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ بِاَنَّ لِلْاِنْسَانِ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلٰوةً اَوْ

ہمارے علماء نے باب الحج عن الغیر میں صراحۃً تحریر کیا ہے کہ انسان کے جائز ہے کہ وہ عمل کا ثواب دوسرے کو بخشے،

اَوْصَوْمًا اَوْصَدَقَۃً اَوْغَیْرَھَا کَذَا فِی الْھِدَایَۃِ بَلْ فِیْ زَکٰوۃِ التَّتَارْخَانِیَۃِ مِنَ الْمُحِیْطِ اَلْاَفْضَلُ لِمَنْ یَّتَصَدَّقُ نَفْلًا اَنْ یَّنْوِیَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّھَا تَصِلُ اِلَیْھِمْ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ مَذْھَبُ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ (ردالمحتار ص۶۶۶)

نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا کوئی اور چیز، ہدایہ میں اسی طرح ہے بلکہ زکوٰۃ التتارخانیہ میں محیط کے حوالہ سے مذکور ہے کہ جو شخص نفلی صدقہ کرے وہ تمام مومنین مومنات پر صدقہ کرنے کی نیت کرے کیونکہ ان کا ثواب ان تمام کو پہنچتا ہے اور صدقہ کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی (بلکہ اسے اتنے گنا ثواب ملتا ہے) اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

۷۔ صاحب تحفۃ الاحوذی نے بحوالہ مرقات لکھا ہے:

وَاَنَّ الْمُسْلِمِیْنَ مَازَالُوْا فِیْ کُلِّ مِصْرٍ وَّعَصْرٍ یَجْتَمِعُوْنَ وَیَقْرَءُوْنَ لِمَوْتَاھُمْ مِنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ فَکَانَ ذٰلِکَ اِجْمَاعًا ذَکَرَ ذٰلِکَ کُلَّہُ الْحَافِظُ شَمْسُ الدِّیْنِ عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَقْدَسِیُّ

(تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۲۶)

کہ مسلمانوں کا ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ جمع ہو کر اپنے فوت شدگان کے لیے قرآن کریم کی قرات کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس بات کا حافظ شمس الدین بن عبدالواحد مقدسی نے ذکر کیا ہے۔

۸۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَہٗ اَنْ تَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِہٖ لِغَیْرِہٖ صَلٰوۃً اَوْصَوْمًا اَوْصَدَقَۃً اَوْ قِرَاءَۃَ قُرْاٰنٍ اَوْ ذِکْرًا اَوْطَوَافًا اَوْحَجًّا اَوْعُمْرَۃً اَوْغَیْرَ ذٰلِکَ عِنْدَ اَصْحَابِنَا لِلْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ

(بحرالرائق)

مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا تلاوت قرآن یا ذکرالٰہی، طواف ہو یا حج یا عمرہ یا کوئی اور نیکی، ہمارے ائمہ کے نزدیک اس کا ثبوت قرآن وسنت سے ہے۔

۹۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ امام ابراہیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے وفات شدہ مسلمانوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں۔ کیا اس کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟ حضور نے فرمایا پہنچتا ہے اور وفات شدہ مسلمان تمہارے ایصالِ ثواب سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کسی کو کوئی چیز ہدیہ کرے تو وہ خوش ہوتا ہے (عینی ج ۸ ص۲۲۲)

۱۰۔ مراقی الفلاح میں ہے:۔

اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدُکُمْ بِصَدَقَۃٍ تَطَوُّعًا فَلْیَجْعَلْھَا عَنْ

امام طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی نفلی صدقہ کرے، اس کا ثواب والدین کو بخش دے تو ان دونوں

اَبَوَیۡہِ فَیَکُوۡنَ لَھَا اَجۡرُھَا وَلَا یَنۡقُصُ مِنۡ اَجۡرِہٖ شَیۡءٌ (مراقی الفلاح ص۳۷۶)

کو بھی اس کا ثواب ملے گا اور ثواب بخشنے والے کے اجر میں بھی کمی نہ ہوگی۔

۱۱- وَعَنۡ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنۡ مَّرَّ عَلَی الۡمَقَابِرِ فَقَرَءَ قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ عَشۡرَۃَ مَرَّۃً ثُمَّ وَھَبَ اَجۡرَھَا لِلۡاَمۡوَاتِ اُعۡطِیَ مِنَ الۡاَجۡرِ بِعَدَدِ لِلۡاَمۡوَاتِ (حاشیہ علی مراقی الفلاح ص۳۷۶ تا ص۳۷۷)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھ کر اس کا ثواب اموات کو بخشے گا تو اسے ان اموات کی تعداد کی مثل ثواب ملے گا اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

۱۲- حاشیہ علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں احمد بن اسمٰعیل الطحطاوی نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عَنۡ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ (اَنَّہٗ) قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ (مَنۡ دَخَلَ الۡمَقَابِرَ فَقَرَءَ) سُوۡرَۃَ (یٰسٓ) یَعۡنِیۡ وَاَھۡدٰی ثَوَابَھَا لِلۡاَمۡوَاتِ (خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ یَوۡمَئِذٍ) الۡعَذَابَ وَرَفَعَہٗ (وَکَانَ لَہٗ) اَیۡ لِلۡقَارِیۡ (بِعَدَدِ مَا فِیۡھَا) روایۃ الزیلعی مَنۡ فِیۡھَا مِنَ الۡاَمۡوَاتِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورہ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب اموات کو بخشے تو اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل قبرستان سے اس دن عذاب میں تخفیف کر دیگا یا عذاب کو دُور فرمادے گا اور اس قاری کو اور ثواب بخشنے والے کو جتنی تعداد میں اس قبرستان میں میت ہیں ان کے برابر ثواب حاصل ہوگا (یہ حدیث فتح القدیر ج۲ ص ۳۰۹ میں بھی ہے۔)

تیجا، دسواں، چہلم، کونڈوں کی فاتحہ، عرس و گیارھویں وغیرہ ایصالِ ثواب ہی کی صورتیں ہیں

واضح ہو تیجا، دسواں، چہلم، بزرگانِ دین کو ایصالِ ثواب کی مجالس، عرس و گیارھویں وغیرہ سب ایصالِ ثواب ہی کی صورتیں ہیں اور جائز و مستحب ہیں۔ مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ تیسرے اور چالیسویں دن کی قید، اسیطرح تاریخ مقرر کر کے بزرگانِ دین کو ایصالِ ثواب کی مجلس (عرس) و گیارھویں شریف بدعت ہے مگر سوال یہ ہے کہ دن تاریخ اور وقت مقرر کیے بغیر تو مخالفین بھی کوئی دینی و دنیوی کام نہیں کرتے وہ کیوں جائز ہے؟ دن تاریخ اور وقت کے تقرر کو کوئی مسلمان واجب اور لازم نہیں سمجھتا کہ مہینہ کی گیارہ تاریخ ہی کو ایصال جائز ہوگا اور کسی اور تاریخ کو جائز نہیں۔ اگر کوئی جاہل ایسا سمجھتا ہے تو اس کو بتا دینا چاہیئے کہ تیرا ایسا خیال شرعاً غلط ہے بلکہ اگر تعصب اور ضد سے علیحدہ ہو کر غور کیا جائے تو تیجا، دسواں اور چہلم کی تاریخ میں بھی لوگ اپنی سہولت کے لیے کمی بیشی کر لیتے ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ عام مسلمان دن، تاریخ اور وقت کے تعین کو ایصالِ ثواب کے لیے ضروری نہیں سمجھتے۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ ایصالِ ثواب جب اور جس وقت چاہیں کر سکتے ہیں اور شرعاً دن یا تاریخ مقرر کرنا ایصالِ ثواب کے لیے ضروری نہیں ہے ــــ البتہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اگر لوگ دن وقت اور تاریخ کے تقرر کو ایصالِ ثواب کے لیے ضروری نہ سمجھتے ہوئے پھر دن یا تاریخ مقرر کر کے ایصالِ ثواب

کریں۔ اس کو بدعت کہنا شریعت اسلامیہ پر افتراء ہے۔ منع کرنے والے کوئی دلیل شرعی ممانعت میں پیش نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ایصالِ ثواب جسے عرفِ عام میں فاتحہ کہتے ہیں جائز ہے۔ اب یہ سوال کہ فاتحہ جیسے آج کل دی جاتی ہے کھانے سامنے رکھتے ہیں۔ قرآنِ مجید پڑھتے ہیں، کلمہ شریف کا ورد کرتے ہیں اور پھر ان سب کا ثواب وفات شدگان کو پہنچاتے ہیں۔ کیا اسی طرح ایصال کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس طرح ایصالِ ثواب کرنے کی ممانعت بھی تو حضور نے نہیں فرمائی اور جب اللہ اور رسول نے منع نہیں فرمایا تو جو منع کرے گا اور اسے بدعت قرار دے گا اپنے دل کی شریعت گڑھیگا۔ ایسے لوگوں کے لیے تو قرآنِ مجید میں لَا يُفْلِحُوْنَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کی وعید آتی ہے چنانچہ علامہ شامی ردالمختار میں بدعت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قَوْلُهٗ اَیْ صَاحِبُ بِدْعَةٍ اَیْ مُحَرَّمَةٍ وَاِنْ لَّا فَقَدْ تَكُوْنُ وَاجِبَةً كَنَصَبِ الْاَدِلَّةِ لِلرَّدِّ عَلَى الْفِرَقِ الضَّالَّةِ وَتَعْلِيْمِ النَّحْوِ لِفَهْمِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَمَنْدُوْبَةً كَاِحْدَاثِ نَحْوِ رُبَاطٍ وَمَدْرَسَةٍ وَكُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَمَكْرُوْهَةً كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ وَمُبَاحَةً كَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيْذِ الْمَاٰكِلِ وَالْمَشَارِبِ وَالثِّيَابِ كَمَا فِیْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ لِلْمُنَاوِیِّ عَنْ تَهْذِيْبِ النَّوَوِیِّ وَمِثْلِهٖ فِی الطَّرِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ لِلْبِرْكِلِیِّ

یعنی یہاں بدعت سے مراد بدعتِ محرمہ ہے ورنہ کبھی بدعت واجب ہوتی ہے جیسا کہ فرقِ ضالہ کے رد کے لیے دلیل قائم کرنا اور اس قدر نحو پڑھنا جس سے قرآن و حدیث سمجھ سکیں اور کبھی بدعت مستحب ہوتی ہے جیسے مسافر خانہ اور مدرسہ بنانا اور ہر نیا کام جو صدرِ اوّل میں نہ تھا اور کبھی بدعت مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو مزخرف کرنا اور کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے اور پینے اور لباس میں فراخی کرنا، ایسے ہی مناوی کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ انہوں نے امام نووی کی تہذیب سے نقل کیا اور ایسے ہی برکلی کی طریقۂ محمدیہ میں ہے۔

علاوہ ازیں اگر دیانت داری کے ساتھ دلائل شرعیہ پر غور کیا جائے تو مروجہ فاتحہ کے اجزاء کا ثبوت احادیث میں بھی مل جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث نمبر۶ جو ہم نے اوپر لکھی ہے اس میں طعام پر قرآنِ مجید کی تلاوت کرکے ایصالِ ثواب کرنیکا صریح طور پر ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِیْ مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَّرَاكِبًا وَّيُصَلِّیْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ (بخاری)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا کو تشریف لے جاتے۔ کبھی سوار، کبھی پیدل اور دو رکعت نماز پڑھتے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر سال شہداءِ اُحد کے مزارات پر تشریف لیجانے کا ذکر صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔ اب ہفتہ کے دن جانا اور یہ دن مقرر کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہفتہ کے علاوہ کسی اور دن جانا منع ہے البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ثابت ہوا کہ دن مقرر کرکے دعاءِ مغفرت کرنا جائز ہے بلکہ سنتِ رسول ہے۔ اسیطرح کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دُعا کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت

ہے ۔ بخاری و مسلم و دیگر محدثین بحوالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ام سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مع ایک گروہ صحابہ کے جب پہنچے تو فرمایا :۔

ام سُلیم جو تمہارے پاس ہو لاؤ ۔ انھوں نے وہی روٹی (جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں حضور کی خدمت میں بھیجی تھی) حضور کی خدمت میں پیش کر دی ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے وہ روٹی توڑی گئی ۔ ام سلیم نے کپا نچوڑ دیا جس میں کچھ روغن تھا گویا سالن ہو گیا۔

ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْہِ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّقُوْلَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِئْذَنْ لِعَشَرَۃٍ فَاَذِنَ لَھُمْ فَاَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ اِئْذَنْ لِعَشَرَۃٍ ثُمَّ لِعَشَرَۃٍ فَاَکَلَ الْقَوْمُ کُلُّھُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ اَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خدا نے چاہا اس پر پڑھا ۔ پھر فرمایا کہ دس شخص کو کھانے کی اجازت دو، ان کو اجازت دی، وہ کھا کر آسودہ ہو گئے پھر فرمایا اور دس شخص کو اجازت دو، پھر دس کو اجازت دو، غرض سب لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے اور کل آدمی ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) تھے ۔

بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے کھجور اور گھی اور پنیر کا ملیدہ بنا کر ایک طشت میں رکھ کر حضرت انس کو دیا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دو اور عرض کرو کہ میری ماں نے بھیجا ہے اور سلام عرض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ تھوڑی سی چیز میری طرف سے حضور کی خدمت میں حاضر ہے ۔ انھوں نے جا کر عرض کر دیا ۔ ارشاد فرمایا ۔ اسے رکھ دو، پھر فرمایا ۔ انس جاؤ اور فلاں فلاں اور فلاں چند شخصوں کے نام لے کر فرمایا، انہیں بلاؤ اور جو تمہیں ملے، بُلا لاؤ جن کو نامزد فرمایا تھا انھیں اور جو ملا اسے، سب کو میں نے دعوت دی، جب میں واپس ہوا تو دیکھتا ہوں، گھر آدمیوں سے بھرا ہوا ہے ۔ حضرت انس سے پوچھا گیا کتنے آدمی ہوں گے ؟ کہا کہ قریب تین سو کے،

فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَیْسَۃِ وَتَکَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ جَعَلَ یَدْعُوْا عَشَرَۃً یَّاْکُلُوْنَ مِنْہُ وَیَقُوْلُ لَھُمْ اُذْکُرُوا اللّٰہَ وَلْیَاْکُلْ کُلُّ رَجُلٍ مِّمَّا یَلِیْہِ قَالَ فَاَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا فَخَرَجَتْ طَائِفَۃٌ وَّدَخَلَتْ طَائِفَۃٌ حَتّٰی اَکَلُوْا کُلُّھُمْ قَالَ لِیْ یَا اَنَسُ اِرْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا اَدْرِیْ حِیْنَ وَضَعْتُ کَانَ اَکْثَرُ اَمْ حِیْنَ رَفَعْتُ

میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس ملیدہ پر ہاتھ رکھا اور خدا نے جو چاہا پڑھا، پھر دس دس اشخاص کو کھانے کے لیے بُلایا اور فرمایا کہ اللہ کا نام لو اور اپنے قریب سے کھاؤ ۔ سب کھا کر آسودہ ہو گئے، پھر ایک گروہ نکلا اور دوسرا داخل ہو گیا، یہاں تک کہ سب نے کھا لیا، حضور نے فرمایا۔

کھانا اٹھاؤ ۔ میں نے اٹھایا، میں نہیں جانتا کہ جب میں نے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب میں نے اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی ۔ حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! لوگوں کے پاس جو کچھ بچا ہوا توشہ ہو، اسے منگائیے، پھر اس پر اللہ سے برکت کی دُعا کیجیے، حضور نے فرمایا۔ ہاں! ایک چمڑے کا دستر خوان طلب فرماکر بچھا دیا اور بقیہ توشہ طلب فرمایا تو کوئی ایک مٹھی چیا لاتا ہے اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لاتا ہے، غرض دستر خوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہو گئی۔

فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِكُمْ فَاَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَؤُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کی دُعا کی۔ پھر فرمایا۔ اپنے برتنوں میں تم لوگ لے لو، لوگوں نے اپنے برتنوں میں لے لیا یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن باقی نہ رہا جسے بھر نہ لیا گیا ہو۔ لوگوں نے آسودہ ہو کر کھایا اور کچھ بچ رہا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، ان دونوں باتوں پر یقین کرتا ہوا جو بندہ خدا سے ملے گا، وہ جنّت سے روکا نہیں جائیگا۔

غرضکہ ایصالِ ثواب کے مخالفین کی طرف سے دن، تاریخ اور کھانا دسامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کو) بدعت قرار دیا جاتا ہے مگر یہ سب اُمور کسی نہ کسی انداز سے صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ اس لیے انھیں بدعت کہنا غلط ہے ـــــ بلکہ میں تو یہ کہتا کہ ہر چند کہ کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر ہی کھایا جاتا ہے تو اگر مخالفین کو کھانا سامنے رکھ فاتحہ دینے سے چڑ ہو گئی ہے تو وہ پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا کریں۔ ہمیں اس پر بھی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اہلسنّت وجماعت کے عوام وخواص دن تاریخ اور کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو دن تاریخ اور کھانا وغیرہ کو بھی ایصالِ ثواب کا جزُ نہیں سمجھتے۔ یعنی اگر صرف کوئی نیک عمل کیا جائے اور بحضور رب العٰلمین عرض کیا جائے کہ الٰہی میرے اس نیک عمل کا ثواب اپنے کرم سے فلاں کو عطا فرما۔ تو بھی ایصالِ ثواب کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ حضور غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی روحِ مبارک کو ایصالِ ثواب کرنے کو گیارھویں کہتے ہیں جو ماہ ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی ۲۲ر رجب کو حلوہ پوری پر ایصالِ ثواب حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحِ مبارک کو کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایصالِ ثواب ہے اور جائز ہے۔

۲۲ر رجب کے کونڈے

اس مسئلہ سے متعلق راقم نے لاہور کے ایک دیوبندی مولوی کی شائع کردہ دوورقی کا جواب دیا تھا جو برائے افادۂ قارئین پیش کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں میں یہ رواج ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ایصالِ ثواب کے لیے ۲۲ر رجب کو حلوہ پوری یا میٹھی ٹکیوں یا پھل فروٹ پر فاتحہ دیتے ہیں جسے عرفِ عام میں کونڈوں کی نیاز بھی کہتے ہیں۔

لاہور کے ایک دیوبندی قاضی نے اس فاتحہ کو ناجائز حرام بلکہ کفر وشرک قرار دیا ہے۔

ایک عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا جائے اور قاضی صاحب کے مہمل لایعنی الزامات واعتراضات کا مدلل جواب دیا جائے۔ لیکن ہم محض اس بنا پر خاموش رہے کہ اسلام دشمن طاقتیں پہلے ہی مسلمانوں میں بغض وعداوت اور منافرت پھیلانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ ان اسلام دشمن طاقتوں کا طریقہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں رواج شدہ بعض جائز رسموں کو بھی حرام وناجائز اور شرک وکفر قرار دے کر انتشار وافتراق پیدا کیا جائے۔ چنانچہ قاضی مذکور نے بھی دانستہ یا نادانستہ انہیں اسلام دشمن طاقتوں کی ایجنٹی کرتے ہوئے بلا وجہ شرعی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایصال ثواب کو حرام وناجائز بدعت بلکہ کفر وشرک قرار دے کر مسلمانوں کو بدعتی کافر اور مشرک قرار دیا ہے۔ اس لیے ہم صرف مسئلہ کی شرعی پوزیشن کی وضاحت کے لیے اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں تاکہ قاضی مذکور نے مسلمانوں میں افتراق وانتشار پھیلانے اور ایک جائز عمل کو بلا وجہ شرعی، حرام، بدعت وشرک قرار دینے کی جو سعی مذموم کی ہے اس کا سدّباب ہو سکے۔ قاضی مذکور اپنی دو ورقی میں لکھتے ہیں۔

۱۔ کونڈوں کی رسم اسلام دشمن طاقتوں نے رائج کی ہے یہ ایک لغو وعجیب وغریب رسم ہے اس کا اسقدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے اس کے دسویں حصہ پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔

جواب۔ قاضی صاحب بھی بڑے عجیب وغریب اور لغو آدمی ہیں کہ لڑتے ہیں اور تلوار ہاتھ میں نہیں ہے۔ قاضی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اپنے جی سے کہہ دیا انہوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی نہ حدیث نہ کتب فقہ کا حوالہ اور نہ تاریخ کا، ایسی صورت میں ان کی بے دلیل تیز گام کو کیسے تسلیم کر لیا جائے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی (معاذ اللہ) یہ کہہ دے کہ مسجد شہداء اسلام دشمن طاقتوں نے بنائی ہے۔ یہ عجیب وغریب اور لغو عمارت علیائیوں کے گرجوں کی طرز پر بنا کر عیسائی طرزِ تعمیر کو رواج دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی تزئین وآرائش میں اس قدر اہتمام کیا گیا ہے کہ اسلامی فرائض کی بجا آوری کے لیے اس کے دسویں حصے کا اہتمام نہیں ہوتا۔ اس نوع کی بدگمانیوں کا کوئی جواز ہے؟

۲۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں۔ اس لغو رسم کے لیے عجیب وغریب افسانے گھڑ کر حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ افسانہ تراش کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق نے خود فرمایا ہے "جو شخص ۲۲ رجب کو میرے نام کی نیاز کے طور پر کونڈے کرے اور میرے ذریعے حاجت مانگے تو ضرور پوری ہوگی"۔ خدا کی پناہ! حضرت جعفر صادق کی شان تو بہت بلند ہے۔ ادنیٰ مسلمان بھی ایسی لایعنی بات نہیں کہہ سکتا جو شرک وبدعت کو مستلزم ہے۔

جواب: قاضی مذکور نے جو افسانہ بیان کیا ہے ہمیں اس کے صحیح یا غلط ہونے سے کوئی سروکار نہیں ہے اگر قاضی مذکور کا اشارہ شیعہ حضرات کی طرف ہے تو وہ جانے اور شیعہ حضرات، کیونکہ ہم تو بفضلہ تعالیٰ شیعہ نہیں، بلکہ سُنّی حنفی ہیں۔ فرض کیجیے یہ افسانہ ہی ہو مگر قاضی مذکور نے اس پر جن الفاظ میں تنقید کی ہے وہ بہت ہی غلط ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس تنقید میں شرک وبدعت کو مستلزم بات کہنے کا الزام لگا کر اپنے خبث باطنی کا اظہار کیا ہے۔

اس افسانہ میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو ۲۲ رجب کو میرے نام کی نیاز کے طور پر کونڈے کرے۔ مسلمانوں کے عرف میں ہر صحیح الدماغ شخص کے نزدیک (نیاز کرے) کا مطلب ومقصد یہ ہے

کہ میری روح کو ثواب پہنچائے۔ یعنی ایصالِ ثواب کرے اور قاضی مذکور (نیاز کرنے) ایصالِ ثواب کرنے کو یعنی اور کفر و شرک کو مستلزم عمل قرار دے رہے ہیں۔ مسلمان تعصب سے علیحدہ ہو کر غور کریں کہ بزرگانِ دین کی نیاز کرنا یعنی ان کی روح کو ایصالِ ثواب کرنا، کفر و شرک اور بدعت کو مستلزم ہے؟ مگر قاضی مذکور نے ایصالِ ثواب کو کفر و شرک اور بدعت قرار دے کر نہ صرف حضرت امام جعفر صادق بلکہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، ائمہ دین، فقہاء کرام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی بنا دیا کیونکہ یہ سب حضرات ایصالِ ثواب کو جائز ہی نہیں قرار دیتے بلکہ ایصالِ ثواب کی تلقین بھی فرماتے ہیں۔

دراصل حضرت امام جعفر صادق سے بغض و عناد اور ان کی توہین و تنقیص کی پھٹکار یہ پڑی کہ قاضی مذکور نے انبیاء، صحابہ، تابعین، مجتہدین و ائمہ دین، اولیاء کرام اور اوّل سے لے کر آخر تک تمام مسلمانوں کے عمل کو کفر و شرک و بدعت قرار دے کر اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیا۔ کیونکہ یہ سب حضرات (مع امام جعفر صادق کے) ایصالِ ثواب کے قائل ہیں۔

مسئلہ ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب کا جواز و ثبوت تو قرآن و حدیث اور کتب فقہ حنفی سے آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر واضح ہے۔ اگر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے نام کی نیاز کے طور پر یعنی میری روح کو ایصالِ ثواب کرو تو شرعاً و اخلاقاً ایسا کہنا کوئی جرم نہیں ہے مگر قاضی مذکور کو حضرت امام سے بغض و حسد اور دشمنی کا یہ عالم ہے کہ (نیاز) یعنی ایصالِ ثواب کے عمل کو کفر و شرک اور بدعت قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ کسی بھی مسلمان کو کوئی نیک کام کر کے ثواب پہنچانا قرآن و سنت سے واضح طور پر ثابت ہے جس کے بیان و اظہار کے لیے دفتر درکار ہے۔ صرف اتمامِ حجت کے لیے چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ مسلم و ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی۔ الٰہی اس کو میری اور میری آل اور میری اُمت کی طرف سے قبول فرما۔

۲۔ ترمذی کی حدیث میں حضرت حنش صحابی رسول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں قربانی ان کی طرف سے کیا کروں۔ اس لیے میں ایک اپنی طرف سے اور ایک حضور کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

۳۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور سے پوچھ کر اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے کنواں کھدوایا اور کہا کہ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ "یہ سعد کی ماں کے لیے ہے"۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کسی بھی نیک عمل کو بزرگانِ دین کے نام کی طرف نسبت کر کے ثواب پہنچانا بھی جائز ہے جیسے حضرت سعد صحابی نے کہا یہ میری ماں کے لیے ہے یا جیسے عام طور پر مسلمان یہ کہتے ہیں۔ یہ بکرا یہ کھانا، پلاؤ زردہ، یہ کونڈے، حلوہ پوری یا کھیر یا پھل فروٹ وغیرہ صحابہ یا اہلبیت یا امام جعفر صادق یا امام حسین یا حضرت غوث پاک علیہم الرحمۃ کو ایصالِ ثواب کے لیے ہے۔ تو نسبت کر کے نامزد کر کے ایصالِ ثواب کرنا بھی جائز ہے۔

۴۔ نیز فقہ حنفی کی تمام کتابوں اور عقائد کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اپنے کسی بھی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ صدقہ و خیرات ہو یا اس کے علاوہ کوئی نیک عمل یا جائز چیز اور یہ ہی اہلسنت و جماعت کا

مذہب ہے (ہدایہ عالمگیری، رد المحتار شرح عقائد نسفی)

۵۔ امام شاہ ولی اللہ اپنی تصنیف انتباہ کے صـــ ۱۱۹ پر فرماتے ہیں نہ دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب حضرت میر علی ہمدانی علیہ الرحمۃ کو پہنچائے۔

الغرض ایصالِ ثواب کا مسئلہ تو ایسا بے غبار ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس لیے اگر سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لیے (نیاز) ایصالِ ثواب کرنے کی تلقین کی تو اس پر اعتراض کیوں؟ اور ان کے اس ارشاد کو شرک و بدعت کو مستلزم قرار دینا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

میرے ذریعے سے حاجت مانگے

۳۔ قاضی مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام نے فرمایا میرے نام کی نیاز کرے اور میرے ذریعے سے حاجت مانگے۔ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ہے کہ بقول قاضی گڑھے ہوئے افسانہ میں بھی بہت ہی محتاط الفاظ آگئے۔ یعنی امام نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے حاجت مانگے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایصالِ ثواب تو مجھے کیا جائے اور میری ذات کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے تو کیا کسی بزرگ کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعا مانگنا بھی شرک و بدعت ہے۔ افسوس قاضی مذکور ایصالِ ثواب کا تو منکر تھا ہی وسیلہ کا بھی منکر ہو گیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے سے قبل یہ کافر حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے دشمنوں پر فتح و نصرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ افسوس قاضی مذکور نے امام جعفر رضی اللہ عنہ سے بغض و حسد کے جوش میں مدہوش ہو کر قرآن سے ثابت شدہ وسیلہ کا بھی انکار کر دیا اور اگر قاضی مذکور کو یہ اعتراض ہو کہ امام نے اپنی ذات سے حاجت مانگنے کی ترغیب دی ہے تو بھی شرعاً اس میں کیا قباحت ہے؟ کیونکہ یہ اسناد مجازی ہے اور کسی کو مظہر عونِ الٰہی سمجھ کر اس سے استمداد و استعانت کرنا نہ صرف ہمارے نزدیک جائز ہے بلکہ دیوبندیوں کے اکابر نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب تھانوی امداد الفتاویٰ ج ۴ صـــ ۹۹ پر لکھتے ہیں کہ جو استعانت و استمداد بالمخلوق باعتقادِ علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو مگر وہ قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت (یعنی زندہ ہو یا وفات شدہ)

اسی طرح آپ کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن دیوبندی کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر مولوی شبیر احمد عثمانی زیر آیت وَ ایاك نستعین لکھتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مقبول بندے کو محض واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا جانور وغیرہ جنگل میں بھاگ جاوے یا کوئی حاجت پیش آوے اور مدد کی ضرورت ہو

فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ ! يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ ! (طبرانی حصن حصین)	تو چاہیے کہ یوں کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو

راوی فرماتے ہیں وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ یعنی اس امر کو آزمایا گیا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الثِّقَاتِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ يُحْتَاجُ اِلَيْهِ الْمُسَافِرُوْنَ وَرُوِيَ عَنِ الْمَشَائِخِ اَنَّهٗ مُجَرَّبٌ مُحَقَّقٌ (الحرز الثمین)

کہ بعض علماء ثقات نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اسکی بہت حاجت ہے کہ مشائخ کرام سے مروی ہے کہ یہ مجرّب ہے اس سے حاجت روا ہوتی ہے۔

۴۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ حنفیوں کے مسلم امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زیادی نے بیان کیا کہ جب آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ چاہیے کہ خدا اس کو واپس لادے تو ایک بلند مقام پر فاتحہ پڑھے، رضی اللہ عنہ کو پہنچائے۔

وَيَقُوْلُ يَا سَيِّدِيْ اَحْمَدُ يَا ابْنَ عَلْوَانَ اِنْ لَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوْلِيَاءِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَرُدُّ عَلٰى مَنْ قَالَ ذٰلِكَ ضَالَّتَهٗ بِبَرَكَتِهٖ اَجْهُوْرِيْ مَعَ زِيَادَةٍ كَذَا فِيْ حَاشِيَةِ شَرْحِ الْمَنْهَجِ لِلدَّاوُدِيْ رَحِمَهُ اللّٰهُ

اور کہے یا سیدی احمد یا ابن علوان! اگر تم نے میری گم شدہ چیز واپس لادی تو خیر، ورنہ میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے کٹوا دوں گا۔ اس عمل سے یہ برکت ان ولی اللہ کے اللہ تعالیٰ وہ گمشدہ چیز واپس لادے گا۔
(حاشیہ رد المختار شرح درمختار ص ۳۵۳)

ان روایات میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ مشکل کے وقت اولیاء اللہ کو پکارنا، ان سے مدد چاہنا، انھیں فاتحہ کا ثواب پہنچانا۔ کسی کو فاتحہ کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ کرے پھر جسے چاہتا ہے ثواب پہنچائے۔

۵۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں امام العلماء سید الاولیاء سیدی احمد زروق مغربی قدس سرہٗ استاذ شمس الدین لقانی و امام شہاب الدین قسطلانی شارح صحیح بخاری کی مدح عظیم کی ہے اور لکھا ہے۔ "سیدی احمد زروق ابدال سبعہ و محققین صوفیہ میں سے ہیں۔ شریعت و حقیقت کے جامع باوصف علوم باطن ان کی تصانیف علوم ظاہری میں بھی نافع و مفید و بکثرت ہیں۔ اکابر علماء فخر کرتے تھے کہ ہم ایسے جلیل القدر عارف و عالم کے شاگرد ہیں۔ یہاں تک لکھا گیا کہ سیدی احمد زروق علیہ الرحمہ بالجملہ مرد جلیل القدر ہست کہ مرتبہ کمال او فوق الذکر است۔ پھر سید زروق علیہ الرحمہ کے کلام سے دو بیتیں نقل کیں جو یہ ہیں:۔

اَنَا لِمُرِيْدِيْ جَامِعٌ لِّشَتَاتِهٖ　　اِذَا مَا سَطَا جَوْرُ الزَّمَانِ بِنُكْبَةٍ
وَاِنْ كُنْتَ فِيْ ضِيْقٍ وَّكَرْبٍ وَّوَحْشَةٍ　　فَنَادِ بِيَا زَرُّوْقُ اٰتِ بِسُرْعَةٍ

یعنی میں اپنے مرید کا اس کی پراگندیوں میں جامع ہوں جب کہ جور زمانہ سختیوں کے ساتھ اس پر حملہ کرے۔ اگر تو تنگی و سختی و وحشت میں ہو تو یا زروق کہہ کر پکار۔ میں جلد آؤں گا اور تیری مدد کروں گا۔ (بستان المحدثین ترجمہ اردو صفحہ ۲۰۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "جواہر خمسہ" حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعمال کا ورد وظیفہ کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے استاذ علم حدیث مولانا ابو طاہر مدنی و شیخ محمد سعید لاہوری رحمۃ اللہ علیہما

سے اس کے اعمال کی اجازت حاصل کی (دیکھو الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صد ۱۳۸) اور اس جواہر خمسہ میں یہ عمل بھی ہے۔

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِی النَّوَائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِی بِوَلَايَتِكَ يَا عَلِیُّ يَا عَلِیُّ يَا عَلِیُّ

پکار علی کو جن کی ذات مظہر عجائب ہے جب تو انہیں پکارے گا تو انہیں مصائب و افکار میں اپنا مددگار پائے گا پریشانی و رنج ابھی دُور ہوتا ہے آپ کی مدد سے یا علی یا علی یا علی

۶۔ امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر شطنوفی و امام عبداللہ بن اسعد یافعی مکی و علامہ علی قادری کی صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ و مولانا شاہ ابوالمعالی محمد سلمی قادری و شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ غوث اعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ كُرْبَةٍ كَشَفْتُ عَنْهُ وَمَنْ نَادٰی بِاسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فَرَّجْتُ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ لَهٗ وَمَنْ صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ يَقْرَءُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ اِحْدٰی عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ يُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ السَّلَامِ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ ثُمَّ يَخْطُوْا اِلٰی جِهَةِ الْعِرَاقِ اِحْدٰی عَشَرَةَ خُطْوَةً يَذْكُرُ حَاجَتَهٗ فَاِنَّهَا تُقْضٰی

جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف رفع ہو اور جو سختی میں میرا نام لے وہ سختی دُور ہو اور جو کسی حاجت میں اللہ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت برآئے اور جو دو رکعت نماز ادا کرے۔ ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیر کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے۔ پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے۔ ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے اس کی وہ حاجت روا ہو۔

(بہجۃ الاسرار، خلاصۃ المفاخر، نزہۃ الخاطر، تحفہ قادریہ، زبدۃ الآثار)

۷۔ شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں کہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم و شریف مشہور ہے اور اس کے مصنف بہت بڑے امام اور عالم ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن المحاضرہ میں ان کو امام الاوحد لکھا ہے۔ بہجۃ الاسرار شریف اور اس کے مصنف کے متعلق اپنے ائمہ کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔ اب خود مخالفین کے گھر کی شہادت سنیئے۔

۸۔ مولوی انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس مدرسہ دیوبند بہجۃ الاسرار شریف کے مصنف امام شطنوفی کے متعلق لکھتے ہیں۔ وَوَثَّقَهُ الْمُحَدِّثُوْنَ یعنی محدثین کرام نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔ (فیض الباری صد ۶۱/۲)

۹۔ اور پھر ملا علی قاری اور امام عبداللہ بن اسعد یافعی مکی اور شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا صلوٰۃ غوثیہ کو جائز تسلیم کرنا اور اپنی اپنی کتب میں لکھنا نور علیٰ نور ہے۔

اسی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کرام صلوٰۃ غوثیہ پڑھتے رہے اور بعد صلوٰۃ غوثیہ گیارہ قدم بغداد شریف کی طرف چلتے ہوئے شیخ کو ندا کرتے رہے اور یَا شَيْخَ عَبْدَ الْقَادِرِ جِيْلَانِیْ شَيْئًا لِّلّٰهِ کا وظیفہ بھی پڑھتے رہے۔

۱۰۔ چنانچہ عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم خلیفہ و فرزند ثالث حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی و حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی و حضرت مولانا شاہ غلام علی صاحب دہلوی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں و حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین و دیگر بزرگان دین وظیفہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کو پڑھنے اور پڑھنے کو جائز فرماتے۔ کسی نے شرک کا فتویٰ نہیں دیا۔ اور تو اور مخالفین کے پیشوا مولوی اشرف علی لکھتے ہیں کہ صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لیے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے (فتاویٰ امدادیہ ص ۹۴/۴) اور مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں اور اس عقیدہ سے پڑھا کہ شیخ کو اللہ تعالیٰ اطلاع کر دیتا ہے اور باذنہ تعالیٰ شیخ حاجت برآری کر دیتے ہیں۔ یہ بھی شرک نہ ہوگا۔ باقی مومن کی نسبت بدظن ہونا بھی معصیت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴)

تو جناب قاضی صاحب، افسوس ہے جس استعانت مجازی کو آپ شرک و بدعت قرار دے رہے ہیں اسی استعانت کو آپ کے اکابر بھی جائز قرار دیتے ہیں اور آپ ان کو مشرک و بدعتی قرار نہیں دیتے کیا یہی انصاف ہے؟

بہرحال ہم اور تمام مسلمان اگر غیر خدا سے استعانت و استمداد کرتے ہیں تو انہیں مظہر عون الٰہی سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن انہیں الٰہ یا معبود یا مستقل بالذات سمجھ کر استعانت نہیں کرتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہوگا وہی جو مشیت الٰہی ہوگی۔ البتہ اگر کوئی شخص غیر خدا کو الٰہ اور معبود سمجھ کر حقیقی طور پر استعانت کرے تو ہم بھی اسے مشرک سمجھتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

۱۔ ممکن ہے قاضی صاحب یہ کہہ دیں کہ انھوں نے نذر و نیاز کو شرک و بدعت کہا ہے۔ ایصال ثواب کو نہیں تو ہم مسلمانوں کی خدمت میں عرض کریں گے کہ آپ تعصب سے علیحدہ ہو کر غور کریں۔ مسلمانوں کی عرف میں نذر و نیاز ایصال ثواب ہی کا دوسرا نام ہے۔ آپ کہیں گے کہ اس کا ثبوت؟ تو گزارش یہ ہے کہ اگر براہ راست قرآن و حدیث سے دلائل و براہین کی روشنی میں گفتگو کریں تو قاضی مذکور کو سمجھے میں دشواری ہوگی۔ اس لیے اس کے ثبوت میں ان کے مسلمہ بزرگوں کی تحریر سے جواب دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں فاتحہ و قل و درود خواندن تبرک می شود خوردن بسیار خوب ست۔	امامین کی نیاز کا کھانا اور اس پر فاتحہ اور قل و درود پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔
۲۔ گرمالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخورند جائز است مضائقہ نیست۔	یعنی ملیدہ اور دودھ چاول کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے اُن کی روح کے ایصال ثواب کے ارادے سے پکا کر کھلائیں کچھ مضائقہ نہیں ہے جائز ہے۔
۳۔ اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شدہ پس اغنیا را ہم خوردن ازاں جائز است	یعنی اگر کسی بزرگ کے نام پر فاتحہ دی گئی تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔

غور کیجئے یہ فاتحہ اور نیاز وہی ہے جسے قاضی مذکور نے شرک و کفر اور بدعت قرار دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت شاہ

عبد العزیز علیہ الرحمہ بھی مشرک اور بدعتی تھے اور اگر تین حوالوں سے بھی تسکین نہ ہو تو لیجئے چوتھا صاف وصریح وواضح حوالہ جس میں نذر و نیاز کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ آپ کے شہید اعظم مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی تصنیف صراط مستقیم میں لکھا ہے :۔

پس در خوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ ہا و اعراس و نذر و نیاز اموات شک و شبہ نیست

کہ مسلمانوں میں مروج رسوم فاتحہ و عرس اور وفات شدہ افراد کی نذر و نیاز کے افضل و بہتر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

تو جناب قاضی صاحب ! آپ کے امام و پیشوا اور شہید مولوی اسمٰعیل دہلوی تو وفات شدہ افراد کی نذر و نیاز کو جائز بلکہ افضل و بہتر رسم قرار دے رہے ہیں اور آپ اسی نذر و نیاز کرنے کی بنا پر تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے رہے ہیں ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کی زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

نیز اس موقع پر

۱۲۔ بطور تطفل قاضی صاحب سے ایک بات یہ بھی کہنی ہے کہ آپ کے ممدوح علامہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے کا طریقہ صحابہ و تابعین میں مروج نہ تھا۔ سلف سے یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے قرآن پڑھ کر کسی کو ثواب پہنچایا ہو۔ نبی کریم علیہ السلام نے ان کو یہ طریقہ نہیں بتایا۔ اگرچہ آپ نے استغفار، صدقہ، روزہ و حج کے ذریعہ ایصال کرنے کی صراحت کے ساتھ تعلیم دی ہے۔ اگر تلاوتِ قرآن کا بھی ثواب پہنچتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور صحابہ کو بتاتے اور صحابہ اس پر ضرور عمل کرتے۔ اسی طرح علامہ ابن قیمؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ثواب کرنے کو پچھلے فقہائ نے مستحب اور بعض نے بدعت قرار دیا ہے۔ کیونکہ صحابہ حضور علیہ السلام کو ایصالِ ثواب نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کو تو قیامت تک آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کی ہر نیکی کا ثواب پہنچتا ہی رہے گا۔ خواہ کوئی آپ کو ہدیہ کرے یا نہ کرے (کتاب الروح ص۲۱۵) اب جو جواب ابن قیم کے اس سوال کا قاضی مذکور دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے کونڈوں کے جائز ہونے کا جان لیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ذرا یہ بھی بتائیں کہ آپ کے ہم مسلک مدرسوں میں جو ہر سال دن تاریخ مقرر کر کے ختم بخاری بڑے اہتمام سے کیا جاتا ہے۔ ایسا اہتمام تو دیگر فرائض و واجباتِ دین کے متعلق بھی نہیں کیا جاتا۔ اس کا ثبوت کیا ہے ؟ کیا صحابہ کرام و تابعینِ عظام اور خود امام بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ نے بھی ختم بخاری، ترمذی و مسلم کیا تھا ؟ اور بقول آپ کے یہ لغو اور مہمل رسم اسلام دشمنوں نے تو نہیں رائج کی ؟ نیز ختم بخاری کی رسم کے جواز کی جو دلیل آپ دیں گے وہی دلیل ہماری طرف سے کونڈوں کے جواز کی سمجھ لیں۔

۱۳۔ قاضی مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ عالمگیری، در مختار و شامی وغیرہ کتبِ فقہ حنفی میں لکھا ہے کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز شرک ہے اور اس نیاز کا کھانا حرام ہے۔

جواب : قاضی مذکور نے غالباً ان کتابوں کے اردو ترجمے دیکھ کر یہ حکم لگایا ہے۔ اگر وہ عربی عبارات اور اسکی شرح

جو فقہائے نے کی ہے وہ بھی دیکھ لیتے تو کبھی مغالطے میں نہ پڑتے ۔ فقہائے نے اس نذر کو شرک قرار دیا ہے جو نذر فقہی ہے اور نذر فقہی کو ہم بھی حرام سمجھتے ہیں ۔ یعنی غیر خدا کو الٰہ ، معبود اور مستقل بالذات اور مستحق عبادت جان کر اس سے حقیقی استعانت کرنا یہ واقعی شرک ہے اور اگر غیر اللہ کو مظہر عون الٰہی سمجھ کر یعنی بطور وسیلہ ان سے مدد طلب کی جائے تو یہ ہرگز ہرگز شرک نہیں ہے اور آپ کے اکابر بھی اس نوعیت اور کیفیت کی استعانت کو شرک و بدعت نہیں قرار دیتے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ۔

۱۴۔ اسی طرح قاضی مذکور نے سورۃ انعام اور مشکوٰۃ کی جو حدیث لکھی ہے اس میں بھی استعانتِ حقیقی کی ممانعت ہے ۔

۱۵۔ قاضی مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق کی نہ تو ولادت کی تاریخ ہے نہ ہی وفات کی تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ

اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو ہمیں کیا مفر! کیونکہ ہم اور تمام مسلمان کسی بزرگ کی وفات یا ولادت کی ہی تاریخ پر ایصالِ ثواب کو ضروری نہیں سمجھتے ۔ ایصالِ ثواب تو ہر وقت کیا جا سکتا ہے البتہ اپنی آسانی کے لیے تاریخ مقرر کر لیتے ہیں اور اللہ کی سنت بھی یہی ہے کہ اس نے ہر بات کے لیے وقت مقرر کر رکھا ہے ۔ موت ہو ، حیات ہو ، ولادت ہو ، وفات ہو ، غمی ہو ، خوشی ہو سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کر دیا ہے تو ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کسی کام کے انجام دینے کے لیے اپنی آسانی کے لیے وقت مقرر کر لیں تو اس میں کیا قباحت ہے ؟

کیا آپ کی مسجد شہدا میں جو سیاسی اور مذہبی جلسے ہوتے رہتے ہیں وہ دن اور وقت مقرر کیے بغیر ہوتے ہیں ؟
کیا آپ کے مدارس میں جو ختم بخاری ہوتا ہے وہ دن اور وقت مقرر کر کے نہیں ہوتا ؟

۱۶۔ قاضی مذکور نے ایک مہمل اور لغو الزام یہ بھی لگایا ہے کہ ۲۲ رجب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ہے اور یہ لوگ کونڈے کر کے ان کی وفات کی خوشی مناتے ہیں ۔

تو اس کے متعلق ہم پوری ایمان داری اور دیانت داری سے کہتے ہیں کہ یہ آپ کی بدظنی ہے اور کسی مسلمان سے بدظنی کرنا حرام و ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے ۔ اور جو شخص بھی ان کی وفات پر خوشی مناتا ہے وہ سُنی نہیں ہو سکتا ۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم مسلمانوں سے یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ پوری دیانت اور ایمانداری کے ساتھ اس نکتہ پر غور کریں کہ بیاہ شادی یا منگنی کی خوشی کے لیے یا جلسہ و جلوس اور ایصالِ ثواب کے لیے جو تاریخ بھی مقرر کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اس تاریخ کو کسی نہ کسی بزرگ کا انتقال ہوا ہوگا ۔

مثلاً مسلمان ۲۲ رجب یا ۱۲ ربیع الاوّل یا ۱۱ ربیع الثانی یا ۲۲ جمادی الثانی ۱۸ یا ۲۶ ذی الحجہ کی تاریخ بیاہ شادی کے لیے مقرر کر لیں (جو کہ حضور علیہ السلام کی وفات و وصال ، حضرت صدیق و فاروق و عثمان اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وفات کی تاریخ ہے ۔) تو کیا اس موقع پر یہ کہنا کسی طرح بھی معقول ہے کہ تم نے ان تاریخوں میں شادی اور بیاہ کی تاریخ مقرر کر کے ان حضرات کی وفات کی خوشی منائی ہے ۔

حرفِ آخر | ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ قاضی صاحب کی دور رنی پر صرف امرِ واقعہ کے اظہار کے لیے گفتگو کر دی

ہے اور وہ بھی مجبوراً بعض مضطرب مسلمانوں کے شدید اصرار پر ورنہ ایسے نازک موقع پر جب کہ متحد ہو کر پاکستان کی نظریاتی، جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے، اس قسم کی تحریر پر خاموش رہنا ہی زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بَابُ اِذَا تَصَدَّقَ اَوْ اَوْقَفَ بَعْضَ مَالِهٖ

باب کسی نے اپنے مال، غلام یا جانوروں کا ایک حصہ صدقہ یا وقف کیا تو جائز ہے

اَوْ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ اَوْ دَوَابِّهٖ فَهُوَ جَائِزٌ

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ، قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِيْ صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَ اِلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَاِنِّيْ اَمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِيْ بِخَيْبَرَ (بخاری)

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ (غزوہ تبوک میں نہ جانے کی) قبول ہونے کا شکرانہ یہ ہے کہ میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علیحدہ کر دوں۔ حضور نے فرمایا۔ اگر اپنے مال کا ایک حصہ اپنے پاس رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ پھر میں اپنا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔

کُل مال کا صدقہ کر دینا بہتر نہیں ہے

مطلب حدیث یہ ہے کہ اپنا کل مال صدقہ کر دینا بہتر و افضل نہیں ہے بلکہ اپنے مال کا ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے بھی رکھنا چاہیئے کیونکہ انسان کی مالی حالت ایک جیسی نہیں رہتی۔ دنیاوی آفتوں، مفلسی و مسکینی کا آنا ممکن ہے۔ اس وقت کل مال کو صدقہ کر دینے والا سخت مشکلات میں مبتلا ہو سکتا ہے اس لیے بہتر و افضل یہ ہے کہ مال کا کچھ حصہ اپنے لیے بھی رکھے تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت فرمائی — ویسے شرعاً ایک آدمی اپنے مال و دولت کا مالک و مختار ہے اسے اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے اور یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کل مال کو صدقہ یا وقف کرے یا ہبہ کر دے البتہ بہتر و افضل یہ ہے کہ کچھ مال اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے بھی رکھ لے۔ یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں بھی گزر چکی ہے۔

فوائد و مسائل

۱: واضح ہو کہ حضرت ابوطلحہ نے پہلے وہ باغ مطلقاً وقف کر دیا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیدیا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں اسے استعمال فرمائیں۔ حضور نے فرمایا۔ تم یہ باغ حضرت ابی بن کعب اور حضرت حسان کو دے دو جو تمہارے عزیز و رشتہ دار ہیں —— اس سے واضح ہوا کہ لزوم وقف کے لیے قضاء قاضی شرط ہے جو کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا موقف ہے۔ چونکہ حضور نے اس وقف کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو دینے کی ہدایت فرمائی تو یہ وقف لازم نہ ہوا اور وقف غیر لازم واقف کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے فیوض پارہ یازدہم صـ ۵۳ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت حسان کا اپنا حصہ حضرت معاویہ کو فروخت کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت کعب نے وہ باغ ابی بن کعب اور حضرت حسان پر وقف نہیں کیا تھا بلکہ ان کو اس باغ کا مالک بنا دیا

تھا۔ (عینی ج ۱۴ ص ۵۳)

بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ اِلٰی وَکِیْلِهٖ ثُمَّ رَدَّ الْوَکِیْلُ اِلَیْهِ

باب کسی نے اپنے وکیل کو صدقہ دیا لیکن وکیل نے اسے مؤکل ہی واپس کر دیا

۲۵۷۱۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ جَاءَ اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِهٖ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ اَمْوَالِیْ اِلَیَّ بِیْرُحَاءَ قَالَ وَکَانَتْ حَدِیْقَةً کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُهَا وَیَسْتَظِلُّ بِهَا وَیَشْرَبُ مِنْ مَّائِهَا فَهِیَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِلٰی رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْجُوْا بِرَّهٗ وَذُخْرَهٗ فَضَعْهَا اَیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ حَیْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ یَا اَبَا طَلْحَةَ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ قَبِلْنَاهُ مِنْكَ وَرَدَدْنَاهُ عَلَیْكَ فَاجْعَلْهُ فِی الْاَقْرَبِیْنَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ اَبُوْطَلْحَةَ عَلٰی ذَوِیْ رَحِمِهٖ قَالَ وَکَانَ مِنْهُمْ اُبَیٌّ وَحَسَّانُ حِصَّتَهٗ مِنْهُ مِنْ مُّعٰوِیَةَ فَقِیْلَ لَهٗ تَبِیْعُ صَدَقَةَ اَبِیْ طَلْحَةَ فَقَالَ اَلَا اَبِیْعُ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ بِصَاعٍ مِنْ دَرَاهِمَ قَالَ وَکَانَتْ تِلْكَ الْحَدِیْقَةُ فِیْ مَوْضِعِ قَصْرِ بَنِیْ حُدَیْلَةَ الَّذِیْ بَنَاهُ مُعٰوِیَةُ

حضرت انس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "تم نیکی ہرگز نہیں پاسکتے جب تک اس مال میں سے نہ خرچ کرو جو تمہارا پسندیدہ ہے"۔ تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ تم نیکی ہرگز نہیں پاسکتے جب تک اس مال میں سے خرچ نہ کرو جو تمہارا پسندیدہ ہے"۔ اور میرے اموال میں سب سے پسندیدہ مجھے بیرحاء ہے (بیرحاء ایک باغ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں تشریف لے جاتے تھے، اس کے سائے میں بیٹھتے اور اس کا پانی پیتے تھے) وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے میں اس عمل کے نیکی ہونے اور ذخیرۂ آخرت ہونے کی امید رکھتا ہوں، پس، یارسول اللہ! جس طرح اللہ آپ کو بتائے اسے استعمال کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مبارک ہو، ابوطلحہ! بڑا نفع بخش مال ہے، ہم تم سے اسے قبول کر کے پھر تمہارے ہی حوالے کر دیتے ہیں اور اب تم اسے اپنے عزیزوں کو دیدو۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے عزیزوں کو دیدیا۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جن لوگوں کو باغ آپ نے دیا تھا ان میں اُبی اور حسان رضی اللہ عنہما تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیچ دیا تو کسی نے آپ سے کہا کیا آپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا دیا ہوا مال بیچ رہے ہیں؟ حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب ایک صاع کھجور ایک درہم کے بدلے میں بک رہی ہو تو میں کیوں نہ بیچوں (یعنی قیمت اچھی لگی اس لیے بیچ دیا) یہ باغ قصر بنی حدیلہ کے قریب

تھا جیسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا الخ کی تفسیر اور احکام و مسائل

۱۔ یہ آیت نمبر ۹۲ سورہ آل عمران کی ہے۔ "بر" کے لغوی معنیٰ صلہ رحمی، خیر کثیر، جنت، احسان میں زیادتی، صدق اور طاعت کے ہیں ۲۔ یہ لفظ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنےٰ اللہ کی رضا، اللہ کی رحمت، جنت کے ہوں گے اور اس کی ضد عذاب اور اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اور اگر یہ لفظ بندے کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنیٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے، سچائی کو اختیار کرنے اور زیادہ احسان کرنے کے ہوں گے ۳۔ حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ مراد یہاں جنت ہے۔ حضرت مقاتل بن حیان نے فرمایا "برّ" سے مراد تقویٰ ہے۔ بعض نے کہا اطاعت اور خیر ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا۔ تم اس وقت تک ابرار یعنی خیر کثیر کے حامل کرنے والے، احسان اور اللہ کی اطاعت کرنے والے نہیں ہو سکتے جب تک اپنی محبوب اشیاء راہِ خدا میں خرچ نہ کرو۔ علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ حقیقتِ "بر" جو کہ کمال خیر ہے۔ برّ اللہ، یعنی اللہ کی رحمت، اس کی رضا اور جنت نہیں پا سکتے جب تک کہ راہِ خدا میں اپنے محبوب مال خرچ نہ کرو (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۸۶) (۴) بَرّ احسان اور حسنِ سلوک کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ بَر اور بار اس آدمی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے ذمہ عائد حقوق پوری طرح ادا کرے۔ قرآنِ مجید میں بَرًّا بِوَالِدَتِیْ اور بَرًّا بِوَالِدَیْہِ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

والدین کی خدمت میں کوتاہی گناہ ہے اور کوتاہی کا ایک پہلو

۵۔ واضح ہو کہ والدین کے پورے طور پر حقوق ادا کرنا بھی ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے۔ والدین اگر نادار ہوں اور ان کی تمام ضروریات کو حسبِ توفیق پورا کرنا، اسی طرح اگر کمزور و ضعیف ہوں یا بیمار ہوں تو حسبِ توفیق ان کے آرام و آسائش اور علاج معالجہ کا انتظام کرنا بھی واجب ہے ـــ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین اگر ضعیف ہو جائیں یا بیمار ہو جائیں تو امیر اور مالدار بیٹے اور بیٹیاں ان کے آرام و آسائش، علاج معالجہ کا تو معقول انتظام کر دیتے ہیں۔ ان کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے ملازم بھی رکھ دیتے ہیں مگر اس سلسلہ میں کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ اپنے کاروبار اور دیگر مصروفیات میں ایسے مشغول ہو جاتے ہیں کہ والدین سے ملنے جلنے، ان کے پاس بیٹھنے، ان کی دلجوئی کرنے، ان سے باتیں کرنے کے لیے وقت نہیں نکالتے۔ یہ کوتاہی بھی گناہ ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں حسبِ توفیق ان کے آرام و آسائش، علاج معالجہ کے انتظام کے ساتھ ساتھ کچھ وقت ان کی خدمت میں رہنے، ان کی مزاج پرسی کرنے، ان کے پاس بیٹھنے اور باتیں کرنے کے لیے بھی وقت نکالنا لازم و واجب ہے کیونکہ تنہائی اور عزیز و اقربا کا ملاقات نہ کرنا بھی بہت گراں گزرتا ہے۔

چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳، ۲۴ میں ارشاد باری ہے اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے (سورہ بنی اسرائیل)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے ساتھ شفقت و محبت اور تعظیم و توقیر کے ساتھ پیش آنے اور ان کی خدمت کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار کے بعد اہم ترین واجب والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی تعظیم و توقیر اور ان کے حقوق کی ادائیگی تو ہر حالت میں ضروری ہے مگر اس آیت میں ان کے ضعیف اور بوڑھے ہو جانے کی صورت میں ان کی خدمت کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی اس لیے ہدایت دی گئی ہے۔ ضعف و نقاہت اور بیماری کی حالت میں ان کی خدمت اور دلجوئی اور حسن سلوک کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے اس حالت میں ان کی ضروریات کو پورا کرنا اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھنا اور بھی زیادہ لازم و واجب ہے۔

راہِ خدا میں محبوب چیز دینے کی ہدایت

۵۔ جمہور مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں اپنے محبوب مال کو راہ خدا میں دینے کی جو ترغیب دی گئی ہے۔ اس سے صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ اور صدقات نافلہ دونوں مراد ہیں۔ صدقہ خواہ نفلی ہو یا واجب دونوں میں کامل فضیلت اور بڑا ثواب حاصل کرنے کے لیے اپنی محبوب اور پیاری چیز راہِ خدا میں خرچ کرنی چاہیئے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ صدقہ و خیرات حتیٰ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ایسی اشیاء سے کرتے ہیں جو فالتو یا زیادہ کارآمد اور بہترین اموال سے نہیں ہوتیں گو کہ ایسے اموال کا صدقہ کرنا اور انہیں زکوٰۃ کی مد میں دینا جائز ہے اور زکوٰۃ ادا بھی ہو جائے گی اور فرض سے سبکدوشی بھی ہو جائیگا مگر بایں ہمہ عمدہ اور محبوب اشیاء کو راہِ خدا میں دینا بہرحال افضل و بہتر اور زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

۶۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ قیمتی عمدہ اور محبوب اشیاء کا معیار غریب اور امیر کے لیے علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لیے اگر کسی شخص کے پاس بہت عمدہ اور بہت قیمتی مال تو نہیں ہے اور وہ اپنی حسبِ توفیق جو چیز اسے محبوب اور پیاری ہے خواہ وہ کتنی قلیل اور قیمت کے لحاظ سے کم ہو، راہِ خدا میں خرچ کر دیتا ہے تو وہ بھی آیت مذکورہ میں "بر" کا مستحق قرار پائیگا۔ چنانچہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ آدمی جو چیز اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرے وہ اگرچہ ایک عدد کھجور ہی ہو۔ ایسا شخص بھی ثواب عظیم کا مستحق ہو جائے گا۔ آیت "لن تنالوا البر" الخ میں وعدہ فرمایا گیا ہے (تفسیر مظہری ج ۲ صفحہ ۸۵) اور احادیث میں اس امر کی تصریح بھی وارد ہوئی ہے۔

۷۔ رہا یہ سوال کہ آیت میں جس "بر" کا ذکر ہے اس کا ثواب تو مالدار ہی حاصل کر سکتے ہیں لیکن جو غریب و نادار ہیں اور جو دو وقت کی روٹی کا انتظام بھی مشکل سے کرتے ہیں وہ تو اس ثواب سے محروم رہیں گے کیونکہ ان کے پاس تو راہِ خدا میں دینے کے لیے مال و دولت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متعدد احادیث پر غور و فکر کے بعد آیت "لن تنالوا البر" کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ ثواب عظیم صرف عمدہ مال راہِ خدا میں خرچ کرنے سے ہی حاصل ہوگا بلکہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عبادت، جہاد، اللہ کا ذکر، تلاوت قرآن ایسی نیکیوں سے بھی (بر) ثواب عظیم حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزانہ سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کا ذکر کیا تو اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں (بخاری و مسلم) یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی بندہ نے دشمنانِ اسلام (کفار و مشرکین)

صفوں میں گھس کر تلوار چلائی۔ حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر خون میں شرابور ہو گیا تو بھی اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ درجہ میں اس مجاہد سے افضل ہے (مسند احمد و ترمذی) ذکر اللہ کی مثال ہم نے یہ بتانے کے لیے دی ہے کہ غریب و نادار مسلمان جو راہِ خدا میں مال و دولت خرچ نہیں کر سکتے وہ اللہ کے ذکر کے ذریعے بھی ثواب عظیم حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ سارے اعمالِ صالحہ میں ذکر اللہ افضل اور عند اللہ محبوب تر ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت) اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ہر چیز کے مقابلہ میں عظمت و فوقیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے بالاتر اور بزرگ تر ہے۔

ے۔ "بَر" بالفتح کی جمع "ابرار" ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ (بِر) کی ضد اور اس کا مقابل فسق و فجور اور گناہوں کا ارتکاب ہے جیسا کہ بخاری و مسلم، مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سچ بولنے کو لازم پکڑو۔ کیونکہ صدق، بِر کا ساتھی ہے اور یہ جنت میں لے جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ فجور اور گناہ کا ساتھی ہے اور فسق و فجور دوزخ میں جانے کا سبب بن جاتے ہیں۔ الغرض اس آیت سے واضح ہوا۔

افضل ترین نیکی یہ ہے کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز کو راہ خدا خرچ کیا جائے۔ صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد بحضور نبوت اپنے عزیز ترین اموال کو راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے درخواستیں عرض کرتے تھے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی سے متصل قیمتی باغ "بیرحا" راہِ خدا میں دینے کے متعلق عرض کیا تو حضور نے فرمایا یہ تو بہت منافع بخش باغ ہے اور انہیں مشورہ دیا کہ اپنے رشتہ داروں کو دیدو۔ چنانچہ حضور کے مشورہ کے مطابق آپ نے اپنے چچا زاد بھائیوں کو یہ باغ دے دیا ——— اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ صدقہ و خیرات صرف وہی نہیں ہے جو عام فقراء و مساکین کو دیا جائے بلکہ اپنے عزیز و اقرباء اور رشتہ داروں کو دینا بھی صدقہ و خیرات ہی ہے بلکہ اپنے رشتہ داروں کو دینے میں دوہرا ثواب ہے۔ ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ بھی اپنے مستحق زکوٰۃ رشتہ داروں کو دینا افضل اور دوگنے ثواب کا موجب ہے۔

صلہ رحمی کے معنیٰ اور اس کے فضائل

چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے وَاتَّقُوا الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (سورۃ نساء) اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو (قسمیں کھاتے ہو) اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔ اس آیت میں صلہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ارحام، رحم کی جمع ہے۔ قرابت کا ذریعہ رحم ہی ہے اور اس کی وجہ سے ایک آدمی کا دوسرے سے جو تعلق پیدا ہوتا ہے اسے صلہ رحمی کہتے ہیں اور اس تعلق سے بے توجہی اور ترک کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کی اہمیت کے اظہار کے لیے فرمایا:۔

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (مشکوٰۃ ص ۴۱۹)	جو رزق کی کشائش چاہے اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کا ثواب آخرت میں تو ملے گا ہی مگر دنیا میں بھی صلہ رحمی سے رزق کی تنگی دور ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی کو آزاد کر دیا اور پھر بحضور نبوت اس کا ذکر کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہ لونڈی اپنے

لَوْ اَعْطَيْتِهَا اخوَالِكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ

ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا (مشکوٰۃ ۱۷۱)

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِى الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (مشکوٰۃ ۱۷۱)

کسی مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہی ہے اور اپنے کسی عزیز اور قریبی رشتہ دار کو دینا دُہرے ثواب پر مشتمل ہے ۔ ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی

معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات اپنے رشتہ داروں کو دینے میں دُہرا ثواب ہے ۔ اس کے مقابل قطع رحمی سے متعلق اور اپنے عزیز و اقربا سے نیک سلوک نہ کرنے اور حسبِ توفیق ان کی امداد و اعانت نہ کرنے پر سخت و شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا :-

۱- لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

قرابت کا لحاظ نہ کرنے والا جنت میں نہیں جائیگا

۲- لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰى قَوْمٍ فِيْهِ قَاطِعُ رَحِمٍ (مشکوٰۃ ۴۱۹، ۴۲۰)

اس خاندان پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔

۹- واضح ہو کہ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کے متعلق جو ہدایات قرآن و حدیث کی اوپر بیان ہوئی ہیں اس سے آج کل کے امراء، وزراء اور حاکموں کی نام نہاد اقربا پروری ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے ۔ فی زمانہ امراء، وزراء اور حکام میں جو اقربا پروری رائج ہے (الا ماشاء اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کسی کا حق کسی کو ناجائز طریقہ سے دیدینا یا اپنے کسی رشتہ دار کو ناجائز طریقہ سے نوازنا، یہ تو صریح ظلم اور گناہِ کبیرہ ہے ۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد کہ پھر بانٹنے وقت اگر رشتہ دار

اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

یتیم اور مسکین آ جائیں تو اس میں سے انہیں کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو

۲۵۷۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ نَاسًا يَزْعُمُوْنَ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نُسِخَتْ وَلَا وَاللّٰهِ مَا نُسِخَتْ وَلٰكِنَّهَا مِمَّا تَهَاوَنَ النَّاسُ هُمَا وَالِيَانِ وَالٍ يَرِثُ وَذَاكَ الَّذِىْ يَرْزُقُ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت (جس کا ذکر عنوان میں ہوا) منسوخ ہو گئی ہے نہیں خدا گواہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی البتہ لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں ۔ اصل میں والی دو ہیں ۔

وَالٍ لَّا يَرِثُ فَذَاكَ الَّذِي يَقُولُ بِالْمَعْرُوفِ يَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ أَنْ أُعْطِيَكَ (بخاری)

ایک وہ جو وارث ہے اور یہی دے بھی سکتا ہے (عزیزوں، یتیموں اور محتاجوں کو جو تقسیم کے وقت آجائیں) دوسرا والی وہ ہے جو وارث نہیں ہے اور اچھے الفاظ میں معذرت کرے کہ مجھے کوئی اختیار نہیں کہ تمہیں اس میں سے کچھ دے سکوں۔

فوائد و مسائل

۱۔ سید المفسرین صدر الافاضل مولینا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اجنبی جن میں میت کا کوئی رشتہ دار نہ ہو آجائیں تو قبل تقسیم انہیں کچھ دینا مستحب ہے اور قولِ معروف میں عذرِ جمیل، وعدہ حسنہ اور دعائے خیر سب داخل ہے۔ اس آیت میں میت کے ترکہ سے غیر وارث رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کو کچھ بطور صدقہ دینے اور قولِ معروف (اچھی بات) کہنے کا حکم دیا گیا۔ صحابہ کا اس پر عمل تھا۔ حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے تقسیمِ میراث کے وقت ایک بکری ذبح کر کے کھانا پکایا اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں کو کھلایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ابن سیرین نے اسی مضمون کی عبیدہ سلمانی سے بھی روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر یہ آیت نہ آئی ہوتی تو صدقہ میں اپنے مال سے کرتا ــــ تیجہ جس کو سوئم کہتے ہیں اور مسلمانوں میں معمول ہے وہ بھی اسی آیت کا اتباع ہے کہ اس میں رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں پر تصدق ہوتا ہے اور کلمہ کا ختم قرآن پاک کی تلاوت اور دعا قولِ معروف ہے بعض لوگوں کو بے جا اصرار ہو گیا ہے جو بزرگوں کے اس عمل (تیجہ وغیرہ ایصالِ ثواب) کا ماخذ تو تلاش نہ کر سکے (مگر اسے بدعت قرار دینے لگے) باوجودیکہ اتنا صاف قرآن میں موجود تھا لیکن انھوں نے اپنی رائے کو دین میں داخل کیا اور عملِ خیر کو روکنے پر مصر ہو گئے اللہ ہدایت دے (خزائن العرفان صـ۹۲)

۲۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ عنوان میں جس آیت کا ذکر ہے یہ منسوخ ہے یا محکمہ۔ امام بخاری نے زیرِ عنوان حدیث ابن عباس ذکر کر کے یہی تاثر دیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے چنانچہ حضرت مجاہد، ابوالعالیہ، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن جبیر، مکحول، ابراہیم نخعی، عطا بن ابی رباح، زہری، یحییٰ بن یعمر، سیدنا عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت سعید بن مسیب، عکرمہ، ابوالشعثاء، قاسم بن محمد، ابوصالح، ابو مالک، زید بن اسلم، ضحاک، عطا خراسانی، مقاتل بن حیان، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور ائمہ اربعہ امام مالک، شافعی، احمد اور امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یعنی غیر وارثوں کو کچھ دینا واجب نہیں ہے ــــ بعض علماء نے فرمایا کہ اس آیت میں حکم استحبابی ہے یعنی غیر وارث عزیز و اقربا کو کچھ دینا مستحب ہے اگر دیا جائے تو صرف بالغ وارثوں کے حصہ سے ان کی اجازت سے دیا جائے۔ نابالغ وارثوں کے حصے سے دینا جائز نہیں ہے نابالغ وارث اجازت بھی دیدیں تو ان کی اجازت کا شرعاً اعتبار نہیں ہے۔ ویسے بھی جب ہر وارث کا حصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقرر فرما دیا ہے تو ایسی صورت میں غیر وارث رشتہ داروں کو کچھ دینے کے وجوب کا قول کیسے کیا جائیگا۔ البتہ غیر وارث رشتہ داروں کو کچھ دے دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی اگرچہ یہ واجب نہیں ہے مگر مستحب تو ہے لہٰذا آیت زیرِ عنوان کو منسوخ قرار دینے سے یہ بہتر نہیں کہ آیت کو منسوخ قرار نہ دیا جائے اور فَارْزُقُوهُمْ امر کو استحباب پر محمول کیا جائے، واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِمَنْ يُتَوَفَّى فُجَاءَةً

باب اگر کسی کی اچانک موت واقع ہو جائے تو

أَنْ يَتَصَدَّقُوا عَنْهُ وَقَضَاءِ النُّذُورِ عَنِ الْمَيِّتِ

اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے اور میت کی نذروں کو پوری کرنا بھی مستحب ہے)

۲۵۷۳ - عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ تَصَدَّقْ عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ کی موت اچانک واقع ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ اگر انھیں گفتگو کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتیں تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے صدقہ کرو (بخاری)

۲۵۷۴ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِهِ عَنْهَا (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے نذر مان رکھی تھی۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ ان کی نذر تم پوری کر دو۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس مضمون کی احادیث متعدد دفعہ آئی ہیں اور وہاں ہم نے ان احادیث سے مسئلہ ایصالِ ثواب کے متعلق حسب توفیق گفتگو کی ہے ۲۔ ان دونوں حدیثوں میں بظاہر منافاۃ ہے حدیث نمبر ۲۵۷۳ میں سائل کا ذکر نہیں ہوا۔ اسی لیے بعض شارحین نے فرمایا کہ سائل حضرت سعد نہیں کوئی اور صاحب ہیں۔ نیز اس حدیث میں سائل یہ عرض کرتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اگر میری والدہ کو کچھ کہنے کی مہلت ملتی تو وہ صدقہ کرتیں اور حدیث ۲۵۷۴ میں ہے کہ انھوں نے نذر مانی تھی۔ منافات اور دیگر امور سے دلچسپی رکھنے والے حضرات عمدۃ القاری ج ۱۴ صفحہ ۹۵ کا مطالعہ کریں۔ راقم نے ان تمام امور سے متعلق تفصیلی بحث عوام کے لیے مناسب خیال نہیں کی اس لیے ترک کر دی ۳۔ رہا یہ سوال کہ حضرت ام سعد نے کس بات کی نذر مانی تھی تو اس کے متعلق آثار میں اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت سعد کی والدہ نے غلام آزاد کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی اور ان تینوں نذور کا ذکر آثار میں وارد ہوا ہے اور حضرت سعد نے ان تینوں کے متعلق حضور سے سوال کیا اور حضور نے ان کو پورا کرنے کی ہدایت کی۔ بہر حال اس مضمون کی احادیث سے واضح ہے کہ اعمالِ صالحہ کا ثواب میت کو بخش دیا جائے تو جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے (جیسا کہ ان احادیث کی شرح پر ہم نے گزشتہ اوراق میں تفصیل سے گفتگو کی ہے) اور یہ بات آیت لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى کے مخالف نہیں ہے۔

آیت لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى کی تفسیر اس موقع پر ہم حضرت غزالی زمان محدث کبیر حضرت مولینا سید احمد سعید صاحب کاظمی قدس سرہ العزیز کا تحریر کردہ ایک مضمون قارئین کرام کی نذر کرتے ہیں۔ اس مضمون میں حضرت موصوف نے اس آیت

کے معنی و مطلب اور اس پر شبہات کا جواب مدلل طور پر ایک اچھوتے انداز میں دیا ہے۔

"فاران" رجب المرجب ۱۳۶۹ھ کے باب الاستفسار میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مجیب محترم نے زیرِ ترجمہ و تفسیر آیۃ کریمہ لیس للانسان الا ما سعیٰ تحریر فرمایا ہے کہ آیۂ مبارکہ باعتبار اپنے مرادی معنیٰ کے دارِ آخرت سے متعلق ہے اور مطلب یہ کہ آخرت میں انسان کو انہی نیکیوں کا ثواب ملے گا جو اس نے بذاتِ خود کی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نیکیاں کسی نے کی ہوں اور بدلہ دوسرے کو مل جائے۔ ہاں یہ علیحدہ امر ہے کہ کوئی شخص اپنی نیکیوں کا ثواب کسی دوسرے کو ہبہ کر دے اور اس کے ہبہ کرنے کی وجہ سے دوسرے کو اس کی نیکیوں کا ثواب پہنچ جائے۔ یعنی نیکی کرنے والے کی اجازت کے بغیر کسی کو اسکی نیکی کا ثواب نہیں پہنچ سکتا

آیۂ شریفہ کے متعلق باقی تصریحات جیسا کہ ظاہر ہے بالکل موجب اطمینان ہیں لیکن اس وقت جس چیز سے اشکال کی صورت پیدا ہوکر مجبوراً چند معروضات خدمتِ والا میں پیش کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے وہ ایک مسلمان کا اپنی نیکیوں کا ثواب کسی دوسرے کو ہبہ کر دینے سے متعلق ہے یعنی ایک مسلمان اپنی حیاتِ مستعار میں کوئی نیک کام تو خود کرے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے کہ میں نے جو نیک کام کیا ہے اس کا ثواب جو مجھ کو ملنا چاہیئے وہ فلاں شخص کو ملے یا کوئی مسلمان کوئی نیک کام کرے اس نیت سے اور اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر کہ میں یہ کام فلاں مسلمان کی طرف سے کر رہا ہوں اس لیے اس کا ثواب اسی کو ملے۔

ان دونوں طریقوں سے ایصالِ ثواب کے متعلق جو چند شبہات و تردداتِ قلب پر وارد ہوئے ہیں۔ چند لفظوں میں عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں تاکہ اگر یہ خیالات غلط فہمی پر مبنی ہوں تو اصلاح ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ عباداتِ نماز، روزہ، تلاوت، حج، زکوٰۃ، صدقات، قربانی وغیرہ اعمالِ صالحہ سے غرض نفس کو پاک کرنا ہے یا نہیں؟ کیونکہ آخرت کی کامیابی نفس کی پاکیزگی پر موقوف ہے (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی) اور امرِ الٰہیہ کی بجاآوری اور نواہی سے بچنا سنِ بلوغ سے مرتے دم تک ہر مسلمان کے لیے حتی الوسع لازمی چیز ہے۔

اب جو مسلمان اپنی مدتِ عمر میں اپنے صحیح عقائد کے ساتھ اگر نیک عمل کرتا رہا اور دنیا سے با ایمان اٹھا (اَلْاِعْتِبَارُ بِالْخَوَاتِیْمِ) تو یا تو وہ مقربوں سے ہے یعنی اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ میں ہے اور رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ والی جماعت میں شامل ہے یا اصحاب الیمین میں ہے یعنی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا تو ان کے لیے بھی وعدہ الٰہی ہے کہ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اہل جنت اور نیکوکار لوگوں کی یہی تقسیم ہے۔ اسی کے ساتھ قرآن حکیم کی تعلیم یہ بھی ہے کہ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم آیت ۳۹) اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (حم سجدہ آیت ۴۶) اور کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ (والطور آیت ۲۱) ان تین آیتوں سے تین باتیں صاف ثابت ہو رہی ہیں (۱) انسان کا حق اپنی ہی کوشش اور عمل پر ہے دوسرے کی کوشش اور عمل پر نہیں (۲) جو شخص بھی نیک عمل کرتا ہے۔ اس کا نفع اسی کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے، کسی دوسرے کو نہیں (۳) ہر شخص اپنے کسب و عمل میں رہن ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری نماز ہمیں کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے ہمارے روزے ہم ہی میں تقویٰ پیدا کر سکتے ہیں اور ہماری تلاوتِ قرآن ہمارے ہی دل کو اللہ کی طرف لگا کر ہمارے ہی ایمان میں زیادتی پیدا کر سکتی ہے۔ اسی طرح دیگر

نیک عمل جو ہم کرتے ہیں اس سے ہمارا ہی تزکیہ نفس ہوتا ہے جو ہم ہی کو رضاء و رحمتِ الٰہی کے قریب لے جا کر مستحقِ فلاح و نجات ٹھہراتا ہے۔

غرض کہ نفس کا پاک ہونا عین عبادت کے صحیح ہونے پر موقوف ہے اور عبادت کا صحیح ہونا نفس کے پاک ہونے کے بغیر معتبر نہیں، کہا جاتا ہے کہ کتنے لوگوں کی نمازیں اور روزے قیامت میں ان کے منہ پر پھینک دیئے جائیں گے یعنی قبول نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے اثر سے نفس کو پاکیزگی حاصل نہیں ہوئی تھی جو اصل مقصود تھا اور ان کے سب عمل دکھاوے کے تھے۔ (فالعیاذ باللہ)

اب اگر ہم یہ چاہیں کہ برائی یا بے حیائی سے ترک کر جو پاکیزگی ہم میں پیدا ہوئی ہے یا جو تقویٰ ہم میں آگیا ہے۔ خدا کا خوف یا ایمان کی زیادتی جو ہم کو حاصل ہوئی ہے۔ ان چیزوں کو کسی دوسرے کی طرف کس طرح پہنچا دیں تو یہ دعائے محال ہے اور ناممکن بات کی دعا بالکل منع ہے خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ انسان کا حق اپنی ہی کوشش و عمل پر ہے اور جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ اس کا نفع اسی کو حاصل ہوتا ہے دوسرے کو نہیں اور یہ کہ ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے اللہ تعالیٰ ہی اپنے بیان کردہ قرآنی اصول کے مطابق اس گرو کو توڑ سکتا ہے کوئی شخص بطور خود کسی ایسے طریقے سے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا اس کو نہیں توڑ سکتا۔ قرآن پاک میں جس عام مرے ہوئے مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کی تعلیم فرمائی گئی ہے کیا اسی طرح اپنی نیکیوں کا ثواب ہبہ کر دینے کی تعلیم موجود ہے۔ عام مسلمان نہیں تو کم از کم عزیز رشتہ داروں اور والدین کے لیے ثواب پہنچانے کا حکم ہے؟ دعائے رحمت و مغفرت جو بارگاہِ الٰہی میں ایک سفارش ہے اس میں اور اجر و ثواب منتقل یا ہبہ کرنے میں کوئی فرق ہے؟

براہِ کرم اس مسئلہ میں ہماری راہنمائی فرمایئے اگر استدلال قرآنِ حکیم کی روشنی میں ہو تو اصولی طور پر زیادہ اطمینان کا باعث ہوگا۔ بینوا وتوجروا رحمکم اللہ تعالیٰ۔ "قائد" چند ماہ سے باقاعدہ نظر مطالعہ سے گزر رہا ہے۔ دعا ہے کہ اس کی پُرخلوص خدمات ملک و ملت کے لیے مفید ثابت ہوں اور "قائد" اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہو۔

عریضہ زیر نظر ایک استفسار ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ "قائد" کی تازہ اشاعت میں اسے باب الاستفسار میں جگہ دے کر جواب سے سرفراز فرمائیں۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزا۔ مخلص محبوب احمد

آپ کے سوال کا منشا اور مبنیٰ یہ ہے کہ ہر عبادت، تقویٰ، طہارت اور نیکیوں کا ثواب اور ان کے نتائج و اثرات اسی شخص کے لیے مخصوص ہیں جو ان کا عامل اور کرنے والا ہے۔ غیر عامل کے لیے بغیر کچھ کیے کسی نیکی کا ثواب یا اس کے فوائد کا حصول کسی طرح ممکن نہیں اس دعوے کے ثبوت میں آپ نے تین آیتیں لکھی ہیں وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ اور كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۔ آپ نے لکھا ہے ان تینوں آیتوں سے تین باتیں صاف ثابت ہو رہی ہیں ۱۔ انسان کا حق اپنی ہی کوشش اور عمل پر ہے دوسرے کی کوشش اور عمل پر نہیں ہے ۲۔ جو شخص بھی نیک عمل کرتا ہے اس کا نفع اسی کرنے والے کو حاصل ہو سکتا ہے کسی دوسرے کو نہیں ۳۔ ہر شخص اپنے کسبِ عمل میں رہین ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کی نیکی اور کوشش دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی (اس لیے ایصالِ ثواب بھی ممکن نہیں) میں عرض کروں گا کہ ان آیات سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ قرآنِ مجید کی دوسری بکثرت آیاتِ بینات اور بے شمار احادیثِ صحیحہ کے

خلاف ہے ملاحظہ فرمائیے۔

آیت نمبرا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (پ ۳ سورہ بقرہ ع ۳۴) وہ کون ہے جو بارگاہ ایزدی میں اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے۔ معلوم ہوا کہ اس کے اذن والے شفاعت کریں گے اور وہ انبیاء علیہم السلام، ملائکہ کرام اور مومنین عظام ہیں۔ ظاہر ہے کہ شفاعت بھی ایک عمل ہے اور شفاعت کے ذریعے ان لوگوں کو فائدہ بھی ضرور پہنچے گا۔ جن کے حق میں شفاعت ہوگی ورنہ شفاعت لغو اور بیہودہ قرار پائے گی نعوذ باللہ۔ اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ عالم آخرت میں ایک کے عمل سے دوسرے کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔

آیت نمبر۲ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

(پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۲) کچھ گاؤں والے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں خبردار ہو جاؤ وہ ان کے لیے باعث قرب ہے اور اللہ جلد انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔" اعراب" جو کچھ خرچ کرتے تھے اسے اللہ تعالیٰ کی نزدیکیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے فعل کو مقام مدح میں بیان فرما کر اس کے جواز پر نص فرمائی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دعائیں بھی عمل ہیں اور اگر وہ دعائیں ان کے حق میں مفید نہ ہوتیں تو ان کو حاصل کرنے کے لیے ذریعہ تلاش کرنا عبث تھا اور فعل لغو و عبث مدح کے قابل نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی مدح و ستائش فرما رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ لغو و عبث نہیں بلکہ مفید ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

آیت نمبر۳ وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۳) پیارے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لیے دعائے خیر فرمائیے بیشک آپ کی دعا ان کے لیے سکون ہے۔ اگر ایک کا عمل دوسرے کے لیے مفید نہ ہوسکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مبارک آپ کے غلاموں کے حق میں مطلقاً سکون و اطمینان کا موجب کیونکر ہوسکتی ہیں۔

آیت نمبر۴۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم ع ۶) اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی۔ ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ صمدی میں عرض کرتے ہیں اے اللہ میری اور میرے والدین اور ایمان والوں کی مغفرت فرما جس دن حساب قائم ہو۔

دعا عمل ہے اور ظاہر ہے کہ مومنین کے حق میں دعائے مغفرت خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی ضرور مقبول ہے اور اس دعا کے لازمی مقبول ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ مومنین کی مغفرت ہو اور اس دعا سے انہیں فائدہ پہنچے۔ ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

آیت نمبر ۵ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (پارہ ۱۶ سورہ کہف ع ۱۰) اور دیوار کے نیچے ان دونوں یتیم بچوں کا خزانہ تھا اور ان کا باپ مرد صالح تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام کا دو یتیم بچوں کے خزانہ کی حفاظت کے لیے دیوار کو سیدھا کرنا ان کے باپ کے صالح ہونے کی وجہ سے تھا ورنہ جملہ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا بالکل بے معنی ہو کر

رہ جائیگا (العیاذ باللہ) معلوم ہوا کہ ایک کے اعمالِ صالحہ دوسرے کے حق میں مفید ہو سکتے ہیں۔ اسی واسطے حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیکی سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور اس کے کنبہ والوں کو اور اس کے محلہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔

آیت نمبر ۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پارہ ۲۴ سورہ مومن ع ۱) وہ (فرشتے) جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے آس پاس ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے ہیں اور اس پر ایمان لائے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔

فرشتے معصوم ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں امر الٰہی سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ یعنی فرشتے وہ کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ امر الٰہی سے وہ مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ دعا فرشتوں کا عمل اور ایمان والوں میں یقیناً مفید ہے۔ ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

آیت نمبر ۷ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (پارہ ۲۸، سورہ حشر ع ۱) وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں۔ اے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے مومنین میں دعا نقل فرمائی ہے جن میں قیامت تک پیدا ہونے والے مومن داخل ہیں۔ ان سب کی دعائیں اپنے سے پہلے مسلمانوں کے حق میں وارد ہیں اور وہ ان کے لیے یقیناً مفید ہیں۔ یہ بات بارہا بتائی جا چکی ہے کہ دعا بھی عمل ہے اور اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

بخوف طوالت صرف سات آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ قرآنِ مجید میں اور آیتیں بھی اس مضمون پر بکثرت موجود ہیں۔ عملِ خیر سے فائدہ پہنچنے کے ثبوت میں چند احادیث بھی تحریر کرتا ہوں تاکہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

حدیث نمبر ۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ (متفق علیہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور میری والدہ کا انتقال اچانک ہو گیا۔ میرا گمان ہے کہ اگر وہ بولتی تو صدقہ کرتی۔ تو کیا اس کے لیے اجر ہے۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ مطلب واضح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مضمونِ حدیث اثباتِ مدعا میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

حدیث نمبر ۲ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ (رواہ مسلم) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ چھری لاؤ پھر فرمایا کہ اسے پتھر سے تیز کرو میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کے لٹایا پھر اسے ذبح فرمایا اور فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ۔ اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول کر۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

اگر ہر شخص اپنے ہی عمل کی جزا میں ـــــ مقید ہے اور کسی کو کسی کے نیک عمل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ اے اللہ قبول کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد وامتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے۔

حدیث نمبر ۳ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَاَبِيْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيْ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ (امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔

حدیث نمبر ۴ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّهٗ تُوُفِّيَتْ اَيَنْفَعُهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ (رواہ البخاری) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں فوت ہو گئی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا وہ اس کو نفع دے گا؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں نفع دے گا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی نیکی کا ثواب دوسرے مسلمان کو پہنچتا ہے اور مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مردوں کو ثواب پہنچائیں۔

حدیث نمبر ۵ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ التَّثَبُّتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْئَلُ (رواہ ابوداؤد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے تو ٹھہر جاتے اور صحابہ کرام سے فرماتے اپنے بھائی کے لیے طلب مغفرت کرو پھر اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۔ کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ـــــ اگر کسی مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کے عمل سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے لیے استغفار اور دعا کا حکم کیوں دیا؟

حدیث نمبر ۶ رَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ كَانَ لِيْ اَبَوَانِ اَبَرُّهُمَا حَالَ حَيَاتِهِمَا فَكَيْفَ اَبَرُّهُمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْمَوْتِ اَنْ تُصَلِّيَ لَهُمَا مَعَ صَلٰوتِكَ وَاَنْ تَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ (دارقطنی نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے حال دریافت فرمایا تو اس نے کہا حضور میرے والدین تھے میں ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کیا کرتا تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد کس طرح ان کے ساتھ نیکی کروں؟ سرکار نے ارشاد فرمایا موت کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھ

اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھ۔ یہ حدیث دارقطنی کی ہے (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ سے نقل کی گئی)

حدیث نمبر ۷ عَنْ اَنَسٍ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّا نَتَصَدَّقُ عَنْ مَّوْتَانَا وَنَحُجُّ عَنْھُمْ وَنَدْعُوْا لَھُمْ فَھَلْ یَصِلُ ذٰلِکَ لَھُمْ قَالَ نَعَمْ اِنَّہٗ لَیَصِلُ اِلَیْھِمْ وَاِنَّھُمْ لَیَفْرَحُوْنَ بِہٖ کَمَا یَفْرَحُ اَحَدُکُمْ بِالطَّبَقِ اِذَا اُھْدِیَ اِلَیْہِ (رواہ ابو حفص العکبری) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے مردوں کی طرف سے خیرات کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ حضور کیا یہ سب کچھ انہیں پہنچتا ہے؟ سرکار نے فرمایا ہاں بیشک وہ انہیں ضرور پہنچتا ہے اور وہ اس کے ساتھ اسی طرح خوش ہوتے ہیں جیسے تمہاری طرف جب کوئی طبق ہدیہ کیا جائے اور تم اس سے خوش ہوتے ہو۔ اس حدیث کو ابو حفص العکبری نے روایت کیا اور یہ شامی ج ۲ صفحہ ۲۲۵ سے نقل کی گئی۔

ہمارے دعوے پر بکثرت احادیث موجود ہیں مگر بخوفِ طوالت صرف سات حدیثوں پر اکتفا کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک یہ بات بھی عرض کر دوں کہ اگر یہ نظریہ درست تسلیم کر لیا جائے کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور کسی کی نیکی سے کسی دوسرے کو نفع حاصل نہیں ہو سکتا تو مسلمانوں کے وہ ناسمجھ اور شیرخوار بچے جو بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک بھی جنت میں نہیں جا سکتا کیونکہ نہ وہ ایمان لائے نہ انھوں نے نیک عمل کیے۔ اگر کہا جائے کہ انہوں نے گناہ نہیں کیے اس لیے وہ جنتی قرار پائے تو میں عرض کروں گا کہ کفار و مشرکین کے بچوں نے بھی گناہ نہیں کیے ان پر بھی اسلام کے احکام جاری ہونے چاہئیں مگر ایسا نہیں۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے بچوں پر جو بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں احکام اسلام کا جاری ہونا اور ان کا جنت میں جانا ان کے والدین یا دونوں میں سے ایک کے ایمان و اسلام کی وجہ سے ہے۔ ثابت ہوا کہ ایک کی نیکی دوسرے کے لیے مفید ہے۔ آپ دریافت فرماتے ہیں کہ دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق گزارش ہے کہ دونوں میں اتنا فرق تو ظاہر ہے کہ دعائے مغفرت میں صرف دعا ہے اور ایصالِ ثواب میں دُعا کے ساتھ ثواب بھی لیکن اصولی طور پر کوئی فرق نہیں اور اصل مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ آیہ کریمہ ان لیس للانسان الا ما سعٰی سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہر شخص کے لیے اسی کی کوشش اور نیکی کا فائدہ ہے دوسرے کی کوشش اور عمل کا فائدہ کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔

اب غور فرمایئے کہ ایک مسلمان کی دعائے مغفرت دوسرے مسلمان کے حق میں جو ہوتی ہے وہ کس کی کوشش اور کس کا عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ دُعا کو دُعا کرنے والے ہی کا عمل اور اسی کی کوشش کہا جا سکتا ہے۔ جب اس کا فائدہ دوسرے کو پہنچا تو آپ کا نتیجہ بداہتاً غلط ہوا یا نہیں؟

پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں ایصالِ ثواب کا حکم ہے یا نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کو اپنی نیکی اور اپنے عمل سے فائدہ پہنچاتا ہے اور یہ بات قرآنِ مجید سے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید میں ثواب کی اصل موجود ہے۔ رہا یہ امر کہ ایصالِ ثواب کا تفصیلی بیان قرآنِ مجید میں موجود نہیں ہے تو اس کے متعلق عرض کر دوں کہ قرآنِ مجید میں نماز کا تفصیلی بیان موجود نہیں حالانکہ نماز افضل العبادات اور عماد الدین ہے۔

"خمس صلوٰۃ" کا لفظ قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ اوقاتِ صلوٰۃ کی مکمل تفصیل وارد نہیں ہوئی۔ تعدادِ رکعات کا کوئی ذکر قرآنِ مجید میں موجود نہیں۔ بیشمار مسائلِ دین کی تشریح و توضیح تمام تفصیل کے ساتھ کتاب اللہ میں نہیں پائی جاتی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس مسئلہ کی تفصیل قرآنِ مجید میں نہ ہو وہ غلط ہے۔ اگر تمام تفصیلات قرآنِ پاک میں ہوتیں تو سنتِ نبوی اور احادیثِ مبارکہ کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں شک نہیں کہ دینِ متین تمام قرآنِ مجید میں ہے۔ قرآنِ کریم ایسی جامع اور کامل کتاب ہے جس میں ذرہ بھر کسی بات کی کمی نہیں پھر وہ تمام علومِ قرآنیہ نگاہِ رسالت کے سامنے تفصیلاً موجود ہیں لیکن ہم بیان اور وضاحت کے محتاج ہیں۔

آپ نے فرمایا ہماری نماز، ہماری عبادت اور ہمارا تقویٰ اور ہماری طہارت ہم ہی کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ہماری نیکیوں سے ہمارے ہی نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہماری عبادت اور نیکیوں سے دوسروں کا تزکیہ قلب ہو جائے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ تزکیہ نفس اور چیز ہے اور ثواب اُخروی دوسری چیز ہے۔ دیکھئے قرآنِ مجید میں لیلۃ القدر کی فضیلت رب تعالیٰ نے بیان فرمائی لیلۃ القدر خیر من الف شھر تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ لیلۃ القدر میں عبادت کرنے سے ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیے کہ ایک رات کی عبادت سے تزکیہ نفس زیادہ ہوگا یا ہزار ماہ کی عبادت سے؟ اگر ہزار ماہ کی عبادت سے تزکیہ نفس زیادہ ہوگا تو پھر ایک رات کا ثواب اس سے بڑھ کر کیسے ہے؟

مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ جو تزکیہ ایک لاکھ نمازوں سے ہوگا وہ ایک نماز سے نہیں ہوگا لیکن اس ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں جتنا ہونے میں خود آپ کو بھی شبہ نہ ہوگا۔ اسی قسم کی دیگر بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور ان کے بیان کا مفاد دراصل یہ بتانا ہے کہ ثواب اور تزکیہ نفس دو مختلف چیزیں ہیں۔

آپ کے اعتراض یا شبہ کی بنیاد یہ مغالطہ بنا کہ آپ نے ثواب یا تزکیہ کو لازم و ملزوم یا مترادفات میں تصور کیا۔ اگر ہماری عبادت سے کسی دوسرے کا تزکیہ نفس نہیں ہوتا تو اس سے یہ کب لازم آیا کہ ہماری نیکیوں کا فائدہ بھی کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔

اب ان آیات پر کلام کرتا ہوں جن کی وجہ سے آپ کو یہ شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور اس سے پہلے ایک مختصر سی تمہید پیش کرتا ہوں جس کو غور سے پڑھنے کے بعد آیات کے مطالب اچھی طرح واضح ہو جائیں۔

عقلِ سلیم کے نزدیک شہنشاہِ عادل و حکیم کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ وہ حقدار کے حق کو تلف ہونے سے بچائے اور غیر مستحق کو اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ کسی کے حق میں دست درازی کر سکے۔ نیز یہ کہ جس شخص نے کوئی جرم کیا ہے اس کی سزا اسی کو دے اور اس بات کا پورا خیال رکھے کہ کسی جرم کی پاداش میں کوئی بیگناہ نہ پکڑا جائے۔ بادشاہ عادل نہیں تو اس کی سلطنت کا نظام کبھی درست نہیں رہ سکتا۔ اگر لوگوں کی حق تلفی شروع ہو جائے اور بے گناہوں کو سزائیں ہونے لگیں تو ملک میں شدید بےچینی اور بدنظمی پیدا ہو جائے اور ایک آن کے لیے امن و سکون باقی نہ رہے۔ مثلاً سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے جو تنخواہیں خزانۂ عامرہ سے دی جاتی ہیں شاہی قانون کے مطابق ان کے حقدار وہی لوگ ہیں جنھوں نے وہ کام کیے ہوں۔ جن لوگوں نے وہ کام نہیں کیے انہیں کوئی حق نہیں کہ خزانۂ عامرہ سے کام کرنے والوں کی تنخواہیں برآمد کرا کے خورد برد کر لیں اور کام کرنے والے مُنہ

بکتے رہ جائیں۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ نہیں ہے انسان کے گروہ جو اس نے کوشش کی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سرکاری کاموں کی انجام دہی کی سعی نہیں کرتے وہ اس کے صلہ اور انعام کے بھی حقدار نہیں ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا کہ من عمل صالحاً فلنفسہ جس نے کوئی نیک کام کیا وہ اس کی ذات کے لیے ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کی کارکردگی کا صلہ دوسرے لے اڑیں لیکن یاد رہے کہ حقدار اپنا حق اپنی خوشی سے کسی کے نام منتقل کردے تو یہ قانون اس کو ایسا کرنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ اگر کوئی سرکاری ملازم اپنی خوشی سے اپنے کسی رشتہ دار یا دوست کے نام منتقل کر دے تو اس قانون کی رو سے اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ملازم اپنی تنخواہ خود وصول کرے تو وہ اس کا حق قرار پائے گی اور اس کی اجازت سے اس کا رشتہ یا دوست وصول کرے گا تو اس کے لیے ایک قسم کا ہدیہ یا تحفہ ہوگا۔ ان دونوں آیتوں سے امر اول کی وضاحت ہوگئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے امر دوم کو واضح کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ یعنی کسی کے جرم میں کسی اور کو نہیں پکڑا جائیگا بلکہ ہر مجرم اپنے جرم کی سزا خود بھگتے گا۔ ومن اساء فعلیھا اور جس نے کوئی برائی کی تو وہ اسی پر ہے یعنی اس کی برائی کی سزا اسی کو ملے گی۔ دوسرے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ شاید یہاں یہ شبہ پیدا ہو کہ جب اپنی نیکی کے بدلے کا دوسرے کی طرف منتقل کرنا اس قانون کے خلاف نہیں تو پھر اپنی بدی کے بدلے کا دوسرے کی طرف منتقل کرنا بھی خلاف قانون نہ ہونا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ عادل وحکیم کا قانون عدل وحکمت کے عین مطابق ہے۔ کسی پر احسان کرنا چونکہ عدل وحکمت کے عین مطابق ہے اسلیے اپنی نیکی کا ثواب کسی کو پہنچانا قانون ایزدی کے موافق ہے اور اپنی کی ہوئی برائی کا بدلہ دوسرے کو دلوانا عدل وحکمت کے سخت خلاف ہے۔ اس لیے قادر مطلق عادل وحکیم جل مجدہٗ کے قانون میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس تمہید اور تشریح وتوضیح آیات سے غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ایک مسلمان کو دوسرے کی نیکی سے فائدہ پہنچنا آپ کی مرقومہ آیات کے خلاف نہیں مزید تفصیل کے لیے عرض ہے کہ جب قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایک مسلمان کی نیکی کا نفع دوسرے مسلمان کو پہنچتا ہے تو اب اگر آپ کی مرقومہ آیات کا مطلب یہی لیا جائے کہ کسی کی نیکی کا فائدہ دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا تو اس صورت میں قرآن وحدیث بھی آپس میں متخالف ہو جائیں گے اور خود قرآن کی آیتیں بھی دوسری آیتوں سے متعارض ہو جائیں گی اور قرآن کے درمیان تعارض ہونا محال ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ کی مرقومہ آیتوں کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ کسی کی نیکیوں کا ثواب اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ ہاں البتہ وہ اپنی خوشی سے اپنی نیکی کا ثواب کسی کو منتقل کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات بینات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اس تقریر سے آیات قرآنیہ اور قرآن وسنت کے درمیان تطابق بھی ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا کوئی محظور شرعی بھی لازم نہیں آتا۔

آیۃ کریمہ ان لیس للانسان الا ما سعیٰ کے متعلق یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس آیہ میں قانون عدل بیان کیا گیا ہے یعنی عدل کا اقتضاء تو یہی ہے کہ انسان کو اس کی سعی سے زائد کچھ نہ ملے۔ مگر بمقتضائے رحم ہم نے اس کو اس کی سعی سے زائد بھی عطا فرمایا جیسا کہ ارشاد فرمایا من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا جس نے کوئی نیکی کی تو اس کے لیے اس کی مثال دس نیکیاں

ہیں۔ اب دیکھیے کرنے والے نے تو صرف ایک نیکی کی تھی آیہ کریمہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے مطابق اسے صرف ایک نیکی کا ثواب ملنا چاہیئے تھا کیونکہ ایک ہی نیکی اس کی سعی میں داخل ہے اس سے زائد اس کی سعی نہیں لیکن ثواب دس نیکیوں کا مل رہا ہے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کرنے والے کو ایک نیکی کا ثواب عدل ہے اور دس نیکیوں کا ثواب رحم وفضل ہے اور عدل رحم کے منافی نہیں اس لیے انسان کو سعی سے زیادہ ملنا آیہ کریمہ لیس للانسان الاماسعیٰ کے معارض نہیں۔ اب رہی آپ کی تیسری آیت کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ سو یہ آپ کے نظریہ کی تائید سے بہت دُور ہے۔ آپ نے آیہ کریمہ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ ہر شخص اپنے عمل میں گرو ہونے کی وجہ سے اپنے کسی عمل کا ثواب کسی طرف منتقل نہیں کر سکتا کیونکہ اگر وہ اپنے عمل کا بدلہ دوسرے کی طرف منتقل کردے تو وہ خود اپنے عمل کا بدلہ اور اس کے اثرات وعواقب و نتائج سے آزاد ہو گیا۔

آپ کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ مسلمان اپنی نیکی کے ثواب کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کی وجہ سے اپنے ثواب عمل سے خالی اور محروم نہیں ہو گیا بلکہ دوسرے کو ثواب منتقل کرنے کے باوجود بھی اس کو اپنے عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا اور اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ لہٰذا وہ انتقالِ ثواب کے بعد بھی اپنے کسب میں رہین نہیں۔

اب رہا اس کا دوسرا پہلو اور وہ یہ کہ اگر ایصالِ ثواب کے ذریعے کسی گناہگار کے عذاب میں تخفیف ہو جائے تو پھر بھی آیہ کریمہ "کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ" کے خلاف ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ مومن کے حق میں دعائے استغفار کا جواز اور اس کا مفید ہونا قرآنِ کریم کی متعدد آیتوں میں وارد ہے جیسا کہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں تو آپ کے خیال کے موافق یہ خلاف پھر بھی باقی رہا۔ اس کا صحیح اور معقول جواب یہی ہو سکتا ہے کہ آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کسب وعمل میں رہن ہے جب تک کہ اس کا وہ عمل باقی ہے کیونکہ بعض اوقات کسی برائی کی وجہ سے انسان کا نیک عمل ضائع ہو جاتا ہے اور کبھی نیکیوں کی وجہ سے برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وہ لوگ وہ ہیں جن کے (نیک عمل مٹ گئے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ بیشک نیکیاں برائیوں کو لیجاتی ہیں اب دیکھیے آیہ کریمہ کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ میں کُلُّ امْرِیٍٔ مومن و کافر سب کو شامل ہے اور ما کسب نیکی و بدی سب کو عام ہے جس کا مقادیہ ہے کہ اگر کسی کافر نے کوئی نیکی کی ہے تو اس میں وہ رہین ہے اور اگر کسی مومن نے کوئی بدی کی ہے تو وہ اس میں گرو ہے لیکن بعض نیکی کرنے والے حبط اعمال کی وجہ سے اپنی نیکیوں میں رہن نہیں رہے اور بعض برائیاں کرنے والے برائیوں کے ختم ہو جانے کے باعث برائیوں سے آزاد ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ آزادی اور فک رہن آیہ کریمہ کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ کے ظاہری معنوں کے بالکل خلاف اور معارض ہے۔

معلوم ہوا کہ آیۃ مبارکہ کے یہ معنی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل میں رہین ہے جب تک اس کا وہ عمل عنداللہ باقی ہے اور اگر کسی کا عمل کسی وجہ سے ختم ہو گیا اس کا رہن ہونا بھی باقی نہ رہا۔ مثلاً کافر کی نیکیاں حبط اعمال کی وجہ سے باقی نہ رہیں تو وہ اپنی نیکیوں میں رہن ہونے سے چھوٹ گیا اور اگر کسی مومن کی برائیاں نیکیوں کی وجہ سے اور یا اس کی توبہ کے باعث یا اس وجہ سے کہ مومن نے اپنے عمل سے اس کو فائدہ پہنچایا ہے۔ عام اس سے کہ وہ فائدہ شفاعت کی صورت میں ہو یا دعائے مغفرت کے ضمن میں یا ایصالِ ثواب کے طور پر (جیسا کہ آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے ہم ثابت کر چکے ہیں) الغرضکہ

کسی وجہ سے بھی جب مومن کی برائیاں ختم ہوگئیں تو اس کا رہن ہونا بھی ختم ہوگیا۔

بعض مفسرین نے کل امری" سے کافر مراد لیے ہیں اور بما کسب سے کسب عمل کفر مراد لیا ہے اور آیہ کریمہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کافر اپنے عمل کفر میں گرفتار ہے۔ اس تقسیم کا مبنی وہی آیات واحادیث ہیں جو ہم سابقاً تحریر کر چکے ہیں۔

آپ نے آیہ مبارکہ کا ایک ٹکڑا لکھ دیا پوری آیت ارقام نہیں فرمائی۔ پوری آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی یعنی ان کے پیچھے آئے ہم نے ان کی اولاد کو ان سے ملا دیا اور ان کے عمل سے کچھ کم نہ کیا۔ سب آدمی اپنے کیے میں گرفتار ہیں۔ یعنی نیکوں کی اولاد جو ان کے بعد پیدا ہوتی ہے اگرچہ ان کے عملوں میں قصور اور کوتاہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ ایماندار ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے آباء واجداد کے اعمال صالحہ کے طفیل جنت میں ان کے درجے ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ ملا دے گا اور ان کے آباؤ اجداد کے عملوں سے کچھ کمی نہ کرے گا کیونکہ اگر ان کے عملوں سے کچھ کمی ہو جائے تو جتنی کمی ہوگی اسی قدر وہ اپنے عمل سے محروم ہو جائیں گے حالانکہ ہر شخص اپنے عمل میں گرو ہے۔ پوری آیت اس تشریح سے مسئلہ بالکل واضح ہوگیا اور آپ کے شبہ کی بنیاد منقطع ہوگئی غالباً اس آیت پر اب اس سے زیادہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔

بحث کو طوالت سے بچانے کے لیے صرف ایک بات پر گفتگو ختم کرتا ہوں کہ اگر آپ کے اس نظریہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ لیس للانسان الا ماسعی کے موافق ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کیا اس سے زیادہ اس کو کچھ نہیں مل سکتا تو یہ نظریہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بالکل منافی قرار پائے گا کیونکہ فضل کے معنی زیادتی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے فضل کا ذکر بار بار فرماتا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کو ان کی نیکیوں کے بدلے سے زائد بھی عطا فرماتا ہے جس میں ان کی سعی کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے اعمال صالحہ کا فائدہ پہنچایا اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ کی۔

بنا بریں قرآن وحدیث کی روشنی میں بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر شخص کو صرف اس کے عمل وسعی کا بدلہ ملنا قانون عدل ہے اور اس سے زائد کا ملنا قانون فضل ہے اور اسطرح یہ بھی ماننا ہوگا کہ ہر شخص کا عمل اس کے لیے دوسرے کے لیے نہیں جب تک وہ اپنی رضامندی سے اپنے عمل کا فائدہ دوسرے کو پہنچانا نہ چاہے نیز کہ ہر شخص اپنے عمل میں رہن ہے جبتک اس کا وہ عمل باقی ہے اور اگر کسی وجہ سے اس کا وہ عمل (نیک ہو یا بد) باقی نہیں رہا تو اس کا رہن ہونا بھی ختم ہوگیا۔

بَابُ الْاِشْهَادِ فِي الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ

باب وقف اور صدقہ میں گواہ

۲۵۷۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ قبیلہ بنی ساعدہ کے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ ان کی خدمت میں حاضر نہیں تھے اس لیے وہ حضور اکرم کے پاس آئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ میں اس وقت موجود نہیں تھا تو کیا اگر ان کی طرف سے صدقہ کروں تو انھیں اس کا فائدہ پہنچے گا۔ حضور اکرم

نے فرمایا کہ ہاں سعد رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا۔

قَالَ فَاِنِّیْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَیْهَا

میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ مخراف ان کی طرف سے صدقہ ہے

فوائد و مسائل اس مفہوم کی حدیث مع تفہیم کے اوپر گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۶۹ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ وقف کرتے وقت گواہ نہ بنایا جائے تو وقف صحیح نہیں ہوتا کہ امام مہلب نے فرمایا کہ زمین موقوفہ کی حدود نہ بیان کی جائیں مگر زمین معین و معروف ہو وہ وقف صحیح ہے جیسے بیرحا معین تھا۔ اور اگر زمین موقوفہ معین نہ ہو اور واقف کے متعدد باغات ہوں تو جب تک ان میں سے کسی ایک کو معین نہ کر دے وقف صحیح نہ ہوگا اور اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَهُمْ

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد' اور یتیموں کو ان کے مال دو

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا وَّاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (سورہ نساء)

اور ستھرے کے بدلے گندا نہ لو اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ۔ بیشک یہ بڑا گناہ ہے اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے (تو ان کے علاوہ) نکاح میں لاؤ جو تمہیں پسند آئیں۔ (قرآن حکیم، سورۃ نساء)

فوائد و مسائل ۱۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص کی نگرانی میں اس کے یتیم بھتیجے کا کثیر مال تھا۔ جب وہ یتیم بالغ ہوا اور اس نے اپنا مال طلب کیا تو چچا نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے اور اس شخص نے یتیم کا مال اس کے حوالے کیا اور کہا کہ ہم اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

۲۔ اس آیت میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ یتیم کا مال جیسا بھی ہے ویسا ہی خوشدلی کے ساتھ اسے دیدو' ایسا نہ کرنا کہ یتیم کے اعلیٰ درجہ کے مال کی جگہ اپنا ردی مال اسے دے دو۔ کیونکہ تمہارا ردی مال تمہارے لیے حلال و طیّب ہے اور یتیم کا اعلیٰ درجہ کا مال تمہارے لیے حرام و خبیث ہے۔ یتیموں کے اموال میں ان کے سرپرستوں کو نہایت ایمان داری' دیانت داری اور خدا خوفی سے کام لینا فرض ہے اور یتیم کے مال میں خیانت کرنا یا ان کے اموال انہیں نہ دینا ظلم اور گناہ کبیرہ ہے۔

۳۔ ان خفتم الخ یہ حکم دیا گیا ہے جو یتیم لڑکی کسی کے پاس زیر پرورش ہو اور پھر وہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے حقوق پورے ادا کرے حتیٰ کہ مہر جو عام طور پر اس کے خاندان میں رائج ہے۔ اس میں کمی کرنا بھی جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل حدیث زیر عنوان میں موجود ہے۔

۲۵۷۵۔ عَائِشَةَ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آیت وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

قَالَتْ عَائِشَةُ هِيَ الْيَتِيمَةُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا وَيُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ نِسَائِهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ قَالَتْ فَبَيَّنَ اللَّهُ فِي هَذِهِ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا وَلَمْ يُلْحِقُوهَا بِسُنَّتِهَا بِإِكْمَالِ الصَّدَاقِ فَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبَةً عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَالْتَمَسُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا الْأَوْفَى مِنَ الصَّدَاقِ وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا

(ترجمہ اوپر گزر چکا) کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو اپنے ولی کے زیر پرورش ہو پھر ولی کے دل میں اس کے حسن اور مال کی طرف رغبت پیدا ہو جائے اور وہ اس کی عزیز دوسری لڑکیوں کے مقابلہ میں کم مہر دے کر نکاح کر لینا چاہیں تو انہیں نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔ (لیکن یہ کہ ولی ان کے ساتھ پورے مہر کی ادائیگی میں انصاف سے کام لیں تو نکاح کر سکتے ہیں) اور انہیں ان لڑکیوں کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "آپ سے لوگ عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق ہدایت کرتا ہے۔" انھوں نے بیان کیا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ یتیم لڑکی اگر جمال اور مال والی ہو اور (ان کے ولی) ان سے نکاح کے خواہشمند ہوں لیکن پورا مہر دینے میں ان کے خاندان کے طریقوں کی رعایت نہ کر سکیں (تو ان سے نکاح نہ کریں) جب کہ مال اور حسن کی کمی کی وجہ سے ان کی طرف انہیں کوئی رغبت نہ ہوتی تو انہیں وہ چھوڑ دیتے اور ان کے سوا کسی دوسری عورت کو تلاش کر دیتے، بیان کیا کہ جس طرح ایسے لوگ رغبت نہ ہونے کی صورت میں ان یتیم لڑکیوں کو چھوڑ دیتے اسی طرح ان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ جب ان لڑکیوں کی طرف انہیں رغبت ہو تو ان کے پورے مہر کے معاملے میں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں عدل و انصاف سے کام لیے بغیر ان سے نکاح کریں۔

بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور یتیموں کو آزماتے رہے یہاں تک کہ وہ

النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ

نکاح کے قابل ہوں اور اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو اور ان کے مال نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے اور جو حاجت مند نہ ہو وہ بقدر مناسب کھائے اور جب تم ان کے مال انہیں

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا حَسِيْبًا يَعْنِیْ كَافِيًا (سورہ نساء)

انہیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو۔ اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔ مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔ (قرآن مجید)

فوائد و مسائل یہ آیت بھی سورہ نساء (۶) کی ہے۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل احکام بیان ہوئے ہیں۔
۱۔ اس سے قبل کی آیت ۵ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یتیم کا ولی بے عقل کو اس کا مال نہ دے۔ یعنی جو یتیم اتنی سمجھ نہیں رکھتے کہ مال کا مصرف پہچانیں، خرید و فروخت اور مال کے خرچ کرنے میں بے احتیاطی کرینگے اور اس کو بے محل اور بیکار خرچ کرینگے۔ انہیں ان کا مال ابھی نہ دو کیونکہ وہ جلد ضائع کر دینگے۔ اور ان کے سمجھدار، عقلمند ہونے کا انتظار کرو اور زیر عنوان آیت نمبر ۶ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی جانچ پڑتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور تم دیانتداری اور خدا خوفی کے ساتھ یہ دیکھو کہ ان میں مال کے خرچ کرنے کے معاملہ میں ہوشیاری اور معاملہ فہمی پیدا ہو گئی ہے تو یتیم کا مال اس کے سپرد کر دو ۲۔ وابتلوا الیتمٰی کا خلاصہ و مفہوم یہ ہے کہ بلوغ سے پہلے یتیموں کے اولیاء ان کی تعلیم و تربیت کریں۔ معاملات میں ان کو ہوشیار اور تجربہ کار بنانے کے لیے چھوٹے موٹے خرید و فروخت کے معاملات ان کے ہاتھ سے کرائیں ۳۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ فرمایا کہ نابالغ سمجھ دار بچے جو معاملات خرید و فروخت اپنے ولی کی اجازت سے کریں تو صحیح اور نافذ قرار پائیں گے۔ ۴۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے جب وہ بالغ اور نکاح کے قابل ہو جائیں تو معاملات اور تجربہ کے لحاظ سے انکی جانچ کرو۔ پھر اگر دیکھو وہ اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے ہیں۔ معاملات صحیح طریقہ سے کرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو یتیموں کے مال ان کے سپرد کر دو ۵۔ واضح ہو کہ ولی کو یتیم کا مال بہرحال و بہرصورت اس کو دینا فرض و واجب ہے اور اس میں بلا عذر شرعی ٹال مٹول کرنا یا ان کے اموال کو غصب کر لینا اور ان کو محروم رکھنا سخت و شدید گناہ کبیرہ ہے۔

بلوغ کی عمر ۶۔ فَاِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ۔ یعنی جب بالغ اور نکاح کے قابل ہو جائیں فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے۔ بلوغ کسی عمر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کا مدار آثار بلوغ پر ہے۔ لڑکے میں احتلام اور لڑکی میں حیض اور حاملہ ہو جانا بالغ ہونے کی نشانی ہے۔ اگر لڑکے لڑکی میں آثار بلوغ نہ پائے جائیں تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر بالغ قرار دیے جائیں گے ۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب میں چودہ برس کا تھا آپ نے مجھے اجازت نہ دی۔ پھر خندق کے دن جب میں پندرہ برس کا تھا آپ نے مجھے جہاد میں شامل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ لڑکی میں علامات بلوغ نو سال کی عمر میں بھی پائے جا سکتے ہیں اور ایسی صورت میں اسے بالغ قرار دیا جائے گا ۷۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا یتیم بچہ پندرہ سال کی عمر بلوغ اور دس سال سن رشد کل ۲۵ سال کی

عمر ہو جانے پر اسے رشد اور ہوشیاری حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں "رشد" کا لفظ نکرہ لا کر اسی طرف اشارہ ہے لہٰذا پچیس سال کی عمر ہو جانے پر ولی کو یتیم کا مال بہر صورت و بہر حال اس کے سپرد کر دینا فرض ہے کیونکہ ۲۵ سال کی عمر ہونے کے بعد کامل و مکمل ہوشیاری، دانشمندی اور تجربہ شرط نہیں ہے تو ان میں اگر عقل و دانش اور تجربہ کی کامل و مکمل صلاحیت پیدا نہ ہو تو بھی یتیم کے اموال اس کے سپرد کر دینا فرض ہے۔ البتہ اگر وہ بالکل پاگل و مجنون ہے تو اس کے اموال اس کے سپرد نہیں کرنے چاہئیں کہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے حتیٰ کہ اس کو شفا ہو جائے۔

۸۔ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا الخ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ولی کو یتیم کے مال میں اسراف سے بچنا فرض ہے یعنی بلا ضرورت یتیم کے مال کو خرچ کر دینا (اور اس خیال سے کہ عنقریب بالغ ہو جائیں گے اور ان کا مال ان کو دینا پڑے گا) ان کے مال کو جلد جلد خرچ کر دینا بھی حرام اور سخت و شدید و گناہِ کبیرہ ہے۔

۹۔ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا الخ اس کے بعد یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص یتیم کی تعلیم و تربیت اور اس کی ضروریات پورا کرنے میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے وہ اگر خود امیر و کبیر ہے اور اپنی ضروریات کسی دوسرے ذریعہ سے پوری کر سکتا ہے تو اسے یتیم کے مال سے اپنا حق الخدمت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خدمت تو اس کے ذمہ فرض ہے۔

البتہ جو ولی خود فقیر و محتاج ہو اس کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو تو اسے انصاف و دیانت اور خدا خوفی کے ساتھ صرف مناسب مقدار میں اتنا حق الخدمت لینا جائز ہے جس سے متوسط طریقہ سے اور اس کی ضروری حاجات پوری ہو سکیں۔

۱۰۔ اسی طرح یتیم کو جب اس کا مال سپرد کیا جائے تو گواہ بنا لینا مناسب ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کا جھگڑا فساد پیدا نہ ہو۔ فی زمانہ تو گواہ بنا لینا بہت ہی مناسب ہے۔

۱۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ الخ یہ آیہ مبارکہ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ جنگِ احد میں شہید ہو گئے اور تین بیٹیاں اور ایک بیوی چھوڑ گئے۔ ان کے چچا زاد بھائیوں نے سارے مال پر قبضہ کر لیا اور بیٹیوں اور بیوی کو کچھ نہ دیا۔ حضرت اوس کی بیوی نے بحضور نبوت شکایت کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ___ جس سے واضح ہوا کہ میت کے وارثوں کا اللہ تعالیٰ نے حصہ مقرر فرما دیا ہے لہٰذا وہ ان کو بہر حال دینا لازم و واجب ہے۔ (عینی ج ۱۴ ص ۵۸/۵۹)

بَابٌ وَمَا لِلْوَصِيِّ اَنْ يَعْمَلَ فِيْ مَالِ الْيَتِيْمِ وَمَا يَاْكُلُ مِنْهُ بِقَدْرِ عُمَالَتِهٖ

باب وصی کے لیے یتیم کے مال کو کاروبار میں لگانا اور اپنی محنت کے مطابق حق الخدمت لینا جائز ہے

۲۵۷۵۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ تَصَدَّقَ بِمَالٍ لَّهٗ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يُقَالُ لَهٗ ثَمْغٌ وَكَانَ نَخْلًا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اسْتَفَدْتُّ مَالًا وَّهُوَ عِنْدِيْ نَفِيْسٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَتَصَدَّقَ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک جائداد صدقہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی (کہ جس طرح چاہیں اس کا حکم بیان کریں) اس جائداد کا نام ثمغ تھا اور یہ ایک باغ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے ایک جائداد ملی ہے اور میرے خیال میں نہایت عمدہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقَ بِاَصْلِهٖ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهٗ فَتَصَدَّقَ بِهٖ عُمَرُ فَصَدَقَتُهٗ ذٰلِكَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَفِي الرِّقَابِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالضَّيْفِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَلَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهٗ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ يُوْكِلَ صَدِيْقَهٗ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ بِهٖ

ہے اسلیے میں نے چاہا کہ اسے صدقہ کردوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اصل کے ساتھ صدقہ کردو کہ نہ بیچا جا سکے، نہ ہبہ کیا جا سکے اور نہ اس کا کوئی وارث بن سکے۔ صرف اس کا پھل کام میں لایا جانا رہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کردیا۔ آپ کا یہ صدقہ نمازیوں کے لیے، غلام آزاد کرنے کے لیے، محتاجوں اور کمزوروں، مسافروں اور رشتہ داروں کے لیے تھا اور یہ کہ اس کے متولی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ اگر وہ مناسب مقدار میں کھائے اور اپنے کسی دوست کو کھلائے، بشرطیکہ اس میں جمع کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ (بخاری)

۲۵۷۶۔ عَنْ عَآئِشَةَ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ قَالَتْ اُنْزِلَتْ فِيْ وَالِي الْيَتِيْمِ اَنْ يُّصِيْبَ مِنْ مَّالِهٖ اِذَا كَانَ مُحْتَاجًا بِقَدْرِ مَالِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآنِ مجید کی اس آیت" اور جو شخص خوشحال ہو وہ اپنے کو بالکل روکے رکھے، جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے"۔ کے بارے میں فرمایا کہ یتیموں کے ولیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ یتیم کے مال میں سے اگر ولی نادار ہو معروف مقدار میں کھا سکتا ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ دونوں احادیث اپنے مضمون میں ظاہر ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۲۵۵۰ ملاحظہ کریں۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ عنوان کی حدیث سے مناسبت یہ ہے کہ جیسے مالِ وقف کی حفاظت کرنے والا مال وقف سے اپنی جائز ضرورت کے لیے کھا پی سکتا ہے (تنخواہ لے سکتا ہے) ایسے ہی واقف بھی معروف طریقہ سے اپنے گزر اوقات کے لیے تنخواہ لے سکتا ہے۔

۲۵۷۸۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سات تباہ کردینے والے کاموں سے بچو۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی کی جان لینا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، حق کے بغیر، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے بھاگ آنا، پاک دامن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔

۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الایمان، ابوداؤد نے وصایا اور نسائی نے وصایا اور تفسیر میں ذکر کیا ہے ۲۔ الموبقات، موبقۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنیٰ ہلاکت کے ہیں ۳۔ شرک کی تعریف علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ سے کی ہے۔

اِتِّخَاذُ اِلٰہٍ غَیْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے غیر کو الٰہ و معبود ماننا ہے۔ اس حدیث میں سات گناہِ کبیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے علاوہ اور گناہِ کبیرہ نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی کبیرہ گناہ ہیں جن کی نشاندہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں فرمائی ہیں۔

جادو کی حقیقت، اس کے احکام، معجزہ اور جادو میں کیا فرق ہے؟ کیا انبیاء پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے؟

سحر، جسے اُردو میں جادُو کہتے ہیں۔ اس کے متعلق مفسرین و محدثین نے طول و طویل کلام فرمایا ہے۔ از روئے لغت سحر کے معنی مخفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں۔ اصطلاح میں سحر ایسے عجیب و غریب امور کا نام ہے جس کے وجود میں آنے کے اسباب پوشیدہ ہوں (تفسیر کبیر) مختصر یہ کہ سحر ایک فن ہے۔ دواؤں، آلات، سوئیاں، مُردے کی کھوپڑی، موم کا پُتلہ، دھاگے وغیرہ پر منتر پڑھتے ہیں۔ جنات، شیاطین و ارواحِ خبیثہ کو مخصوص اعمال و کلمات کے ذریعہ مسخّر کر کے ان سے مختلف کام لیے جاتے ہیں۔ فن دان ساحر اپنے سحر کے ذریعہ عجیب و غریب اُمور کا اظہار کرتا ہے۔ جس کے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بہرحال بنیادی طور پر اتنا جان لینا ضروری ہے کہ جس سحر میں اقوال و اعمال کفر و شرک اختیار کر جائیں وہ سحر کفر ہے اور جو منافی ایمان کلمات و افعال سیکھے اور اس پر عمل کرے اور ان کفریات کا معتقد ہو وہ کافر ہو جائیگا۔ اگر مرد ہو تو اس کی سزا موت ہے ۶۔ جو سحر افعال و اقوالِ کفریہ پر مشتمل ہو اور کوئی صرف اس کا علم حاصل کرے مگر ان کفریات کا معتقد نہ ہو وہ مسلمان قرار پائیگا۔ سیدنا ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔

۷۔ سحر بابل جس کا قرآنِ حکیم میں ذکر ہے وہ یہی تھا جس میں اقوال و اعمالِ شرک و کفر اختیار کیے جاتے تھے اسی سحر کو قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔ غرضکہ اصطلاحِ شرع میں وہ سحر جس میں اقوال و اعمال کفر و شرک اختیار کیے جائیں یا شیاطین وغیرہ سے کفری اعمال کے ذریعے مدد لی گئی ہو یا ستاروں کی تاثیر سے مستقل (بالذات) عقیدہ رکھا جائے یا سحر کو معجزہ قرار دے کر نبوت کا دعویٰ کیا جائے یہ کُفر ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔

۸۔ جو سحر کفر نہ ہو اور صرف مباح و جائز اُمور سے کام لیا جائے اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے اور اگر ناجائز مقصد کے لیے کام لیا جائے تو یہ عمل ناجائز و حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

۹۔ اسی طرح جو سحر کُفر تو نہ ہو اسمیں جانیں ہلاک کی جاتی ہوں۔ اس کا عامل قطاع الطریق کے حکم میں ہے۔ یہ تمام اُمور احکام القرآن، جصاص، روح المعانی، روح البیان، مدارک وغیرہ تفاسیر اور خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ سے اخذ کر کے بطور خلاصہ لکھے گئے۔

۱۰۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ جادو خواہ کسی قسم کا ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے اور تاثیر اسباب تحتِ مشیت ہیں۔

۱۱۔ جادو (سحر) کا اثر بھی اسبابِ طبیعیہ کی طرح ہوتا ہے جیسے آگ سے جلنا یا گرم ہونا، برف اور ٹھنڈک پہنچانے والی اشیاء سے سرد ہونا ٹھنڈک یا گرمی یا دھوپ میں پھرنے، لُو کے لگنے اور موسمی تغیرات سے مختلف قسم کے امراض کا

پیدا ہونا جیسے نزلہ زکام، کھانسی، سردرد وغیرہ کا ہونا، اس قسم کے امراض انبیاء کرام کو لاحق ہوسکتے ہیں اور یہ امراض شانِ نبوت کے منافی نہیں —— اسی طرح انبیاء کرام پر بھی جادو کا اثر ہوسکتا ہے۔ جادو باطنی اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی اس کے اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ غرضکہ جادو بھی اسبابِ طبیعہ کی بنا پر اثر کرتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو سے کچھ دیر کے لیے متاثر ہونا مذکور ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود نے جادو کیا اور آپ کے جسمِ مبارک اور اعضاءِ ظاہرہ پر اس کا اثر ہوا۔

۱۲۔ لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور اس کا کچھ اثر آپ کے جسم مبارک پر ہوا تو چند روز بعد جبرئیل امین بحضور نبوت حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور جادو کا جو سامان ہے وہ فلاں کنوئیں میں ایک پتھر کے نیچے داب دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی نے کنوئیں کا پانی نکالنے کے بعد پتھر اٹھایا۔ اس کے نیچے سے کھجور کے گابھے، حضور کے موئے مبارک جو کنگھی سے برآمد ہوئے تھے اور حضور کی کنگھی کے چند دندانے اور ایک ڈورا یا کمان کا چلہ جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ایک موم کا پتلہ جس میں گیارہ سوئیاں چبھی ہوئی تھیں، یہ سب سامان پتھر کے نیچے سے نکلا —— اللہ تعالیٰ نے دو سورتیں سورۂ فلق اور سورۂ ناس نازل فرمائیں (ان دو سورتوں میں گیارہ آیات ہیں۔ پانچ سورہ فلق اور چھ سورہ ناس میں) ہر آیت کے پڑھنے سے ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور حضور بالکل تندرست ہوگئے (تفسیر خزائن العرفان، صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمۃ)

اور بخاری شریف کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خواب میں دو فرشتے آئے۔ انہوں نے جادو کی پوری کیفیت بیان کی۔ جادوگر کا نام لبید بن اعصم جو یہود کا حلیف اور منافق تھا اور جس کنوئیں میں جادو کی اشیاء رکھی گئیں اس کا نام بئر ذی اروان بتایا۔ حضور اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور جادو کی اشیاء نکلوائیں —— حضرت عائشہ سے حضور نے فرمایا یہی وہ کنواں ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا۔ کنوئیں کا پانی جادو کے اثر سے مہندی کے ظلال کے رنگ کی طرح ہوگیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اَفَلَا تَنَشَّرْتَ دوسری روایت کے الفاظ اَفَاخْرَجْتَهٗ قَالَ لَا ہیں۔ دونوں کا مطلب یہ ہے حضور آپ نے اس شخص کا اعلان کیوں نہ فرمادیا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے۔ حضور نے فرمایا۔

فَقَدْ عَافَانِی اللّٰهُ وَشَفَیْتُ وَاَکْرِهُ اَنْ اُشِیْرَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ شَرًّا (بخاری ج ۲ صـ ۸۵۸)	مجھے اللہ تعالیٰ نے عافیت اور شفا عطا فرمادی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لیے کسی تکلیف کا سبب بنوں۔

بخاری کی روایت کے خط کشیدہ جملوں کا جو ترجمہ کیا گیا ہے اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ فَاَمَرَ بِهَا فَدُفِنَتْ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں سے ان اشیاء کو نکلوایا جن پر جادو کیا گیا تھا اور دفن کرادیا۔

انبیاء پر جادو کا اثر، ایک ضروری وضاحت

۱۳۔ واضح ہو کہ نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت

کے ذریعے حاصل کرنے نبوت وہبی ہے محض عطائے الٰہی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتا ہے اور جسے اس منصب عظیم کے لیے چُنتا ہے وہ قبل حصولِ نبوت بھی تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاقِ فاضلہ سے مزین ہو کر تمام مدارج ولایت طے کر چکے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو عقلِ کامل عطا فرماتا ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا افضل و اکمل اور زائد ہوتی ہے۔ کسی حکیم اور فلسفی کی عقل نبی کی عقل سے برابری نہیں کر سکتی۔ احکامِ تبلیغیہ یعنی دینِ اسلام کے احکام و مسائل کے اظہار و بیان میں انبیاء کو سہو و نسیان ہونا، ان کی عقل و اعتقاد میں فتور پیدا ہونا یا جنون کا طاری ہونا محال ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو دینِ اسلام کے تمام امور مشکوک ہو جائیں گے۔ اسی طرح ان کے اجسام ایسی بیماریوں جیسے برص، جذام اور کسی زخم میں کیڑے پڑنے سے پاک ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ایسے امراض سے انبیاء محفوظ ہوتے ہیں جن سے آدمی نفرت کھاتا ہے۔

۱۴۔ خوب یاد رکھیے کہ انبیاء پر جادو ہو سکتا ہے مگر ان کی مذکورہ بالا خصوصیات پر جادو کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا جادو کے ذریعہ انبیاء کرام کو احکامِ تبلیغیہ میں سہو و نسیان، ان کی عقل و اعتقاد میں فتور، ایسے امراض جن سے لوگ نفرت کھاتے ہیں یا احکامِ خداوندی کے اظہار و بیان میں کوتاہی حتیٰ کہ ذہول کا ہونا محال ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری و دیگر تفاسیر میں ہے کہ جادو کی وجہ سے حضور علیل ہو گئے۔ (ایسے ہی اسبابِ طبیعہ کی بناء پر بخار، سردرد وغیرہ ہو جاتا ہے) جادو کا اثر بھی اسبابِ طبیعہ ہی سے ہوتا ہے مگر اس کا سبب خفیہ رہتا ہے۔ جب خفیہ سبب کا پتہ چل جائے تو جادو کے اثرات کو زائل کیا جا سکتا ہے ــــــ البتہ انبیائے کرام کی عقل و اعتقاد پر جادو کا بالکل اثر نہیں ہوتا اور انبیاء پر جادو کا اثر ہونا شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

نبی علیہ السلام پر جادو کے اثر کی کیفیت

۱۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور پر یہود نے جادو کیا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ بعض اوقات آپ محسوس فرماتے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا۔

حَتّٰى اَنَّهٗ لَيُخَيَّلُ اَنَّهٗ قَدْ صَنَعَ شَيْئًا وَّمَا صَنَعَهٗ (مظہری ج ۱۰ صـ ۳۷۵)	آپ محسوس فرماتے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا۔

یعنی کسی دنیوی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق جادو کی وجہ سے آپ پر ذہول کی سی کیفیت بعض اوقات طاری ہوئی۔ ذھول کے معنی ہیں کسی بات یا کام سے توجہ کا ہٹ جانا۔ یہ امر منافی شانِ نبوت نہیں ہے (جیسے بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ نماز کی رکعات کی تعداد میں آپ کو سہو ہوا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی توجہ مبذول ہونے کی وجہ سے رکعات میں مصلحتِ الٰہی کے مطابق آپ کو سہو ہوا۔ اگر یہ سہو نہ ہوتا تو مسائلِ نماز مکمل نہ ہوتے) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور پر جادو کے اثر کی کیفیت یہ بیان فرمائی۔

حَتّٰى كَانَ يُرٰى اَنَّهٗ يَاْتِى النِّسَاءَ وَلَا يَاْتِيْهِنَّ قَالَ سُفْيَانُ وَهٰذَا اَشَدُّ مَا يَكُوْنُ	آپ گمان فرماتے کہ ازواجِ مطہرات کے پاس آئے ہیں۔ حالانکہ نہ آئے تھے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں

مِنَ السِّحْرِ (بخاری کتاب الطب، ج ۲ صفحہ ۸۵۸) | کہ یہی سب سے بڑا آپ پر جادو کا اثر ہوا۔

واضح ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر صرف آپ کے جسم پاک پر ہوا۔ آپ کے قلب، عقل اور اعتقاد پر قطعاً اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

۱۶۔ امام قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضور پر جادو کا اثر صرف ظاہری بدن پر ہوا لیکن آپ کی عقل، قلب اور اعتقاد پر اس کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور یہ جو حدیث میں آیا اَنَّہٗ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ شَیْءٌ فَعَلَ الخ یہ بھی تخییل بالبصر پر محمول ہے عقل پر نہیں ——— امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دین کے متعلق جو کچھ فرماتے ہیں اس کی صحت وصداقت اور ان میں آپ کی عصمت دلائل قطعیہ سے واضح وثابت ہے اور معجزات ان پر شاہد ہیں (یعنی امور تبلیغیہ میں خطا و نسیان، ذہول اور غلطی کا ہونا حضور سے محال ہے اور جادو کا بھی آپ پر امور تبلیغیہ کے سلسلہ میں اثر ہونا محال ہے البتہ دنیاوی امور میں آپ کے جسم اطہر پہ جادو کا اثر ہو سکتا ہے (خلاصہ از نووی حاشیہ مسلم جلد دوم صفحہ ۲۲۱)

۱۷۔ محدث کبیر شارح بخاری علامہ احمد علی صاحب سہارن پوری قدس سرہ العزیز نے فرمایا معجزہ اور جادو میں فرق یہ ہے۔ نبی سے جو معجزہ ظہور میں آتا ہے۔ نبی اس کی مثل لانے کا چیلنج فرماتا ہے اور منکرین اس کی مثل لانے سے عاجز رہتے ہیں اور جادو فاسق وفاجر کے ہاتھ سے ہوتا ہے (عام طور پر دیکھا گیا ہے جادوگر گندے ناپاک اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے دور رہتے ہیں) اسی طرح جادوگر آلات واسباب کا محتاج ہوتا ہے (جب تک وہ اشیاء وغیرہ مہیا نہ ہوں جن پر منتر وغیرہ پڑھتا ہے جادو نہیں ہو سکتا) اور معجزہ آلات واسباب کا محتاج نہیں ہوتا۔ یعنی وہ مشیت الٰہی اور حکم الٰہی سے بغیر کسی سبب کے ظاہر ہوتا ہے (بخاری جلد دوم، کتاب الطب صفحہ ۸۵۷) جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردہ کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو بہت ہیں۔ خصائص کبریٰ میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے حضور کے بہت سے معجزات ذکر فرمائے ہیں جیسے اشارہ سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، ڈوبے ہوئے سورج کا واپس آنا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا فوارے کی طرح جاری ہونا۔ لعاب مبارک کنویں میں ڈالنے سے کھارے کنویں کا پانی میٹھا ہو جانا۔ دست مبارک پھیرنے سے بیمار کا اچھا ہو جانا، کھجور کی شاخ کا لوہے کی چمکدار تیز تلوار بن جانا ؎

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں ——— بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہیں

معجزہ اور سحر میں فرق

۱۸۔ انبیاء کرام کے معجزات یا اولیاء کرام کی کرامات سے جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ عادۃً نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے معجزہ کو خرق عادت کہا جاتا ہے۔ بظاہر جادو سے بھی اسی طرح کے آثار مشاہدہ میں آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو معجزہ اور سحر میں التباس ہو جاتا ہے مگر معجزہ اور سحر میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سحر (جادو) دائرہ اسباب سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ سحر ہونا ہی اسباب طبیعیہ کی بنیاد پر ہے مگر اس کا سبب مخفی ہوتا ہے اور اسباب مخفیہ کی وجہ سے لوگوں کو سحر کے ذریعے جو امور مشاہدے میں آتے

ہیں۔ ان پر انہیں حیرت ہوتی ہے اور سحر کا سبب نہ جاننے کی وجہ سے اس کو معجزہ کی طرح خرقِ عادت خیال کر لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سحر سے ظاہر ہونے والی تمام چیزیں جو مشاہدہ میں آتی ہیں۔ اس کے اسباب مخفی ہونے کی وجہ سے کچھ لوگوں کو یہ مغالطہ ہو جاتا ہے کہ سحر بھی (معجزہ کی طرح) خرقِ عادت ہے ــــ حالانکہ معجزہ کا تعلق اسبابِ طبیعہ سے قطعاً نہیں ہے۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق انبیاءِ کرام کے ہاتھوں پر بغیر اسبابِ طبیعہ کے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جسے خرقِ عادت اور محالِ عادی سے موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ انبیائے کرام کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہوتی ہے کہ نبی اپنی نبوت کا علانیہ دعویٰ فرما کر محالاتِ عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور منکروں کو اس کی مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ عزوجل اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں۔ اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ جو شخص نبی نہ ہو اور نبوت کا دعویٰ کرے، وہ نبوت کا دعویٰ کر کے کوئی محالِ عادی اپنے دعوے کے مطابق ظاہر نہیں کر سکتا ــــ معجزہ اور نبوت کا دعوے کر نیوالے کا جادو بھی چل سکتا۔ البتہ نبوت کے دعوے کے بغیر جادو کرے تو وہ چل سکتا ہے۔ الغرض معجزہ اور جادو میں فرق یہ ہے کہ معجزہ بلا واسطہ اسبابِ طبیعہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم سے انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے اور جادو اسبابِ طبیعہ خفیہ کے زیر اثر ہوتا ہے۔ یعنی وہ سببِ طبعی پوشیدہ ہوتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

۱۹- منکرینِ شانِ نبوت اس موقع پر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو آپ کو علم نہ ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ ملائکہ آپ کو اطلاع دی تو پھر آپ کو علم ہوا اسی طرح ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلود گوشت پیش کیا اور آپ نے اس گوشت سے کچھ تناول فرمایا۔ جس کا کچھ اثر بھی حضور پر ہوا۔ خصائص کبریٰ کی احادیث میں ہے کہ گوشت نے خبر دی کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے اور زینب بنت الحارث یہودیہ جو مرحب نامی یہودی کی بہن ہے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کو غیب کا علم نہیں ہے ــــ

اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں۔ مختصر جواب یہ ہے کہ ہم اہلسنت یہ نہیں کہتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہیں اور نہ ان الفاظ کا اطلاق ہم آپ پر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی، ابدی، ذاتی اور غیر متناہی ہے کہاں اللہ تعالےٰ کا علم اور کہاں حضور علیہ السلام کا علم پاک۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی برابری اور مساوات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اہلسنت حضور کے لیے علم ماکان و مایکون کا دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں اثبات کرتے ہیں۔ مگر یہ علم ماکان و مایکون اللہ تعالےٰ کے علم کے مقابل تو بعض علم ہی ہے ــــ بہرحال یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات آپ کو ذہول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر کسی غیب کی بات سے بعض اوقات آپ کی توجہ ہٹا دے (جیسا کہ جادو اور زہر خورانی کے متعلق آپ کی توجہ ہٹا دی گئی) اور مغیبات میں سے کسی غیب سے آپ کی توجہ کا ہٹ جانا علمِ غیب کے منافی نہیں ہے۔

سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے فضائل

۲۰- قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے احادیث میں بہت فضائل و برکات منقول ہیں۔ جس پر جادو کیا گیا ہو تو یہ دونوں سورتیں ۱۱، ۲۱ یا ۴۱ بار پڑھ کر اس کے اوپر دم کریں اور پانی پر دم کر کے پلانے سے شفا ہوتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں

پر دم کرکے سارے بدن مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ پھر جب مرضِ وفات میں آپ کی طبیعت اقدس زیادہ خراب ہوئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی اور آپ اپنے ہاتھ اپنے بدن پر پھیر لیتے تھے۔ میں اس طرح اس لیے کرتی تھی کہ حضور کے مقدس ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ تو نہیں ہوسکتے تھے۔ (موطا امام مالک)

حضرت عبداللہ بن عمر سے حضور نے فرمایا۔ قُل ھو اللّٰہ احد، قُل اعوذ برب الفلق، قُل اعوذ برب الناس تین مرتبہ پڑھنا تمہارے لیے ہر تکلیف سے محفوظ رہنے کا سبب ہوگا (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

جادو کے علاج کا عمل

علامہ قرطبی نے حضرت وہب کے حوالہ سے جادو کا علاج بیان کیا ہے کہ بیری کے درخت سے سات پتے توڑے جائیں اور ان کو باریک پیس کر تھوڑے پانی میں ملائیں اور اس پر ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دیں ——— ہمارے مشائخ نے فرمایا اکیس بار آیت الکرسی پڑھ کر دم کیا جائے اور عمل بھی سات بار کیا جائے۔ انشاء اللہ مسحور کو شفا ہوگی۔ اس پانی سے تین گھونٹ جس پر جادو کا شبہ ہو پی لے۔ باقی پانی سے غسل کرے (غسل ایسی جگہ کرے جہاں زمین کچی ہو، پانی زمین میں جذب ہو جائے، تاکہ پانی کی بے ادبی نہ ہو۔ اس عمل سے انشاء اللہ تعالیٰ مریض کو شفا ہوگی۔ یہ عمل خصوصی طور پر اس شخص کے لیے بھی بہت فائدہ مند ہے جو جادو کی وجہ سے اپنی بیوی سے جماع پر قادر نہ ہو۔

حضور نے لبید بن اعصم جادوگر سے باز پرس نہیں فرمائی؟

ا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود معلوم ہو جانے کے لبید بن اعصم سے بدلہ نہیں لیا اور نہ ہی کوئی سزا دی۔ اور یہی حضور کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ اپنی ذات کریمہ پر زیادتی کے معاملہ کو بالعموم باز پرس نہیں فرماتے تھے۔ جیسا کہ ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلود گوشت پیش کیا۔ آپ نے تناول فرمایا اور اس کا اثر بھی آپ پر ہوا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے اس یہودی عورت سے درگزر فرمایا۔ حتیٰ کہ حضور کی حیاتِ اقدس میں بعض منافقین نے آپ کی شان میں گستاخی کی مگر آپ نے ان کو قتل نہیں فرمایا، کیوں؟ حالانکہ گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔ حضور نے اپنے گستاخوں کو قتل کی سزا کیوں نہ دی۔ اس کی متعدد وجوہات تھیں۔ اول یہ کہ وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم بھی آپ کو یہی تھا۔ ادفع بالتی ھی احسن۔ آپ اچھے طریقہ سے مدافعت فرمایئے۔ حضور فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں کے قتل سے فی الحال منع فرمایا ہے اس لیے حضور ان کی گستاخی اور ایذا رسانی کو برداشت فرماتے تھے لیکن دینِ اسلام نے قوت حاصل کی تو آپ نے گستاخوں کے خون کو مباح فرما دیا اور بعض گستاخوں کو آپ نے خود قتل کرنے کا حکم دیا۔ جیسے کعب بن اشرف یہودی، ابورافع یہودی، کعب بن زہیر ابن زبعری وغیرہ۔ ان گستاخانِ رسول کا مفصل بیان بخاری و مسلم اور سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ یَھُوْدِیَّۃً کَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِیْہِ فَخَنَقَھَا رَجُلٌ حَتّٰی مَاتَتْ فَاَبْطَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یعنی حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتی اور آپ پر عیب لگایا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر

دمھا۔ ابوداود (مشکوٰۃ شریف باب قتل اہل فصل ثانی)

اسے مار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل کر دیا یعنی قاتل کو بری الذمہ ٹھہرا کر قتل حلال اور جائز کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ایک لونڈی تھی۔ جس سے اس کے لیے اولاد بھی تھی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی آپ کی توہین کرتی۔ اس نے اسے بہت روکا مگر وہ باز نہ آئی۔ اس نابینا نے اسے مار دیا۔ صبح بحضور نبوت ذکر ہوا کہ آج رات کسی نے ایک لونڈی کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جس نے یہ کام کیا ہے اگر وہ اپنے ذمے میرا حق سمجھتا ہے تو کھڑا ہو جائے۔ نابینا کھڑا ہوا، لوگوں سے گزرتا اور کانپتا ہوا حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ کہا یا رسول اللہ! اس لونڈی کا قاتل اور مالک میں ہوں وہ آپ کو گالیاں دیتی اور آپ کی مذمت کیا کرتی تھی۔ میں نے اسے ہر چند روکا اور جھڑکا مگر باز نہ آئی۔ میرے اس سے دو نہایت حسین موتی جیسے بیٹے ہیں اور وہ مجھ سے محبت بھی بہت کرتی تھی۔ آج رات اس نے اسی طرح آپ کی شان میں گستاخی شروع کی میں نے چھرا پکڑا اور اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور اوپر سے زور دے کر اسے قتل کر دیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! گواہ رہو، اس لونڈی کا خون باطل ہے۔ (مشکوٰۃ، ابوداود، نسائی)

۲۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جہاد میں بھی حضور نے سبب ضرر مستورات اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری باب قتل النساء فی الحرب) مگر یہ دونوں واقعات عورت سے ہی متعلق ہیں۔ معلوم ہوا۔ عورت بھی اگر حضور کی شان میں گستاخی کرے تو رعایت کی مستحق نہیں ہے۔ اسے بھی بہر حال موت کی سزا دی جائے گی۔

۳۔ گستاخوں کو قتل نہ کرنے کے متعلق دوسرا اصولی جواب یہ ہے کہ اگر حضور نے اپنے لیے کسی گستاخ کو سزا نہ دی تو یہ آپ کا ذاتی حق تھا اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ذاتی حق کو معاف کرنے کا اختیار ہے مگر حق تو ہو زید کا اور معاف کرے بکر، یہ بات شرعاً اخلاقاً اور قانوناً غلط ہے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین کرتا ہے تو وہ حضور کے حق میں گرفتار ہے حضور معاف کر دیں اس کا آپ کو اختیار ہے۔ مگر ہمیں آپ کو اور حکومت کو ہرگز ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ حضور کے گستاخ کو معاف کر دے ——— بعض لوگ مسلمانوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ نبی کریم تو رحمۃ للعالمین ہیں۔ معافی کو پسند فرماتے ہیں۔ ہمیں بھی یہ چاہیئے کہ گستاخ رسول کو معاف کر دیں۔ مگر ان نام نہاد دانشوروں اور وکیلوں کا ایسا کہنا غلط اور انصاف اور دیانت کے خلاف ہے۔ کیا زید قتل کر دے تو مقتول کے ورثاء کے علاوہ وہ دوسرا کوئی شخص اسے معاف کر دے گا۔ ہرگز نہیں اور اگر بعض وکلا جو "روشن خیال" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس ضابطہ کو تسلیم نہ کریں تو ان کو چاہیئے کہ قاتل کو خود ہی معاف کر دیں اور مقدمہ نہ لڑیں مگر وہ شرعاً اور قانوناً قاتل کو از خود معاف کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور حضور کی گستاخی کا جرم تو قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ گستاخ رسول کو ہم آپ اور حکومت کیسے معاف کر سکتے ہیں۔

پنجاب کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے دور کا ایک واقعہ

۴۔ ایک وہابی مولوی نے اپنی تقریر میں نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی اور گواہانِ معتبر نے یہ گواہی دی کہ واقعی اس وہابی نے حضور کی شان میں گستاخی کی۔ جب سخت و شدید احتجاج ہوا تو وائیں

حکومت نے اس معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لیے اس وقت کی اتحاد المسلمین کمیٹی کے ارکان پر زور ڈالا۔ اتحاد المسلمین کے ارکان تمام مکتبۂ فکر کے علماء پر مشتمل تھے۔ اس میں اہلسنت و جماعت کے دو مفتی اور دو بڑی مساجد کے خطیب وغیرہ بھی شامل تھے۔ جب عوام کے احتجاج نے زور پکڑا تو بدقسمتی سے اہلسنت و جماعت بریلوی مکتبۂ فکر کے دو مفتیوں اور دو بڑی مساجد کے خطیبوں نے دلائل شرعیہ کو نظر انداز کر کے ایک غیر شرعی فتویٰ مرتب کیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا۔ اگرچہ گواہان معتبر نے یہ گواہی دی ہے کہ اس وہابی مولوی نے حضور کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر وہ مولوی انکار کرتا ہے تو اس کا انکار توبہ ہے لہٰذا اس معاملہ کو ختم کردیا جائے۔ نیز انھوں نے شریعت اسلامیہ کے واضح حکم (کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے۔ اگر وہ گواہ پیش نہ کرسکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی) کی صریح طور پر خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ صلحنامہ مرتب کیا اور اس پر دستخط کردیے کہ مدعا علیہ وہابی سے قسم لے لی جائے حالانکہ اس صورت میں مدعلیہ سے قسم لینا جائز نہ تھا کیونکہ مدعی حضرات نے معتبر گواہ پیش کردیے تھے کہ اس وہابی نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے۔

اس وقت کے ڈپٹی کمشنر لاہور نے راقم کو بھی میٹنگ میں بلایا تھا۔ اتحاد المسلمین کے تمام مولوی ارکان وغیرہ نے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر دستخط کردیے مگر راقم نے انکار کردیا اور دستخط نہیں کیے ـــــــ لاہور کے ایک سنی بریلوی مفتی نے تو اس سلسلہ میں ایک کتابچہ بھی شائع کیا۔ راقم الحروف نے اس کے جواب میں ایک مختصر مدلل مضمون لکھا تھا جو محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے جہانِ رضا میں شائع فرمایا۔ فی الوقت اس مضمون کو فیوض الباری میں درج کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عوام و خواص اس مسئلہ کے بعض اہم امور کے متعلق حکم شرعی سے آگاہ ہوجائیں۔ اور جس ناخدا خوف سنی بریلوی مفتی نے بہار شریعت کے ایک جزیہ کی بنیاد پر جو مغالطہ دیا تھا اس کی حقیقت بھی ظاہر ہوجائے۔

گستاخ رسول کا حکم شرعی

سورۂ توبہ میں ارشادِ باری ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط

اور اگر تم ان سے پوچھو تو بیشک ضرور کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرمادو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے اپنے ایمان کے بعد

(پ ۱۰ ع ۱۴، سورۃ التوبہ)

ابن ابی شیبہ و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں۔

اِنَّهٗ قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ نَاقَةَ فُلَانٍ بِوَادِيْ كَذَا وَمَا يَدْرِيْهِ بِالْغَيْبِ۔

یعنی کسی شخص کی اونٹنی گم ہوگئی اس کی تلاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے۔ اس پر ایک منافق بولا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے، محمد غیب کیا جانیں۔

اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اُتاری کہ کیا اللہ اور رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ تم مسلمان کہلا کر اس لفظ کے کہنے سے کافر ہو گئے۔ (دیکھو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصر، جلد دہم صہ ۱۰۵ وتفسیر در منشور امام جلال الدین سیوطی ج سوم صہ ۲۵۴) ——— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کرنے سے کہ وہ غیب کیا جانیں اسکی کلمہ گوئی کام نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ بہانے نہ بناؤ تم اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔

۲۔ سیدنا امام یوسف فرماتے ہیں :۔

اَیُّمَا رَجُلٍ مُّسْلِمٍ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ کَذَّبَہٗ اَوْعَابَہٗ اَوْ تَنَقَّصَہٗ فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰہِ تَعَالٰی بِانَتْ اِمْرَأَتُہٗ

جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشنام (گالی) دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے، یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہو گیا اور اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔ (کتاب الخراج)

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ اس کی جورو نکاح سے نکل جاتی ہے۔ کیا مسلمان اہل قبلہ نہیں ہوتا؟ یا اہل کلمہ نہیں ہوتا؟ سب کچھ ہوتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول، نہ کلمہ مقبول۔ شفا شریف و بزازیہ و دُرر و غُرر، و فتاویٰ خیریہ وغیرہا میں ہے۔

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ شَانِئَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَافِرٌ وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَ کُفْرِہٖ کَفَرَ

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذّب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مجمع الانہر و در مختار میں ہے :۔

اَلْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ توبۃ مطلقا وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ کَفَرَ

جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں، اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

۳۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے تمہید ایمان میں تحریر فرمایا ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ کے عدم قبول ہونے کے بھی بہت سے فقہا قائل ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔ مگر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزارہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں ہے اور اسی کو ہمارے علمائے حنفیہ سے امام بزازی و امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام و علامہ مولیٰ خسرو صاحب دُرر و غُرر، و علامہ زین بن نجیم صاحب بحر الرائق و اشباہ والنظائر، و علامہ عمر بن نجیم صاحب نہر الفائق و علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ غزی صاحب تنویر الابصار و علامہ خیر الدین رملی صاحب فتاویٰ خیریہ، و علامہ شیخی زادہ صاحب مجمع الانہر و علامہ مدقق محمد بن علی حصکفی صاحب در مختار وغیرہم عمائد کبار علیہم الرحمۃ

العزیز الغفار نے اختیار فرمایا۔

۴۔ مبسوط، فتح القدیر، ردالمختار، عالمگیری، فتاویٰ بزازیہ، بحرالرائق، فتاویٰ قاضی خان اور بہارِ شریعت جیسی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ مرتد کا ارتداد سے انکار توبہ سمجھا جائے گا۔ یہ مسئلہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی الاشباہ والنظائر کے حوالے سے "فتاویٰ رضویہ" جلد ششم میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اگر کسی مسلمان پر گواہانِ عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فعل کے سبب مرتد ہو گیا اور وہ اس سے انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لیے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا بلکہ اس لیے کہ اس کا منکر اس کفر سے توبہ و رجوع سمجھیں گے۔

لہٰذا گواہانِ عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ شخص مرتد ہو گیا تھا اور اب توبہ کرلی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کریں گے کہ اسکے تمام اعمال حبط ہو گئے اور جوروز نکاح سے باہر، باقی سزا نہ دی جائے گی۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پر وہ کفر ہے جس کی سزا سے دنیا میں بعد توبہ بھی معافی نہیں، یونہی کسی نبی کی شان میں گستاخی، علیہم الصلوٰۃ والسلام، بھی ایسی ہی ہے اور "غمز العیون" کے حوالے سے آپ نے لکھا۔ لَا يَتَعَرَّضُ لَهُ اِنَّمَا هُوَ فِيْ مُرْتَدٍّ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ فِي الدُّنْيَا اِلَّا الرِّدَّةَ بِسَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ یہ حکم صرف اس مرتد کے لیے ہے جس کی توبہ دنیا میں قبول ہوتی ہے مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرنے والے مرتد کے لیے یہ حکم نہیں) نیز بہارِ شریعت میں حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے "مرتد اگر ارتداد سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے مگر بعض مرتدین مثلاً نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا ایسا ہے کہ اس کی توبہ ہرگز مقبول نہیں" (بہارِ شریعت حصہ نہم ص ۲۶۶)

۵۔ لہٰذا بعد از ثبوتِ شرعی گستاخ رسول گستاخی سے انکار کرے تو محض اس کا انکار توبہ نہیں قرار پائے گا اور یہ مسئلہ سورہ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ثابت اور واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (پ ۱۰ ع ۱۶، سورہ توبہ)	خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے نبی کی شان میں گستاخی نہ کی اور البتہ بیشک وہ یہ کفر کا بول بولے اور مسلمان ہوکر کافر ہو گئے۔

ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مردویہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک پیڑ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا: عنقریب ایک شخص آئے گا کہ تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا۔ وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔ کچھ دیر نہ ہوئی کہ ایک کرنجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا: تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہیں۔ وہ گیا اور اپنے رفیقوں کو بلا لایا۔ سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ بے ادبی کا حضور کی شان میں نہ کہا۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اُتاری کہ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے گستاخی نہ کی اور بیشک ضرور وہ یہ کفر کا کلمہ بولے اور تیری شان میں بے ادبی کرکے اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ دیکھو اللہ گواہی دیتا ہے کہ نبی کی شان میں بے ادبی کا لفظ

کلمۂ کفر ہے اور اس کا کہنے والا اگرچہ لاکھ مسلمانی کا مدعی کروڑ بار کلمہ گو ہو کافر ہو جاتا ہے۔
غور کیجیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا وہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی کی شان میں گستاخی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے "حلفیہ انکار" کو توبہ قرار نہیں دیا اور فرمایا۔ وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ (بے شک وہ کفر کا بول بولے اور مسلمان ہو کر کافر ہو گئے۔
۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے افراد کے "حلفیہ انکار" کو توبہ نہیں قرار دیا ۲۔ توہینِ رسول سے "حلفیہ انکار" کے بعد بھی انہیں توبہ کرنے کی تلقین فرمائی۔

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّھُمْ	اگر وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے

۳۔ اگر توہینِ رسول سے "حلفیہ انکار" ان کی توبہ قرار پاتی تو پھر ان کی توبہ کی تلقین نہ کی جاتی۔
الغرض سورہ توبہ اور اسکی شانِ نزول سے واضح ہوا کہ اگر کوئی بدبخت انبیاءِ کرام کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرے اور گواہانِ معتبر سے ثابت ہو جائے کہ اس نے رسول اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اس کے بعد وہ انکار کرے تو محض اس کا انکار توبہ نہیں قرار پائے گا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد کہ اگر کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا بعد ثبوت انکار کرے تو

فَلَا یُفِیْدُ الْاِنْکَارُ مَعَ الْبَیِّنَۃِ	اس کا انکار فائدہ نہ دے گا (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵)

اس امر کی سورہ توبہ کی آیت سے بھی واضح طور پر تائید و توثیق ہوتی ہے۔
۴۔ اسی طرح جب گواہانِ معتبر سے یہ ثابت ہو جائے کہ زید نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و گستاخی کی ہے تو ایسی صورت میں گستاخی کرنے والے سے قسم لینا (خواہ سیاستاً ہو یا مصلحتاً یا بذعم فتنہ و فساد روکنے کے لیے ہو) شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب مدعی اپنے دعویٰ و الزام کے ثبوت میں گواہ پیش کر دے تو نہ تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی اور نہ اس کو معافی دی جائے گی بلکہ بعد ثبوت اس کو ضرور بہ ضرور سزا دی جائے گی اور مذکورہ صورت میں مدعیٰ علیہ (گستاخِ رسول) سے قسم لے کر سمجھوتہ کر لینا اور اسے شرعی فیصلہ قرار دینا نہ صرف از روئے شریعتِ اسلامیہ غلط ہے بلکہ گستاخِ رسول کی بے جا حمایت کرنے اور شریعتِ اسلامیہ پر افتراء کے مترادف ہے جیسا کہ اتحادِ اسلامیہ کے مولویوں نے کیا۔
۷۔ نیز فقہاء اسلام نے متفقہ طور پر یہ تصریح کی ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ از خود گستاخِ رسول کو معاف کر دے زید کا حق بکر اور بکر کا حق زید معاف نہیں کر سکتا تو وہ بدبخت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے آپ کے حق میں گرفتار ہوا اسے زید و بکر کیونکر معاف کر سکتے ہیں۔ علامہ حصکفی "درمختار" میں فرماتے ہیں۔

اَلْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ مُطْلَقًا وَلَوْ سَبَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قُبِلَتْ لِاَنَّہٗ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْاَوَّلُ حَقُّ عَبْدٍ لَا یَزُوْلُ بِالتَّوْبَۃِ (فتاویٰ رضویہ ج ششم ص ۴۲)	اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے کسی نبی کی توہین کر کے جو شخص کافر ہوا اسے کسی طرح دنیا میں معافی نہیں دی جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی اس نے توہین کی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے مگر

رسول کی توہین کا جرم حق عبد ہے۔ جس کا ازالہ معافی سے نہیں ہو سکتا (فتاوی رضویہ ج ششم ص ۴۲)

امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے "اشباہ والنظائر" کے حوالے سے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ نشہ کی حالت میں کسی مسلمان کے منہ سے کلمہ کفر نکل گیا تو اسے نہ کافر کہیں گے اور نہ سزائے کفر دینگے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی وہ کفر ہے جو نشہ کی بیہوشی سے بھی صادر ہو تو اسے معافی نہ دینگے۔ (فتاوی رضویہ ج ششم ص ۴۰)

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد! وہ آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے

قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَّاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَاَعْنَتَكُمْ لَاَحْرَجَكُمْ وَضَيَّقَ وَعَنَتْ خَضَعَتْ وَقَالَ لَنَا سُلَيْمٰنُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ مَارَدَّ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى اَحَدٍ وَّصِيَّةً وَّكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيْهِ مَالُ الْيَتِيْمِ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ نُصَحَاؤُهٗ وَاَوْلِيَاؤُهٗ فَيَنْظُرُوا الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّكَانَ طَاؤُسٌ اِذَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ اَمْرِ الْيَتَامٰى قَرَأَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَقَالَ عَطَآءٌ فِيْ يَتَامَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ يُنْفِقُ الْوَلِيُّ عَلٰى كُلِّ اِنْسَانٍ بِقَدْرِهٖ مِنْ حِصَّتِهٖ

(سورہ بقرہ آیت ۲۲۰)

ہیں۔ آپ فرمادیں ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر کھانے پینے کی چیزیں ان کی چیزوں سے ملاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ خرابی کرنے والے کو اور بھلائی کرنے والے کو جانتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں تنگی کرتا۔ بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔ "اَعْنَتَكُمْ" کا معنی اَحْرَجَكُمْ ہے یعنی تمہیں تنگی کرتا حرج میں ڈال دیتا۔ عَنَتْ کا معنی ذلیل ہونا ہے۔ سلیمان نے کہا ہم کو حماد نے ایوب، نافع کے ذریعے خبر دی۔ نافع نے کہا ابن عمر نے کسی کی وصیت مسترد نہیں کی۔ ابن سیرین کو یتیم کے مال میں پسند یہ تھا کہ اس کے مخلص اور ولی جمع ہو جائیں اور دیکھیں کہ یتیم کی بہتری کس میں ہے اور طاؤس سے اگر یتیموں کی کسی شے سے متعلق پوچھا جاتا ہے تو وہ یہ آیت پڑھتے۔ "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" عطا نے چھوٹے بڑے یتیم کے متعلق کہا کہ ولی ہر انسان پر اس کے حصہ کے مطابق خرچ کرے۔

فوائد و مسائل

۱۔ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیہ مبارکہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا کے نزول کے بعد جس کی سرپرستی میں یتیم ہوتا انہوں نے یتیموں کے مال جدا کر دیئے اور ان کا کھانا پینا علیحدہ کر دیا۔ اس طریق کار میں یہ صورتیں بھی پیش آئیں جو کھانا وغیرہ یتیم کے لیے علیحدہ پکایا جاتا اس میں سے کچھ بچ جاتا اور خراب ہو جاتا۔ اور کسی کے کام نہ آتا۔ اس طرح یتیموں کا بھی نقصان ہوتا۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (ابوداؤد، نسائی) ایک روایت میں ہے کہ یہ حال دیکھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بحضور نبوت عرض کی۔ اگر یتیم کے مال کی حفاظت اور اس کو ضائع ہونے سے بچانے کی نیت سے یتیم کے ولی

اس کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ ملالیں تو اس کی اجازت ہے ۲۔ امام نسفی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ چند دوست سفر کی حالت میں اپنا اپنا کھانا ملا کر کھائیں تو جائز ہے (حالانکہ ظاہر ہے کہ کوئی ذرا زیادہ کھائے گا یا کم (عینی) لیکن سفر کی قید ہے کہ اتفاقی ہے لازمی نہیں ہے۔ اگر چند احباب سفر کے علاوہ بھی ایسا کریں تو جائز ہے۔

۳۔ "لَأَعْنَتَكُمْ لَا حْرَجَكُمْ الخ" اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ لیکن اس نے اپنے فضل سے تمہارے لیے آسانی فرمادی۔ یہ تفسیر امام ابن المنذر نے سیدنا ابن عباس سے روایت فرمائی ہے۔

۴۔ وَقَالَ لَنَا سُلَيْمَانُ الخ" حضرت سلیمان ابن حرب ابوایوب الواشجی قاضی مکہ امام بخاری کے شیخ ہیں نے موقوفاً حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ آپ نے کبھی کسی کی وصیت کو رد نہیں فرمایا بلکہ آپ اسے قبول فرمالیتے تھے۔

۵۔ "وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ الخ" امام ابن سیرین نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ یتیم کے تمام ورثہ اور خیر خواہوں کو اکٹھا کر کے دیکھا جائے کہ یتیم کی کفالت کے لیے کون زیادہ موزوں ہے؟ لہٰذا جو زیادہ بہتر و افضل دکھائی دے اسی کو مال یتیم سپرد کیا جائے۔

۶۔ حضرت طاؤس سے جب مال یتیم کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ ارشادِ باری عزاسمہٗ "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" پڑھ کر سنا دیتے تھے اور حضرت عطا ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ جب یتیم ایک سے زائد ہوں اور چھوٹے بھی ہوں اور بڑے بھی تو ہر بچے کے حصہ کے مطابق اس کے لیے خرچ کیا جائے (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۶۴/۶۵)

بَابُ اسْتِخْدَامِ الْيَتِيْمِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ

باب سفر و حضر میں یتیم سے خدمت لینا جب کہ

إِذَا كَانَ صَلَاحًا لَهٗ وَنَظْرِ الْاُمِّ وَزَوْجِهَا لِلْيَتِيْمِ

یہ اس کے لیے بہتر ہو اور ماں اور سوتیلے باپ کا یتیم کی دیکھ بھال کرنا

۲۵۷۹۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ لَيْسَ لَهٗ خَادِمٌ فَاَخَذَ اَبُوْ طَلْحَةَ بِيَدِيْ فَانْطَلَقَ بِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ فَلْيَخْدِمْكَ قَالَ فَخَدَمْتُهٗ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ مَا قَالَ لِيْ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهٗ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا هٰكَذَا وَلَا لِشَيْءٍ لَمْ اَصْنَعْهُ لِمَ لَمْ تَصْنَعْ هٰذَا هٰكَذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ کے ساتھ کوئی خادم نہیں تھا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے آئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ انس ذہین لڑکا ہے یہ آپ کی خدمت کیا کریگا۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ چنانچہ میں نے آپ کی سفر اور حضر میں خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی کسی کام کے بارے میں جسے میں نے کر دیا ہو یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس طرح کیوں کیا۔ اسی طرح کسی ایسے کام کے متعلق جسے میں نہ کر سکا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس طرح یہ کام کیوں نہ کیا؟ (بخاری شریف)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے دیات اور مسلم نے فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا ہے ۲۔ حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل انصاری ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم نے حضرت انس کے والد کی وفات کے بعد ان سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت انس کی عمر دس برس تھی۔ آپ دس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات بصرہ میں ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ہوئی ۳۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ یتیم بچے سے سفر و حضر میں خدمت لینا جب کہ اس کے لیے بہتر ہو جائز ہے۔ اسی طرح اسے سفر پر ساتھ لے جانا بھی جائز ہے۔

بَابٌ اِذَا وَقَفَ اَرْضًا وَلَمْ يُبَيِّنِ الْحُدُوْدَ

باب اگر زمین کو اس کی حدود متعین کیے بغیر وقف کیا تو

فَهُوَ جَائِزٌ وَكَذٰلِكَ الصَّدَقَةُ | جائز ہے۔ یہی حکم صدقہ کا ہے

۲۵۸۰۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث انس ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے اپنا باغ بیرحاء وقف کیا تھا۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے اوپر گزر چکی ہے۔ دیکھو حدیث نمبر ۲۵۰۷۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر زمین یا باغ وقف کیا جائے اور اس کی حدود مشہور و متعارف ہوں مگر واقف اس کی تصریح نہ کرے تو وقف جائز ہے۔

۲۵۸۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّهُ تُوُفِّيَتْ اَيَنْفَعُهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ لِيْ مِخْرَافًا وَّاَنَا اُشْهِدُكَ اَنِّيْ قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کیا وہ ان کی طرف سے صدقہ کریں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا۔ حضور نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میرا ایک مخراف نامی باغ ہے اور میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔

عنوان سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے کہ اس میں صدقہ کا ذکر ہے۔ تو اگر زمین یا باغ وقف یا صدقہ کیا جائے اور اس کی حدود اربعہ لوگوں میں مشہور و معروف ہوں تو جائز ہے۔ اس مضمون کی حدیث اوپر گزر چکی ہے دیکھو حدیث ۲۵۶۹

بَابٌ اِذَا وَقَفَ جَمَاعَةٌ اَرْضًا مُشَاعًا

باب اگر ایک جماعت مشترک زمین وقف کرے

فَهُوَ جَائِزٌ | تو جائز ہے

۲۵۸۲۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِيْ بِحَائِطِكُمْ هٰذَا قَالُوْا لَا وَاللّٰهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ اِلَّا اِلَى اللّٰهِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو فرمایا اے بنو نجار! مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت طے کر لو۔ انھوں نے عرض کی کہ نہیں خدا کی قسم ہم اس کی

قیمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں لیں گے۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر مشترکہ زمین کے تمام حصہ داران زمین وقف کر دیں تو یہ جائز ہے۔

بَابُ الْوَقْفِ كَيْفَ يُكْتَبُ بَابُ الْوَقْفِ لِلْفَقِيرِ وَالْغَنِيِّ وَالضَّيْفِ

باب وقف نامہ کیسے لکھا جائے؟ باب غنی فقیر اور مہمانوں کے لیے وقف کرنا

۲۵۸۳/۲۵۸۴۔ دونوں عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیث ابن عمر بیان فرمائی ہے جو باب الشروط فی الوقف میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۵۵۰ دونوں حدیثوں میں یہ الفاظ ہیں۔

فَتَصَدَّقَ عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ فِي الْفُقَرَاءِ وَالْقُرْبَى وَالرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالضَّيْفِ وَابْنِ السَّبِيلِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط کے ساتھ صدقہ کیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں کسی کو ملے اور فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے (کے مجاہدوں) مہمانوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ جو شخص بھی اس کا متولی ہو۔ اگر وہ دستور کے مطابق اس میں سے کھائے یا اپنے کسی دوست کو کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ ذخیرہ اندوزی کا ارادہ نہ ہو۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے ایک تو وقف نامہ لکھنے کی کیفیت واضح ہو گئی کہ اس میں وقف جائداد کی آمدنی کہاں خرچ کی جائے لکھ دی جائیں جیسا کہ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں کتاب وقف اپنے کاتب معیقیب سے لکھوائیں اور حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو اس تحریر پر گواہ بنایا۔ آپ نے کتاب وقف میں حدیث زیر بحث میں جو شرائط مذکور ہیں لکھوا دیں۔

۲۔ اسی حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ غنی، فقیر، مہمان، عزیز و اقربا وغیرہ کے لیے وقف کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت عمر نے خیبر کی زمین مذکورہ بالا مدوں کے لیے وقف فرمائی (عینی ج ۱۴ ص ۶۸/۶۹)

بَابُ وَقْفِ الْأَرْضِ لِلْمَسْجِدِ

باب مسجد کے لیے زمین وقف کرنا

۲۵۸۵۔ اس عنوان کے تحت امام نے حدیث نمبر ۲۵۸۲ ذکر کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

بَابُ وَقْفِ الدَّوَابِّ وَالْكُرَاعِ وَالْعُرُوضِ وَالصَّامِتِ

باب جانور، گھوڑے، سامان اور سونے چاندی کا وقف

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ جَعَلَ أَلْفَ دِينَارٍ فِي

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے شخص کے بارے

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدَفَعَہَا اِلٰی غُلَامٍ لَّہٗ تَاجِرٍ یَّتَّجِرُ بِہَا وَجَعَلَ رِبْحَہٗ صَدَقَۃً لِّلْمَسَاکِیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ھَلْ لِلرَّجُلِ یَاْکُلُ مِنْ رِبْحِ تِلْکَ الْاَلْفِ شَیْئًا وَّاِنْ لَّمْ یَکُنْ جَعَلَ رِبْحَہَا صَدَقَۃً لِلْمَسَاکِیْنِ قَالَ لَیْسَ لَہٗ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْہَا

میں فرمایا تھا جس نے ہزار دینار اللہ کے لیے وقف کیے اور انھیں اپنے ایک تاجر غلام کو دے دیا تھا کہ اس سے کاروبار کرے اور اس کے منافع کو وہ شخص محتاجوں اور عزیزوں پر صدقہ کردیا کرے زہری سے پوچھا گیا تھا کہ کیا اس شخص کے لیے جائز ہے کہ اس ہزار دینار کے منافع میں سے کچھ خود بھی لے لیا کرے۔ زہری نے فرمایا کہ اس کے لیے اس میں سے کھانا جائز نہیں۔ اگرچہ اس شخص نے اس کے منافع کو صدقہ کرنے کی شرط نہ بھی لگائی ہو۔ (بخاری)

۲۵۸۶- عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلٰی فَرَسٍ لَّہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَعْطَاھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَحْمِلَ عَلَیْہَا فَحَمَلَ عَلَیْہَا رَجُلًا فَاُخْبِرَ عُمَرُ اَنَّہٗ قَدْ وَقَفَہَا یَبِیْعُہَا فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّبْتَاعَہَا فَقَالَ لَا تَبْتَعْہَا وَلَا تَرْجِعَنَّ فِیْ صَدَقَتِکَ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک گھوڑا اللہ کے لیے (جہاد کے لیے) ایک شخص کو سواری کے لیے دیا۔ یہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سواری کے لیے عنایت فرمایا تھا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ شخص گھوڑے کو بیچ رہا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وہ اسے خرید سکتے ہیں؟ آنحضور نے فرمایا کہ اسے نہ خریدو، اپنا دیا ہوا صدقہ واپس نہ لو۔

فوائد و مسائل

۱- عنوان میں لفظ صامت ضد ہے ناطق کی یعنی سونا چاندی۔ امام زہری علیہ الرحمۃ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو ہزار دینار اس شرط کے ساتھ دیے گئے کہ اس کے نفع کو وہ محتاجوں، عزیزوں پر خرچ کرے اور اگر یہ شرط نہ بھی لگائی گئی ہو تو بھی اس شخص کو نفع سے خود لینا جائز نہیں ہے —— مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ شخص غنی اور مالدار ہو اور اگر وہ شخص غریب و محتاج ہے تو اسے اپنی ضرورت کے لیے اس نفع سے معروف طریقہ سے لینا جائز ہے جب کہ وہ محتاج ہو، جیسا کہ احادیث سے صریح طور پر یہ ثابت ہے کہ جو متولی محتاج ہو وہ اپنے گذر اوقات کے لیے وقف کی آمدن سے لے سکتا ہے۔

۲- زیر عنوان حدیث کتاب الھبہ گزر چکی ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۴۴۲ حضرت عمر نے یہ گھوڑا اس شخص کو ہبہ کیا تھا اور ہبہ سے رجوع کرنا، مکروہ تنزیہہ ہے یعنی جائز ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کتاب الھبہ کی احادیث نمبر ۲۴۴۷ ملاحظہ کیجیے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک منقولات کا وقف جائز ہے جیسا کہ انھوں نے عنوان میں بیان کیا اور یہی صحیح ہے کہ اگر منقولات کو وقف کرنے کا رواج ہو جائے تو جائز ہونا چاہیے جیسے ہمارے زمانہ میں مدارس کے لیے بجلی کے پنکھے الماریاں، کتابیں غرضیکہ مدارس کے لیے ایسی اشیاء جو منقول ہوں وقف کی جاتی ہیں اور ہمارے علماء نہایت مسرت و خوشی کے ساتھ ان منقولی اشیاء کے وقف کو جائز سمجھتے ہیں۔

بَابُ نَفَقَةِ الْقَيِّمِ لِلْوَقْفِ

باب وقف کے نگران کا نفقہ

۲۵۸۷- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے ورثہ دینار تقسیم نہ کریں۔ میری ازواج کے نفقہ اور میرے عامل کی اُجرت کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

۲۵۸۸- عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ اشْتَرَطَ فِي وَقْفِهِ أَنْ يَأْكُلَ مَنْ وَلِيَهُ وَيُوكِلَ صَدِيقَهُ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا (بخاری)

حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف میں یہ شرط لگائی تھی کہ اس کا متولی اس میں سے کھا سکتا ہے اور اپنے دوست کو کھلا سکتا ہے مگر اپنے لیے مال جمع نہ کرے۔

فوائد و مسائل ۱- حدیث نمبر ۲۵۸۷ کو امام بخاری نے فرائض، مسلم نے مغازی اور ابوداؤد نے خراج میں ذکر کیا ہے۔ دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے یہ بتانا مقصود ہے۔ وقف کا متولی وقف کی آمدن سے اپنے گزر اوقات کے لیے لے سکتا ہے۔ جیسا کہ وقف کا متولی وقف کی آمدنی سے وقف کے کاموں کی انجام دہی کے لیے ملازم وغیرہ رکھ سکتا ہے۔

۲- یہ بھی واضح ہوا کہ اگر انبیاء مال و دولت چھوڑیں تو وہ ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ۔ کوئی ہمارا وارث نہیں بنایا جائیگا۔ ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے (مسلم حدیث نمبر ۴۴۶۴)۔ یعنی انبیاء کی وراثت علمی ہوتی ہے مالی نہیں۔ قرآن مجید میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں اور حضرت داؤد علیہ السلام سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کے متعلق جس میراث کا ذکر ہے اس سے بھی میراث علمی مراد ہے مالی نہیں۔ خود اہل تشیع کے محدث کافی کلینی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ائمہ اہلبیت انبیائے سابقین کے علوم کے وارث ہوتے ہیں۔ اس مضمون کی متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ دیکھیے الاصول الکافی ج ۱ ص ۲۲۴/۲۲۵۔ میراث الانبیاء کے موضوع پر راقم نے زمانہ طالب علمی میں ایک رسالہ باغ فدک لکھا تھا جو کہ مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور سے مل سکتا ہے۔

۳- وَمُؤْنَةِ عَامِلِي کے معنی عاملوں کی اُجرت ہے یعنی ارض بنی نضیر، فدک اور خیبر کی زمین کے حصہ کی نگرانی کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (عامل) نگران مقرر فرمائے تھے۔

۴- واضح ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خیبر، فدک وغیرہ کی آمدنی اپنی ازواج، اہلبیت اور مہمانوں، غریبوں اور محتاجوں پر خرچ فرمایا کرتے تھے ___ علامہ خطابی علیہ الرحمۃ نے حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جب تک بقید حیات رہیں وہ عدت پوری کرنے والی عورتوں میں

شمار ہوتی ہیں کیونکہ (بحکم قرآن) حضور کے وصال کے بعد آپ کی ازواج کو کسی اور سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ حضور کے وصال کے بعد بھی وہ آپ کی ہی ازواج ہیں۔ اس لیے معتدات کے حکم میں ہیں۔ ان کا نفقہ تاحیات جاری رہا اور ان کے رہائشی حجرے بھی ان کے پاس رہے (عینی ج ۱۴ ص ۷۰)

بَابٌ اِذَا وَقَفَ اَرْضًا اَوْ بِئْرًا وَاشْتَرَطَ لِنَفْسِهِ مِثْلَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ

باب کسی نے کوئی زمین یا کنواں وقف کیا اور اپنے لیے بھی عام مسلمانوں کی طرح پانی لینے کی شرط لگائی

وَاَوْقَفَ اَنَسٌ دَارًا فَكَانَ اِذَا قَدِمَهَا نَزَلَهَا وَتَصَدَّقَ الزُّبَيْرُ بِدُوْرِهِ وَقَالَ لِلْمَرْدُوْدَةِ مِنْ بَنَاتِهِ اَنْ تَسْكُنَ غَيْرَ مُضِرَّةٍ وَّلَا مُضَرٍّ بِهَا فَاِنِ اسْتَغْنَتْ بِزَوْجٍ فَلَيْسَ لَهَا حَقٌّ وَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ نَصِيْبَهُ مِنْ دَارِ عُمَرَ سُكْنٰى لِذَوِي الْحَاجَةِ مِنْ اٰلِ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ عَبْدَانُ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عُثْمَانَ حَيْثُ حُوْصِرَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَلَا اَنْشُدُ اِلَّا اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَفَرَ بِئْرَ رُوْمَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَحَفَرْتُهَا اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ قَالَ مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَجَهَّزْتُهُمْ قَالَ فَصَدَّقُوْهُ بِمَا قَالَ وَقَالَ عُمَرُ فِيْ وَقْفِهِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهُ اَنْ يَّاْكُلَ وَقَدْ يَلِيْهِ الْوَاقِفُ وَغَيْرُهُ فَهُوَ وَاسِعٌ لِكُلٍّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ایک مکان وقف کیا اور جب کبھی (حج کے لیے جاتے ہوئے مدینہ سے) گزرتے تو اس گھر میں قیام کرتے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر وقف کیے تھے اور اپنے ایک مطلقہ لڑکی سے فرمایا تھا کہ وہ اس میں قیام کر سکتی ہیں لیکن وہ (گھر کو) نقصان نہ پہنچائیں اور نہ خود پریشانی میں مبتلا ہوں۔ البتہ شادی ہو جائے تو پھر انہیں (اس میں قیام کا) کوئی حق باقی نہیں رہے گا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے (وقف کردہ) گھر کے ایک خاص حصے میں اپنی غریب و محتاج اولاد کو ٹھہرنے کی اجازت دی تھی عبدان نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے خبر دی، انھیں شعبہ نے، انھیں ابو اسحاق نے، انھیں ابو عبدالرحمن نے کہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ محاصرے میں لے لیے گئے تھے تو (اپنے مکان کے) اوپر چڑھ کر آپ نے باغیوں سے فرمایا تھا۔ میں تم سے خدا کا واسطہ دے کر اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص بئر رومہ کو کھود دے گا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دے گا تو اسے جنت کی بشارت ہے تو میں نے ہی اس کنویں کو کھودا تھا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا تھا کہ جیش عسرت (یعنی غزوہ تبوک پر جانیوالا لشکر) کو جو شخص ساز و سامان سے لیس کرے گا اسے جنت کی بشارت ہے تو میں نے اسے مسلح کیا تھا۔ حضرت عثمان کی ان باتوں کی سب نے تصدیق کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف کے متعلق فرمایا تھا کہ اس کا متولی اگر اس میں سے کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ متولی

خود واقف بھی ہوسکتا ہے اور دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے یہ حکم سب کے لیے عام تھا۔ (بخاری)

واقف وقف سے اپنی ذات یا اپنے عزیز و اقربا اور اپنے دوستوں کو نفع اٹھانے کی قید لگا کر وقف کرے تو جائز ہے

۱۔ یہ عنوان قائم کر کے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ بتایا ہے کہ اگر کسی نے اپنے وقف کی منفعت سے خود بھی فائدہ اٹھانے کی شرط لگائی تو یہ شرط جائز ہے۔ علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اگر کسی نے کوئی چیز وقف کرتے ہوئے، اس کے منافع سے خود یا اپنے رشتہ داروں کے نفع اندوز ہونے کی شرط لگائی تو جائز ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی کنواں وقف کیا اور شرط لگائی کہ عام مسلمانوں کی طرح میں بھی اس میں سے پانی لے لیا کروں گا تو وہ بھی پانی نکال سکتا ہے یا مکان وقف کیا اور یہ شرط لگائی کہ خود واقف اور اس کے عزیز و اقربار بوقتِ ضرورت اس میں رہیں گے تو ایسی شرائط جائز ہیں —— فقہاء اسلام نے تصریح کی ہے۔ واقف وقف کرتے وقت جو بھی جائز شرائط کے ساتھ وقف کرے گا وقف کو انہی شرائط کے مطابق استعمال کرنا یا وقف کی آمدنی کو انہی اُمور میں خرچ کرنا جن کی نشاندہی واقف نے کردی ہے واجب و لازم ہے۔ کسی کو خواہ وہ حکومت ہی ہو شرعاً حق نہیں ہے کہ واقف کی شرائط کی خلاف ورزی کرے یا ان شرائط میں تغیر و تبدل کرے۔ تمام کتب فقہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔

۲۔ بیرِ رومہ' مدینہ کا ایک مشہور کنواں ہے۔ جب مسلمان مدینہ ہجرت کر کے آئے تو یہی ایک کنواں تھا جس کا پانی شیریں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ خریداری کی تعبیر کھودنے سے اس حدیث میں کی گئی ہے۔

۳۔ امام بخاری نے حضرت انس' حضرت زبیر' حضرت ابن عمر اور امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ واقف اپنی موقوفہ عمارت' مکان' باغ وغیرہ سے خود یا اپنے عزیز و اقارب' دوست احباب کو نفع اٹھانے کی قید لگا کر وقف کرے تو یہ جائز ہے۔

۴۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے (جب بلوائیوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا) بطور اتمام حجت ان سے یہ فرمایا تھا کہ دیکھو بیرِ رومہ میں نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیگا۔ جب مسجد نبوی میں نمازیوں کی کثرت ہوگئی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جو فلاں قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دے اللہ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا —— غزوہ تبوک کے لیے سامانِ جہاد میں نے اپنی ذاتی مال سے مہیا کیا کہ کے ثبیر پہاڑ پر حضور کے ساتھ میں' حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ حضور علیہ السلام نے پہاڑ کو مخاطب بنا کر فرمایا۔ ٹھہر جا اس وقت تیرے اوپر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید (عمر و عثمان) ہیں۔ حضرت عثمان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور تین دفعہ فرمایا۔ ربِ کعبہ کی قسم میں شہید ہوں —— نیز آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ آپ نے اپنی دو صاحب زادیاں یکے بعد دیگرے میرے نکاح میں دیں۔

چنانچہ بلوائیوں نے حضرت عثمان کے بیان کردہ اُمور کی تائید و تصدیق کی مگر بایں ہمہ حضور کے خلیفہ ثالث کو بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا رضی اللہ عنہ ـــــــ شہادتِ عثمان غنی کے دردناک، المناک واقعات کتب حدیث و تاریخ میں مذکور ہیں۔

۴۔ واضح ہو کہ حضرت عثمان کے اس خطبہ کی تائید و توثیق سیدنا امیر المومنین حضرت علی، طلحہ، زبیر اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم نے بھی فرمائی (کرمانی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ سَهْمٍ مَّعَ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَعَدِيِّ بْنِ بَدَّاءٍ فَمَاتَ السَّهْمِيُّ بِأَرْضٍ لَّيْسَ بِهَا مُسْلِمٌ فَلَمَّا قَدِمَا بِتَرِكَتِهٖ فَقَدُوْا جَامًا مِّنْ فِضَّةٍ مُخَوَّصًا مِّنْ ذَهَبٍ فَأَحْلَفَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وُجِدَ الْجَامُ بِمَكَّةَ فَقَالُوْا ابْتَعْنَاهُ مِنْ تَمِيْمٍ وَّعَدِيٍّ فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ أَوْلِيَائِهٖ فَحَلَفَا لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَإِنَّ الْجَامَ لِصَاحِبِهِمْ قَالَ وَفِيْهِمْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنو سہم کے ایک صاحب (بزیل نامی تمیم داری رضی اللہ عنہ اور عدی بن بداء کے ساتھ (شام کی تجارت کے لیے) گئے تھے بنو سہم کے آدمی کا اتفاق سے ایک ایسے مقام پر انتقال ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا تھا (اور انھوں نے موت کے وقت اپنے انھیں دو ساتھیوں کو اپنا مال و اسباب حوالے کر دیا تھا کہ ان کے گھر پہنچا دیں) پھر جب یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے تو (سامان میں) ایک چاندی کا جام موجود نہیں پایا جس میں سنہرے نقوش بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ساتھیوں سے قسم لی اور اس طرح معاملہ ختم ہو گیا۔ پھر وہی جام مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے (جن کے یہاں وہ ملا تھا) بتایا کہ ہم نے اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ اس کے بعد (مسافرت میں مرنے والے) سہمی کے عزیزوں میں سے دو شخص اُٹھے اور قسم کھا کر کہا کہ ہماری گواہی ان کی گواہی کے مقابلہ میں قبول کیے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ یہ جام ہمارے رشتہ دار ہی کا ہے۔ یہ آیت انھیں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ "یٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ"۔

بَابُ إِذَا قَالَ الْوَاقِفُ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ

إِلَّا إِلَى اللّٰهِ فَهُوَ جَائِزٌ

باب واقف نے کہا کہ وقف کی قیمت (کا ثواب) ہم صرف اللہ سے چاہتے ہیں تو جائز ہے

۲۵۸۶ ۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِيْ بِحَائِطِكُمْ قَالُوْا لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ إِلَّا إِلَى اللّٰهِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنو نجار! تم اپنے باغ کی قیمت مجھ سے طے کر لو، تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہیں چاہتے۔

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۸۲/۲۵۸۵

باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ الخ

اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے وصیت کرتے وقت تم ہیں کے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو

فوائد و مسائل ۱۔ یہ سورہ مائدہ کی آیات ہیں۔ شانِ نزول یہ ہے۔ مہاجرین میں بدیل جو حضرت عمرو بن عاص کے موالی میں سے تھے بقصدِ تجارت دو نصرانیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام تمیم بن اوس داری تھا اور دوسرے کا عدی بن بدار۔ شام پہنچتے ہی بدیل بیمار ہو گئے اور انھوں نے اپنے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں ڈال دی اور ہمراہیوں کو اس کی اطلاع نہ دی۔ جب مرض کی شدت ہوئی تو بدیل نے تمیم داری و عدی دونوں نصرانیوں کو وصیت کی کہ ان کا سامان مدینہ شریف پہنچ کر ان کے اہلِ خانہ کو دیدیں اور بدیل کی وفات ہو گئی۔
ان دونوں نے ان کی موت کے بعد ان کا سامان دیکھا۔ اس میں ایک چاندی کا جام تھا جس پر سونے کا کام بنا تھا۔ اس میں ۳ سو مثقال چاندی تھی۔ بدیل یہ جام بادشاہ کو نذر کرنے کو لائے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دونوں ساتھیوں نے اس جام کو غائب کر دیا اور اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو انھوں نے بدیل کا سامان ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ سامان کھولنے پر فہرست ان کے ہاتھ آ گئی جس میں تمام سامان کی تفصیل تھی۔ سامان اس کے مطابق کیا تو جام نہ پایا۔ اب وہ تمیم اور عدی کے پاس پہنچے اور انھوں نے دریافت کیا کہ بدیل نے کچھ سامان بیچا بھی تھا۔ انھوں نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا کوئی تجارتی معاملہ کیا تھا انھوں نے کہا نہیں پھر دریافت کیا بدیل بہت عرصہ بیمار رہے اور انھوں نے اپنے علاج میں کچھ خرچ کیا۔ انھوں نے کہا نہیں وہ تو شہر پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ ان کے سامان میں ایک فہرست ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ اس میں چاندی کا ایک جام سونے سے منقش تھا ——— (جس میں تین سو مثقال چاندی ہے)۔ تمیم و عدی نے کہا ہمیں نہیں معلوم، ہمیں تو جو وصیت کی تھی اس کے مطابق سامان ہم نے تمہیں دے دیا۔ جام کی خبر ہمیں بھی نہیں۔ یہ مقدمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہوا۔ تمیم و عدی وہاں بھی انکار پر جمے رہے اور قسم کھالی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (خازن)

چونکہ وارثوں جو کہ مدعی تھے ان کے پاس گواہ نہ تھے۔ اس لیے مدعا علیہما (دونوں نصرانیوں) سے قسم لی گئی اور انھوں نے حلف اٹھا کر یہ قسم کھائی کہ ہم نے بدیل جو وفات پا چکے ان کے مال میں کوئی خیانت نہیں کی لہٰذا فیصلہ ان دونوں نصرانیوں کے حق میں کر دیا گیا ——— کچھ دنوں کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان نصرانیوں نے ایک سنار کو فروخت کر دیا ہے۔ جب ان سے سوال ہوا کہ نصرانیوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ حضرت بدیل سے خرید لیا تھا لیکن ان نصرانیوں کے پاس گواہ نہ تھے ——— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ پھر وہ جام مکہ مکرمہ میں پکڑا گیا۔ جس شخص کے پاس تھا اس نے کہا کہ میں نے یہ جام تمیم و عدی سے خریدا ہے۔ مالکِ جام کے اولیاء میں سے دو شخصوں نے کھڑے ہو کر قسم

کھائی کہ ہماری شہادت سے زیادہ احق ہے۔ یہ جام ہمارے مورث کا ہے۔ اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی) یعنی حضرت بدیل مرحوم کے وارثوں نے پھر نبی کریم کی خدمت میں رجوع کیا۔

اب پہلی صورت کے برعکس وہ دونوں نصرانی جو اوصیا تھے ۔ پیالہ کی خریداری کے مدعی تھے۔ اب ان کی حیثیت مدعی کی ہوگئی مگر گواہ ان کے پاس بھی نہ تھے۔ حضرت بدیل کے وارث منکر تھے اور وہ مدعا علیہ قرار پائے۔ اس لیے حضرت بدیل کے دو قریبی وارثوں نے قسم کھائی۔ پیالہ میت (حضرت بدیل) کا تھا اور ان دونوں نصرانیوں نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ چنانچہ فیصلہ وارثوں کے حق میں کیا گیا اور دونوں نصرانیوں سے جس قیمت پر انھوں نے فروخت کیا تھا یعنی ایک ہزار درہم بدیل کے وارثوں کو دلوائے گئے۔

۲۔ اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر موت کا وقت قریب آجائے اور زندگی کی امید نہ رہے یعنی موت کے آثار و علامات ظاہر ہوں تو وصیت کے وقت گواہ بنالینا بہتر و افضل ہے۔ یہ گواہ مسلمان ہوں، اگر مسلمان نہ ملیں کافر بھی گواہ بنائے جاسکتے ہیں۔ مگر بعد میں آیت اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ الخ سے کافر کی شہادت مسلمانوں پر منسوخ ہو گئی (قرطبی و جصاص)

۳۔ من بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ الخ اس نماز سے عصر مراد ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کے اجتماع کا وقت ہوتا ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نمازِ عصر یا ظہر چونکہ اہل حجاز مقدمات اسی وقت کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر عدی و تمیم کو بلایا۔ ان دونوں کو ممبر شریف کے پاس قسمیں دیں۔ ان دونوں نے قسمیں کھائیں۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں وہ جام پکڑا گیا تو جس شخص کے پاس تھا اس نے کہا میں نے تمیم و عدی سے خریدا ہے (مدارک)

الغرض اس آیت میں مسلمانوں کو حق و صداقت کا ساتھ دینے اور خیانت و جھوٹی قسم و جھوٹی گواہی، کسی کا مال ناحق ہڑپ کرنے سے بہر حال و بہر صورت پرہیز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسے گناہ ہیں جن کا انجام دنیا و آخرت میں شرمندگی اور رسوائی ہے۔

بَابُ قَضَاءِ الْوَصِيِّ دُيُوْنَ الْمَيِّتِ

باب وصی کا میت کے قرض کو

بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِّنَ الْوَرَثَةِ | ورثاء کی غیر موجودگی میں ادا کرنے کے متعلق

۲۵۹۰۔ ۱۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث جابر بن عبداللہ ذکر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے والد کا جو غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے ورثاء کی غیر موجودگی میں قرض ادا کیا تھا۔ یہ قرض کھجوروں سے ادا کیا گیا۔ نبی علیہ السلام نے دعاء برکت فرمائی تھی۔ قرض ادا ہوگیا اور کھجوروں کے ڈھیر میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ یہ حدیث ہبہ، صلح اور استقراض میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۳۵، ۲۲۴۳ فیوض پارہ نہم صفحہ ۱)

امام بخاری نے اس حدیث کو صرف یہ بتانے کے لیے ذکر فرمایا ہے کہ وصی اگر ورثہ کی غیر موجودگی میں

میت کا فرض ادا کر دے تو جائز ہے اور اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے۔

۲۔ اس حدیث پر کتاب الوصایا ختم ہو گئی۔ اس میں کل ۶۰ مرفوع احادیث ذکر ہوئی ہیں۔ ان میں ۱۸ معلق اور باقی موصول ہیں۔ نیز ان میں ۴۲ مکرر اور ۱۸ غیر مکرر ہیں۔ آثار صحابہ ۲۲ ہیں۔ ۵ کے سوا باقی احادیث امام مسلم نے بھی روایت کی ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص۴۱۴)

کِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ

کتاب جہاد اور سیر کے بیان میں

۱۔ جِہَادُ۔ بروزنِ فِعَال کے لغوی معنیٰ مشقت کے ہیں۔ جَہْد اور جُہْد کے معنیٰ طاقت اور وسعت کے ہیں۔

۲۔ سِیَرٌ۔ جمع ہے سیرت کی۔ اس کے معنیٰ طریقہ کے ہیں جیسے بولتے ہیں سِیرۃ القمرین سورج اور چاند کا طریقہ — چونکہ امام بخاری کا مقصد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا جہاد میں طریق کار اور سیرت و کردار کا بیان بھی مقصود ہے۔ اس لیے عنوان میں سِیَر کا لفظ بھی لے آئے۔

جہاد کے شرعی معنیٰ اور اس کی صورتیں

۳۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر محمود عینی اور دیگر علماء کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اصطلاحِ شرع میں اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کے نفاذ کے لیے کفار و مشرکین سے جنگ میں اپنی پوری قوت، طاقت اور وسعت کو کام میں لانا۔ یہ جہاد کا شرعی معنیٰ ہے۔

۴۔ نیز مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ شیطان، مجاہدۂ فساق پر بھی جہاد کا اطلاق ہوتا ہے۔ مجاہدۂ نفس کے تین درجے ہیں۔ اوّل، دینِ اسلام کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا، دوم دینِ اسلام کے احکام پر عمل کرنا۔ سوم دینِ اسلام کے احکام و مسائل کی تعلیم دینا ۳۔ مجاہدہ شیطان یعنی شیطان دل میں دین کے متعلق جو غلط وسوسے ڈالتا ہے انہیں برا جاننے اور انکو دل سے نکالنے کی اپنی ہمت و طاقت کے مطابق کوشش کرنا۔ مجاہدۂ فساق یعنی فساق و فجار کے فسق و فجور کو دل سے برا جاننا اور ان کے فسق و فجور (جیسے فحاشی عریانی بے حیائی اور خلافِ شرع کاموں کو حسب طاقت ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرنا اور زبان سے لوگوں کو برائیوں سے بچنے کی تلقین کرنا۔ مجاہدہ کفار یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے راہِ خدا میں کفار سے قتال (جنگ کرنا) مجاہدینِ اسلام کی مال سے اور زبان سے (غرضیکہ جو طریقہ ان کے لیے فائدہ مند ہو، اسے کام میں لانا (فتح الباری ج ۶ ص۱)

جہاد کا مقصد، جہاد فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کا بیان

۵۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری نے فرمایا جہاد کے لغوی معنیٰ کوشش اور مشقت کے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں جہاد کے معنیٰ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے کفار سے جنگ کرنے میں اپنی پوری طاقت و قوت کو خرچ کرنا ہے اور جہاد فی اللہ کے معنی یہ ہیں کہ احکامِ شریعت پر عمل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا اور اتباعِ شہوات و

لذات کی طرف نفس کے میلان کی مخالفت کرنا (عینی ج ۱۴ ص ۵۸) علامہ کاسانی حنفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا عرف شرع میں اپنی طاقت وہمت کو اللہ کی راہ میں کفار کے قتال میں صرف کردینے کو جہاد کہتے ہیں۔ یہ جان، مال، زبان سے کیا جاتا ہے۔ جب نفیر عام نہ ہو یعنی کفار ہمارے ملک پر حملہ آور نہ ہوں تو جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض کے جہاد کرنے سے بعض سے ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جنہوں نے جان ومال سے جہاد میں حصہ لیا وہ ان سے افضل ہیں جنہوں نے جہاد میں حصہ نہ لیا۔ دونوں سے اللہ تعالیٰ نے اچھی عاقبت کا وعدہ فرمایا ہے (سورۂ نساء) توجہاد اگر ہر حالت میں مسلمانوں پر فرض ہوتا توجہاد میں حصہ نہ لینے والوں سے اللہ تعالیٰ اچھی عاقبت کا وعدہ نہ فرماتا۔ نیز جہاد اس لیے فرض کیا گیا کہ اسلام کا کلمہ بلند ہو۔ کفار کو دعوتِ اسلام دی جائے۔ دینِ اسلام سربلند ہو اور کفار کے شر اور قہر کو دفع کیا جائے۔ یہ مقصد بعض مسلمانوں کو جہاد کے لیے روانہ کرنے سے پورا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کے لیے سریہ روانہ کرتے تھے ——— تو خود تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اگر ہر مسلمان پر جہاد فرضِ عین ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود جہاد میں شمولیت کو ترک نہ فرماتے اور نہ کسی مسلمان کو جہاد میں نہ شامل ہونے کی اجازت عطا فرماتے۔

اور جب نفیر عام ہو یعنی جہاد کے لیے روانہ ہونے کا حکم عام دیا جائے اور یہ حکم عام اسی صورت میں ہوگا جبکہ کفار ہمارے ملک کے کسی شہر پر حملہ کردیں تو ایسی صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرضِ عین ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ جہاد پر قادر ہو۔ نیز امام المسلمین کو چاہیئے کہ وہ جس جماعت کو جہاد کے لیے روانہ کرے اس پر ایک امیر مقرر کردے۔ امیر ایسا ہونا چاہیئے

جہاد میں شمولیت کرنیوالوں پر امیر مقرر کرنا ضروری ہے

جو شریعتِ اسلامیہ کے حلال وحرام کو جاننے والا اور عادل ومتقی ہو۔ سیاسی امور اور جنگ کے نشیب وفراز اور جنگی چالوں کا ماہر ہو۔ نیز امام المسلمین کو چاہیئے جہاد کیلئے جو امیر مقرر کرے اسے تقویٰ اختیار کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرے۔ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ امیر کی معروف میں اطاعت کریں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ——— تو امام المسلمین کی عدم موجودگی میں امیر جہاد کی اطاعت واجب ہے کیونکہ وہ امام المسلمین کا نائب ہے۔ امیر جہاد کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ خواہ اس کی افادیت حکمت سمجھ میں نہ آئے مگر خلافِ شرع حکم میں اس کی اطاعت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ——— (بدائع کتاب ۹۸ تا ۱۰۰)

۶۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے۔ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (ج ۷۸) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ مفسرین نے فرمایا اوپر جو جہاد کی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ وہ سب آیت کے حکم میں شامل ہیں۔

مملکت اسلامی کی سرحدوں کی حفاظت بھی جہاد ہے

۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال اور جان اور زبان

سے (یعنی دینِ حق کی اشاعت میں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ) (ابو داؤد، نسائی)

معلوم ہوا کہ مجاہد صرف وہی نہیں جو قتال کرے بلکہ وہ بھی ہے جو اس راہ میں اپنا مال صرف کرے یا نیک مشورہ دے یا خود شریک ہو کر مسلمانوں کی تعداد بڑھائے، زخمیوں کا علاج یا کھانے پینے کا انتظام کرے اور اسی کے توابع سے رباط ہے یعنی بلادِ اسلامیہ کی حفاظت کی غرض سے سرحد پر گھوڑا باندھنا یعنی وہاں مقیم رہنا اور اس کا بہت بڑا ثواب ہے کہ اس کی نماز پانچ سو نماز کے برابر ہے اور اس کا ایک درم خرچ کرنا سات سو درہم سے بڑھ کر ہے اور مر جائیگا تو روزمرہ رباط کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا اور رزق بدستور ملتا رہے گا اور فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن شہید اُٹھایا جائیگا اور فزع اکبر سے محفوظ رہیگا۔ (درمختار)

۷۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک دن اور رات اللہ کی راہ میں سرحد پر گھوڑا باندھنا ایک مہینہ کے روزے اور قیام سے بہتر ہے اور مر جائے تو جو عمل کرتا تھا جاری رہے گا اور اس کا رزق برابر جاری رہے گا۔ اور فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔ ترمذی و نسائی کی روایت میں عثمان رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور نے فرمایا ایک دن سرحد پر گھوڑا باندھنا دوسری جگہ کے ہزار دنوں سے بہتر ہے۔ (مسلم)

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مرتا ہے اس کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے یعنی عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر وہ جو سرحد پر گھوڑا باندھے ہوئے ہے اگر مر جائے تو اس کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا ہے اور فتنۂ قبر سے محفوظ رہتا ہے (ترمذی نسائی)۔

۹۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک دن سرحد پر گھوڑا باندھنا دوسری جگہ کے ہزار دنوں سے بہتر ہے (ترمذی و نسائی)

واضح ہو کہ حضور کے زمانہ میں تلوار، نیزہ، برچھا، منجنیق اور گھوڑے وغیرہ استعمال ہوتے تھے اس لیے احادیث میں انہیں آلاتِ حرب و ضرب کا ذکر آیا ہے مگر فی زمانہ جدید قسم کے ہتھیار بن رہے ہیں اور بنتے رہیں گے لہٰذا ان جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر جہاد کیا جائیگا۔

کفار و مشرکین سے جہاد کی فرضیت قیامت تک کیلئے ہے

۱۰۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے کفار کے ساتھ جہاد و قتال ممنوع تھا اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں اور زیادتیوں پر صبر اور عفو و درگزر ہی کی تلقین کی گئی تھی جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ حجر ۸۵/۹۴ میں یہ ہدایت بھی دی گئی کہ حکمت و موعظت اور دلائل کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کی جائے جن کا بیان سورۂ نحل آیت ۱۲۵ میں ہے ـــــ واضح ہو کہ ۶ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا قصد فرما کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ اس وقت مکہ میں مشرکین کی حکومت تھی۔ انھوں نے مکہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرام کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور عمرہ نہ ہو سکا اور اس پر صلح ہوئی۔ (جسے صلح حدیبیہ سے موسوم کیا جاتا ہے) کہ حضور سال آیندہ مکہ معظمہ تشریف لائیں تو آپ کے لیے تین روز مکہ مکرمہ خالی کر دیا جائیگا۔ چنانچہ اگلے سال ۷ھ میں حضور ایک ہزار چار سو صحابہ کی جماعت کے ہمراہ عمرہ کی قضا کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ یہ مہینہ ان چار حرمت والے مہینوں میں شامل ہے جنہیں اشہر حرم سے موسوم کیا جاتا ہے یعنی ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ـــــ اسلام سے

پہلے بھی ان چار مہینوں میں ۷ھ تک یہی قانون نافذ تھا کہ ان مہینوں میں قتل و قتال حرام و ممنوع تھا۔ مشرکین مکہ بھی اس امر کی پابندی کرتے تھے۔

۱۱۔ صحابہ کرام کو اندیشہ ہوا کہ کفارِ مکہ وفائے عہد نہ کرینگے اور آمادۂ قتال ہوجائیں تو ذیقعدہ میں قتال لازم آئیگا کیونکہ زمانہ جاہلیت سے ابتدائے اسلام ۷ھ تک حرمِ مکہ میں اشہرِ حرم اور حالتِ احرام میں جنگ جائز نہ تھی۔ صحابۂ کرام کو خدشہ ہوا کہ اگر کفارِ مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور آمادہ قتال ہوئے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ اس پر مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر کفار جنگ شروع کردیں تو تم بھی مدافعت کرو۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (بقرہ ۱۹۰)
اور اللہ کی راہ میں لڑو، ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (بقرہ ۱۹۱)
اگر تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (حج ۳۹)
پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں

ان آیات میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ صرف ان کافروں سے لڑیں جو ان کے مقابلہ میں آئیں یعنی اگر مشرکین جنگ کی ابتدا کریں تو ان سے مدافعانہ جنگ کرو اور یہ حکم بھی دیا گیا لَا تَعْتَدُوْا۔ حد سے نہ بڑھنا یعنی ضعیف، بوڑھے، بچے، اپاہج اندھے، بیمار، مجنون، عورتوں اور عبادت خانہ کے راہبوں وغیرہ کو جو کسی طرح بھی نہ تو جنگ میں شریک ہوں اور نہ معاون، انہیں قتل کرنا منع ہے —— اگر عورتیں یا بوڑھے اور راہب وغیرہ کسی طرح بھی جنگ میں شریک ہوں یا مسلمانوں کے مقابل جنگ میں ان کی مدد کریں یا مشورہ دیں تو ان کا قتل جائز ہے کیونکہ یہ اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ میں داخل ہیں (مظہری، قرطبی، جصاص) نیز سورہ بقرہ میں اس امر کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کفار حدودِ حرمِ مکہ اور اشہرِ حُرُم (ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کے مہینہ میں بھی جنگ کرنے لگیں (جب کہ حدودِ حرم اور اشہرِ حُرُم میں جنگ کرنا شرعاً ممنوع ہے) تو بھی کفار سے مدافعانہ جنگ کرنا جائز ہے (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۱)

۱۲۔ اس کے بعد کفار سے ابتداءً قتال و جہاد کا حکم دیا گیا خواہ وہ پہل کریں یا نہ کریں اور یہ جہاد کا حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط (بقرہ ۱۹۳)
اور ان کفار سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور صرف اللہ کے دین کا نظام قائم ہوجائے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ التوبہ ۹/۵
تو مشرکوں کو مارو، جہاں پاؤ (توبہ ۵)

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ آیت ۲۹)
لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہوکر

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (سورہ انفال ۶۵)

اے غیب کی خبریں بتانے والے! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں کے بیس صبر والے ہونگے دو سو پر غالب ہونگے اور تم میں کے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے۔

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ مسلمانوں کو کفار سے جہاد کی ترغیب دیں اور اللہ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ اگر صابر رہے یعنی رضاء الٰہی اور اللہ کے کلمہ کو بلند' اور اللہ و رسول کے نظام کے قیام و نفاذ کے لیے خلوص قلب کے ساتھ جدوجہد کرتے رہے تو اللہ کی مدد سے دس گنے کافروں پر غالب رہیں گے کیونکہ کفار جاہل ہیں۔ وہ تو جانوروں کی طرح صرف حصول اقتدار اور اپنی ذاتی برتری کے لیے لڑتے ہیں وہ خلوص وللّٰہیت کیساتھ لڑنے والوں کے مقابل کیا ٹھہریں گے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ایک سو دو سو کافروں کے مقابل قائم رہیں اور مقابلے سے جی نہ ہاریں ـــــ اس کے بعد سورۂ انفال کی آیت ۶۶ میں ارشاد ہوا کہ اللہ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور دس گنے سے مقابلہ کی فرضیت کی بجائے ایک سو دو سو کے مقابل قائم رہیں یعنی دگنے کافروں کے مقابل قائم رہیں۔ دگنے کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع رکھا گیا۔

الغرض یہ اور قرآن مجید میں متعدد آیات اور بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد کی فرضیت قیامت تک کے لیے برقرار ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جبتک لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کریں (یعنی اسلام قبول نہ کریں) میں ان سے جہاد کرتا رہوں۔ جب وہ کلمہ طیبہ کا اقرار کرلیں تو اپنی جان و مال مجھ سے محفوظ کریں گے۔ نیز حضور نے فرمایا۔ (بخاری) فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں (یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم اب باقی نہیں ہے ہاں جہاد اور خلوص کیساتھ عمل کرنا باقی ہے۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں

۱۴۔ اس امر پر ائمہ اربعہ مالک شافعی احمد اور امام اعظم ابوحنیفہ کا اتفاق ہے کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں اوّل فرض کفایہ یعنی تبلیغ و اشاعت دین کے لیے کفار کو دین اسلام کی دعوت دینا۔ علامہ علاء الدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں پر ضرور ہے کہ کافروں کو دین اسلام کی طرف بلائیں۔ اگر دین حق کو قبول کریں تو فبہا۔ حدیث میں فرمایا اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت فرمادے تو یہ اس سے بہتر ہے جس پر آفتاب نے طلوع کیا یعنی جہاں سے جہاں تک آفتاب طلوع کرتا ہے یہ سب تمہیں مل جائے اس سے بہتر ہے کہ تمہاری وجہ سے کسی کو ہدایت مل جائے اور اگر کافروں نے دین حق کو قبول نہ کیا تو بادشاہ اسلام ان پر جزیہ مقرر کر دے کہ وہ ادا کرتے رہیں۔ ایسے کافر کو ذمی کہتے ہیں اور جو اس سے بھی انکار کریں تو جہاد کا حکم ہے (درمختار وغیرہ) ـــــ امیر یا بادشاہ اسلام کو سال میں ایک مرتبہ ایسا کرنا چاہیئے مگر شرط یہ ہے کہ سامان حرب و ضرب اور عددی قوت میں کمی نہ ہو اور فتح کا غالب گمان ہو ـــــ فرض کفایہ کی صورت میں جب مسلمانوں کا ایک گروہ جہاد کرے تو باقی سے جہاد ساقط ہو جائے گا۔ باقی مسلمانوں پر جہاد فرض نہ ہوگا۔ سورۂ نساء ۹۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو جہاد میں نہ جانے والوں پر فضیلت دی ہے۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ـــــ معلوم ہوا کہ اگر ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوتا تو جہاد نہ کرنے

والوں سے اچھی عاقبت کا وعدہ نہ فرمایا جاتا اور جہاد فرضِ کفایہ کے موقع پر جہاد میں شریک نہ ہونا حرام ہوتا۔ البتہ جو مسلمان جہاد فرضِ کفایہ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں اگر کسی موقع پر کمزور پڑ جائیں تو اس شہر کے مسلمانوں پر ان کی ہر طرح سے مدد کرنا اور انہیں جس چیز کی ضرورت ہو مہیّا کرنا واجب ہے۔ الغرض جہاد ابتداءً فرضِ کفایہ ہے کہ ایک جماعت نے کر لیا تو سب بری الذمہ ہیں اور سب نے چھوڑ دیا تو سب گنہگار ہیں (درمختار)

جہاد کی دوسری قسم فرض عین ہے

۱۵۔ اگر کسی اسلامی شہر پر کفار حملہ کر دیں تو مسلمانوں پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرضِ عین ہے۔ ایسے ہی نماز روزہ فرضِ عین ہیں بشرطیکہ وہ جہاد پر قادر ہوں کیونکہ سورہ توبہ ۹۲/۹۱ میں ارشادِ باری ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ الخ یعنی بیماروں، ضعیفوں اور ان پر جو جہاد کے لیے سامانِ حرب و ضرب اور زادِ راہ نہیں پاتے حرج نہیں۔ یعنی کوئی گناہ نہیں ہے لیکن ان لوگوں پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ مال سے، مشورے اور زبان و تبلیغ سے جس طرح ممکن ہو مجاہدین کی اعانت و مدد کریں۔

۱۶۔ جہاد واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسلحہ اور لڑنے پر قدرت ہو، کھانے پینے کے سامان اور سواری کا مالک ہو نیز اس کا غالب گمان ہو کہ مسلمانوں کی شوکت بڑھے گی اور اگر اس کی اُمید نہ ہو تو جائز نہیں کیونکہ یہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو جائز نہیں (عالمگیری درمختار)

۱۷۔ اگر کفار کسی شہر پر ہجوم کریں تو وہاں والے مقابلہ کریں اور ان میں اتنی طاقت نہ ہو تو وہاں سے قریب والے مسلمان اعانت کریں اور اگر ان کی طاقت سے بھی باہر ہو تو جو ان سے قریب ہیں وہ بھی شریک ہو جائیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ (درمختار، ردالمحتار)

۱۸۔ جن لوگوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی انہیں پہلے دعوتِ اسلام دی جائے۔ بغیر دعوت دیے ان سے لڑنا جائز نہیں اور اس زمانہ میں ہر جگہ دعوت پہنچ چکی ہے۔ ایسی حالت میں دعوت ضروری نہیں۔ مگر پھر بھی اگر ضرر کا اندیشہ ہو تو دعوت حق دینا مستحب ہے۔ (درمختار)

۱۹۔ کفار سے جب مقابلہ کی نوبت آئے تو ان کے گھروں کو آگ لگا دینا اور اموال و درختوں اور کھیتوں کو جلا دینا عمارتوں اور مکانوں کو تباہ کر دینا سب جائز ہے (ظاہر ہے کہ حسبِ ضرورت جب بم وغیرہ پھینکا جائے گا تو یہ سب چیزیں تباہ و برباد ہوں گی (درمختار)

۲۰۔ اثنائے جنگ میں مُثلہ، ناک کان یا ہاتھ پاؤں کاٹنا، آنکھیں پھوڑ دینا سب کچھ جائز ہے۔ مُثلہ کی ممانعت فتح کے بعد ہے کہ جو قیدی وغیرہ ہاتھ لگے ہیں انہیں مُثلہ کرنا جائز نہیں ہے (فتح القدیر)

۲۱۔ اگر کافروں نے چند مسلمانوں کو اپنے آگے کر لیا کہ گولی وغیرہ ان پر پڑے ہم ان کے پیچھے محفوظ رہیں گے جب بھی ہمیں باز رہنا جائز نہیں گولی چلائیں اور قصد کافروں کے مارنے کا کریں۔ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی گولی سے مرجائے تو بھی کفارہ وغیرہ لازم نہیں جب کہ گولی چلانے والے نے کافر پر گولی چلانے کا ارادہ کیا ہو (درمختار)

۲۲۔ اگر واجب التعظیم چیزیں جیسے قرآن مجید وغیرہ کی بے حرمتی کا اندیشہ نہ ہو تو انہیں جہاد میں ساتھ لے جانا جائز ہے اور حسب ضرورت مستورات کو بھی لے جا سکتے ہیں (درمختار و بحرالرائق) ــــ کافروں سے جو عہد کیا ہے مثلاً یہ معاہدہ کہ اتنے عرصہ تک جنگ نہیں ہوگی اس کو توڑنا جائز نہیں ہے یعنی اسی عرصہ میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی عہد و معاہدہ نہ ہو تو بغیر اطلاع (حسب ضرورت) جنگ شروع کر دی تو جائز ہے (مجمع الانہر)

۲۳۔ مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کافروں میں کسی ایک کو یا جماعت یا ایک شہر کے رہنے والوں کو پناہ دیدی تو امان صحیح ہے اب قتل جائز نہیں بشرطیکہ اس امان دینے سے مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو ورنہ بادشاہِ اسلام کو اس کے توڑنے کا اختیار ہے اور امان توڑنے کی کافروں کو اطلاع کر دینی چاہئے (درمختار عالمگیری)

۲۴۔ اگر صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو جائز ہے اگر کچھ مال دے کر یا لے کر صلح کی جائے (درمختار ردالمحتار)

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اِلٰى قَوْلِهٖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْحُدُوْدُ الطَّاعَةُ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد " اللہ نے مومنوں کی جانیں اور مال ان سے خرید لی ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ کافروں کو قتل کرتے ہیں اور جہاد میں شہید ہوتے ہیں۔ تورات اور انجیل اور قرآن میں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ تم اس تجارت سے خوش ہو جو تم نے اللہ سے کی ہے۔ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ تک۔

فوائد و مسائل

۱۔ یہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ ہے۔ اس میں اللہ کی راہ میں مال و جان خرچ کرکے اور کفار سے قتال کرکے جنت پانے والے ایمان داروں کی ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے اور کمال لطف و کرم کا اظہار ہے کہ اللہ رب العلمین نے انہیں جنت عطا فرمانا ان کے جان و مال کا عوض قرار دیا اور اپنی ذاتِ اقدس کو خریدار بنایا حالانکہ امر واقعہ یہ ہے یہ جان و مال وغیرہ نہ ان کی بنائی ہوئی ہیں نہ پیدا کی ہوئی۔ جان ہے تو اسی کی بنائی ہوئی اور مال ہے تو اسی کا عطا فرمایا ہوا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۲۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب انصار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر شب عقبہ بیعت کی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بحضور نبوت عرض کی کہ یا رسول اللہ اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے کچھ شرط فرما لیجئے۔ فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے تو یہ شرط کرتا ہوں کہ تم اب اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لیے یہ کہ جن چیزوں سے تم اپنے جان و مال کو بچاتے اور محفوظ رکھتے ہو اس کو دوسرے کیلئے بھی گوارا نہ کرو۔ انصار نے عرض کی ہم ایسا کریں تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرمایا جنت (تفسیر خزائن العرفان)

۲۵۹۱۔ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی مِیْقَاتِہَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَکَتُّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَوِاسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وقت پر نماز ادا کرنا میں نے پوچھا اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا والدین سے اچھا سلوک کرنا۔ میں نے پوچھا اور اس کے بعد، آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ میں نے حضور اکرم سے مزید سوالات نہیں کیے ورنہ اگر اور سوالات کرتا تو آپ اسی طرح ان کے جوابات عنایت فرماتے۔ (بخاری)

افضل عمل

۱۔ اس حدیث میں وقت پر نماز کی ادائیگی، والدین کے ساتھ نیک سلوک، راہِ خدا میں جہاد کو افضل الاعمال فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں باقی تمام طاعات اور اعمالِ خیر کا عنوان اور بنیاد ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو نماز جیسی فضل و شرف والی عبادت کی بلا عذرِ شرعی نگہداشت نہیں کرے گا وہ باقی امورِ خیر میں غفلت اور لاپرواہی سے کام لے گا۔ اسی طرح جو والدین کے ساتھ باوجود ان کے سخت استحقاق کے اچھا سلوک نہیں کرتا اس سے دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جو دینِ اسلام کے سخت و شدید دشمن کافروں سے جہاد نہیں کرتا۔ وہ فساق و فجار سے ترکِ تعلق کیسے کرے گا (فتح الباری وعینی)

۲۔ بخاری کتاب الایمان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکے کو کھانا کھلانے یا راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینے یا جس مسلمان کی زبان اور عمل سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچنے وغیرہ امورِ خیر کو بھی افضل عمل قرار دیا ہے مگر ان حدیثوں میں حقیقت میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ موقع محل اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ایک نیکی دوسری نیکی سے افضل ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک افضل عمل کو دوسرے افضل عمل پر ترجیح ہوتی ہے۔ مثلاً ایک بیمار ہے جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ بیمار کی خدمت بھی نیکی ہے اس کے مقابل ایک اندھا کنوئیں میں گرا چاہتا ہے۔ اس کو بچانا بھی نیکی ہے مگر اس صورت میں بیمار کی خدمت کے مقابل اس اندھے کو کنوئیں میں گرنے سے بچانے کو شرعاً و عقلاً ترجیح دی جائے گی۔ فیوض حصہ اول کتاب الایمان میں اس مضمون کی احادیث پر ہم نے گفتگو کی ہے ملاحظہ فرمالیں۔

۲۵۹۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰکِنْ جِہَادٌ وَّنِیَّۃٌ وَّاِنِ اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا

(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی، البتہ جہاد اور نیت اب بھی باقی ہیں۔ جب تمہیں جہاد کے لیے بُلایا جائے تو لبیک کہو۔

حدیث لا ھجرۃ بعد الفتح ہجرت کی احادیث، شارحین کرام کی آراء

۱۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ مکہ سے مدینہ کی طرف جو ہجرت کی گئی۔ فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ختم ہو گئی اور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس ملک میں مسلمان اپنے مذہبی فرائض ادا نہ کر سکیں۔ انہیں اس ملک سے ہجرت کرنی واجب ہے۔

۲۔ علامہ خطابی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ اگر کسی ملک کے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں اور اسی ملک میں قیام کریں اور وہاں انکو ایذا دی جائے تو مسلمانوں کو دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ ان کا دین محفوظ ہو جائے اور وہ کفار کی ایذا سے بچ جائیں۔ ہجرت کی دوسری صورت یعنی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا، یہ فرض تھی کیونکہ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور وہ ضعیف تھے اس لیے مکہ میں جو لوگ اسلام لے آئے ان پر فرض کیا گیا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر آئیں تاکہ مدینہ میں مقیم مسلمانوں کی مدد کریں اور ان کی شوکت کا باعث بنیں۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو اب ہجرت کی ضرورت نہ رہی (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور ان کو عزت و شوکت اور قوت سے نواز دیا۔ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اپنے وطن میں قیام کر سکتے ہیں (کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہیں رہی) لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ مسلمان فتح مکہ کے بعد بھی مکہ میں قیام کریں۔ اخلاص کے ساتھ احکام دین پر عمل اور تبلیغ دین کا فریضہ بھی ادا کریں اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد کے لیے بھی مستعد رہیں۔ وَاِنِ اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا اور جب جہاد کے لیے بلایا جائے تو جہاد میں شریک ہو جائیں۔

۳۔ علامہ طیبی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ حدیث زیر بحث میں کلمہ (لکن) مقتضی ہے مخالفت مَا بَعْدَهَا لِمَا قَبْلَهَا یعنی وطن سے مفارقت موسومہ بالھجرۃ المطلقۃ منقطع ہو گئی لیکن جہاد کی وجہ سے ہجرت کرنا اور اسی طرح خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے علم دین کے حصول اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہجرت ہمیشہ باقی ہے۔

۴۔ متعدد علماء نے فرمایا۔ ہجرت کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول حبشہ کی طرف دوم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت۔ سوم قبائل عرب کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت۔ چہارم مکہ میں جو مسلمان ہو گئے ان کی مدینہ کی طرف ہجرت۔ پنجم اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت یعنی انہیں ترک کرنا ——— تین قسم کی ہجرتیں باقی ہیں اول دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت، دوم بلادِ کفر سے مسلمانوں کی دارالاسلام کی طرف ہجرت جو وہاں اپنے دین کے اظہار اور اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھتے ہوں، یہ ہجرت بھی واجب ہے۔ سوم قرب قیامت میں مسلمانوں کا فتنوں کے ظہور کے وقت مہاجر سیدنا ابراہیم علیہ السلام (یعنی شام کی طرف ہجرت کرنا، جس کا ذکر حدیث عبداللہ بن عمر میں ہے (احمد) یہ خلاصہ ہے جو حضرت علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے عینی ج ۱۴ صفحہ ۸۰ پر تحریر فرمایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ہجرت سے متعلق احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔

ہجرت کی احادیث

راقم کو شارحین کرام کے علم و فضل، جودتِ ذہن کا اقرار و اعتراف ہے۔ ان کے مقابل راقم کا علم تو قابل ذکر ہی نہیں ہے۔ راقم تو انہیں حضرات کا خوشہ چین ہے مگر راقم کی ناقص رائے ہیں شارحین کرام نے ہجرت کی احادیث کو ذکر کر کے ان کے متعلق باہم متعارض اور مخالف ہونے کے جو الفاظ استعمال کیے

ہیں پھر ان میں تطبیق دینے کا تاثر دیا ہے وہ مناسب دکھائی نہیں دیتا۔ ہجرت کے سلسلہ میں احادیث پر غور و فکر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں سرے سے تعارض اور مخالفت نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

گناہوں سے ہجرت کرنے کی احادیث

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر وہ ہے مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ جو ان چیزوں کو ترک کر دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری ج ۱ ص ۱)

۲۔ افضل ہجرۃ یہ ہے کہ آدمی ان کاموں سے ہجرت کرے (چھوڑ دے) هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۵)

۳۔ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السُّوْءَ مہاجر وہ شخص ہے جو برائیوں کو ترک کر دے۔ (احمد)

۴۔ مہاجر وہ شخص ہے اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبَ جو چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑ دے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۱)

نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ہجرت دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ تو گناہوں کو ترک کر دے

تَهْجُرُ السَّيِّئَاتِ وَالْاُخْرٰى	تو گناہوں کو ترک کر دے — دوم یہ کہ —
تُهَاجِرُ اِلَى اللّٰهِ (بزار)	اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے

نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف اس شان سے متوجہ ہو جائے کہ ہر لمحہ اور ہر آن اللہ اور اس کے رسول ہی کی رضا کا طالب ہو جائے۔ اس کے تمام اعمال و افعال اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہوں۔ غرضکہ اس مضمون کی تمام احادیث جن میں برائیوں، گناہوں، حرام کاموں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے ہجرت کے سلسلہ کی کسی بھی حدیث سے متعارض نہیں ہیں۔ یہ تو دین اسلام کی بنیادی ہدایات و تعلیمات ہیں۔ جن کے معارض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہجرت منقطع ہونے کی احادیث

۱۔ فَقَالَتْ لَنَا انْقَطَعَتِ الْهِجْرَةُ مُنْذُ فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) حضرت عائشہ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ فتح کرنے کے بعد ہجرت منقطع ہو گئی۔

۲۔ فَقَالَتْ لَا هِجْرَةَ الْيَوْمَ كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ يَفِرُّ اَحَدُهُمْ بِدِيْنِهٖ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَخَافَةَ اَنْ يُفْتَنَ عَلَيْهِ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَقَدْ اَظْهَرَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ وَالْيَوْمَ يَعْبُدُ رَبَّهٗ

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر لیثی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں ہے۔ پہلے مسلمان اپنے دین کی وجہ سے اللہ اور

حَيْثُ شَاءَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ (بخاری)

رسول کی طرف چلے آتے تھے کیونکہ انھیں خوف تھا کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

لیکن اب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرما چکا، اب مسلمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں۔ البتہ جہاد اور نیت باقی ہے

۳۔ عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ السُّلَمِيِّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُبَايِعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ فَقَالَ إِنَّ الْهِجْرَةَ قَدْ مَضَتْ لِأَهْلِهَا وَلٰكِنْ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ بحضور نبوت علٰحضر ہو کر ہجرت پر بیعت کرنی چاہی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ہجرت تو ہجرت والوں کے ساتھ گزر گئی تاہم اسلام جہاد اور خیر پر بیعت کرو (مسلم ج ۲ صـ۱۳۰)

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا (بخاری ج ۱ صـ۴۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فتح (مکہ) کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے۔ البتہ جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے آؤ۔

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت مجالد کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یہ آپ سے ہجرت پر بیعت کریں گے

فَقَالَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَلٰكِنْ أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ (بخاری ج ۱ صـ۴۳۳)

آپ نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اس کو اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔

۵۔ ایک دیہاتی بحضور نبوت حاضر ہوا۔ عرض کی ہجرت کی کونسی جگہ ہے۔ آپ جہاں کہیں ہوں یا کسی خاص جگہ ہجرت کی ہے یا آپ کے وصال کے بعد ہجرت ختم ہو جائے گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ إِذَا أَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتَ الزَّكٰوةَ فَأَنْتَ مُهَاجِرٌ وَإِنْ مُتَّ بِالْحَضْرَمِيِّ قَالَ يَعْنِي أَرْضًا بِالْيَمَامَةِ وَفِي رِوَايَةٍ الْهِجْرَةُ أَنْ تَهْجُرَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَتُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ فَأَنْتَ مُهَاجِرٌ

فرمایا جب تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو! اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن میں بے حیائی کے کام ترک کردو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو پھر تم مہاجر ہو۔ (مسند احمد ج ۲ صـ۲۰۳)

ان احادیث کے متعلق یہ امر ذہن میں رہنا چاہیے کہ ان میں فتح مکہ سے قبل مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی فرضیت کی منسوخی کا ذکر ہے۔

قیامت تک ہجرت جاری رہنے کی احادیث

۶۔ حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بحضور نبوت عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہجرت منقطع ہو گئی ہے تو

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْهِجْرَةَ لَا تَنْقَطِعُ مَا كَانَ الْجِهَادُ (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تک جہاد ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ (ابوداؤد ج ۲ صـ۱۹۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی اس وقت تک ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔

عَنِ ابْنِ السَّعْدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا دَامَ الْعَدُوُّ يُقَاتِلُ (مسند احمد ج ۲ صـ ۱۹۲)

حضرت ابن السعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک دشمن سے مقابلہ ہوتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ہجرت دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ تو گناہوں کو ترک کر دے دوم یہ کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرے

وَلَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا تُقُبِّلَتِ التَّوْبَةُ (بزار)

اور جب تک توبہ قبول کی جائے گی ہجرت منقطع نہ ہوگی۔

یہ اور اس مضمون کی اور احادیث بھی علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے عینی ج ۱۴ صـ ۸۱/۸۰ ۸۲ میں ذکر فرمائی ہیں ـــــــ واضح ہو کہ جن احادیث میں ہجرت کے منقطع ہونے کا ذکر ہے ان کے متعلق مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھ لیا جائے (تو پھر وہ احادیث جن میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے) کے درمیان تضاد اور مخالفت کے الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی وہ امور یہ ہیں۔

اوّل جن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے منقطع ہونے کا ذکر فرمایا ہے وہ سب کی سب صحاح کی احادیث ہیں۔ دوم ان میں اس امر کی بھی کسی نہ کسی انداز میں تصریح ہے کہ یہ ہجرت فتح مکہ سے پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف تھی۔ اس وقت ہر مسلمان کو جو مکہ میں مقیم تھا وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آنا فرض تھا اور یہ بھی کہ یہ ہجرت کرنے والے صحابہ کرام تھے۔ اس ہجرت کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ مکہ میں کفار و مشرکین مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچاتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دشوار کر دیا تھا۔ کفار نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ وہ چاہتے تھے۔ مسلمان اسلام کو چھوڑ دیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں بھی مسلمان ضعیف تھے۔ ان کی تعداد کم تھی اور انھیں جمعیت کی ضرورت تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض قرار دیا گیا تاکہ انکا دین، ایمان اور جان کفار سے محفوظ ہو جائے اور مدینہ میں بھی مسلمانوں کو قوت و کثرت میسر آئے اور مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمان مدینہ میں آکر اسلام کی تعلیم بھی بخوبی حاصل کر سکیں اور مدینہ کے مسلمانوں سے مل کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیں تاکہ ان کی شوکت میں اضافہ ہو ـــــ سوم، اس ہجرت کی خصوصیت یہ تھی کہ مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا۔ مدینہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر کی طرف ہجرت کرنا فرض نہ تھا۔ چہارم، اس ہجرت کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ جو مسلمان مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کریں ان کے متعلق قرآن مجید میں تصریح کی گئی کہ

وہ مسلمانوں کی ولایت سے محروم رہیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے :۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا (انفال ۷۲) | اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی ان سے تمہاری ولایت کا کوئی تعلق نہیں جب تک ہجرت نہ کریں۔

مہاجرین و انصار کے ایمان اور انکے مغفور ہونیکا انکار کرنیوالے قرآن کے منکر ہیں

ہجرت ایک عظیم و جلیل خصوصیت فتح مکہ سے قبل مکہ سے مدینہ کی طرف۔ فریضہ ہجرت ادا کرنے والوں کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے ایمان کی تصدیق فرمائی ہے۔ انھیں اپنی خاص رحمت کا مستحق قرار دیا ہے۔ تو غرض یہ کرنا ہے کہ فتح مکہ سے قبل مکہ سے مدینہ کی طرف جو ہجرت فرض تھی اس کی یہ خصوصیات ہیں اور ایسی خصوصیت والی ہجرت کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہجرت منسوخ ہوگئی۔ اس کی فرضیت باقی نہیں رہی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ جہاد فتح مکہ کے بعد بھی جاری ہے۔ جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے فوراً جہاد میں شامل ہو جاؤ۔ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ اِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا کے الفاظ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل جو ہجرت فرض تھی باقی نہیں، وہ تو ایک خاص ہجرت تھی۔ بہت سی خصوصیتوں والی ہجرت تھی اس کی فرضیت تو ختم ہوگئی ـــــ مگر جہاد قیامت تک جاری ہے۔ پس فتح مکہ سے قبل جو ہجرت فرض تھی وہ ایک خاص ہجرۃ تھی۔ جس کی خصوصیات اوپر بیان ہوئی ہیں لہٰذا لا ہجرۃ بعد الفتح کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہی مخصوص ہجرت مراد ہے۔ جس کی فرضیت فتح مکہ کے بعد ختم ہوگئی۔ ان امور کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو جن احادیث میں قیامت تک ہجرت جاری رہنے کا ذکر ہے اور جس حدیث میں ہجرت ختم ہونے کا ذکر ہے دونوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں ہے ـــــ اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔

حضور نے فرمایا کہ جہاد جاری ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاد میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کی طرف (ہجرت) جانا پڑتا ہے۔ کبھی کفار کے ظلم وستم سے محفوظ رہنے اور اپنی جان ومال اولاد، عزت وناموس اور ایمان کو بچانے کے لیے ملک چھوڑنا پڑتا ہے جیسے ہمارے دور میں مسلمانوں نے بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کی یا جیسے آج بھی مختلف ممالک سے مسلمانوں کو اپنی سکونت ترک کرنی پڑ رہی ہے۔ یہ بھی تو ہجرت ہی ہے ـــــ تو یہ ہجرتیں

ف خوب یاد رکھیں کہ جن مسلمانوں نے فتح مکہ سے قبل مدینہ کی طرف ہجرت کی جو کہ فرض تھی اور جن مسلمانوں نے ان مہاجرین مکہ کو جگہ دی اور ان کی ہر طرح سے مدد کی یعنی انصار مدینہ، سورۂ انفال کی آیت ۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین و انصار کے ایمان کی اور ان کے مورد رحمت الٰہی ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ لہٰذا مہاجرین وانصار کو میلی آنکھ سے دیکھنے والے اور ان سے بغض وحسد رکھنے والے اور ان کے ایمان وایقان کا انکار کرنے والے قرآن کے منکر قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار دونوں کے لیے تصریح فرمائی ہے :۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ | وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

جو قیامت تک جاری رہیں گی۔ لا ہجرۃ بعد الفتح کی نفی میں شامل ہی نہیں ہیں کہ تعارض و مخالفت کے الفاظ استعمال کیے جائیں فیوض جلد اوّل حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے سلسلہ میں بھی ہجرت کے متعلق گفتگو ہوئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

بَابٌ اَفْضَلُ النَّاسِ مُؤْمِنٌ مُجَاهِدٌ

بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَوْلَهٗ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

باب لوگوں میں افضل مومن وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرے

اے ایمان والو! کیا میں بتادوں وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔

فوائد و مسائل اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مومنین نے کہا تھا کہ اگر ہم یہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل بہت پسند ہے تو وہی کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس عمل کو تجارت سے تعبیر فرمایا گیا کہ جیسے تجارت سے نفع کی اُمید ہوتی ہے اسی طرح اعمال سے بہترین نفع یعنی رضاء الٰہی، جنت اور نجاتِ اُخروی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس تجارت کی کیفیت بتائی گئی کہ اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرو۔ ایسا کروگے تو گناہوں کی مغفرت اور دخولِ جنت کی دولت تمہیں ملے گی جو بہت بڑی کامیابی ہے۔

۲۵۹۳۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلَا نُجَاهِدُ قَالَ لٰكِنْ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) نے عرض کی یارسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد افضل اعمال میں سے ہے پھر ہم بھی کیوں نہ جہاد کریں۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ (عورتوں کے لیے) افضل جہاد مقبول حج ہے۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ حج ارکانِ اسلام سے ہے اور مرد و عورت دونوں پر فرضِ عین۔ البتہ نفلی حج سے جہاد افضل ہے۔ جب کہ اس کی شرائط پائی جائیں اور عورتوں کے لیے حج جہاد سے افضل ہے۔

۲۵۹۴۔ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهٗ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ قَالَ لَا اَجِدُهٗ قَالَ هَلْ تَسْتَطِيْعُ اِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ اَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُوْمَ وَلَا تَفْتُرَ وَتَصُوْمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ایک شخص بحضور نبوت حاضر ہوا۔ عرض کی۔ مجھے ایسا عمل بتایئے جو جہاد کے برابر ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا عمل نہیں پاتا۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا۔ تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لیے روانہ ہو اور تو مسجد میں نماز شروع

وَلَا تَفْطِرَ قَالَ وَمَنْ يَسْتَطِيعُ ذَالِكَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اِنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِ لَيَسْتَنُّ فِيْ طِوَلِهٖ فَيُكْتَبُ لَهٗ حَسَنَاتٍ

کردے جس میں ذرا بھی سستی نہ ہو، روزہ رکھے مگر افطار نہ کرے۔ اس نے عرض کی۔ ایسی طاقت کون رکھ سکتا ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا۔ جب (مجاہد کا) گھوڑا اپنی رسی میں دوڑتا ہے تو اس کے طول کے برابر نیکیاں بھی جاتی ہیں۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

اس حدیث کی وضاحت حدیث مسلم سے ہوتی ہے کہ سائل نے تین بار یہی سوال کیا کہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو جہاد کے مساوی ہو۔ آپ نے جواب میں ہر بار یہ فرمایا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ چوتھی بار سوال پر آپ نے فرمایا کہ مجاہد کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اللہ کی اطاعت میں اس طرح مشغول ہو کہ وہ ہمیشہ روزہ میں رہے کبھی افطار نہ کرے اور ہمیشہ نماز میں رہے کبھی نماز سے باہر نہ ہو۔ (عینی ج ۱۴ ص ۸۰/۸۲)

ظاہر ہے کہ اس شان سے عبادات میں مشغولیت کی طاقت بہت مشکل ہے۔ لیکن مجاہد فی سبیل اللہ کی شان یہی ہے کہ وہ ہمہ وقت چوکنا رہتا ہے اور دشمن کے حیلے بہانوں اور جنگی چالوں کی ہر ممکن طریقہ سے خبر رکھتا ہے اور یہ بات مجاہد کی خصوصیات سے ہے اور بہت فضیلت رکھتی ہے۔

۲۵۹۵۔ اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَهٗ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ قَالُوْا ثُمَّ مَنْ قَالَ مُؤْمِنٌ فِيْ شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللّٰهَ وَ يَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهٖ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ بحضور نبوت عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ کون لوگ سب سے افضل ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔ صحابہ نے پوچھا اور اس کے بعد کون؟ فرمایا وہ مومن جس نے کسی پہاڑ کی گھاٹی میں قیام اختیار کرلیا ہے۔ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے اور لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ واضح ہو کہ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور جب دشمن مملکت اسلامیہ کے کسی شہر پر حملہ کردے تو فرض عین ہے۔ دونوں قسم کے جہادوں میں حصہ لینے والا مسلمان افضل و اعلیٰ مسلمان ہے۔ جہاد جان کا نذرانہ پیش کرکے تو ہوتا ہی ہے مگر جو جہاد کی طاقت نہ رکھے یا جس کے پاس سامان حرب وضرب نہ ہو وہ مجاہدین کی مال سے ہر قسم کی ضرورت کو پوری کرنے والا بھی فضیلت والا مسلمان قرار پاتا ہے اور مال سے جہاد کرنے والا بھی مجاہد قرار پاتا ہے ـــــــ اسی طرح وہ مسلمان بھی صاحب فضیلت ہے جو ایسے دور میں ہو جہاں خلاف اسلام کاموں سے بچنا ممکن نہ رہے اور زبان و قلم اور عمل سے برائی کو روکنے کی طاقت ہی نہ رہے اور وہ ایمان و تقویٰ کے ساتھ کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے بغیر پہاڑ کی کسی گھاٹی میں گوشہ نشین ہوجائے۔ راقم کو اس حدیث کا یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۵۹۶۔ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَتَوَكَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثال ۔ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو خلوص کے ساتھ صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، اس شخص کی سی ہے جو پابندی سے نماز پڑھتا، روزے رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اسلام کی سربلندی) کے لیے جہاد کرنے والے کے لیے یہ ذمہ لیا ہے کہ جہاد میں اسے وفات دیدے تو اس کو جنت میں داخل فرمائے گا یا میدانِ جہاد سے اجر و غنیمت سمیت اس کو سلامتی سے واپس فرما دے گا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے رقاق، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد نے جہاد میں اور ابن ماجہ نے فتن میں ذکر کیا ہے ۲۔ دینِ اسلام کی اشاعت و حمایت کے لیے جہاد کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے یہ ذمہ لیا ہے کہ شہید ہو جائے تو اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا پھر اجر و غنیمت سمیت مجاہد کو میدانِ جہاد سے واپس فرمائے گا۔ مطلب یہ کہ جہاد میں شہید ہونا یا زندہ بچ جانا دونوں ہی دین و دنیا میں سرفرازی کا باعث ہیں۔

۳۔ افضل اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ بھی افضل الناس سے ہے ورنہ علماءِ حق اور صدیقین بھی افضل الناس ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں اس امر کی تصریح ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَيْرُ أَعْمَالِ الْإِسْلَامِ اعمالِ اسلام میں بہترین عمل بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔ نیز فرمایا۔ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهُ اور اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے وغیرہ۔ شارحین نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ کا کسی عمل کا سب سے افضل قرار دینا حالات، وقت یا سائل کے لیے جو عمل زیادہ ضروری ہو یا جس کی اس میں کمی ہو، اس کے لحاظ سے کسی عمل کو افضل قرار دیدیا ——— سب سے اچھا جواب میرے نزدیک یہ ہے (جسے اگرچہ علامہ بدر محمود عینی نے قیل کے لفظ سے بیان فرمایا ہے) کہ حدیث میں کلمہ من پوشیدہ ہے۔ یعنی عبارت یوں ہے۔ من افضل الاعمال یعنی یہ عمل بھی افضل اعمال کی فہرست میں شامل ہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ بِالْجِهَادِ

باب مردوں اور عورتوں کا جہاد

وَالشَّهَادَةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

وَقَالَ عُمَرُ اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي بَلَدِ رَسُولِكَ

اور شہادت کی دُعا کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دُعا کی، اے اللہ مجھے اپنے رسول کے شہر (مدینہ طیبہ) میں شہادت کی موت عطا فرما۔

۲۵۹۷۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ

يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهٗ وَكَانَتْ اُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَطْعَمَتْهُ فَجَعَلَتْ تَفْلِيْ رَأْسَهٗ فَنَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَى الْاَسِرَّةِ اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْاَسِرَّةِ شَكَّ اِسْحٰقُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُدْعُ اللهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ــــــ كَمَا قَالَ فِي الْاُوْلٰى قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُدْعُ اللهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِيْ زَمَانِ مُعَاوِيَةَ ابْنِ اَبِيْ سُفْيٰنَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ (بخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس سہلانے لگیں تا آنکہ آپ سو گئے جب بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔ ام حرام نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ! کس بات پر آپ مسکرا رہے ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کے راستے میں غزوہ کرنے کے لیے دریا کے بیچ میں سوار اس طرح جا رہے تھے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں یا (آپ نے ملوکا علی الاسرۃ کے امثل الملوک علی الاسرۃ فرمایا۔ شک اسحاق کو تھا۔ ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انہی میں سے کر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ پھر آپ اپنا سر رکھ کر سو گئے) اس مرتبہ بھی جب آپ بیدار ہوتے تو مسکرا رہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ یارسول اللہ! کس بات پر آپ مسکرا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کی راہ میں غزوہ کے لیے جا رہے تھے۔ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے بھی انہیں میں سے کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب سے پہلی فوج میں شامل ہو گی (جو بحری راستے سے جہاد کرے گی) چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ام حرام نے بحری سفر کیا۔ پھر جب سمندر سے باہر آئیں تو ان کی سواری نے انہیں نیچے گرا دیا اور ان کی وفات ہو گئی۔

راہِ خدا میں شہادت کی دعا کرنا یا کرانا، سمندری جہاد، حضرت ام حرام اور حدیث حرام کے فوائد و مسائل کا بیان

۱۔ اس حدیث کو امام نے رویا اور استئذان میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی جہاد میں ذکر کیا ہے ۲۔ حضرت ام حرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی علیہ السلام کی محرم تھیں اور آپ کی رضاعی خالہ تھیں۔ یہ حضور کا کرم تھا کہ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے وہ آپ کی کھانے وغیرہ سے تواضع فرماتی تھیں۔ ۳۔ تفلی راسہ کے لغوی معنیٰ ہیں سر سے جوئیں تلاش کر کے مار دینا۔ ظاہر ہے کہ یہاں اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ کے بدنِ اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور آپ کے سر اور کپڑوں میں جوئیں نہیں پیدا ہوتی تھیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا جسمِ اقدس قدرتی طور پر خوشبودار تھا۔ آپ کے "پسینہ مبارک" سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی اور آپ کا جسم پاک کثافت سے پاک تھا۔ اس لیے تفلی کے معنیٰ یہاں سر کے سہلانے کے کرنے چاہئیں۔ حضرت ام حرام حضور کو آرام پہنچانے کے لیے آپ کے سر مبارک کو سہلاتی تھیں حتیٰ کہ آپ سو جاتے تھے اور اگر تفلی کے لغوی معنے لیے جائیں تو بھی حرج نہیں کہ تفلی کے معنیٰ صرف یہ ہیں۔ سر میں جوؤں کو تلاش کرنا اور حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت ام حرام کو حضور کے سر اقدس میں کوئی جوں مل گئی تھی۔ ۴۔ راہِ خدا میں شہادت کی دُعا کرنا یا کرانا جائز ہے۔ امیرالمومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے اپنے رسول کے شہر مدینہ میں شہادت کی موت عطا فرما۔ ان کی دُعا قبول ہوئی۔ آپ کو شہید کیا گیا اور مدینہ میں حضور کے روضہ اقدس میں حضور کے ساتھ دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا ۵۔ شہادت کی دُعا کرنا جائز بلکہ سنت اور بڑی فضیلت کی بات ہے۔ شہادت کی دُعا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافر کے ہاتھوں مرنے کی دُعا کی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی اور اسلام و مسلمین کے غلبہ کے لیے اسلام کے دشمن کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کرنے اور راہِ خدا میں جان کی قربانی پیش کرنے (شہید) ہونے کی توفیق عطا فرما۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی راہِ خدا میں شہید ہونے کی دُعا فرمایا کرتے تھے ۶۔ علامہ ابن تین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خشکی اور سمندر میں جہاد کرنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت میں بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے ہوں گے جیسا کہ قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے۔ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر میں جہاد کرنے والوں (جس کی دو صورتیں ہیں۔ سمندر میں بھی دشمن کا مقابلہ ہوتا ہے اور سمندر پار کر کے بھی) کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور انبیا کا خواب بھی وحی ہوتا ہے (بخاری) نیز شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے فرزند کو ذبح کرنے کا جو خواب دیکھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ بھی وحی تھا ۔۔۔

۸۔ حضرت ام حرام بنت ملحان حضرت عبادہ بن صامت کی زوجہ محترمہ ہیں۔ جب حضور نے اپنا خواب بیان فرمایا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ دُعا فرمائیے مجھے بھی اس جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل ہو۔ حضور نے فرمایا۔ تم پہلے گروہ میں سے ہو ۔۔۔ حضور کی یہ پیش گوئی متعدد معجزات کا مجموعہ ہے کہ حضور کے وصال کے بعد آپ کی امت باقی رہے گی اور ان کو فتح و اقتدار حاصل ہوگا۔ صحابہ کرام سمندر کے راستے جہاد کریں گے اور حضرت ام حرام اس وقت تک زندہ رہیں گی اور مجاہدین کے پہلے گروہ میں شامل ہوں گی۔ حضور علیہ السلام نے جو فرمایا ویسے ہی ہوا۔ ۲۸ھ میں امیرالمومنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کی اجازت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مصر کے گورنر تھے) کی سربراہی میں پہلا بحری بیڑا تیار ہوا جس نے سمندری جہاد میں حصہ لیا اور جزیرہ قبرص فتح ہوا۔ اس جنگ میں حضرت ابوذر، حضرت عبادہ بن صامت ان کی اہلیہ ام حرام، حضرت شداد بن اوس اور ابو درداء رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ پہلا حملہ

قبرص پر کیا گیا اور اس کو فتح کیا۔ قبرص کی فتح کے بعد واپسی پر حضرت ام حرام کی وفات ہوئی۔ ان کی قبر مبارک قبرص (کریٹ) میں بنائی گئی۔ حِیْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ام حرام سمندر سے نکل کر جزیرہ میں گئیں۔ حدیث مسلم میں تصریح ہے کہ ام حرام اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت کے ساتھ سمندری جہاد میں شریک تھیں واپسی پر خچر پر سوار ہوئیں۔ اس نے ان کو گرا دیا اور ام حرام کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ شہید ہو گئیں (مسلم حدیث نمبر ۲۴۲)

کسی نیک مسلمان مرد عورت کی قبر کی تعظیم کرنا اور اس کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے

۸۔ شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کے تحت لکھا ہے کہ جب حضرت ام حرام کا انتقال ہوا۔ خشکی پر ان کی قبر بنائی گئی اور لوگ ان کی قبر کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی قبر کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ایک صالح عورت کی قبر ہے رضی اللہ عنہا عینی کی عبارت یہ ہے فَمَاتَتْ هُنَالِكَ فَقَبْرُهَا هُنَالِكَ يُعَظِّمُوْنَهٗ وَيَسْتَسْقُوْنَ بِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ قَبْرُ الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ (عینی ۱۴، صہ ۸۷)

سمندری جہاد افضل ہے یا برّی

۹۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے شہید برّی و بحری پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض علماء شہید بری کو افضل کہتے ہیں اور بعض بحری کو۔ پھر انہوں نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ شہادت ہر گناہ کی معافی کا ذریعہ بنتی ہے مگر قرض کا نہیں۔ وَالْغَزْوُ فِي الْبَحْرِ يُكَفِّرُ ذَالِكَ كُلَّهٗ اور سمندر میں جہاد کرنے والے کے ہر قسم کے گناہ حتیٰ کہ قرض بھی معاف ہو جاتا ہے نیز یہ بھی مرفوع حدیث ہے کہ سمندر میں جہاد کرنا، خشکی کے دس جہاد سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔ (عینی ج ۱۴، ۸۵/۸۶)

۱۰۔ واضح ہو کہ حدیث مسلم میں ہے کہ جو شخص کفار کے ساتھ جہاد میں قتل ہو گیا وہ شہید ہے اور اسی طرح جو جہاد کے لیے روانہ ہوا اور راہِ خدا میں وفات پا گیا وہ بھی شہید ہے یعنی شہادت کا مرتبہ پاتا ہے۔ سورہ نساء آیت ۱۰۰ میں ارشاد باری ہے۔ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ جو شخص اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلتا ہے۔ پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ حضرت جندع بن ضمرہ لیثی رضی اللہ عنہ بہت بوڑھے تھے۔ جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو انہوں نے کہا۔ میں ایک رات بھی مکہ میں نہیں رہوں گا۔ ان کی فرمائش پر انہیں چارپائی پر ڈال کر مدینہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ مگر مقام تنعیم پر آکر ان کی وفات ہو گئی زندگی کے آخری لمحات میں انہوں نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یہ تیرا اور تیرے رسول کا۔ میں اس پر بیعت کرتا ہوں جس پر تیرے رسول نے بیعت کی۔ یہ خبر پا کر صحابہ نے کہا اگر یہ مدینہ پہنچ جاتے تو ان کا اجر کتنا بڑا ہوتا۔ اور مشرکوں نے ہنسی اڑائی کہ جس مقصد کے لیے نکلے تھے وہ حاصل نہ ہوا۔ اس پر سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ جو مسلمان جس نیک کام کے ارادہ سے نکلا اور اس کو پورا نہ کر سکا تو اس کو اس کی نیکی کا ثواب ملے گا۔ پس جو جہاد کی نیت سے نکلا اور وفات پا گیا اس کو شہادت فی سبیل اللہ کا مرتبہ حاصل ہو گا۔

جو شخص جہاد کی نیت سے روانہ ہوا اور کافروں کو قتل کیے بغیر کسی وجہ سے وفات پا جائے وہ بھی شہید ہے

نیز سورہ حج کی آیت نمبر ۵۸ میں ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا

اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے پھر قتل کیے گیے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھی روزی دیگا

امام ابو عمر اور دیگر علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں موت اور قتل برابر ہے یعنی دونوں شہید ہیں یعنی جو جہاد کے ارادہ سے روانہ ہوا اور کفار کے ساتھ جہاد میں قتل ہو گیا یا بغیر لڑے وفات پا گیا ایسے دونوں شہید ہیں۔ اس بات کی تائید حدیث ابوداؤد سے ہوتی ہے اجسے امام حاکم نے روایت کیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جہاد کی نیت سے روانہ ہوا اور اسے گھوڑے نے گرا دیا یا سانپ نے ڈس لیا یا بوجہ علالت وفات پا گیا۔ وہ شہید ہے واللہ اعلم (عینی ج ۱۴ ص ۸۸)

۱۱۔ حدیث زیر بحث سے مندرجہ ذیل مسائل واضح ہوتے۔ راہ خدا میں موت شہادت ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تمنا کرنا یا اس کے لیے دعا کرنا مطلوب و محمود ہے۔ کسی امیر کی سربراہی میں جہاد قیامت تک جاری ہے۔ کسی اچھی خبر کو سن کر ہنسنا اور مسرت کا اظہار کرنا جائز ہے۔ مستورات کو جہاد میں شریک ہونا جائز ہے وہ اپنے حسب حال مجاہدین کی خدمت کر سکتی ہیں مثلاً مجاہدین کو پانی پلانا۔ ان کے لیے کھانا پکانا، زخمیوں کی دیکھ بھال اور ان کی مرہم پٹی کرنا وغیرہ، محرم عورت کے گھر قیام کرنا اور اس کا معروف طریقہ پر اپنے محرم مرد کو کھانا وغیرہ کھلانا جائز ہے جیسا کہ حضرت ام حرام نے کیا۔ یہ بھی واضح ہوا کہ سر سے جوئیں نکال کر مار دینا اور موذی جانوروں کو ہلاک کرنا جائز ہے۔

۱۲۔ حضرت ام حرام کے بھائی حرام بن ملحان بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ انہیں عامر بن طفیل نے قتل کیا تھا۔

۱۳۔ حضرت ام حرام کے خاوند حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فلسطین میں سب سے پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے بہتر برس کی عمر میں آپ کی وفات مقام رملہ یا بیت المقدس میں ہوئی تھی۔

بَابُ دَرَجَاتِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کے درجات

يُقَالُ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْ وَهٰذَا سَبِيْلِىْ

ہذا سبیلی وھذہ سبیلی مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہے۔

۲۵۹۸۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ جَلَسَ فِىْ اَرْضِهِ الَّتِىْ وُلِدَ فِيْهَا قَالُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا خواہ اللہ کے راستے

یَا رَسُولَ اللّٰہِ اَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِلْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ مَا بَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰہَ فَاسْئَلُوْہُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّہٗ اَوْسَطُ الْجَنَّۃِ وَاَعْلَی الْجَنَّۃِ اُرَاہُ قَالَ وَفَوْقَہٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْہُ تَفَجَّرُ اَنْھَارُ الْجَنَّۃِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ فُلَیْحٍ عَنْ اَبِیْہِ وَفَوْقَہٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ (بخاری)

میں جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیدیں؟ آپ نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں ہے اسلیے جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے درمیانی درجہ ہے اور جنت کے سب سے بلند درجے پر (میرا خیال ہے کہ آنحضور نے اعلی الجنۃ کی بجائے فوقہ فرمایا تھا) رحمان کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ محمد بن فلیح نے اپنے والد کے واسطہ سے وفوقہ عرش الرحمٰن ہی روایت کی ہے (دونوں کا مفہوم ایک ہے)

۱۲۹۹۔ عَنْ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ اللَّیْلَۃَ رَجُلَیْنِ اَتَیَانِیْ فَصَعِدَا بِیَ الشَّجَرَۃَ فَاَدْخَلَانِیْ دَارًا ھِیَ اَحْسَنُ وَاَفْضَلُ لَمْ اَرَ قَطُّ اَحْسَنَ مِنْھَا قَالَا اَمَّا ھٰذِہِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّھَدَآءِ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے رات دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے۔ پھر وہ مجھے لے کر درخت پر چڑھے اور اس کے بعد مجھے ایک ایسے مکان میں لے گئے جو نہایت خوبصورت اور پاکیزہ تھا۔ ایسا خوبصورت مکان میں نے نہیں دیکھا۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ گھر شہیدوں کا گھر ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ حدیث ہذا میں اوسط افضل کے معنیٰ میں ہے اور اعلیٰ کا اوسط پر عطف تاکید کے لیے ہے۔ ۲۔ علامہ طیبی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اوسط سے علو حسی اور اعلیٰ سے علو معنوی مراد ہے ۳۔ امام ابن حبان علیہ الرحمۃ نے فرمایا اوسط بمعنی اعلیٰ بلندی کے معنیٰ میں ہے ۴۔ منہ کی ضمیر فردوس کی طرف راجع ہے جس سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں ۵۔ حدیث معراج میں ہے جنت کی نہریں سدرۃ المنتہیٰ سے نکلتی ہیں۔ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑیں جنت الفردوس میں ہیں۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ جنت کی نہریں، جنت الفردوس کے درخت سدرہ کی جڑ سے پھوٹتی ہیں ——— اور جنت الفردوس کے اوپر عرش اعلیٰ ہے جیسا کہ اس کی شایانِ شان ہے۔ ۶۔ فردوس سریانی زبان کا لفظ ہے اس کے معنیٰ اس باغ کے ہیں جس میں ہر قسم کے پھل ہوں ۷۔ اس حدیث سے مجاہد فی سبیل اللہ کی فضیلت واضح ہے اور اس طرف اشارہ بھی ہے کہ غیر مجاہد بھی بنیتِ خالص یا جہاد کے مساوی اعمال سے جنت الفردوس کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اسی لیے حضور نے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس طلب کرنے تلقین فرمائی اور یہ جنت الفردوس مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے بھی ہے (فتح الباری ج ۶ ص ۱۳) ۸۔ حضور علیہ السلام کی عادتِ کریمہ ہے کہ کبھی بعض ارکان اسلام کا ان کی عظمت کی وجہ سے جنت کی بشارت دی جاتی ہے مگر مراد کل ارکانِ اسلام

ہوتے ہیں۔ ۹۔ حدیث نمبر ۲۵۹۹ کے ایک راوی ابو رجا ہیں۔ ان کا نام عمران بن ملحان العطاردی البصری ہے انہوں زمانہ نبوی پایا مگر ملاقات نہ کر سکے۔

بَابُ الْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

باب اللہ کی راہ میں صبح و شام جانا اور

وَقَابَ قَوْسِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ

جنت میں ایک ہاتھ جگہ کی فضیلت

۲۶۰۰۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اللہ کے راستے میں گزرنے والی ایک صبح یا شام دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر ہے

۲۶۰۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَابُ قَوْسٍ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّمَّا تَطْلُعُ عَلَیْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ وَ قَالَ الْغَدْوَةُ اَوِ الرَّوْحَةُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّمَّا تَطْلُعُ عَلَیْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں ایک ہاتھ جگہ اس کی تمام پہنائیوں سے بڑھ کر ہے جہاں سورج طلوع و غروب ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام اس سے بڑھ کر ہے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

۲۶۰۲۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّوْحَةُ وَالْغَدْوَةُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے راستے میں ایک صبح و شام دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل الروحہ زوال شمس سے غروب تک اور الغدوہ طلوع شمس سے زوال تک جہاد میں مصروف رہنے کے ہیں۔ مقصود حدیث یہ ہے کہ جہاد میں تھوڑا وقت مصروف رہنا بھی آخرت میں اجر عظیم کا باعث ہے اور یہ کہ اگر کوئی شخص دنیا کی تمام اشیاء کا مالک ہو جائے اور انہیں راہ خدا میں خرچ کر دے تو آخرت کا تھوڑا ثواب بھی اس سے افضل و بہتر ہے۔

بَابُ الْحُوْرِ الْعِیْنِ وَصِفَتِهِنَّ

باب بڑی آنکھوں والی حوریں اور انکے اوصاف

یُحَارُ فِیْهَا الطَّرْفُ شَدِیْدَةُ سَوَادِ الْعَیْنِ شَدِیْدَةُ بَیَاضِ الْعَیْنِ زَوَّجْنَاهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ اَنْكَحْنَاهُمْ

جن کے حسن سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں۔ جن کی آنکھوں کی پتلی خوب سیاہ اور سفیدی بھی بہت صاف ہوگی اور زوجنا ہم کے معنیٰ انکحنا ھم کے ہیں

۲۶۰۳۔ عَنْ حُمَیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ

حمید نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ يَسُرُّهُ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَاَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا اِلَّا الشَّهِيْدَ لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَاِنَّهُ يَسُرُّهُ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً اُخْرٰى قَالَ وَسَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَرَوْحَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْغَدْوَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ اَوْمَوْضِعُ قِيْدِهٖ يَعْنِي سَوْطَهٗ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَوْ اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْهُ رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَاْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (بخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی بھی اللہ کا بندہ جسے مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ سے خیر و ثواب ملا ہے، دنیا و مافیہا کو پاکر بھی دوبارہ یہاں آنا پسند نہیں کرے گا لیکن شہید اس سے مستثنیٰ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں) شہادت کی فضیلت کو دیکھے گا تو چاہے گا کہ دنیا میں دوبارہ آئے اور پھر قتل ہو۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام بھی گزاردینا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور کسی کے لیے جنت میں ایک ہاتھ جگہ بھی یا (راوی کو شبہ ہے) ایک قید جگہ، قید سے مراد کوڑا ہے، دنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور اگر جنت میں کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو زمین و آسمان اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ منور ہو جائیں اور خوشبو سے معطر ہو جائیں۔ اس کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے

فوائد ومسائل اس حدیث میں بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے ثواب کا بیان ہے اور یہ کہ کوئی مرنے والا دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو نہیں کرتا مگر شہید کرتا ہے کیونکہ شہید کو اللہ تعالیٰ جو خاص مرتبہ و مقام عطا فرماتا ہے اور جس لطف و کرم سے نوازتا ہے اور حوران بہشتی اس کا استقبال کرتی ہیں۔ یہ ایک ایسی لذت ہے جس کے دوبارہ حصول کے لیے وہ تمنا کرتا ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے اور میں راہ خدا میں جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں

حورانِ بہشتی کا حسن وجمال امام محمد بن کعب قرظی نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اگر جنت کی حوروں سے کوئی اپنے ہاتھ کا کنگن دنیا پر ظاہر کردے تو اس کی روشنی چاند اور سورج کی روشنی کو ماند کر دے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنت میں ایک حور ہے جس کا نام عینار ہے اگر وہ سمندر میں اپنا لعاب ڈال دے تو سمندر کا پانی میٹھا ہو جائے (عینی ج ۱۴ ص ۹۴) غور کیجئے جب جنت کی حور کے حسن وجمال کا یہ عالم ہے تو بلاتمثیل اللہ کے محبوب و مطلوب حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی کیا کیفیت ہوگی جنہیں اللہ تعالیٰ نے حسن کل، حسن کامل اور جمال بے مثل عطا فرمایا ہے ؎

وہ حسن ہے ٹھہرنا نظر کا محال ہے
دیکھے رخ نبی کسے تاب مجال ہے

بَابُ تَمَنِّی الشَّهَادَةِ

باب، شہادت کی تمنا کرنا

۲۶۰۴- اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر مومنین کی جماعت کے کچھ افراد ایسے نہ ہوتے جن کا دل مجھے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور مجھے خود اتنی سواریاں میسر نہیں کہ انہیں سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں تو کسی سریہ سے نہ رکتا۔ جو اللہ کے راستے میں غزوہ کے لیے جا رہا ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میری تو آرزو ہی یہی ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ حدیث فیوض جلد اوّل کتاب الدعان میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ شہادت کی موت کی تمنا کرنا جائز ہے بلکہ ایمان کا تقاضا ہے۔

۲۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اگر بعض مسلمانوں پر گراں نہ ہوتا تو جہاد کے کسی سریہ سے پیچھے نہ رہتا۔ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات مسلمانوں پر شفقت و رحمت اور سامانِ حرب و ضرب کی قلت کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں فرماتے تھے۔ اس حدیث سے جہاد اور شہادت کی فضیلت اور شہادت کی تمنا کرنے کا استحباب ثابت ہوا۔ اور یہ کہ جہاد کی ایک قسم فرض کفایہ ہے۔ نووی ج ۲ ص ۱۳۳۔ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا۔ کسی مصلحت راجحہ یا دفع فساد کے لیے کسی اہم کام کو ترک کر دینا مستحب ہے فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۔

حضور نے جہاد میں شہید ہونے کی تمنا کیوں فرمائی ۳۔ حضور علیہ السلام نے راہِ خدا میں قتل ہونے کی تمنا فرمائی حالانکہ آپ کے قتل پر جہاد میں کوئی قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ پھر آپ نے یہ تمنا کیسے فرمائی۔ جواب یہ ہے کہ جہاد کی فضیلت و اہمیت کے اظہار اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے آپ نے ایسی تمنا فرمائی۔ جیسے کہ آپ نے حیا کی فضیلت کے اظہار کے لیے فرمایا کہ حیا اگر پتھر میں بھی ہو تو اس میں حسن پیدا کر دیتی ہے۔

شہادت کی تمنا کا مطلب ۴۔ اللہ کی راہ میں شہادت کی جو دعا کی جاتی ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے بھی کی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم کافروں ظالموں اپنے اوپر مسلط کرنے کی دعا کر رہے ہیں کہ وہ ہم کو قتل کر دیں بلکہ اس کا مطلب اس مرتبہ و مقام کے حصول کی دعا کرنا ہے جو

اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لیے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہے۔ محدث کبیر علامہ احمد علی صاحب سہارنپوری شارح بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ مَعْنَی الدُّعَاءِ بِالشَّهَادَةِ هُوَ طَلَبُ مَرْتَبَةٍ قُدِّرَتْ لِلشُّهَدَاءِ وَلَيْسَ الْمَقْصُوْدُ طَلَبُ تَسْلِيْطِ الْكَافِرِ وَالظَّالِمِ عَلَيْهِ (بخاری ج ۱ حاشیہ ۳۹)

جیش اور سریہ کے معنی ۵۔ احادیث میں جیش اور سریہ کے الفاظ آئے ہیں۔ جیش لشکر کو اور سریہ لشکر کے ایک حصہ کو کہتے ہیں۔ جیش عام ہے یعنی وہ لشکر جو کسی وقت بھی نقل و حمل کرے۔ خواہ اس کی تعداد کچھ بھی ہو اور سریہ چار سو گھوڑے سوار فوجیوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ سری یسری کے معنی رات میں سفر کرنے کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج بھی رات کے ایک حصہ میں واقع ہوا۔ اسی لیے قرآن نے سفر معراج کو اسریٰ کے لفظ سے بیان فرمایا۔ سریہ کو سریہ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ رات میں چلتا ہے۔

۲۶۰۵ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنْ غَيْرِ اِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهٗ وَقَالَ مَا يَسُرُّنَا اَنَّهُمْ عِنْدَنَا قَالَ اَيُّوْبُ اَوْ قَالَ مَا يَسُرُّهُمْ اَنَّهُمْ عِنْدَنَا وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ فرمایا فوج کا جھنڈا اب زید نے اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ شہید کر دیئے گئے، پھر جعفر نے لیا وہ بھی شہید کر دیے گئے پھر عبداللہ بن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے اور اب کسی ہدایت کا انتظار کیے بغیر خالد بن ولید نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور ان کے ہاتھ پر فتح ہوئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ہمیں اس کی خواہش بھی نہیں تھی کہ یہ لوگ (جو شہید ہو گئے ہیں) ہمارے پاس زندہ رہتے۔ ایوب نے بیان کیا یا آپ نے یہ فرمایا کہ انھیں کوئی اس کی خواہش بھی نہیں تھی کہ وہ ہمارے ساتھ زندہ رہتے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔ نیز امام نے یہ حدیث کتاب المغازی میں بھی ذکر کی ہے ۲۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ان شہداء کی یہ تمنا نہ تھی کہ وہ دنیا میں رہتے یعنی مرتبۂ شہادت پانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں جس عزت و کرامت اور ثواب سے نوازا اس کی بناء پر وہ دنیا میں رہنے کی خواہش نہیں رکھتے۔ ۳۔ یہ بھی واضح ہوا کہ فطری طور پر غم اور رنج کے موقع پر آنسوؤں کا نکل آنا معیوب نہیں ہے البتہ مصیبت کے وقت ناشکری کے کلمات زبان پر لانا اور صبر و ضبط کا دامن چھوڑ دینا یا سینہ پیٹنا منع ہے جیسا کہ حدیث میں حضور نے فرمایا۔ جو مصیبت کے وقت چہرہ پر طمانچے مارے، گریبان چاک کرے زمانہ جاہلیت کے سوگ کو اپنائے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ حدیث ہذا کا واقعہ موتہ کی لڑائی سے متعلق ہے۔ نبی علیہ السلام نے ۸ھ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں تین ہزار کا لشکر موتہ کی طرف روانہ فرمایا تھا اور

ہدایت بھی فرمائی تھی۔ زید بن حارث کی شہادت کے بعد جعفر ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ لشکر کی قیادت کریں۔ دیکھیے لشکر کی روانگی کے وقت ہی حضور نے اشارہ فرمادیا تھا کہ ان حضرات کے مقدر میں شہادت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے زید پھر جعفر پھر عبداللہ شہید ہوئے۔ یہ بات اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پھر اس پر بھی غور کیجیے کہ حضرت خالد بن ولید جو اسی لشکر میں شامل تھے۔ ان کا ذکر حضور نے شہیدوں میں نہیں کیا یعنی حضور کو پہلے ہی معلوم تھا کہ موتہ کی لڑائی میں صرف تین کمانڈر شہید ہوں گے اور ان کے بعد لشکر کو بغیر امیر کے نہ چھوڑنے کے لیے حضرت خالد امیر کے فرائض ادا کریں گے اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جیسا حضور نے فرمایا ویسا ہی ہوا ——— موتہ ملک شام میں ہے۔ لشکر کی روانگی کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں جلوہ افروز ہو کر خطبہ دیا۔ موتہ کی جنگ کا نقشہ صحابہ کو بتایا کہ حضرت زید بن حارثہ پھر حضرت جعفر پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر دی۔ اس کے بعد فرمایا۔ اب فوج کا جھنڈا حضرت خالد نے اٹھایا ہے اور ان کی قیادت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔

۵۔ یہ بھی غور فرمائیے کہ کہاں مدینہ منورہ اور کہاں شام میں موتہ کا مقام حضور مدینہ میں تشریف رکھتے ہوئے موتہ میں شہید ہونے والے کمانڈروں کی نام بنام شہادت کا ذکر فرما رہے ہیں اور آپ کی چشمان حق بین سے آنسو جاری ہیں ——— معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کو ایسی بے مثل آنکھیں عطا فرمائی ہیں کہ جن کے لیے مسافت، پہاڑ درخت وغیرہ حجاب نہیں بنتے۔ بشر بشر کی رٹ لگانے والے سوچیں کہ کیا اس شان کا بشر عالم امکان میں سوائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور ہے؟ آپ کی شان تو یہ ہے ع نیچی نظریں کل کی خبریں۔

مفسر کبیر علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے کتاب خصائص کبریٰ میں اس حدیث کے تحت ایسا ہی لکھا ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ

۶۔ حضرت جعفر بن ابی طالب مساکین سے محبت کرتے تھے انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے ان کی کنیت ابو المساکین رکھ دی تھی۔ شہادت کے بعد حضرت جعفر کو نبی علیہ السلام نے ذوالجناحین کا لقب عطا فرمایا۔ غزوہ موتہ میں ان کے دونوں بازو کٹ گئے تھے۔ ان کے متعلق حضور نے فرمایا۔ میں نے گزشتہ رات حضرت جعفر کو جبریل و میکائیل اور فرشتوں کی جماعت کے ساتھ ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا۔ ان کے دو پر ہیں جو اللہ نے انہیں ان کے بازوؤں کی جگہ عطا فرمائے ہیں (فتح الباری ج ۷ ص ۷۴)

۷۔ حضرت زید بن حارثہ قبیلہ بنی کلب سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حکیم بن حزام نے اپنی چچی حضرت خدیجہ کے لیے خرید لیا۔ پھر حضرت خدیجہ نے انہیں حضور علیہ السلام کو ہبہ کر دیا۔ حضور نے انہیں اپنا متبنّٰی بنا لیا۔ ان کے والدین نے مکہ آ کر حضور نبوت عرض کی کہ زید کا فدیہ لے لیں۔ حضور نے حضرت زید کو اختیار دے دیا۔ مگر حضرت زید نے حضور کا در نہیں چھوڑا۔ حضور علیہ السلام حضرت زید پر بہت لطف و کرم فرماتے تھے۔ جہاد میں لشکر کی امارت بھی ان کے سپرد

کرتے تھے (فتح ج ۷ ص ۸۷)

۸۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ بنی حارث بن خزرج کے سردار تھے۔ تمام غزوات میں نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے بڑے دلیر، شجاع اور مجاہد تھے۔ حضور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دوران خطبہ آپ نے کسی سے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ یہ سنتے ہی مسجد کے باہر جہاں کھڑے تھے بیٹھ گئے۔ حضور کو ان کے اس عمل کی خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور زیادہ اللہ اور رسول کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ ان شعراء میں سے تھے جو نبی علیہ السلام کی طرف سے مخالفین کی بے ہودہ گوئی کا جواب دیا کرتے تھے (اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۶/۲۲۰)

الغرض یہ تینوں مقدس صحابی موتہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ يُصْرَعُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

باب جو شخص راہِ خدا میں سواری سے گر کر وفات پا

فَمَاتَ فَهُوَ مِنْهُمْ

جائے وہ مجاہدین میں شمار ہوگا۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَقَعَ وَجَبَ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلتا ہے۔ پھر اس کو موت آلیتی ہے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔

یہ سورۂ نساء کی آیت ۱۰۰ ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ یدرکہ الموت عام ہے کہ وہ کافروں سے جنگ کرتا ہوا وفات پا جائے یا سواری سے گر کر یا بیمار ہو کر وفات پا جائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے یہی فرمایا ہے (فتح الباری)

۲۶۰۲۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث انس ذکر کی ہے جو مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۹۷۔ خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے گھر آرام فرما ہوئے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کے لیے جا رہے ہیں جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ خواب حضور نے دوبار دیکھا اور دونوں بار حضرت ام حرام نے عرض کی۔ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرما دے۔ حضور نے فرمایا تم سب سے پہلے لشکر کے ساتھ ہوگی۔

فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِهَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ غَازِيًا اَوَّلَ مَا رَكِبَ الْمُسْلِمُوْنَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِيَةَ فَلَمَّا انْصَرَفُوْا مِنْ غَزْوِهِمْ قَافِلِيْنَ فَنَزَلُوا الشَّامَ فَقُرِّبَتْ اِلَيْهَا دَابَّةٌ لِتَرْكَبَهَا فَصَرَعَتْهَا فَمَاتَتْ (بخاری)

چنانچہ وہ اپنے شوہر عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے سب سے پہلے بحری بیڑے میں شریک ہوئیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غزوہ سے لوٹتے وقت جب شام (کے ساحل پر) لشکر اترا تو ام حرام رضی اللہ عنہا کے قریب سواری لائی گئی تاکہ اس پر

سوار ہو جائیں لیکن جانور نے انھیں گرا دیا اور ان کی وفات ہو گئی۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ راہِ خدا میں جہاد کی نیت سے جانے والا، اگر کفار سے لڑے بغیر وفات پا جائے تو وہ بھی مجاہد ہے اور اسے شہید کا مرتبہ عطا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے شہید جیسا ثواب عطا فرمائے گا۔

سمندری جہاد جائز ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حج، عمرے اور جہاد کے سوا بحری سفر سے منع فرمایا ہے لیکن امام داؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں۔ عینی ج ۱۴ ص بعض صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ سمندری سفر سے منع فرمایا کرتے تھے یہ یا تو نہی شفقت ہے یا اس کا مطلب یہ ہے بلا وجہ سمندری سفر نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ تو واضح طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام نے جہاد اور دوسری ضروریات (تجارت وغیرہ) کے لیے سمندری سفر کیا ہے۔ نیز سمندری سفر کے جواز پر صحابہ کا اتفاق ہے۔ سلف سے خلف تک سمندری سفر کیا جاتا رہا ہے اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

بَابُ مَنْ يُنْكَبُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب جو راہِ خدا میں زخمی ہوا

۲۶۰۷۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامًا مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ اِلٰى بَنِيْ عَامِرٍ فِيْ سَبْعِيْنَ رَجُلًا فَلَمَّا قَدِمُوْا قَالَ لَهُمْ خَالِيْ اَتَقَدَّمُكُمْ فَاِنْ اَمَّنُوْنِيْ حَتّٰى اُبَلِّغَهُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِلَّا كُنْتُمْ مِنِّيْ قَرِيْبًا فَتَقَدَّمَ فَاَمَّنُوْهُ فَبَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَوْمَؤُا اِلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَطَعَنَهُ فَاَنْفَذَهُ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثُمَّ مَالُوْا عَلٰى بَقِيَّةِ اَصْحَابِهِ فَقَتَلُوْهُمْ اِلَّا رَجُلًا اَعْرَجَ صَعِدَ الْجَبَلَ قَالَ هَمَّامٌ وَاَرَاهُ اٰخَرَ مَعَهُ فَاَخْبَرَ جِبْرِيْلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ قَدْ لَقُوْا رَبَّهُمْ فَرَضِيَ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ فَكُنَّا نَقْرَأُ اَنْ بَلِّغُوْا قَوْمَنَا اَنْ قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ فَدَعَا

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم کے ستر افراد بنو عامر کے پاس بھیجے تھے جب یہ سب حضرات (بیر معونہ پر) پہنچے تو میرے ماموں (حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں بنو سلیم کے یہاں پہلے جاتا ہوں، اگر مجھے انھوں نے اس بات کا امن دیدیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ان تک پہنچاؤں (تو فبہا) ورنہ تم لوگ میرے قریب تو ہو ہی، چنانچہ وہ ان کے یہاں گئے اور انھوں نے امن بھی دے دیا۔ ابھی وہ قبیلہ کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنا ہی رہے تھے کہ قبیلہ والوں نے اپنے ایک آدمی (عامر بن طفیل) کو اشارہ کیا اور اس نے نیزہ آپ کے پیوست کر دیا۔ نیزہ آر پار کر دیا۔ اس وقت ان کی زبان سے نکلا، اللہ اکبر، کامیاب ہو گیا میں کعبہ کے رب کی قسم! اس کے بعد قبیلہ والے حرام رضی اللہ عنہ کے بقیہ ساتھیوں کی طرف (جو ٹھیم میں ان کے ساتھ تھے اور ستر کی تعداد میں تھے۔) بڑھے اور سب کو قتل کر دیا۔ البتہ ایک صاحب، جو لنگڑے تھے پہاڑ پر چڑھ گئے۔

عَلَيْهِمْ اَنْ يَّعِنْ صَبَاحًا عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَبَنِىْ لِحْيَانَ وَبَنِىْ عُصَيَّةَ الَّذِيْنَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (بخاری)

ہمام (راوی حدیث) نے بیان کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک صاحب اور ان کے ساتھ (پہاڑ پر چڑھے) تھے۔ (عمرو بن امیہ ضمیری) اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے جا ملے ہیں، پس اللہ خود بھی اس سے خوش ہے اور انہیں بھی خوش کر دیا ہے۔ اس کے بعد ہم (قرآن کی دوسری آیتوں کے ساتھ یہ آیت بھی) پڑھتے تھے (ترجمہ) ہماری قوم کے لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آملے ہیں۔ پس ہمارا رب ہم سے خود بھی خوش ہے اور ہمیں بھی خوش کر دیا ہے۔" اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن تک صبح کی نماز میں قبیلہ رعل، ذکوان، بنی لحیان اور بنی عصیہ کے لیے دعاءِ ہلاکت فرمائی۔ جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی۔

فوائد و مسائل ۱۔ یُنْکَبُ۔ مضارع مجہول ہے۔ نکبۃ کے معنی آدمی کے کسی عضو کا زخمی ہونا اور اس سے خون بہنا، علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ نکبۃ کا معنی کسی بھی حادثہ کا پیش آنا ہے۔

۲۔ اس روایت میں امام بخاری کے شیخ حفص بن عمر کو وہم ہوا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے قبیلہ بنی سلیم کے لوگوں کو نہیں بلکہ جن لوگوں کو تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا وہ انصار میں سے تھے۔ جو نہایت متقی، پرہیزگار، قاری قرآن تھے ان کی تعداد ستر تھی۔ ان قاریوں کو بنی عامر کے پاس برائے تبلیغ خود انہیں کی درخواست پر بھیجا تھا۔ ان قرار کے ساتھ غداری کرنے والے قبیلہ بنی سلیم کے رعل، ذکوان اور عصیہ تھے جنہوں نے دھوکہ سے ان قرار کو شہید کر دیا۔ علامہ تورپشتی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

واقعہ بیر معونہ جن اصحاب کو نبی علیہ السلام نے تبلیغ اسلام کے لیے نجد کی طرف روانہ فرمایا وہ نہایت متقی، پرہیزگار تھے۔ ان کو اصحابِ صفہ بھی کہا جاتا ہے۔ جب مسلمانوں پر سخت مصیبت نازل ہوتی تو یہ مسلمانوں کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ قاری حضرات بیر معونہ پہنچے تو رئیس المشرکین عامر بن طفیل نے ان پر حملہ کر دیا اور قبیلہ بنی سلیم کے عصیہ، ذکوان، رعل کے قبائل نے مل کر ان ستر قاریوں کو شہید کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے ان ستر قاریوں پر منذر بن عمر کو امیر مقرر فرمایا تھا۔ یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے چار ماہ بعد ۴ھ ماہ صفر میں پیش آیا تھا (عینی ج ۷ ص۱۸۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قرار کی شہادت کا بہت رنج ہوا اور آپ نے چالیس دن تک صبح کی نماز میں قبیلہ رعل، ذکوان بنی لحیان اور بنی عصیہ کے لیے دعاءِ ہلاکت و ضرر فرمائی۔

واقعہ بیرِ معونہ پر شبہات کے جوابات، حضور علیہ السلام نے ستر صحابہ کو شہید کرنے والے مشرکین کے لیے جو دعائے ہلاکت فرمائی وہ وحی الٰہی کے تابع تھی؟ کیا حضور کی یہ دعا قبول ہوئی؟ آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ کا صحیح مفہوم، حضور کو غیب کا علم ہوتا تو ستر قاریوں کو نجد روانہ نہ فرماتے؟ مسئلۂ نسخ آیات

علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ دھوکہ باز اور ناحق قتل کرنے والے ظالم اور غدار کافروں کے لیے نام

لے کر دعاءِ ہلاکت وضرر کرنا جائز ہے۔

۳۔ ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام نے کفار پر جو لعنت فرمائی اور ان کے لیے ہلاکت کی دُعا فرمائی تو یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تھی۔ سورۂ احقاف میں فرمایا۔

اَنْ اَتَّبِعَ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی	آپ فرمادو میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں

تو نبی علیہ السلام کا ان کفار و مشرکین کے لیے دُعاءِ ہلاکت لعنت فرمانا وحی الٰہی کے اتباع میں ہی تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ (آلِ عمران ۱۲۸)	یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب نازل کرے

حضور کو کفار کے لیے دعاءِ ہلاکت سے روک دیا۔ کیوں روک دیا؟ یہ سوال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ وہ قادر و قدیر خدا ہے۔ جس چیز کا حکم دے پھر چاہے تو اسی سے منع فرما دے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْئَلُوْنَ (انبیاء ۲۳)	اللہ تعالیٰ کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے اور بندوں سے ان کے افعال کا سوال کیا جائیگا۔

پس یہ دعاءِ ہلاکت بھی وحی الٰہی کے اتباع میں تھی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنی مصلحت و مشیت کے مطابق نبی علیہ السلام کو دعائے ہلاکت سے منع فرما دیا۔ ممانعت کے حکم میں یہ مصلحت ہے کہ ان کفار و مشرکین میں سے یا ان کی اولاد میں سے اسلام قبول کریں گے ـــــــ قرآنِ مجید میں ایک حکم دینے کے بعد اس کو منسوخ کرنے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ سورہ بقرہ آیت ۲۴۰ میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر فرمائی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ایک سال عدت کو منسوخ فرما کر بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن مقرر فرمادی اور اب یہی حکم ہے (سورہ بقرہ آیت ۲۳۴) ـــــــ اسی طرح ابتداء میں ایک مسلمان کو دس کافروں سے لڑنے اور ان کے مقابل ثابت قدم رہنے کا حکم دیا تھا۔ (سورہ　　) اس کے بعد سورہ انفال ۶۵/۶۶ میں فرمایا۔ دس گنے کافروں پر غالب رہیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا کہ مسلمانوں کا ایک دس کافروں کے مقابل سے نہ بھاگے (اور ثابت قدم رہے) پھر آیت اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ (انفال ۶۶) نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر شفقت فرماتے ہوئے تخفیف فرما دی۔ یعنی دس گنے سے مقابلے کی فرضیت منسوخ فرمادی اور دُگنے کافروں کے مقابلے سے بھاگنا ممنوع رکھا (یعنی ایک سو مسلمانوں کا دو سو کافروں کے مقابل قائم اور ثابت قدم رہنا فرض قرار دے دیا۔

۴۔ نیز دعاءِ ہلاکت وضرر سے اللہ تعالیٰ کا حضور کو روک دینا اس حکمت و مصلحت پر مبنی تھا کہ بعض کفار کا اسلام قبول کرنا مقدرات سے تھا چنانچہ جن کے لیے حضور نے دعاءِ ہلاکت فرمائی ان میں سے حضرت سفیان اور خالد بن ولید وغیرہ مشرف بہ اسلام ہوئے ـــــــ آیت لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ الخ سے منکرینِ شانِ نبوت یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام

کو کوئی اختیار نہیں ہے لیکن یہ استدلال باطل ہے کیونکہ اس کا تعلق اختیار عطائی کی نفی سے نہیں ہے بلکہ خلق کی نفی سے ہے یعنی حضور علیہ السلام کسی کے دل میں ایمان اور توبہ کی توفیق پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ خلقِ شئ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے۔
سورہ قصص آیت ۵۶ میں فرمایا۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ | بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو

مطلب آیت یہی ہے کہ کسی کے دل میں ہدایت کا پیدا کر دینا اللہ ہی کو زیبا ہے۔ ہدایت کا پیدا فرمانا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ــــ اور شوریٰ کی آیت ۵۲ میں ہدایت کی نسبت حضور کی ذاتِ اقدس کی طرف فرمائی گئی ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ | بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو

اس آیت میں تصریح ہے کہ نبی علیہ السلام راہِ حق بتاتے اور اس کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں ــــ غرضیکہ سورہ قصص میں خلقِ ہدایت کی نفی ہے کہ حضور کسی کے دل میں ایمان پیدا نہیں فرما سکتے۔ یہی آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ الخ کی کیفیت ہے۔

۴۔ اس موقع پر یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضور علیہ السلام کی دُعا قبول نہ ہوئی جو آپ کی شانِ محبوبیت کے خلاف ہے کیونکہ حضور نے کفار کے لیے جو دعائے ہلاکت وضرر فرمائی تھی وہ سب کے لیے نہ تھی بلکہ بعض کے لیے تھی چنانچہ بعض کفار ہلاک ہوئے اور آپ کی دُعا قبول ہو گئی۔ علامہ آلوسی، امام رازی اور علامہ اسماعیل حقی نے رُوح البیان میں اس آیت کے تحت صراحۃً واشارۃً ایسا ہی لکھا ہے۔

۵۔ مُنکرینِ شانِ رسالت کی یہ بڑی بدبختی ہے کہ وہ آیات واحادیث میں اپنی جہالت وشقاوت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وشرف اور آپ کی علمی فضیلت کے انکار کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں اور آپ کی شان میں نقص کے جویاں رہتے ہیں۔ سچ فرمایا ہے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے کہ ے

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے　　پھر کہے مردک کہ ہوں اُمت رسول اللہ کی

حدیث زیرِ بحث کے سلسلہ میں بھی منکرینِ شانِ رسالت یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ اگر حضور کو غیب کا علم ہوتا تو آپ رئیس المشرکین عامر بن مالک کی فرمائش پر ستر جلیل القدر قاری قرآن کو تبلیغ واشاعتِ دینِ اسلام کے لیے نجد روانہ نہ فرماتے۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ شبہ شرعًا وعقلاً باطل اور ان کی کورباطنی اور شقاوتِ ازلی کا آئینہ دار ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً علم تھا کہ کفار دھوکہ وفریب سے کام لے کر ان ستر قاریوں کو شہید کر دیں گے۔ چنانچہ صحاح کی کتابوں میں تصریح ہے کہ جب عامر نے استدعا کی کہ اہلِ نجد میں اسلام کی تبلیغ کے لیے کچھ صحابہ کو بھیج دیجئے تو آپ نے صحابہ کو روانہ کرنے سے قبل عامر سے فرمایا تھا کہ اِنِّىْ اَخْشٰى عَلَيْهِمْ اَهْلَ نَجْدٍ مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی صحابہ کو قتل کر دیں گے تو باوجودیکہ آپ کو اہلِ نجد کی غداری اور صحابہ کی شہادت کا علم تھا آپ نے اہلِ نجد کی استدعا پر صحابہ کو تبلیغ دین کے لیے نجد بھیج دیا تاکہ یہ کفار کل روزِ قیامت یہ عذر پیش نہ کر سکیں۔ الٰہی ہم نے قبول اسلام کے لیے تیرے نبی سے مبلغ طلب کیے مگر تیرے نبی نے نہیں بھیجے۔ نیز نبی علیہ السلام نے یہ تعلیم بھی دی کہ جان کے خوف سے تبلیغِ اسلام سے نہیں رُکنا چاہیے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے

کہ جان کے خوف سے تبلیغ دین (جہاد) میں شامل نہ ہونا ایک مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ جہاد میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ مجاہد محفوظ ہی رہیں۔ بلکہ یقین ہوتا ہے کہ بعض یقیناً شہید ہوں گے نیز شہادت کی موت ایک ایسی عظیم و جلیل نعمت ہے جس کی آرزو خود نبی کریم نے فرمائی ہے۔ نبی کریم نے ان ستر قاریوں کو اس نعمت کے حصول کا موقع عطا فرمایا اور خود ان قاریوں کے قلوب بھی راہ خدا میں شوقِ شہادت سے معمور تھے۔ اگر جان کے خوف سے تبلیغ دین کو چھوڑنا جائز ہوتا تو جہاد کیسے شروع ہوتا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان ستر قاریوں کی شہادت مشیتِ الٰہی تھی۔ حضور ان کی شہادت اور مشیت دونوں سے باخبر تھے اور مشیتِ الٰہی کے خلاف نوبڑی سے بڑی شخصیت ایک تنکا ادھر سے ادھر نہیں کرسکتی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم کے مطابق کہ یہ قرار شہید ہو جائیں گے ان کو نجد میں تبلیغ کے لیے نہ بھی بھیجتے تو بھی مشیتِ الٰہی کے مطابق بہرحال انھیں شہید ہونا تھا۔

ہمارے بعض علمار نے منکرین علم رسالت کے شبہ کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اہلسنت وجماعت نبی علیہ السلام کے لیے علم ماکان ویکون کا جو اثبات کرتے ہیں وہ تدریجی ہے یعنی قرآنِ مجید کے کامل و مکمل نزول کے بعد آپ کا علم مکمل ہوا اور آپ ماکان ومایکون کے عالم ہوگئے۔ لہٰذا اس وقت ان ستر قرار کے شہید ہونے کا حضور کو علم نہ تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا ——— لیکن یہ جواب اس موقع پر دینا درست دکھائی نہیں دیتا کیونکہ ان ستر قرار کی شہادت کے بعد تو حضور علیہ السلام کے علاوہ تمام صحابہ کو ان کی شہادت کا علم ہوگیا تھا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ ان ستر قرار کی شہادت کا علم اللہ تعالیٰ نے بعد میں عطا فرما دیا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ جب ان کی شہادت کے بعد حضور کو ان کی شہادت کا علم ہوگیا تو بعد میں اللہ تعالیٰ کا ان کی شہادت کا علم فرما دینا تحصیلِ حاصل ہی ہے۔

۶۔ اس حدیث میں ہے کہ وہ ان ستر قرار جنہیں نبی علیہ السلام نے نجد کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا، ان سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کے متعلق آیت نازل ہوئی تھی۔ جو حدیثِ زیرِ بحث میں ذکر کی گئی ہے۔ ہم نے اس پر خط کھینچ دیا ہے۔ یہ آیت منسوخ ہوگئی جس سے آیات کے نسخ ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ نسخ عام ہے کبھی آیت کی تلاوت باقی رہتی ہے اور حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ کبھی آیت کی تلاوت منسوخ کر دی جاتی ہے جیسا کہ زیرِ بحث آیت کا حال ہے۔ نسخِ آیات کا مسئلہ قرآنِ مجید میں واضح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا (بقرہ ۱۰۶)	جو کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے۔ قرآنِ مجید نے سابق شریعتوں اور کتبِ قدیمہ کو منسوخ کیا تو کفار کو بہت وحشت ہوئی اور انہوں نے اس پر طعن کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ منسوخ بھی اللہ کی طرف سے اور ناسخ بھی اور دونوں عین حکمت کی بنا پر ہیں۔ ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ آسان اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ قدرت و مصلحتِ الٰہی پر یقین رکھنے والوں کو نہ تو اس میں کوئی اعتراض کی گنجائش ہے اور نہ تردد کی ——— کائنات کا مشاہدہ کرنے سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے رات کو اور گرما سے سرما کو، جوانی سے بچپن کو، بیماری سے تندرستی کو، بہار سے خزاں کو منسوخ فرماتا

ہے۔ یہ تمام نسخ و تبدل اسکی قدرت کے دلائل ہیں تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں تو اہلِ ایمان کو کوئی تعجب اور اعتراض نہیں ہونا چاہیئے ـــــ جس طرح ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوتی ہے اسی طرح حدیثِ متواتر سے بھی ہوتی ہے۔ نسخ کبھی صرف تلاوتِ آیت کا ہوتا ہے کبھی صرف حکم کا اور کبھی تلاوت و حکم دونوں کا ہوتا ہے ـــــ بیہقی نے ابرامامہ سے روایت کی کہ ایک انصاری صحابی تہجد کے لیے اور سورہ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہیں آئی۔ سوائے بسم اللہ کے کچھ نہ پڑھ سکے۔ صبح کو صحابہ سے اس کا ذکر کیا۔ ان حضرات نے کہا ہمارا بھی یہی حال ہے۔ وہ سورت ہمیں بھی یاد تھی اور اب ہمارے حافظہ میں بھی نہ رہی۔ سب نے بحضور بہترت واقعہ عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا آج شب وہ سورۃ اٹھالی گئی۔ اس کے حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہوئے۔ جن کاغذوں پر وہ لکھی گئی تھی ان پر نقش تک باقی نہ رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان صہ ۱۹)

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ فلاں سورت طول میں سورہ توبہ کے برابر تھی۔ اس کا کافی حصہ بھلا دیا گیا (مسلم) ـــــ واضح ہو کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۶ میں اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرمایا ہے کہ آیات کے منسوخ ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت و مشیت کے مطابق اس آیت کو بھلا دیتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۃ اعلیٰ میں فرمایا گیا۔ اے حبیب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے پس اس کو بھولیں گے نہیں

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ٥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ | (مگر ان آیات کو بھول جائیں گے) جن کو اللہ تعالیٰ بھلانا (منسوخ کرنا) چاہے۔

اب قرآنِ پاک کی کسی آیت کو منسوخ کر دینا یا ذہنوں سے بھلا دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور یہ بات قرآنِ پاک کی حفاظت اور تغیر و تبدل سے پاک ہونے کے منافی نہیں ہے۔ ہاں اگر قرآن کی کسی آیت کو کوئی انسان منسوخ کرتا یا تبدیل کر دیتا تو یہ بات قابلِ اعتراض ہوتی۔ مگر قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے۔

۷۔ خوب یاد رکھیے بعض لوگ اسی مضمون کی احادیث جس میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں صحابی نے فرمایا یہ سورت بہت طویل تھی اب ایسی نہیں ہے یا فلاں آیت ہم اس طرح پڑھتے تھے اب نہیں پڑھتے، سے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ اہلسنت بھی معاذ اللہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں۔ ان کا ایسا کہنا محض مغالطہ دینا ہے اور اہلسنت وجماعت پر افترا و بہتان ہے۔ نسخ یا بھلا دینے کو قرآن میں تغیر و تبدل کا نام دینا غلط اور واقعہ کے خلاف ہے نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن کی تعریف یہ ہے کہ وہ نظم و معنیٰ کا مجموعہ ہے اور نقلِ متواتر سے ہم تک پہنچا ہے لہٰذا وہ احادیث جن میں منسوخ التلاوت آیات کا ذکر ہے انہیں اب قرآن نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن نقلِ متواتر سے ثابت ہے اور یہ اخبارِ احاد ہیں۔ اس لیے قرآن کی قطعیت میں کوئی شبہ وارد نہیں ہو سکتا۔

کیا نبی علیہ السلام نے کبھی کوئی شعر کہا اور کیا حضور کو شعر کا علم دیا گیا

۸۔ شارح بخاری علامہ کرمانی نے فرمایا۔ انگلی کے زخمی ہونے پر حضور نے جو دو بیت ارشاد فرمائے یہ تو شعر ہیں؟ اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے شاعر ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ اس اشکال

کا جواب یہ ہے کہ یہ شعر نہیں بلکہ رجز ہے جسے شعر نہیں کہتے۔ امام اخفش کا بھی یہ موقف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ راجز کو شاعر نہیں کہتے کیونکہ شعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقفیٰ مسجع ہو اور عروض کے ضابطہ کے مطابق ہو ــــ نیز شعر وہ کلام ہے جسے قصد و ارادہ سے موزوں، مسجع اور مقفیٰ بنایا جائے اور جو کلام بغیر ارادہ کے موزوں ہو جائے وہ نہ تو شعر ہے اور نہ اس کے متکلم کو شاعر کہتے ہیں (عینی ج ۱۴ ص ۹۹)

۹۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ میں کفار کے اس الزام کا جواب ہے جو وہ نبی علیہ السلام پر لگاتے تھے کہ یہ شاعر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جواب میں فرمایا۔ ہم نے اپنے محبوب کو شعر کا ملکہ نہیں دیا۔ میرا رسول شاعر نہیں ہے۔

اور سورہ الحاقہ میں ارشادِ باری ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ	بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔

۱۰۔ ایک بڑی عجیب بات جو مری ناقص عقل میں نہیں آتی وہ شارح بخاری حضرت علامہ بدر محمود عینی قدس سرہ العزیز (جن کے علم و فضل کے مقابل راقم کی کوئی حیثیت نہیں ہے) ان کا یہ ارشاد ہے کہ بَانَّ الشِّعْرَ لَا بُدَّ فِيْهِ مِنْ قَصْدٍ ذٰلِكَ فَمَا لَمْ يَكُنْ مَصْدَرَهٗ عَنْ نِيَّتِهٖ لَهٗ وَرُوْيَةٍ فِيْهِ وَاِنَّمَا هُوَ عَلَى اِتِّفَاقِ كَلَامٍ يَقَعُ مَوْزُوْنًا بِلَا قَصْدٍ لَيْسَ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ (وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ ـ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کلام بغیر ارادہ و قصد کے موزوں مسجع و مقفیٰ ہو جائے اس کو شعر نہیں کہتے جیسے قرآن مجید کی سورہ سبا آیت نمبر ۱۳ ــــ راقم کو اشکال یہ ہے کہ یہ جواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق تو صحیح ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے درست ہوگا؟ کیا سورہ سبا کی آیت جو کلامِ موزوں اور مسجع و مقفیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر ظہور میں آئی ہے؟ یہ بات تو اللہ کی شان کے خلاف ہے، واللہ اعلم۔

کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر اور سحر کا علم نہیں دیا گیا

۱۱۔ منکرینِ شانِ رسالت کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ غلط استدلال اور مغالطہ کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیع علم کو محدود کرنے کی سعی ناکام کی جائے اور اہلسنت کے اس موقف کی کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جمیع اشیاء اور غیب کا علم عطا فرمایا" کو بے بنیاد شبہات کے ذریعے غلط قرار دیا جائے۔

۱۲۔ علم شعر اور سحر کی حضور علیہ السلام کی ذات سے نفی کے لیے ایک مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم عطا نہیں فرمایا اور یہ آپ کے لائق بھی نہ تھا۔ اس سلسلہ میں مثلاً کمال الدین کاشفی کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ حضور کی زبانِ مبارک وزنِ شعر سے موافقت نہیں کرتی تھی ــــ پھر عوام کو مغالطہ دینے کے لیے یہ استدلال کرتے ہیں۔ جو علوم سراسر بُرے ہیں اور جن کی قباحت شرعاً ثابت ہے جیسے کہانت، علم شعر اور علم سحر وغیرہ، ایسے قبیح اور بُرے علوم کے ساتھ حضور علیہ السلام کیسے متصف ہو سکتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی غلط دعویٰ ہے کہ نبی علیہ السلام کو ایسے علوم سے متصف مانا جائے جو بُرے اور قبیح ہیں۔ ان قبیح علوم کا حضور کو عالم ماننا، شانِ نبوت کے

بھی خلاف ہے۔ منکرینِ شانِ رسالت کے ان شبہات کے جوابات یہ ہیں۔

اولاً۔ یہ کہنا کہ بُری اور قبیح اشیاء کا علم بھی بُرا اور قبیح ہوتا ہے عقلاً و نقلاً ہر طرح غلط اور مضحکہ خیز دعویٰ ہے کیونکہ کسی بھی بُری اور قبیح چیز کا علم بُرا اور قبیح نہیں ہوتا۔ ہاں بعض اوقات جس چیز کا علم ہے یعنی معلوم، وہ بُرا اور قبیح ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر علم شعر و سحر و کہانت وغیرہ بُرے اور معیوب ہونے کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ اس لیے حضور کو معاذ اللہ شعر اور سحر کا علم نہیں ہے تو منکرینِ شانِ نبوت بتائیں کہ شعر و سحر اور کہانت کا علم اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو شعر، سحر اور کہانت کا علم ہے اور یقیناً علم ہے (یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو) تو اپنے استدلالِ باطل کے مطابق تمہیں یہ کہنا چاہیے کہ چونکہ یہ علم قبیح ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی شعر و سحر کے علم سے جاہل ہے۔ معاذ اللہ۔ کیونکہ بقول تمہارے بُری چیزوں کا علم بھی بُرا ہوتا ہے۔

بُری اور قبیح اشیاء کا علم فی نفسہٖ بُرا نہیں ہوتا

۱۳۱۔ حق یہ ہے اور تمام ائمہ دین، محدثین، مفسرین، عقلاء اور منکرین کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی بھی چیز کا علم فی نفسہٖ قبیح نہیں ہوتا خواہ وہ چیز بُری ہو یا اچھی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دریں جا باید دانست کہ علم فی نفسہٖ مذموم نیست۔ (تفسیر عزیزی پارہ اول صفحہ ۴۸۰) کہ علم خواہ کسی چیز کا ہو، فی نفسہٖ مذموم (بُرا) نہیں ہوتا (خواہ وہ چیز بُری ہو یا اچھی) البتہ علم سے ناواقفیت کم استعدادی اور ناقابلیت ہے —— نیز فرماتے۔ دوم آنکہ آں علم اگرچہ فی نفسہٖ ضررے ندارد ولیکن ایں کس بسبب قصورِ استعدادِ خود دقائقِ آں علم را نمی تواند دریافت و چوں بدقائقِ آں نرسید در جہلِ مرکب گرفتار شد —— یہ خوب ظاہر اور مسلّم ہے کہ قصورِ استعداد اور ناقابلیت اور جہلِ مرکب ہمارے حضرت کے لیے ناممکن تو حضرت کے لیے اس علم کا عالم ہونا نہ شانِ نبوت کے خلاف نہ خلافِ واقع (تفسیر عزیزی پارہ اول صفحہ ۴۸۱)

علامہ فخر رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۶۴۶ پر رقمطراز ہیں:۔

(المسئلۃ الخامسۃ) فِیْ اَنَّ الْعِلْمَ بِالسِّحْرِ غَیْرُ قَبِیْحٍ وَّلَا مَحْظُوْرٍ اِتَّفَقَ الْمُحَقِّقُوْنَ عَلٰی ذٰلِکَ لِاَنَّ الْعِلْمَ لِذَاتِہٖ شَرِیْفٌ وَاَیْضًا لِعُمُوْمِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ وَلِاَنَّ السِّحْرَ لَوْ لَمْ یَکُنْ یُعْلَمُ لَمَّا اَمْکَنَ الْفَرْقُ بَیْنَ الْمُعْجِزِ وَالْعِلْمِ یَکُوْنُ الْمُعْجِزُ مُعْجِزًا وَاجِبٌ وَّمَا یَتَوَقَّفُ الْوَاجِبُ عَلَیْہِ فَهُوَ وَاجِبٌ فَهٰذَا یَقْتَضِیْ اَنْ یَّکُوْنَ تَحْصِیْلُ الْعِلْمِ بِالسِّحْرِ وَاجِبًا وَّمَا یَکُوْنُ وَاجِبًا کَیْفَ یَکُوْنُ حَرَامًا وَّقَبِیْحًا

حاصل یہ کہ علم سحر نہ قبیح ہے نہ ممنوع اور اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کیونکہ علم لذاتہٖ شریف ہے نیز آیہ هل یستوی الذین الخ کا عموم بھی اس کی دلیل ہے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر سحر معلوم ہی نہ ہو تو سحر و معجزہ میں فرق کرنا بھی ممکن نہ ہو اور معجزہ کے ہونے کا جاننا واجب ہے اور واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔ تو یہ مقتضی ہے کہ علم سحر کا حاصل کرنا بھی واجب ہو اور جو چیز واجب ہو وہ حرام و قبیح کس طرح ہو سکتی ہے۔

(تفسیر کبیر)

واضح ہوا کہ نفسِ علم خواہ سحر کا ہو یا کسی اور چیز کا ہرگز قبیح و ممنوع نہیں ہے۔ اور جس کو علم شعر حاصل ہی نہیں، اس کا عمل ناجائز سے بچنا کمال نہیں ہے۔ ہاں یہ کمال ہے کہ عالم ہو اور عمل پر قدرت ہو پھر بچے، دیکھئے نابینا آدمی کا نامحرم کو نہ دیکھنا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ وہ دیکھنے پر قادر ہی نہیں البتہ بینا کا نامحرم کو نہ دیکھنا کمال ہے کہ باوجود قدرت کے جس کا دیکھنا شرعاً ممنوع ہے، اسے نہ دیکھنا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے لکھتے ہیں۔ ونیز چوں شخصے قواعدِ سحر را دانستہ از استعمالِ او در محلِ ناپسندیدہ احتراز نماید مستحقِ مزید ثواب گردد کہ باوجود قدرت از گناہ باز ماند۔ (تفسیر عزیزی ۴۷۴)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

اس میں شک نہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس علم سے واقف ہیں مگر احکام شرعی کی طرح اس کی تعلیم نہیں فرماتے۔ علمِ سحر نیز از علومِ الٰہیہ است بقائے آں علم در نوعِ انسان منظورِ نظرِ خداوندی بود وشانِ انبیا نیست کہ این قسم علوم ضارہ را کہ بسبب آں علوم اعتقادِ تاثیراتِ مخلوقات وغفلت از تاثیرِ خالق جا کرد تبلیغ نمایند مانندِ علوم فلسفہ از ریاضیات وطبعیات کہ ضرر آنہا بیشتر از نفع آنہاست۔ نیز انبیاء علیہم السلام بیان نمی کنند وازاں دیدہ ودانستہ سکوت میفرمایند۔

خلاصہ یہ ہے کہ علمِ سحر یعنی جادو بھی علومِ الٰہیہ میں سے ہے اور نوعِ انسان میں اس کا باقی رکھنا اللہ عزوجل شانہ کو منظور ہے اور انبیاء کرام کی یہ شان نہیں کہ اس قسم کے علوم کی تبلیغ فرمائیں اور لوگوں کو سکھائیں۔ اس لیے کہ کم ظرف، کم استعداد والوں کے لیے یہ علوم نقصان دہ ہیں کہ ان کو ان کی وجہ سے مخلوقات یعنی کواکب وغیرہا کی تاثیرات کا اعتقاد اور خالق جل شانہ کی تاثیر سے غفلت ہوگی۔ اس صورت میں مثل علوم فلسفہ، ریاضی طبعیات کے ان علوم کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہوگا۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام دیدہ ودانستہ، باوجود جاننے اور عالم ہونے کے ان علوم سے سکوت فرماتے ہیں اور لوگوں کو نہیں سکھاتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی ص۴۷۳)

جادو حق ہے یعنی ایک حقیقت ہے اس کا علم حاصل کرنا فی نفسہٖ جائز ہے

۱۴۔ واضح ہو کہ جادو ایک حقیقت ہے اور اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے البتہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ جادوگر ہوا میں اُڑے، انسان کو حیوان اور حیوان کو انسان سے بدل دے۔ کچھ منتر، کچھ الفاظ، کچھ طریقے، کچھ کلمات ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے اور جن میں یہ تاثیر ہے کہ ان کے ذریعے کسی کو بیمار کردیا جائے یا میاں بیوی میں جُدائی اور نفرت پیدا کردی جاتی ہے۔ سورہ بقرہ میں جادو کی تاثیر کے متعلق ارشاد باری ہے:۔

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (بقرہ) | جادو کے ذریعے جُدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں

نیز قرآن نے یہ تصریح کی ہے کہ جادو میں تاثیر تو ہے مگر یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی مشیت نہ ہو تو جادو اپنا اثر نہیں دکھا سکتا۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا | اور جادو سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر اللہ کے

بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ، ۱۰۲) | حکم سے

جادو ایک فن ہے اس کا حاصل کرنا فی نفسہ جائز ہے کیونکہ معیوب سے معیوب اشیاء کا علم کمال ہے یعنی علم کسی چیز کا بھی معیوب نہیں ہوتا۔ البتہ بعض اوقات معلوم معیوب ہوتا ہے۔ دیکھئے کفر و شرک، حرام و ناجائز کا علم کمال ہے مگر معلوم یعنی کفر و شرک حرام و ناجائز اشیاء معیوب ہیں جب تک حرام کا علم نہ ہو حلال کا علم کیسے ہوگا۔ کفر و شرک کا علم نہ ہو توحید کا علم کیسے ہوگا۔ اسی طرح (سحر) کا علم کمال ہے اور اس کا علم حاصل کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جیسے کفر و شرک کا علم حاصل کر کے اس کا اعتقاد حرام و ناجائز اور کفر ہے ایسے وہ جادو جس میں الفاظ کفر ہوں یا ستاروں کی تاثیر کو مؤثر سمجھا جائے۔ یا شیاطین وغیرہ کی پوجا کی جائے تو یہ حرام اور کفر ہے اور جادو کے ذریعے مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام و گناہ کبیرہ ہے۔

فنِ شعر کا علم رکھنے والے کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ شعر کہنے پر قادر ہو

۱۵۔ نیز علامہ کمال الدین کاشفی کے اس ارشاد سے کہ حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک شعر کے ساتھ موافقت نہ کرتی تھی۔ یہ استدلال کرنا کہ حضور کو شعر کا علم نہ تھا غلط اور باطل ہے۔ دیکھئے کتنے ہی عروض قوافی کے جاننے والے فنِ شعر کے ماہر شعر کہنے پر قادر نہیں ہوتے تو کیا ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا؟ کہ یہ لوگ شعر کے صحیح و غلط، ردی و جید ہونے میں تمیز نہیں کر سکتے اور فنِ شعر کے قواعد و ضوابط اور مصطلحات سے ناواقف ہیں؟ ایسا کوئی کودن محض بھی نہیں کہہ سکتا؟ ہاں یہی کہا جائے گا کہ مذکورہ بالا افراد کو فنِ شعر و شاعری کا علم تو ہے مگر شعر گوئی کا ملکہ نہیں ہے۔ ہمارے روزمرہ کے محاورے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم لکھنا نہیں جانتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ املا یا رسم الخط یا حروف کی صورت و ہیئت اور قواعد کا علم اس کو نہیں ہے بلکہ اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ جانتا تو ہے، علم تو رکھتا ہے مگر لکھنے کا ملکہ نہیں ہے۔ روٹی کیسے پکتی ہے؟ تیراندازی کیسے کی جاتی ہے عموماً سب کو اس کا علم ہوتا ہے مگر روٹی پکا کر اور تیر نشانے پر لگا کر نہیں دکھا سکتے۔ کسی فن کی کتاب پڑھ لیجئے آپ کو تیرنے کے قواعد و ضوابط کا علم حاصل ہو جائے گا اور آپ جان جائیں گے کہ پانی میں تیرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو تیرنے کا علم تو آپ کو حاصل ہو گیا مگر آپ پانی میں تیر کر نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ آپ کو تیرنے کا علم تو ہے کہ کس طرح تیرتے ہیں مگر ملکہ نہیں ہے۔ اور ملکہ کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہوتی۔

علم بمعنی ملکہ

۱۶۔ رہی یہ بات کہ علم ملکہ کے معنیٰ میں آتا ہے تو یہ بدیہی بات ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر زبان میں علم ملکہ کے معنیٰ میں بکثرت استعمال ہوا ہے چنانچہ توضیح میں ہے۔ وَلَا نُسَلِّمُ اَنَّ لَا دَلَالَةَ جُزْئِيَّاتُ اللَّفْظِ الْعِلْمِ عَلَى التَّهَيُّؤِ الْمَخْصُوْصِ فَاِنَّ مَعْنَاهُ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلٰى اِدْرَاكِ الْاَحْكَامِ وَاِطْلَاقُ الْعِلْمِ عَلَيْهَا شَائِعٌ فِي الْعُرْفِ كَقَوْلِهِمْ فِي تَعْرِيْفِ الْعُلُوْمِ، اَلْعُلُوْمُ عَلٰى كَذَا فَاِنَّ الْمُحَقِّقِيْنَ عَلٰى اَنَّ الْمُرَادَ بِهٖ هٰذِهِ الْمَلَكَةُ وَيُقَالُ لَهَا الصِّنَاعَةُ اَيْضًا لَا نَفْسُ الْاِدْرَاكِ مسلم الثبوت میں ہے وَاُجِيْبَ بِاَنَّهٗ لَا يَضُرُّ لَا اَدْرِيْ لِاَنَّ الْمُرَادَ الْمَلَكَةُ۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ملا محمد مبین رحمۃ اللہ علیہما اپنی اپنی شرحوں میں فرماتے ہیں لِاَنَّ الْمُرَادَ بِالْعِلْمِ الْمَلَكَةُ عمدۃ المخالفین مولوی بشیر الدین اپنی شرح کشف المبہم میں لکھتے ہیں لِاَنَّ الْمُرَادَ بِالْعِلْمِ

فِی نَزْلِہِمْ اَلْعِلْمُ بِاَحْکَامِ الْمَلَکَۃِ

اس طرح احادیث میں بھی علم بمعنی ملکہ کا استعمال شائع ذائع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو

اَلسِّبَاحَۃَ وَالرِّمَایَۃَ (مسند الفردوس دیلمی) | تیرنا اور تیر اندازی سکھاؤ

ظاہر ہے اور منکرین شانِ نبوت کو بھی یہ تسلیم ہے کہ اس حدیث میں محض تیرنا اور تیر اندازی کے مفہوم و معنیٰ کو بچوں کے ذہن نشین کرا دینا اس کی پوری کیفیت سنا اور سمجھا دینا یا تیر اندازی اور پانی میں تیرنے والوں کا دکھا دینا مراد نہیں ہے بلکہ مشق و محنت کرا کے تیر اندازی اور تیرنے پر قادر کر دینا مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں علم سے مراد ملکہ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں وارد ہے۔ عَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ الخ سورہ) میں علم سے مراد ملکہ ہی ہے۔

آیت مَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ الخ سے یہ استدلال کرنا کہ حضور کو فنِ شعر کا علم نہیں تھا غلط اور باطل ہے

۱۷۔ ہمارے پیش کردہ ان حقائق سے واضح ہوا کہ آیت ما علمناہ الشعر سے یہ استدلال کرنا کہ حضور علیہ السلام کو فنِ شعر کا علم نہیں تھا غلط اور باطل ہے۔ تمام مفسرین نے تصریح کی ہے کہ آیت میں علم کی نہیں بلکہ ملکہ کی نفی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح و غلط، موزوں اور غیر موزوں میں امتیاز فرمانے کا علم حاصل ہے۔ کسی مفسر نے اس آیت سے نبی علیہ السلام کے لیے علم شعر کی نفی مراد نہیں لی۔

چنانچہ تفسیر خازن میں ہے۔ اَیْ مَا یَسْھُلُ لَہٗ ذَالِکَ وَمَا یَصْلُحُ مِنْہُ بِحَیْثُ لَوْ اَرَادَ۔ نَظْمَ شِعْرٍ لَمْ یَتَاَتَّ لَہٗ ذَالِکَ تفسیر مدارک میں ہے اَیْ جَعَلْنَاہُ بِحَیْثُ لَوْ اَرَادَ الشِّعْرَ لَمْ یَتَاَتَّ لَہٗ وَلَمْ یَتَسَھَّلْ تفسیر کبیر میں ہے قَالَ قَوْمٌ مَا کَانَ یَتَاَتّٰی لَہٗ وَاٰخَرُوْنَ مَا یَتَسَھَّلُ لَہٗ حَتّٰی اَنَّہٗ اِنْ تَمَثَّلَ بَیْتَ شِعْرٍ سَمِعَ مِنْہُ مُزَاحِفًا۔ علامہ ابوسعود ابن کثیر میں لکھتے ہیں کہ وَمَا یَصْلُحُ لَہُ الشِّعْرُ وَلَا یَتَاَتّٰی لَہٗ لَوْ طَلَبَہٗ اَیْ جَعَلْنَاہُ بِحَیْثُ لَوْ اَرَادَ قَرْضَ الشِّعْرِ لَمْ یَتَاَتَّ لَہٗ

تفسیر روح البیان ج ثالث ص ۲۸۲ میں ہے وَفِی التَّھْذِیْبِ الْبَغْوِیِّ مِنْ اَئِمَّتِنَا قِیْلَ کَانَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یُحْسِنُ الشِّعْرَ وَلَا یَقُوْلُہٗ وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ کَانَ لَا یُحْسِنُہٗ وَلٰکِنْ کَانَ یُمَیِّزُ بَیْنَ جَیِّدِ الشِّعْرِ وَرَدِیْئِہٖ وَلَعَلَّ الْمُرَادَ بَیْنَ الْمَوْزُوْنِ مِنْہُ وَغَیْرِ الْمَوْزُوْنِ۔ نیز روح البیان جلد ثالث ۸۷۷ میں فرمایا لَمَّا کَانَ الشِّعْرُ لَا یَنْبَغِیْ لِلْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ لَمْ یَصْدُرْ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِطَرِیْقِ الْاِنْشَاءِ دُوْنَ الْاِنْشَادِ اِلَّا مَا کَانَ بِغَیْرِ قَصْدٍ مِّنْہُ وَکَانَ کُلُّ کَمَالٍ بَشَرِیٍّ تَحْتَ عِلْمِہِ الْجَامِعِ فَکَانَ یُجِیْبُ کُلَّ فَصِیْحٍ وَبَلِیْغٍ وَشَاعِرٍ وَاَشْعَرَ وَکُلَّ قَبِیْلَۃٍ بِلُغَاتِہِمْ وَعِبَارَاتِہِمْ وَکَانَ یُعَلِّمُ الْکِتَابَ وَعِلْمَ الْخَطِّ وَاَھْلَ الْحِرَفِ حِرْفَتَہُمْ وَلِذَا کَانَ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ

غور کیجیے، مفسرین نے کہیں بھی آیت کا مطلب یہ نہیں بتایا کہ نبی علیہ السلام کو شعر کا علم نہیں ہے بلکہ ملکہ کی نفی مراد

لی ہے اور تصریح کی ہے کہ چونکہ آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں سکھایا گیا۔ اس لیے اگر آپ شعر کہنا چاہتے تو وہ آپ کی زبانِ اقدس پر جاری نہ ہوتا تھا مگر آپ کو فنِ شعر اور شعر کے صحیح و سقیم، موزوں اور غیر موزوں ہونے کا علم ہے اور یہ کہ شعر چونکہ انبیاء کی شان کے لائق نہیں اس لیے آپ سے بطریقِ انشاء صادر نہیں ہوا البتہ بلا قصد ہوا ہے اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر بشری کمال کے جامع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر فصیح و بلیغ اور شاعر و اشعر کو اور ہر ہر قبیلہ کے لغات اور انہی کی عبارات میں جواب دیتے تھے اور کاتبوں کو علمِ خط اور اہلِ حرفت کو فنِ حرفت کی تعلیم فرماتے تھے اسی لیے تو رحمۃ اللعالمین ہیں۔ (روح البیان)

نیز علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ آیت ما علمناہ الشعر کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور کے لیے بحیثیت نبی اور صادق البیان ہونے کے شعر گوئی مناسب نہیں کیونکہ جس کو اللہ تعلیم دے وہ جو کچھ فرماتا ہے حق ہی فرماتا ہے۔

وَهٰذَا لَا يُنَافِيْ كَوْنَهٗ فِيْ نَفْسِهٖ قَادِرًا عَلَى النَّظْمِ وَالنَّثْرِ	اور یہ بات حضور کے فی نفسہٖ نظم و نثر پر قادر ہونے کے منافی نہیں ہے

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور شعر کے جید اور ردی، موزوں اور غیر موزوں کا علم رکھتے ہیں۔ وَمَنْ كَانَ مُمَيِّزًا كَيْفَ لَا يَكُوْنُ قَادِرًا عَلَى النَّظْمِ اور جو شعر کے جید و ردی کا علم رکھے وہ کیسے نظم پر قادر نہ ہوگا۔ لیکن حضور کا شعر پر قادر ہونا (فعل) شعر گوئی کرنے کو مستلزم نہیں ہے تاکہ شعر اور شاعری کے اطلاق سے آپ کی ذات بری رہے کیونکہ شعر عموماً لغو، فرضی، بے حقیقت اور کذب پر مشتمل ہوتا ہے ـــــ اور بیشک عرب نبی علیہ السلام کی فصاحت، بلاغت، پاکیزگی کلام، الفاظ کی شیرینی اور گفتگو کی حلاوت اور اس کے سرور سے واقف تھے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال حضور علیہ السلام ہی سے ماخوذ ہے (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۲۸۲)

الغرض دلائل عقلی و نقلی سے واضح ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کو شعر کا علم ہے اور آیت میں نفی علمِ شعر کی نہیں بلکہ ملکہ کی ہے۔ البتہ ہٹ دھرمی اور نبی علیہ السلام کے فضل و کمال کو گھٹانے کا مرض لا علاج ہے۔

شعر عرفی و شعر منطقی۔ جواب دوم ۱۸۔ منکرینِ شانِ رسالت کے استدلال کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ شعر دو معنیٰ پر مشتمل ہے اوّل، کلامِ موزوں جس میں وزن، قافیہ وغیرہ کا قصد کیا گیا ہو شعر کے یہ معنیٰ عرفی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اَلشِّعْرُ هُوَ الْكَلَامُ الْمَوْزُوْنُ الَّذِيْ قُصِدَ إِلٰى وَزْنِهٖ دوم منطقی معنیٰ ہیں۔ قدماء حکماء کے نزدیک وزن، قافیہ وغیرہ شعر کا رکن نہیں ہے بلکہ شعر کا رکن صرف مقدماتِ مخیلہ ہے تو جو قیاس مقدماتِ مخیلہ سے مرکب ہو اسے منطقی شعر کہتے ہیں۔ بعض علمائے شعر منطقی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو مقدماتِ کاذبہ سے مرکب ہو۔[۱] پس قرآنِ پاک کی آیت ما علمناہ الشعر میں جو اس سے شعر کے منطقی معنیٰ مراد ہیں۔ کیونکہ قرآنِ پاک کا اسلوب

---

[۱] روح البیان ج ثالث ص ۲۸۱ میں ہے والشعر عند الحكماء القدماء ليس على وزن وقافية ولا الوزن والقافية ركن في الشعر عندهم بل الركن في الشعر ايراد المقدمات المخيلة فحسب وفيه ايضا قال بعضهم الشعر اما منطقي وهو المؤلف من المقدمات الكاذبة

شعر و شاعری سے پاک ہونا ایسا بیّن و ظاہر ہے کہ اس میں کسی عجمی کو بھی تردّد نہیں چہ جائیکہ عرب کے بلغاء اور فنِ شاعری کے ماہر قرآن کو اس معنیٰ میں کہیں یہ کسی طرح درست نہیں ہے ۔۔۔ تو لامحالہ شعر سے اس کے منطقی معنیٰ مراد لیے جائیں گے اور کفار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ازراہِ بغض و عناد شاعر، یعنی کاذب کہا کرتے تھے۔ اسی کی اللہ تعالیٰ نے ماعلمناہ الشعر فرما کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی فرمائی ہے تو آیت ماعلمناہ الشعر کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر یعنی کذب (جھوٹ بولنا) نہیں سکھایا اور کذب نہ ان کے شایانِ شان اور ان کے منصب کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے آیت میں شعر سے مراد شعر منطقی ہے[1] اور اس کے معنی کذب کے ہیں اور آیت زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات سے شعر کے علم کی نفی نہیں بلکہ کذب کی نفی فرمائی ہے۔ مطلبِ آیت یہ ہے کہ ہم نے اپنے حبیب کو جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔

۲۶۰۸۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي بَعْضِ الْمَشَاهِدِ وَقَدْ دَمِيَتْ إِصْبَعُهُ فَقَالَ شِعْر

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ
وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

حضرت جندب بن سفیان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کسی جہاد میں زخمی ہو گئی تو آپ نے فرمایا۔

تو ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی اور
تجھے جو کچھ پہنچا راہ خدا میں پہنچا

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو بخاری نے ادب، مسلم نے مغازی، ترمذی نے تفسیر و شمائل اور نسائی نے فی الیوم واللیلۃ میں ذکر کیا ہے ۲۔ کسی غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک زخمی ہو گئی اور اس سے خون نکل آیا۔ حضور نے انگلی کو مخاطب بنا کر مذکورہ بالا شعر ارشاد فرمایا۔
"تو ایک انگلی ہے جو راہِ خدا میں زخمی ہوئی اور اہمیت تو اس ثواب کی ہے جو تجھے ملا ہے"۔

بَابُ مَنْ يُجْرَحُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

باب جو راہِ خدا میں زخمی ہوا

۲۶۰۹۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو مسلمان بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوا،

---

[1] روح البیان جلد ۳ صـ ۲۸۱ والمراد بالشعر الواقع فی القرآن الشعر المنطقی سواء کان مجردا عن الوزن ام لا والشعر المنطقی اکثر ما یروج بالاصلاح قال الراغب قال بعض الکفار للنبی علیه السلام انه شاعر فقیل لما وقع فی القرآن من الکلمات الموزونة والقوافی وقال بعض المحصلین اراد انه کاذب لان ظاهر القرآن لیس علی اسالیب الشعر و لا یخفی ذالک علی الاغتام من العجم فضلا عن بلغاء العرب فانما رموه بالکذب لان اکثر ما یاتی به الشاعر کذب و من ثم سموا الادلة الکاذبة شعرا۔

يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ (بخاری)

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی ہوا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئیگا کہ اُس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، رنگ تو خون ہی جیسا ہوگا لیکن خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

فوائد و مسائل یہ جو حضور نے فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون راہِ خدا میں زخمی ہوا جملہ معترضہ ہے اور اس امر کی طرف تنبیہہ فرمائی ہے کہ یہ ثواب صرف اس کے لیے ہے جو خلوص کیساتھ رضاء الٰہی کے لیے جہاد میں حصہ لے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائیگا جس حالت میں اس کی موت واقع ہوئی ہے اور یہ کہ شہید کو غسل دیے بغیر اسکے خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جائیگا۔

باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد تم فرماؤ۔ تم ہم پر کس

بِنَا اِلَّا اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَالْحَرْبُ سِجَالٌ

چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو خوبیوں سے ایک کا

یہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵۲ ہے۔ حسنیین سے مراد فتح و غنیمت یا شہادت ہے یعنی مسلمان جب جہاد میں جاتا ہے تو اگر وہ غالب ہو تو فتح و غنیمت اور اجرِ عظیم پاتا ہے اور اگر راہِ خدا میں قتل ہو جائے تو اس کو شہادت حاصل ہوتی ہے اور مغفرت جو اس کی اعلیٰ مراد اور خواہش ہے اور الحرب سجال کا بھی یہی مطلب ہے کہ کبھی ہم ان پر غالب آتے ہیں اور کبھی کافر ہم پر۔ سجال، سجل کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنے پانی سے بھرے ہوئے ڈول کے ہیں۔
یہاں سجال مُساجلہ سے ماخوذ ہے یعنی دو مقابلہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے مقابل کی مثل کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فریقین میں سے کبھی کوئی غالب آتا ہے اور کبھی دوسرا۔

۲۶۱۰ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهٗ سَاَلْتُكَ كَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ اِيَّاهُ فَزَعَمْتَ اَنَّ الْحَرْبَ سِجَالٌ وَّدُوَلٌ وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى ثُمَّ تَكُوْنُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس نے خبر دی کہ ہرقل نے ابوسفیان سے سوال کیا۔ نبی علیہ السلام کے ساتھ تمہاری لڑائیوں کا کیا انجام ہوتا ہے تو تم نے بتایا تھا کبھی ہمارے حق میں کبھی ان کے حق میں۔ ہرقل نے کہا انبیاء کا اسی طرح امتحان ہوتا ہے۔ آخر کامیابی انہی کی ہوتی ہے۔

فوائد و مسائل یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو بدء الوحی فیوض ج اوّل میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تمام کافروں کو بغیر لڑائی کے ہلاک کر دے۔ مگر اس کی سنت یہی ہے کہ وہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کو ابتلا میں ڈالتا ہے تاکہ انھیں اجر و ثواب حاصل ہو ــــــ جہاد میں مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست، دونوں انجام نیک اور اچھے ہیں۔ فتح کی صورت میں ثواب کیساتھ غنیمت بھی ملتی ہے اور شکست کی صورت میں شہادت اور اللہ کا فضل و کرم اور اس کی نوازشیں اس کا استقبال کرتی ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ

عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق کہ مسلمانوں میں کچھ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں سے کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے

ا۔ یہ سورہ احزاب کی آیت ۲۳ ہے۔ حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ صحابہ کرام نے عہد کیا اور نذر مانی تھی کہ جب وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرنے کا موقع پائیں گے تو ثابت قدم رہیں گے حتیٰ کہ شہید ہو جائیں گے۔ ان صحابہ کرام کے متعلق اس آیت میں ارشاد ہوا کہ انھوں نے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جہاد میں ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما انتظار کر رہے ہیں کہ کب موقع آئے اور جہاد میں شریک ہو کر جان کا نذرانہ راہ خدا میں پیش کریں۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ شہید ہو جانے والے بھی اور شہادت کا انتظار کرنے والے بھی دونوں ہی اپنے عہد پر قائم رہے نیز اس آیت میں منافقین پر تعریض ہے کہ جو اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔

۲۔ امام مقاتل نے فرمایا۔ جنہوں نے اپنا عہد سچ کر دیا یعنی لیلۃ العقبہ کے موقع پر مکہ میں اور جنہوں نے اپنی منت پوری کر دی یعنی سیدالشہداء حضرت حمزہ اور ان کے ساتھی جو غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے رضی اللہ عنہم۔ ومنہم من ینتظر یعنی مومنین جو وفاء عہد کے منتظر ہیں اور انھوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا جیسے منافقوں نے توڑ دیا (عینی ج ۱۴ ص ۱۰۱)

۲۶۱۱۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ غَابَ عَمِّيْ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ غِبْتُ عَنْ اَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ الْمُشْرِكِيْنَ لَئِنِ اللهُ اَشْهَدَنِيْ قِتَالَ الْمُشْرِكِيْنَ لَيَرَيَنَّ اللهُ مَا اَصْنَعُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ وَانْكَشَفَ الْمُسْلِمُوْنَ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ يَعْنِيْ اَصْحَابَهٗ وَاَبْرَاُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ يَعْنِي الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَهٗ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ يَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ الْجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ اِنِّيْ اَجِدُ رِيْحَهَا مِنْ دُوْنِ اُحُدٍ فَقَالَ سَعْدٌ فَمَا اسْتَطَعْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا صَنَعَ قَالَ اَنَسٌ فَوَجَدْنَا بِهٖ بِضْعًا وَّثَمَانِيْنَ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ اَوْ طَعْنَةً

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں پہلی ہی لڑائی سے غیر حاضر تھا جو آپ نے مشرکین کے خلاف لڑی تھی۔ لیکن اب اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف کسی لڑائی میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دکھا دے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب اُحد کی لڑائی کا موقع آیا تو مسلمانوں کو اس میں پسپائی ہوئی تو انھوں نے کہا۔ اے اللہ جو کچھ مسلمانوں سے ہو گیا میں اس کی معذرت کرتا ہوں اور جو مشرکین نے کیا میں اس سے بیزار ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوا۔ ان سے انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا اے سعد بن معاذ! میرا مطلوب تو جنت ہے اور نضر

بِالرُّمْحِ اَوْ رَمْيَةً بِسَهْمٍ وَوَجَدْنَاهُ وَقَدْ قُتِلَ وَقَدْ مَثَّلَ بِهِ الْمُشْرِكُوْنَ فَمَا عَرَفَهُ اَحَدٌ اِلَّا اُخْتُهُ بِبَنَانِهِ قَالَ اَنَسٌ كُنَّا نُرٰى اَوْ نَظُنُّ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْهِ وَفِيْ اَشْبَاهِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ وَقَالَ اِنَّ اُخْتَهُ وَهِيَ تُسَمَّى الرُّبَيِّعُ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ امْرَاَةٍ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا فَرَضُوْا بِالْاَرْشِ وَتَرَكُوا الْقِصَاصَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ (بخاری)

کے رب کی قسم میں جنت کی خوشبو اُحد پہاڑ کے قریب پاتا ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! جو انہوں نے کر دکھایا اس کی مجھ میں سکت نہ تھی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ جب انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو ہم نے پایا تو تلوار، نیزے اور تیر کے تقریباً اسی زخم آپ کے جسم پر تھے۔ مشرکوں نے ان کا مُثلہ کر دیا تھا اور کوئی شخص انھیں پہچان نہ سکا۔ آپ شہید ہو چکے تھے۔ صرف ان کی بہن نے انگلیوں سے انہیں پہچان لیا۔ حضرت انس نے فرمایا۔ ہمارا خیال یا گمان ہے یہ آیت حضرت انس بن نضر اور ان جیسے مومنین کے بارے میں نازل ہوئی کہ مومنوں میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا الخ انہوں نے بیان کیا کہ انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بہن رُبیّع نامی نے کسی خاتون کے آگے کے دانت توڑ دیے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قصاص لینے کا حکم دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے (قصاص میں ان کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ چنانچہ مدعی تاوان پر راضی ہو گئے اور قصاص سے دست بردار ہو گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم کھا لیں تو اللہ اسے پوری فرما دیتا ہے۔

غزوۂ اُحد میں جو صحابہ میدان چھوڑ گئے۔ اللہ نے انکی کوتاہی کو معاف کر دیا۔ اب ان پر طعن کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۱۔ حدیث زیر بحث میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں بعض مسلمان میدان چھوڑ گئے تھے۔ اس حدیث میں وَانْکَشَفَ الْمُسْلِمُوْنَ کے الفاظ آتے ہیں۔ جس کے معنی میدان چھوٹ جانا، ہٹ جانا وغیرہ کے ہیں۔ اسی طرح جو صحابہ میدان سے ہٹ گئے ان کے متعلق حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے بحضور رب العلمین جل جلالہٗ عرض کی کہ الٰہی جن صحابہ نے غزوہ اُحد میں جو کچھ کیا ہے (اِنِّیْ اَعْتَذِرُ) اس سے معذرت کرتا ہوں ـــــ بعض لوگ اس واقعہ کو بڑا مرچ مصالحہ لگا کر صحابۂ کرام پر طعن کرتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام کی اس غلطی کو اللہ تعالیٰ کے معاف فرما دینے کے بعد کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ حضور کے ہمراہ سات سو صحابہ تھے۔ حضور نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، مصعب کو عَلم عطا فرمایا۔ زبیر بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ کو غیر زرہ پوش فوج کی کمان دی گئی۔ اُحد پہاڑ کی پشت سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اسلیے آپ نے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ وہاں متعین کیا، عبداللہ بن جبیر تیراندازوں کے دستہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اس دستہ کو حضور اکرم نے

یہ خصوصی ہدایت فرمائی تھی کہ "گو لڑائی ختم ہو جائے تاہم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا" ——— مگر ہوا یہ کہ کافر بھاگتے ہوئے نظر آئے تو بعض صحابہ غنیمت کا مال لوٹنے لگے، یہ دیکھ کر تیر انداز جو لشت پر مقرر تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھک گئے، پھر کیا تھا، ان تیراندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے موقع پا کر عقب سے حملہ کر دیا۔ دونوں فوجیں باہم مل گئیں اور مصعب بن عمیر جو حضور سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، شہید ہو گئے اور غل مچ گیا کہ آنحضرت نے شہادت پائی۔

خبر شہادت اور بعض صحابہ کا حضور کے مقرر کردہ مرکز سے ہٹ جانا یہ وہ بات تھی، جس نے ان کے قدم اکھاڑ دیئے، عام بدحواسی پھیل گئی۔ اس پر بھی جان نثار برابر لڑتے جا رہے تھے اور نگاہیں حضور علیہ السلام کی متلاشی تھیں کہ حضرت کعب کی نظر حضور پر پڑ گئی اور انہوں نے پکارا! مسلمانو! رسول اللہ یہ ہیں۔ یہ سن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے، کفار نے بھی اس طرف ہجوم کر لیا، صحابہ نے حضور کو دائرہ میں لے لیا، متعدد صحابی شہید ہوئے۔ بالآخر حضور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے جہاں دشمن نہ آ سکتے تھے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا، وہ فوج لے کر اوپر چڑھا، لیکن حضرت عمر اور چند صحابہ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ (بخاری و تاریخ طبری صفحہ ۱۴۱، صفحہ ۱۴۱)

ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا "یہاں محمدؐ ہیں"؟ حضور نے حکم دیا، کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کا نام لے کر پکارا۔ جب کوئی آواز نہ آئی تو پکار کر بولا، سب مارے گئے، حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا، بول اٹھے ——— "او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں"

غرض کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھی جن کو حضور اکرم نے ہدایت فرمائی تھی کہ اس درہ سے بالکل نہ ہٹنا، انہوں نے جب دیکھا کہ کفار بھاگ نکلے تو وہ درہ سے ہٹ گئے۔ بعض کہتے تھے اس درہ سے نہیں ہٹنا چاہیئے اور بعض نے یہ کہا کہ اب جب کہ کفار بھاگ نکلے ہیں تو مال غنیمت لینے میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ وہ مال غنیمت حاصل کرنے میں مشغول ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو چاہے فتح ہو جائے تم لوگ اس جگہ سے نہ ہٹنا ——— بھول گئے، مال غنیمت میں لگ گئے، یہی ان کا قصور تھا اور یہی ان سے غلطی ہوئی جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا | تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے۔ یعنی مرکز کو چھوڑ کر غنیمت حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ | اور بعض وہ تھے جنہوں نے ہدایت نبوی پر عمل کیا

تو آیت میں ان صحابہ کا مال غنیمت کے حاصل کرنے کو دنیا سے موسوم کیا گیا ہے اور ان کی اس غلطی و لغزش کو بیان کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام سے جو غلطی اور کوتاہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی معافی کا اعلان فرما دیا۔ سورہ آل عمران آیت ۱۵۵ میں فرمایا۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ | اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

اب اللہ تعالیٰ کے معاف فرما دینے کے بعد بھی جو لوگ صحابہ کرام پر طعن کریں۔ ان کا منکر قرآن ہونا واضح ہے۔ نیز

عنہم ضمیر جمع کی ہے۔ اس میں ہر وہ صحابی شامل ہے جو غزوہ اُحد میں شریک تھا جن سے غلطی اور لغزش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا۔ ایسی صورت میں قرآن پر ایمان رکھنے والے کے لیے تو غزوہ اُحد میں شریک کسی بھی صحابی پر طعن کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۵۲ میں بھی اللہ نے شرکاءِ غزوۂ اُحد کی غلطی کا اعلان ان لفظوں میں فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ　|　اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل کرتا ہے۔

اس آیت میں ایک تو شرکاءِ غزوہ اُحد کی غلطی کی معافی اور ان کے مومن ہونے کی تصریح اور یہ کہ یہ معافی اللہ کا فضل ہے جو وہ مومنوں پر فرماتا ہے ——— یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اہلسنّت کی کسی معتبر کتاب سے یہ ثابت نہیں ہے کہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں نبی علیہ السلام نے حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو بھی کھڑا کیا تھا اور اگر بالفرض یہ غلط دعویٰ مان بھی لیا جائے کہ حضور علیہ السلام نے خلفاءِ ثلاثہ کو بھی حضرت ابن جبیر کی ماتحتی میں ایک مرکز پر کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور معاذ اللہ خلفاءِ ثلاثہ نے بھی مرکز کو چھوڑ دیا تھا تو بھی خلفاءِ ثلاثہ پر اعتراض و طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آلِ عمران میں دونوں مقام پر عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ۔ جمع کی ضمیر ارشاد فرمائی ہے جس میں دیگر صحابہ کے ساتھ حضرات خلفاءِ ثلاثہ بھی شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب کی غلطی اور کوتاہی کو معاف کر دینے کا اعلان فرمایا ہے۔ ایسی صورت میں خلفاءِ ثلاثہ بھی ہر قسم کے اعتراض سے بری قرار پاتے ہیں ——— واضح ہو شیعوں کے معتبر مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے خلاصۃ المنہج جزء ۴ جلد اول ص ۲۴۹ حیات القلوب ترجمہ مقبول اور علی بن ابراہیم قمی شیعی ص ۶۵ سے بھی ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے، کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس بنا پر انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی غزوہ میں شامل ہونے کا موقع دیا تو وہ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ایک مثال قائم فرمائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا عہد پورا فرمایا۔ سورہ احزاب کی آیت ۲۳ شہداءِ بدر کے حق میں نازل ہوئی ——— حضرت انس بن نضر نے اپنی بہن کے متعلق جو فرمایا کہ حضور ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہ معاذ اللہ حکمِ شریعت سے انکار نہ تھا بلکہ انھوں نے بارگاہِ الٰہی سے یہ توقع باندھ لی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے گا اور مدعی تاوان لینے پر راضی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر ان کا ایسا یقین تھا کہ انھوں نے قسم کھالی۔ نبی علیہ السلام نے بھی ان کی ولایت کی تصدیق فرما دی کہ اللہ کے ایسے بندے بھی جو کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پوری کر دیتا ہے۔ اس حدیث پر اس سے قبل بھی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۵۲۲

۳۔ نبی علیہ السلام نے جنگ کے بعد کسی کافر کا مثلہ کرنے یعنی ناک کان اور دیگر اعضاء کو کاٹ دینے سے منع فرمایا ہے مگر حالتِ جنگ میں مثلہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔

۲۶۱۲۔ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ نَسَخْتُ الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ　|　حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے قرآن ایک مصحف میں لکھنے

فَفَقَدْتُ اٰيَةً مِّنَ الْاَحْزَابِ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ بِهَا فَالْتَمَسْتُهَا فَوَجَدْتُهَا اِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ الَّذِيْ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهٗ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ وَهُوَ قَوْلُهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (بخاری)

لگا تو میں نے سورہ احزاب کی آیت (جس ورق پر لکھی ہوئی تھی) کو نہیں پایا۔ اس آیت کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کرتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ (جس ورق پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی اس ورق کو) میں نے حضرت خزیمہ انصاری کے پاس پایا (خزیمہ وہ ہیں) جن کی تنہا گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

فوائد و مسائل

۱۔ صُحف صحیفہ کی جمع ہے۔ اس کاغذ کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ جس پر لکھا ہوا ور متعدد صحیفوں کے مجموعہ کو مصحف کہتے ہیں۔ ۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے فضائلِ قرآن اور تفسیر میں اور ترمذی نسائی نے بھی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ ۳۔ امیرالمومنین سیدنا صدیق اکبر کے دورِ خلافت میں جب قرآنِ مجید کے متفرق اور منتشر اجزاء کو ایک مصحف میں جمع کیا جانے لگا تو جمع کرنے والے اجلہ صحابہ کی جماعت میں مشہور و معروف شخصیت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ ان اوراق کو جن پر قرآن لکھا ہوا تھا ایک مصحف میں جمع کر رہے تھے تو سورہ احزاب کی ایک آیت جس مصحف پر لکھی ہوئی تھی اور جو ان کو یاد بھی تھی اور اس آیت کو انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت فرماتے ہوئے سُنا بھی تھا وہ آیت ان کو ورق پر لکھی ہوئی نہیں مل رہی تھی۔ یوں تو قرآن از اول تا آخر سینکڑوں صحابہ کرام کو یاد تھا۔ جس میں سورہ احزاب کی یہ آیت بھی شامل تھی جو زید بن ثابت کو ورق پر لکھی ہوئی نہیں مل رہی تھی۔ لیکن حضرت زید یہ چاہتے تھے کہ جیسے حضور علیہ السلام کی اپنے سامنے لکھوائی ہوئی دیگر آیات ان کے پاس موجود ہیں۔ ایسے ہی سورہ احزاب کی یہ آیت بھی جس ورق پر لکھی ہوئی ہو دستیاب ہو جائے۔ چنانچہ جب حضرت زید نے تلاش کی تو وہ ورق جس پر آیت لکھی ہوئی تھی حضرت خزیمہ کے پاس ان کو مل گئی۔ یہی زیرِ بحث حدیث کا وہ صاف و شفاف مفہوم و مطلب ہے جو ہر دیانت دار شخص کو صرف متن حدیث پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے ——— رہا حضرت خزیمہ کی خصوصیت کا ذکر تو یہ صرف ان کے تعارف کے لیے حضرت زید نے کر دیا۔ جس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ صرف حضرت خزیمہ کے پاس آیت کا ورق لکھا ہوا، مل جانے کی بنیاد پر اس آیت کو قرآن میں شامل کر دیا (معاذ اللہ) حدیثِ زیرِ بحث میں حضرت زید کا یہ اعتراف کہ میں اس آیت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کرتے ہوئے سُنتا رہا ہوں اس امر کی واضح دلیل ہے ان کو دوسری آیات کی طرح ورق پر لکھی یہ آیت بھی یاد تھی بلکہ سینکڑوں صحابہ کو یاد تھی۔ چنانچہ حضرت عمر نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ آیت حضور علیہ السلام سے سُنی ہے۔ حضرت ابی بن کعب اور ہلال بن اُمیہ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ نیز یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تواتر اور عدم تواتر کا معاملہ تو تابعین کے لیے اور دیگر کے لیے ہے۔ کیونکہ جب صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے سُن لیا کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور اس کی قرآنیت کا انہیں قطعی علم حاصل ہو گیا۔ جب صحابہ نے حضور کی زبانِ مبارک سے قرآن سُنا تو ان کے لیے تو یہی تواتر ہے۔ فافہم (عینی ج ۱۴ ص ۲۰)

(۴) اس موقع پر شارحین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ قرآنِ مجید جو کہ مصحف میں آج ہے اس کی تمام سورتیں اور آیتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریقِ تواتر منقول ہیں اور تواتر کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر دور میں اس کے اتنے ناقلین ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل محال جانے۔ یہاں سورۃ احزاب کی آیت جو کہ حضرت خزیمہ کے پاس لکھی ہوئی ملی تواتر نہیں قرار پائے گی ـــــ میری رائے میں یہاں یہ سوال اٹھانا بے محل ہے۔ حدیث زیرِ بحث میں تو یہ تصریح ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے خود یہ آیت حضور سے سُنی تھی۔ حضرت ابی بن کعب، ہلال بن اُمیّہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے بھی سُنی۔ علاوہ ازیں سینکڑوں صحابہ کرام نے اس آیت کو حضور سے سُنا اور حفظ کر لیا۔ یہ تواتر نہیں تو اور کیا ہے؟

بات صرف اس قدر تھی کہ حضرت زید بن ثابت کو یہ آیت لکھی ہوئی دستیاب نہیں ہو رہی تھی اور وہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے ان کو مل گئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر صحابہ کے پاس بھی یہ آیت لکھی ہوئی موجود ہو جن سے حضرت زید رابطہ نہ کر سکے ہوں۔ الغرض حدیث زیرِ بحث کے کسی بھی جملہ سے یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ حضرت زید بن ثابت نے صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس آیت کو پا کر اس آیت کی قرآنیت کا یقین کیا تھا۔ اور اسکو مصحف میں شامل کر لیا معاذ اللہ

حضور علیہ السلام مالکِ شریعت ہیں۔ اور حضرت خزیمہ کا مختصر تعارف

حضرت خزیمہ کی کنیت ابو عمارہ الخطمی الانصاری اور لقب ذوالشہادتین ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ وہ بیچ کر مُکر گیا اور گواہ مانگا۔ جو مسلمان آتا۔ اعرابی کو جھڑکتا کہ تیرے لیے خرابی ہو۔ حضور حق کے سوا اور کیا فرمائیں گے۔ مگر گواہی کوئی نہ دیتا تھا کہ کسی کے سامنے کا واقعہ نہ تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ حاضر ہوئے۔ گفتگو سن کر عرض کی۔

اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے حضور کے ہاتھ یہ گھوڑا بیچا ہے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تو موقع پر موجود نہ تھے۔ تم نے گواہی کیسے دی؟ اس پر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَا اُصَدِّقُكَ عَلٰى خَبَرِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَلَا اُصَدِّقُكَ عَلَى الْاَعْرَابِي (ابوداؤد، نسائی، طحاوی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، مسند ابو یعلیٰ و طبرانی)	یا رسول اللہ آسمان و زمین کی خبروں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں (حالانکہ میں نے دیکھا نہیں) تو اس اعرابی کے مقابلہ میں آپ کی تصدیق نہ کروں۔

حضور علیہ السلام کی صداقت و امانت پر اس ایمان و ایقان کے انعام میں حضور نے حضرت خزیمہ کی گواہی ہمیشہ کے لیے دو مرد گواہوں کے برابر کر دی اور فرمایا:۔

مَنْ شَهِدَ لَهُ خُزَيْمَةُ اَوْ شَهِدَ عَلَيْهِ فَحَسْبُهُ	خزیمہ جس کسی کے نفع و ضرر کی گواہی دیں۔ ایک انہیں کی گواہی کو کافی ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مالکِ شریعت ہیں جس کو چاہیں عام حکموں سے مستثنیٰ فرما دیں ـــــ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے خصائصِ کبریٰ میں ایک باب باندھا کہ یہ اس امر کے بیان میں ہے۔

بَابُ اِخْتِصَاصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب کہ نبی علیہ السلام کو خصوصی طور پر

بِاَنَّهٗ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْكَامِ (خصائص کبریٰ)

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ منصب حاصل ہے کہ آپ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرما دیں

علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی حضور علیہ السلام کا حضرت خزیمہ کی اکیلی شہادت کو دو مردوں کے برابر قرار دینا حضرت خزیمہ کے خصائص سے شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ هٰذَا مِنْ خَصَائِصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (عینی ج ۱۴ صفحہ ۱۰۴)

بَابُ عَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْقِتَالِ وَقَالَ

باب جنگ سے پہلے نیک عمل کرنا

اَبُو الدَّرْدَاءِ اِنَّمَا تُقَاتِلُوْنَ بِاَعْمَالِكُمْ وَقَوْلُهٗ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تم اپنے اعمال کے مطابق مقاتلہ کرتے ! اور اللہ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔ کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انھیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ عمارت ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔

فوائد و مسائل ۱۔ امام مقاتل نے فرمایا کہ مومنین نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو محبوب و مطلوب ہے تو اس کے متعلق اس آیت میں فرمایا کہ بہترین عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں، ایمان کے بعد راہِ خدا میں کافروں سے مقاتلہ ہے اور یہ کہ قول و عمل میں تضاد اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے —— سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جہاد کی فرضیت سے قبل مومنین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بہترین عمل کی نشاندہی فرما دے تو ہم اس پر عمل کریں۔ یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ بہترین عمل جہاد ہے وَكَرِهَ ذٰلِكَ نَاسٌ مِّنْهُمْ وَشَقَّ عَلَيْهِمُ الْجِهَادُ وَتَبَاطَؤُا عَنْهُ یعنی ان سے بعض پر یہ بات گراں گزری۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد بہترین عمل ہے اور عہد کر کے جہاد سے کترانا اللہ کو پسند نہیں ہے —— حضرت ابن زید نے فرمایا کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی جو جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ان کی مدد کرنے کا عہد کرتے رہے۔ پھر جب نبی علیہ السلام جہاد کے لیے روانہ ہوئے تو پیچھے بیٹھ گئے اور اپنے عہد و پیمان کو پورا نہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ قول و عمل کا تضاد اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

۲۶۱۳ - عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُوْلُ اَتَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ

ابو اسحاق انہوں نے براء ابن عازب سے سنا کہ نبی علیہ السلام کے حضور ایک صاحب زرہ بند حاضر ہوئے عرض کی یا

مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُقَاتِلُ أَوْ أُسْلِمُ قَالَ أَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمِلَ قَلِيلاً وَأُجِرَ كَثِيراً (بخاری)

رسول اللہ پہلے جہاد کروں یا اسلام لاؤں؟ فرمایا پہلے اسلام قبول کرو، اس کے بعد جہاد کرو چنانچہ وہ اسلام لا کے پھر کفار سے لڑے اور شہید ہو گئے (ان کے متعلق) حضور نے فرمایا عمل کم کیا اور اجر بہت پایا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث افراد بخاری سے ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اعمالِ صالحہ کی مقبولیت کے لیے ایمان شرط ہے۔ لہٰذا غیر مسلم کا کوئی عملِ نیک اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ مقبول ہے اور نہ اس کو ثواب ملے گا ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ انھوں نے عمل تو کم کیا اور ثواب بہت پایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص فضل و کرم اور احسان ہے اگرچہ ایمان لانے کے بعد کوئی ایک سجدہ کرنے کی مہلت نہ پائے تو اسے ہمیشہ کے لیے جنت الفردوس میں داخل فرما دے۔ ان صاحب نے ایمان کے بعد جہاد میں حصہ لیا جو افضل الاعمال ہے اور پھر شہید ہو گئے۔ اللہ کی طرف سے ان کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ ۲۔ امام ذہبی نے فرمایا۔ اس شخص کا نام اصرم بن ثابت اشہلی تھا اور یہ واقعہ غزوہ اُحد کا ہے۔

بَابُ مَنْ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ

باب جو نامعلوم سمت کے تیر سے شہید ہوا

۲۶۱۴۔ عَنْ قَتَادَةَ ثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ ذٰلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ قَالَ يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلٰى (بخاری)

حضرت قتادہ اور وہ حضرت انس سے راوی کہ ام الربیع بنت براء رضی اللہ عنہا جو حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی! حارثہ کے متعلق مجھے بتائیں (کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا) حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے، انھیں نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر لگا تھا۔ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور اگر کہیں اور ہے تو اس کیلئے روؤں حضور نے فرمایا، اے ام حارثہ! جنت کے بہت سے درجے ہیں اور تمہارے بیٹے کو فردوسِ اعلیٰ میں جگہ ملی ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ سہم الغرب ۔ غرب کے معنیٰ غریب کے ہیں۔ یہ لفظ ایسے تیر کے لیے بولتے ہیں۔ جس کے مارنے والے کا پتہ نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس سمت سے آیا ہے ۲۔ ام حارثہ ربیع بنت نضر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے ایک عورت کے دانت توڑ دیے تھے جس کا ذکر

حدیث ۲۵۲۲/۱۱/۲۶ میں ہوچکا ہے ——— امام ترمذی نے حضرت قتادہ سے روایت کی کہ حضرت انس نے کہا۔ ربیع بنت نضر بحضور نبوت حاضر ہوئیں۔ ان کے بیٹے حارث بن سراقہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ لہٰذا امام بخاری کو سہو ہو گیا اور انھوں نے ام حارثہ کو ام ربیع بنت براء کہہ دیا ۳۔ حضور علیہ السلام نے جب ام حارثہ سے یہ فرمایا کہ تیرا بیٹا جنت میں ہے وہ ہنستی ہوئی واپس ہوئیں اور کہا بخ بخ یا حارثہ۔ حارثہ بن سراقہ انصار میں پہلے شخص ہیں جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔

۴۔ حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو کسی نامعلوم سمت سے تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے۔

۵۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اپنی امت کے نیک اعمال کے اللہ کے ہاں بھی مقبول ہونے کا بھی علم ہے اور یہ بھی علم ہے کہ آپ کی امت کے فلاں شخص کو جنت الفردوس میں جگہ عطا ہوئی ہے اور یہ بھی کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے ۶۔ قرآن مجید کی آیت وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورہ بقرہ آیت ۱۴۳)

بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

باب جس نے اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جہاد کیا

عَنْ اَبِي مُوسٰى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهُ فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک شخص کفار سے جہاد کرتا ہے غنیمت کے حصول کی نیت سے، کوئی اپنی ذاتی شہرت کے لیے اور کوئی اس نیت سے کہ لوگ میدان جہاد میں اس کی شجاعت و بہادری کو دیکھ لیں تو ان میں سے راہ خدا میں مجاہد کونسا ہے؟ حضور نے فرمایا صرف وہ جو جہاد کرے اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا تمام نیکیوں کے ثواب کے حصول کے لیے اخلاص اور رضائے الٰہی شرط ہے تو جو شخص صرف شہرت نام نمود اور غنیمت کے حصول کی نیت سے جہاد میں شریک ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نیک و بد اعمال، ان کے ایمان کی حقیقت اور ان کے اخلاص و نفاق سے واقف ہیں

واضح ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت اور امم سابقہ کا قطعی و یقینی علم حاصل ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے حضور اپنے نور نبوت سے اپنے امتی کے نیک و بد اعمال، اس کے ایمان کی حقیقت اور اخلاص و نفاق پر مطلع ہیں۔ اسی لیے حضور کی گواہی دنیا و آخرت میں شرعاً مقبول ہے۔ اسی لیے قرآن میں حضور کی صفت شاہد بتائی

گئی ہے۔ شہادت کا لفظ علم و اطلاع کے لیے بھی آتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کے متعلق فرمایا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ اس آیت میں شہید بمعنی عالم ہے ——— حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ، سورہ بقرہ کی آیت ۱۴۳، وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

و باشد رسول شما گواہ، زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجاب کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔ لہٰذا شہادت او در دنیا و دین بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است (تفسیر عزیزی ص ۶۲۶)

تمہارے رسول دن قیامت کے تم پر گواہ ہوں گے کیونکہ وہ اپنی نبوت کے نور کے ساتھ اپنے دین پر چلنے والے کے رتبہ سے واقف ہیں کہ وہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا اور اس کے ایمان کی کیا حقیقت ہے اور جس حجاب کے تحت وہ ترقی سے رُک گیا وہ کونسا حجاب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کے گناہوں کو پہچانتے اور تم سب کے ایمان کے درجوں کو جانتے ہیں اور تمہارے سب نیک و بد اعمال سے واقف ہیں۔ لہٰذا آپ کی شہادت دین و دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حارثہ بن سراقہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جنتی ہونے کا حکم لگانا اسی بنا پر ہے کہ آپ اپنے ہر امتی کے ایمان و ایقان اور اخلاص پر مطلع ہیں۔

بَابُ مَنْ اِغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

باب جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوتے اور

وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی قَوْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورہ توبہ آیت ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ وہ رسول اللہ سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔ یہ اس لیے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں جہاں سے کافروں کو غیظ آئے اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں۔ اس سب کے بدلے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بیشک اللہ نیکوں کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

حدیث ہٰذا کی آیت سے مناسبت یہ ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ راہ خدا میں جو قدم اٹھاتے ہیں انہیں اس کا ثواب ملے گا گو کہ کافروں سے قتال کی نوبت نہ آئے اور حدیث میں بھی یہی ارشاد ہے کہ جس کے راہ خدا میں قدم غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے خواہ کافروں سے قتال کی نوبت آئے یا نہ آئے۔

۲۶۱۶ - اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے کے قدم راہ خدا میں غبار آلود

فَتَمَسَّهُ النَّارُ (بخاری)

ہوں گے اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔

حدیث وآیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور مجاہد کے اجر وثواب کا بیان ہے۔

بَابُ مَسْحِ الْغُبَارِ عَنِ الرَّاسِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب راہ خدا میں سر پر پڑے ہوئے غبار کو صاف کرنا

۲۶۱۷- اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لَهُ وَلِعَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اِئْتِيَا اَبَا سَعِيْدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهٖ فَاَتَيْنَاهُ وَهُوَ اَخُوْهُ فِيْ حَائِطٍ لَّهُمَا يَسْقِيَانِهٖ فَلَمَّا رَاٰنَا جَاءَ فَاحْتَبٰى وَجَلَسَ فَقَالَ كُنَّا نَنْقُلُ لَبِنَ الْمَسْجِدِ لَبِنَةً لَبِنَةً وَكَانَ عَمَّارٌ يَنْقُلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَنْ رَاسِهِ الْغُبَارَ فَقَالَ وَيْحَ عَمَّارٌ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَيَدْعُوْنَهٗ اِلَى النَّارِ

(بخاری)

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے اور اپنے صاحبزادے علی بن عبداللہ سے فرمایا۔ تم دونوں ابوسعید خدری کی خدمت میں جاؤ اور ان سے احادیث سنو۔ اس وقت ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کے ساتھ باغ کو پانی دے رہے تھے۔ جب انھوں نے ہمیں دیکھا تو چادر سے ہل مار کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ ہم مسجد نبوی کی اینٹیں ایک ایک کرکے ڈھو رہے تھے لیکن عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں لا رہے تھے۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ نے ان کے سر سے غبار صاف کیا اور فرمایا۔ افسوس! عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ عمار انھیں اللہ کی طرف اور وہ باغی انھیں جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ علامہ دمیاطی نے فرمایا۔ حضرت ابوسعید کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا۔ البتہ قتادہ بن نعمان ان کے مادرزاد بھائی ہوں یا رضاعی بھائی اور قتادہ بن نعمان نے عہدِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں وصال فرمایا۔

۲۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ابوسعید کی عمر تقریباً دس سال تھی اور اہلِ مکہ نے حضرت عمار بن یاسر کو ان کے گھر سے نکال کر سخت ایذائیں دی تھیں۔ مشرکین انھیں دینِ اسلام ترک کر دینے کے لیے کہتے تھے۔

۳۔ علامہ کرمانی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ آپ نے عمار بن یاسر کے متعلق فرمایا کہ وہ جنگ صفین کے موقع پر مسلمانوں کو آپس میں جنگ نہ کرنے کی ترغیب دیں گے۔ (عینی ج ۱۴ صفحہ ۱۱۱/۱۰۹)

بَابُ الْغُسْلِ بَعْدَ الْحَرْبِ وَالْغُبَارِ

باب جنگ اور غبار کے بعد غسل کرنا

۲۶۱۸- عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَجَعَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَقَدْ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے غزوہ خندق سے واپس آکر ہتھیار اتار دیے اور غسل فرمایا تو جبریل امین حاضر آئے۔ ان کے سر پر

عَصَبَ رَأْسَهُ الْغُبَارُ فَقَالَ وَضَعْتَ السِّلَاحَ فَوَاللّٰهِ مَا وَضَعْتُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيْنَ قَالَ هٰهُنَا وَأَوْمَأَ إِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ قَالَتْ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

غبار جما ہوا تھا۔ انھوں نے عرض کی آپ نے ہتھیار اُتار دیے۔ بخدا میں نے نہیں اُتارے۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا اب کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کی۔ وہاں۔ اور بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے۔

مدینہ طیبہ پر مشرکین نے حملہ کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھدوائی تھی جسے غزوہ احزاب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ۴ھ یا ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے بنی قریظہ سے جنگ کی۔ یہ اس لیے کی کہ جب حضور مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے یہود کے تینوں قبائل جن میں بنی قریظہ بھی شامل تھے یہ معاہدہ فرمایا تھا کہ اگر مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو تینوں قبائل اور مسلمان مل کر مدینہ کی حفاظت کریں گے لیکن مدینہ پر مشرکین کے حملہ (غزوہ خندق) کے موقع پر بنی قریظہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے مشرکین سے سازباز کی۔ نبی علیہ السلام نے اس کی سزا میں بنی قریظہ پر حملہ کیا اور ان کا استیصال فرمادیا۔

نوری جب لباس بشریت میں ہو تو اس پر عوارضِ بشریت طاری ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ نور ہی رہتا ہے

اس حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین ہتھیاروں سے لیس تھے۔ بنی قریظہ سے جنگ میں اور غزوہ بدر میں بھی ملائکہ نے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا تھا۔ علامہ جلال الدین علیہ الرحمۃ نے خصائص کبریٰ میں ملائکہ کا صحابہ کے ساتھ مل کر لڑنے کی کیفیت وغیرہ کی احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عزرائیل کی آنکھ پھوڑ دی تھی (مسلم) شارح مسلم علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ حضرت عزرائیل کی آنکھ بشری لباس والی پھوٹی تھی۔

معلوم ہوا کہ جب نور لباسِ بشریت میں آئے تو اس پر عوارضِ بشریت طاری ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ بشر نہیں ہو جاتا بلکہ نور ہی رہتا ہے۔

بَابُ فَضْلِ قَوْلِ اللّٰهِ

باب اللہ کے ارشاد کی فضیلت

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ إِلٰى قَوْلِهِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انھیں مُردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں۔ اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان

سے نہ ملے کہ ان پر کوئی اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم، خوشیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت کی اور فضل کی اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا۔

یہ سورہ آل عمران ۱۶۹/۱۷۱ کی آیت ہے ۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت شہدار احد کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن شانِ نزول خاص ہو تو بھی حکم اس کا عام ہوتا ہے ۔ اس لیے یہ آیت تمام شہدار فی سبیل اللہ کے لیے ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب تمہارے بھائی غزوہ اُحد میں شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے ۔ وہ جنتی نہروں پر سیر کرتے ہیں اور جنتی میوے کھاتے ہیں، طلائی قنادیل جو زیر عرش معلق ہیں ۔ ان میں رہتے ہیں ۔ جب ان شہدار نے کھانے پینے، رہنے کے لیے پاکیزہ عیش پائے تو عرض کی ہمارے بھائی مسلمانوں کو کون خبر دے جو ابھی دنیا میں ہیں) کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی اور جہاد سے بیٹھ نہ رہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہاری خبر انہیں پہنچائیں گے ۔ پس یہ آیت نازل ہوئی (ابوداؤد)

شہید کی وجہ تسمیہ

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے شہید کی وجہ تسمیہ سے متعلق متعدد قول ذکر کیے ہیں یہ کہ شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور اس کی رُوح جنت میں شاہد اور موجود ہوتی ہے ۔ اس کے برخلاف دوسرے مسلمانوں کی ارواح صرف قیامت کے دن جنت میں شاہد اور موجود ہوں گی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کے حق میں جنت کی شہادت دیتے ہیں ۔ یہ کہ اس کی روح نکلتے ہی اس اجر و ثواب پر شاہد ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ۔ یہ کہ وقتِ شہادت رحمٰن کے فرشتے اس کے پاس موجود ہوتے ہیں اور اس کی رُوح لے جاتے ہیں ۔ یہ کہ اس کا شہید ہونا اس کے ایمان اور خاتمہ بالخیر کی شہادت دیتا ہے یا اس کا خون اور زخم اس کے شاہد ہونے کے گواہ ہوتے ہیں ۔ (نووی ج ۱ ص ۸)

شہید کو موت کے فوراً بعد جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے

(۳) اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے مومنین کو اللہ تعالیٰ شہید ہوتے ہی جنت میں داخل فرما دیتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں ۔ نیز شہید کے لیے جنت میں سو درجے بلند کیے جاتے ہیں ۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کے درمیان جتنا فاصلہ ہے (مسلم)

راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے حقوق العباد کے سوا تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا، یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ (مسلم) | قرض کے سوا تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے

جس سے واضح ہوا کہ شہادت اور دوسرے اعمالِ خیر صرف حقوق اللہ کا کفارہ ہو سکتے ہیں ۔ مگر بندوں کے حقوق کا کفارہ نہیں ہوتے ۔ اسی طرح جس شخص نے نام و نمود اور دکھاوے کے لیے جہاد کیا یعنی جہاد سے اس کی نیت دینِ اسلام کی سربلندی اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس مجاہد کا جہاد مقبول ہے ۔ اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے لیکن جو رضاء الٰہی کے لیے نہیں بلکہ مال و دولت یا کسی اور دنیاوی لالچ کی بنا پر جہاد کرتا ہے تو اس کا یہ عمل نہ جہاد ہے اور نہ وہ شہید

ہے۔ایسا بدنیت شخص تو جہنمی ہے جیسا کہ مسلم شریف ہی کی حدیث میں اس امر کی تصریح ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شہدار کو مُردہ کہنے اور مُردہ گمان کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آلِ عمران ۱۶۹)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انھیں مُردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔

سورہ بقرہ اور آلِ عمران، ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شہید فی سبیل اللہ کو مُردہ کہنے اور مُردہ گمان کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا جو شہدار کو مُردہ کہے یا مُردہ گمان کرے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کا منکر ہے۔ نیز یہ بھی تصریح فرمائی گئی ہے وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں اور یہ کہ تم کو ان کی زندگی کا ادراک نہیں ہے۔اس کے بعد یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جنت میں شہید کو اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے خاص قرب سے نوازا جاتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے :۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (آلِ عمران ۱۶۹)

شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا۔

ان آیات سے یہ واضح ہوا کہ شہدار کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو خصوصی فضل و شرف اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان پر شاد ہیں —— جمہور مفسرین نے انہیں دو آیات سے شہدار کی حیاتِ حقیقی کا استدلال فرمایا ہے۔

(۱۶) چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ العزیز نے شرح الصدور میں فرمایا کہ حضرت ابوحیان متوفی ۷۴۵ھ علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر (البحر المحیط) میں تحریر فرمایا ہے کہ حیاتِ شہدار کے متعلق لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ایک جماعت نے یہ کہا کہ حیات کے معنیٰ ان کی روحوں کا زندہ رہنا ہے نہ کہ ان کے جسموں کا۔کیونکہ ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ جسم بگڑتے اور فنا ہو جاتے ہیں اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ شہید جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں اور ہمارا ان کی حیاتِ جسمانی کا شعور نہ رکھنا اس میں قادح نہیں ہے گو کہ ہم ان کو صفتِ اموات پر دیکھتے ہیں۔حالانکہ وہ زندہ ہیں۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (نمل ۸۸)

تو دیکھے گا پہاڑوں کو، خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال

یعنی جب قیامت کے لیے صور پھونکا جائے گا تو پہاڑ اپنی جگہ قائم اور ثابت ہوں گے۔لیکن حقیقت میں وہ بادلوں کی طرح تیز چلتے ہوں گے یا جیسے نیند میں آدمی راحت و تکلیف محسوس کرتا ہے مگر اس کے پاس بیٹھنے والوں کو نہ کچھ نظر آتا ہے اور نہ محسوس ہوتا ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں اسی طرح شہید کی حیات کو سمجھ لو۔اسی لیے

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں شہید کی حیات کا شعور نہیں ہے تو شہدار کی حیات روحانی وجسمانی کا قول کیا جائے تو اس سے شہید اور غیر شہید میں امتیاز ہو جاتا ہے اور حیاتِ روحانی مراد لینے میں امتیاز نہیں رہتا۔

لَوْكَانَ الْمُرَادُ حَيَاتَ الرُّوْحِ فَقَطْ لَمْ يَحْصُلْ لَهٗ تَمْيِيْزٌ عَنْ غَيْرِهٖ لِمُشَارَكَةِ سَائِرِ الْاَمْوَاتِ لَهٗ فِيْ ذَالِكَ وَيَعْلَمُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاَسْرِهِمْ حَيَاتَ كُلِّ الْاَرْوَاحِ فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ مَعْنًى (شرح الصدور)

تو اگر آیت میں حیاتِ شہدار سے صرف روح کی زندگی مراد ہو تو اس میں شہید کی کیا خصوصیت ہوئی۔ یہ بات تو ہر مُردے کو حاصل ہے (خواہ وہ مومن ہو یا کافر) اور تمام مسلمان جانتے ہیں کہ روحیں تو سب کی بعد موت زندہ رہتی ہیں۔ حالانکہ حیاتِ شہدار کے متعلق آیت میں فرمایا۔ تمہیں خبر نہیں (تو اگر حیات سے شہدار کی حیاتِ روحانی مانی جاتے) تو لا تشعرون کا کوئی معنیٰ نہ رہے گا۔

۱۷۔ حتیٰ کہ ——— علامہ شوکانی نے بھی مذکورہ بالا آیت میں حیات سے حیاتِ حقیقی مراد لی ہے اور یہ تصریح کی ہے وَلَا مُوْجِبَ لِلْمَصِيْرِ اِلَى الْمَجَازِ اور اس امر کی کوئی وجہ نہیں کہ حیات کے مجازی معنیٰ یعنی حیاتِ روحانی مراد لی جائے بلکہ انہوں نے آیت عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کے تحت لکھا ہے۔

اَلْمُرَادُ بِالرِّزْقِ هٰهُنَا هُوَ الرِّزْقُ الْمَعْرُوْفُ فِى الْعَادَاتِ عَلٰى مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ كَمَا سَلَفَ وَعِنْدَ مَنْ عَدَ الْجُمْهُوْرِ الْمُرَادُ الثَّنَاءُ الْجَمِيْلُ وَلَا وَجْهَ يَقْتَضِىْ تَحْرِيْفَ الْكَلِمَاتِ الْعَرَبِيَّةِ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ وَحَمْلَهَا عَلٰى مَجَازَاتٍ بَعِيْدَةٍ لَا لِسَبَبٍ يَقْتَضِىْ ذَالِكَ (تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹۹)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں جو فرمایا گیا ہے کہ شہدار کو رزق دیا جاتا ہے تو اس سے رزقِ معروف فی العادت مراد ہے۔ جمہور سلف کا یہی موقف ہے۔ سلفِ صالحین کے مسلک کے خلاف جن لوگوں نے رزق کے مجازی معنیٰ مراد لیے ہیں یعنی یہ کہ یرزقون کے معنیٰ یہ ہیں کہ شہید کی مدح وثنار کی جاتی ہے تو کوئی وجہ اس امر کی مقتضی نہیں ہے کہ اللہ کی کتاب کے عربی کلمات میں تحریف کی جائے اور یرزقون کے بلا وجہ مجازی معنیٰ لیے جائیں۔

۱۸۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا

جو ایک نیکی کرے اسے اس کی مثال دس نیکیاں عطا ہوں گی۔

پس جو لوگ راہِ خدا میں شہید ہوئے اور انھوں نے اپنی متاعِ حیات کو فی سبیل اللہ خرچ کر دیا تو اس آیت کی رُو سے اللہ تعالیٰ انھیں انعامِ خاص کے طور پر حیاتِ دنیویہ کے بدلہ دس جانیں عطا فرماتا ہے ——— اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ دنیا میں ایک جان کے ساتھ زندہ انسان خود کو زندہ سمجھتا ہے تو جسے ایک جان کے بدلے دس جانیں

عطا فرمائی گئیں وہ کیونکر مُردہ ہو سکتا ہے اور اسے کیسے مُردہ کہا اور گمان کیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے شہدار کے لیے مُردہ کہنے حتیٰ کہ مُردہ گمان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ شہدار کی حیات بھی حیات ہے اور وفات بھی حیات ہے۔ اور چونکہ انبیار کرام کو مرتبہ شہادت حاصل ہے لہذا مُردہ کہنے اور سمجھنے کی ممانعت انبیار کرام علیہم السلام کے حق میں پہلے ہو گی اور شہدار کے حق میں بعد میں۔

بعض علمار کرام کا موقف یہ ہے کہ شہید کی حیات جسمِ مثالی کے ساتھ ہے

یعنی شہدار کی حیاتِ جسمانی، جسمِ مثالی کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ شہدار کو ایک جسم کے بدلے دس جسمِ مثالی عطا فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کا مفاد ہے۔ جسمِ مثالی کے قول کی صورت میں یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے کہ جن شہدار کے اجسام کو قتل کے بعد جلا دیا جائے یا پانی میں ڈبو دیا جائے۔ دریائی جانور اور زمینی درندے ان کو کھا جائیں اور ان کے جسم ان کے بدن کا جزو بن جائیں یا گل سڑ جائیں اور خاک ہو جائیں تو ایسی صورت میں بھی شہید کے جسمِ مثالی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ——— اور اکثر متقدمین علمار کسی تاویل کا دامن نہیں تھامتے۔ وہ فرماتے ہیں شہدار کی حیات حقیقی جسمانی اور روحانی ہے اور وہ اسی دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس کو قتل کیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ اس قتل شدہ جسم کو ایسی حیات عطا فرما دے جس کی بنا پر اس کو ادراک و احساس حاصل ہو جائے لیکن انسان اس کا ادراک حاصل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں فرمایا گیا کہ شہدار اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں لیکن تمہیں اس کا ادراک اور شعور نہیں ہے۔ علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ نے روح المعانی میں اس امر کا ذکر کیا ہے اور وہابیوں کے مسلکی بادشاہ علامہ شوکانی نے اس امر کی تصریح کی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

(۱۹) سورہ بقرہ اور آلِ عمران اور دیگر آیات و احادیث کی روشنی میں جمہور علمار نے فرمایا کہ شہید زندوں کی طرح کھاتے پیتے، عیش کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی کہ روح جسم کے فنا ہونے کے بعد فنا نہیں ہوتی اور سیاقِ آیت اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شہید کی حیات جسم و روح دونوں کے لیے ہے اور روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ارواحِ شہدار کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شہدار کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے ہیں۔ وہ جنتی نہروں پر سیر کرتے، جنتی میوے کھاتے، طلائی قنادیل جو زیرِ عرش معلق ہیں ان میں رہتے ہیں (ابو داؤد) ——— شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی نے اس مضمون کی متعدد صحیح احادیث ذکر فرمائی ہیں (دیکھئے عینی ج ۱۴ ص ۱۱۲)

شہید کی رُوح مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخل کر دی جاتی ہے

علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ شہید فی سبیل اللہ کی رُوح قفس عنصری سے نکلنے کے فوراً بعد جنت میں داخل کر دی جاتی ہے۔ بخلاف دیگر ارواحِ مومنین کے اور یہ صرف شہدار کی خصوصیت و فضیلت ہے اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام ارواحِ مومنین جنت میں ہوتی ہیں۔ اس سے مراد شہدار مومنین کی روحیں ہیں۔ یعنی ان کا موقف یہ ہے کہ باقی مومنین کی ارواح حساب و کتاب کے بعد جنت میں داخل کی جائیں گی۔

فَالشَّهِيدُ بِمَعْنَى الشَّاهِدُ أَيِ الْحَاضِرُ فِي الْجَنَّةِ (التذکرہ ص۱۸۳)

شہید کے معنیٰ شاہد کے ہیں یعنی جنت میں حاضر رہنے والا۔

پھر انھوں نے دلائل شرعیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

وَ اَرْوَاحُ غَيْرِهِمْ لَا تَصِلُ الْجَنَّةَ (التذکرہ ص۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۴)

غیر شہدار کی ارواح مرنے کے فوراً بعد جنت میں نہیں پہنچتیں۔

اور اسی طرح یہ حدیث کہ شہید کی روح سبز پرندے کے پیٹ میں ہوتی ہے اِنَّ اَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ میں فِي بمعنی عَلٰی ہے۔ معنیٰ یہی ہیں کہ شہید کی روح سبز رنگ کے خوبصورت پرندے پر بمنزلہ سوار کے ہوتی ہے۔

راقم الحروف کی گزارش ہے کہ جن احادیث میں صلحارِ اُمت کے لیے یہ وارد ہوا ہے کہ ان کی ارواح جنت الفردوس، اعلیٰ علییین میں جگہ پاتی ہیں تو اس کی تاویل کیونکر کی جائے۔ اوّل تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہے۔ وہ جہاں چاہے جس کی روح کو جگہ عطا فرمائے۔ دوم یہ کہ یہ بات ثابت ہے کہ جنت میں درجات ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کتنے درجے ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ ہر درجے کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوگی۔ تو یہ ممکن ہی نہیں، واقع ہے کہ ہر درجہ دوسرے درجے سے ممتاز ہوگا۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہدار کے لیے ایک خاص درجہ ایسا متعین فرما دیا ہو جس میں غیر شہید کا داخلہ نہ ہو۔ واللہ اعلم

ارواح چونکہ اجسام لطیف ہوتی ہیں اس لیے ان میں کسی بھی شکل وصورت کو اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ صحاح کی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت جبریل امین کبھی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں بحضور نبوت حاضر آتے ہیں اور جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل امین صاف ستھرے سفید کپڑوں میں ایک آدمی کی شکل اختیار کرکے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوزانو بیٹھ کر انھوں نے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے متعلق حضور سے سوالات کیے۔ جب واپس چلے گئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ جبریل امین تھے (بخاری) تو روح کا کسی شکل میں متشکل ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ فِي طَيْرٍ خُضْرٍ تَرْعٰى الْجَنَّةَ ثُمَّ مَاوَاهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ (رواہ الحاکم علی شرط مسلم)

شہدار کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں۔ جنت میں سیر کرتی ہیں۔ پھر ان قنادیل میں جو زیرِ عرش معلق ہیں قیام کرتی ہیں۔ اس مضمون کی متعدد احادیث علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں درج کی ہیں (دیکھو عینی ج ۱۳ ص ۱۱۲)

(۲۰) مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا الخ

شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَآءَتْ وہ جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں (یعنی کھاتی پیتی ہیں)۔ پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں (مسلم حدیث ۴۷۶۹) ــــــ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ فِي جَوْفِ طَيْرٍ میں فِي بمعنی عَلٰی ہے جیسا کہ آیت وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوْعِ النَّخْلِ میں فِي بمعنی عَلٰی ہے۔ فِي بمعنی عَلٰی لیا جائے تو پھر تناسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور صحیح یہی ہے کہ فِي بمعنی عَلٰی ہی ہے۔

(۲۱) علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ شہید کی روح ــــ پرندہ کی صورت میں ہوتی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے کہ روحیں عرش کے نیچے قندیلوں میں قیام کرتی ہیں۔ تو یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے۔ وہ شہید کی روح کو جہاں رکھنا چاہے رکھ دیتا ہے تو یہ کوئی بعید از قیاس یا مستبعد امر نہیں ہے خصوصاً ان لوگوں کے نزدیک جو ارواح کو اجسامِ لطیف مانتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳)

ارواحِ شہداء کا سبز پرندوں کی صورت میں ہونا تناسخ نہیں ہے

(۲۲) شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ارواحِ شہداء کے متعلق تناسخ آواگون کا استدلال کرنا باطلِ محض ہے۔ کیونکہ آواگون کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان کی روح مرنے کے بعد کسی اور جسم میں داخل کر دی جائے۔ اگر مرنے والے نے اچھے کام کیے ہوں تو کسی اچھے شخص یا خوبصورت پرندے میں اس کی روح کو داخل کر دیا جائے اور اگر مرنے والے نے بُرے کام کیے ہیں تو بُری شکلوں اور کتے، بلی وغیرہ کے اجسام میں اس کی روح داخل کر دی جاتی ہے اور یہی عذاب و ثواب ہے اور دنیا اسی طرح قائم و جاری رہے گی ــــ تناسخ کے استدلال کے باطل و مردود ہونے کی دلیل اسلام کی بنیادی تعلیمات حشر و نشر، عذاب و ثواب اور دخولِ جنت و نار ہے اسی طرح وہ احادیث جس میں ہے کہ شہید کی روح پرندے کے پیٹ یا پوٹوں میں ہوتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پرندہ کی حیات شہید کی روح کے سبب سے ہوتی ہے بلکہ شہید کی روح ان پرندوں پر بمنزلہ سوار کے ہوتی ہے اور وہ پرندہ بمنزلہ سواری کے ہے اور پرندہ کی اپنی الگ روح ہوتی ہے جیسے ہم کسی گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہوتے ہیں تو اس گھوڑے یا اونٹ کا الگ جسم اور روح ہوتی ہے۔ ہم تو صرف سوار ہو کر سفر کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ قرطبی التذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ابوالحسن قابسی کہتے ہیں کہ بعض علماء نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ شہید کی روح حواصل طیر پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لیے صحیح نہیں کہ روایت کا مفاد تو یہ ہوا کہ شہید کی روح مقید و محصور ہوتی ہے اور یہ بات ان حدیثوں کے معارض ہے کہ وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں ــــ علامہ قرطبی نے جواب میں فرمایا۔ فِي حَوَاصِلِ طَيْرٍ خُضْرٍ کی روایت امام مسلم نے عادل راویوں سے روایت کی ہے اور روایت میں (فِي) بمعنی (عَلٰی) ہے۔ معنی یہ ہوں گے۔ اَرْوَاحُهُمْ عَلٰی جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ یعنی شہید کی روح سبز پرندے کے پیٹ کے اوپر ہوتی ہے جیسا کہ آیت وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوْعِ النَّخْلِ تمہیں کھجور کے ڈھنڈ میں سولی چڑھاؤں گا (طٰہٰ ۷۱) میں فی بمعنی علی ہے یعنی کھجور کے ڈھنڈ پر سولی

چڑھاؤں گا اور یہ جائز ہے کہ پیٹھ کو پیٹ سے وَجَائِزٌ اَنْ تُسَمَّى الظَّهْرُ جَوْفًا اِذْ هُوَ مُحِيطٌ بِهٖ وَمُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ تعبیر کیا جائے کیونکہ یہ اس پر حاوی اور مشتمل ہوتی ہے۔ (التذکرہ ص ۱۷۹/۱۸۰)

واضح ہوا کہ جس حدیث میں یہ ہے کہ شہید کی روح پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ پرندوں کی کمر کے اوپر بمنزلہ سوار کے ہوتی ہے۔ اس لیے تناسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شہید کی روح کا جنت کے پرندوں پر سوار ہو کر سیر کرنا بھی ایک اعزاز ہے

(۲۳) شہدار کی ارواح کے متعلق پرندہ ہونے، سفید پرندے یا سبز پرندے کی صورت میں ہونے یا پرندے کے پیٹے میں ہونے کا ماحصل معنیٰ و مطلب یہ ہے کہ شہدار کی روحیں جنت میں کامل، مکمل طور پر آزاد ہوتی ہیں۔ وہ جہاں چاہیں اور جنت کے جس میوہ اور پھل کو کھانا چاہیں کھائیں۔ جیسا کہ حدیث میں صریح طور پر فرمایا گیا۔ تَسْرَحُ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَ (مسلم) تو ارواحِ شہدار کا پرندہ ہونا یا ان کے پوٹوں میں ہونا اس تشبیہ دینے سے بتانا یہ مقصود ہے کہ جیسے پرندہ آزاد ہوتا ہے جہاں چاہے جاتا آتا ہے۔ ایسے ہی شہدار کی ارواح کو اس اعزاز و اکرام، ثواب و عطار اور بارگاہِ الٰہی میں خصوصی وجاہت و عزت کے علاوہ اس فضیلت سے بھی نوازا جاتا کہ اسے جنت میں آزادی کا پروانہ عطا فرما دیا جاتا ہے۔

ارواح اجسامِ لطیفہ ہیں انہیں سواری کی کیا ضرورت ہے

نیز روح اجسامِ لطیفہ سے ہے۔ اسے سواری کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو خود سیر کر سکتی ہے۔ مگر جنت کے خوبصورت پرندوں پر سوار ہو کر ان کا سیر کرنا، یہ بھی شہید کی روح کا اعزاز ہے۔

کیا قبر میں شہدار کے اجسام محفوظ رہتے ہیں

(۲۴) جہاں تک مشاہدہ کی بات ہے وہ یہ ہے کہ بعض کے اجسام محفوظ نہیں دکھائی دیتے ـــــ اور بعض کے دنیاوی اجسام (جب کسی وجہ سے ان کی قبریں کھولی گئیں) تو بالکل تر و تازہ پائے گئے۔ حتیٰ کہ ان کے زخم بھی تازہ رہے اور ان سے خون رِس رہا تھا یہ بات احادیث و آثار اور مشاہدات سے واضح و ثابت ہے۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمر انصاری رضی اللہ عنہما کی قبروں کو سیلاب کے پانی سے بچانے کے لیے ان کے اجسام کو دوسری جگہ دفن کرنے کے لیے کھودا گیا تو ان کے جسم بالکل تر و تازہ تھے جیسے کل ہی انہوں نے وفات پائی ہے۔ ان میں سے ایک زخمی تھے جن کا ہاتھ زخم پر تھا۔ جب ہاتھ ہٹایا گیا اور چھوڑا گیا تو پھر وہ اسی زخم پر آگیا۔ یہ دونوں حضرات غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تھے اور چھیالیس سال کے بعد ان کی قبر کشائی کی گئی تھی (مرقات ج ۴ ص ۲۷۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ اُحد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو چھ ماہ کے بعد نکال کر دوسری جگہ دفن کیا۔ ان کی داڑھی کے چند بالوں اور ان کے کان کے سوا پورا جسم اسی طرح تر و تازہ تھا جیسے ابھی دفن کیا ہو۔ (سننِ کبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۵۸/۵۷)

۱۹۶۵ء کی جنگ میں جو مسلمان فوجی شہید ہوئے باوثوق ذرائع سے یہ خبر ملی کہ واگہ بارڈر سے جنگ بند ہو جانے کے بعد بعض فوجیوں کے اجسام بالکل تروتازہ پائے گئے اور ان کے بدنوں سے خوشبو آرہی تھی۔ بدن کے زخموں سے تازہ خون رِس رہا تھا۔ خون کی رنگت بھی کالی نہیں ہوئی تھی۔

(۲۵) علامہ قرطبی علیہ الرحمہ التذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

تمام اہلِ مدینہ روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک بن مروان کی خلافت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مدینہ کی ولایت کے زمانہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی دیوار منہدم ہوگئی تو ایک پاؤں نظر آیا۔ اہلِ مدینہ نے خیال کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہوگا؟ مگر حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر الخطاب نے پہچان لیا اور کہا کہ یہ میرے دادا حضرت امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم مبارک ہے جنھیں شہید کیا گیا تھا۔ (التذکرہ ص۱۸۵)

اس قسم کے واقعات علامہ سیوطی نے شرح الصدور اور البدور السافرہ میں علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اور علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں ذکر کیے ہیں۔

(۲۶) حضرت عطاف مخزومی کہتے ہیں کہ میری خالہ نے فرمایا۔ ایک بار میں قبورِ شہداء کی زیارت کے لیے گئی۔ میں نے مزارات پر سلام عرض کیا۔ مزارات سے سلام کا جواب آیا اور یہ آواز بھی آئی۔

وَاللّٰهِ اِنَّا نَعْرِفُكُمْ كَمَا يَعْرِفُ بَعْضُنَا بَعْضًا (دلائل النبوۃ)	خدا کی قسم ہم تم لوگوں کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو

(۲۷) حضرت عطاف ہی سے مروی ہے کہ ان کی خالہ نے فرمایا۔ میں نے ایک دن سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزارِ اقدس کے قریب نماز پڑھی۔ اس وقت جنگل میں کسی آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ بعد از نماز مزار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر سلام عرض کی تو سلام کا جواب بھی سنا اور اس کے ساتھ یہ بھی۔

مَنْ يَّخْرُجُ مِنْ تَحْتِ الْقَبْرِ اَعْرِفُهٗ كَمَا اَعْرِفُ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَنِيْ وَكَمَا اَعْرِفُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (بیہقی و دلائل النبوۃ)	جو میری قبر کے نیچے سے گزرتا ہے۔ میں اس کو اس طرح پہچانتا ہوں جیسے میں یہ پہچانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس طرح رات اور دن کو پہچانتا ہوں۔

(۲۸) ابن عساکر نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عہدِ فاروقی میں ایک جوان عابد و زاہد، متقی پرہیزگار تھا۔ امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اس سے بہت خوش تھے۔ وہ دن بھر مسجد میں رہتا۔ بعد نماز عشا اپنے گھر باپ کے پاس جاتا۔ راستے میں ایک عورت کا مکان تھا۔ جو اس پر عاشق ہوگئی۔ وہ ہمیشہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ جوان نظر نہ فرماتا۔ ایک شب قدم نے لغزش کی۔ وہ جوان اس عورت کے ساتھ ہولیا۔ دروازہ تک گیا۔ جب اندر جانا چاہا۔ خدا یاد آیا۔ بے ساختہ زبان پر یہ آیتِ مبارکہ جاری ہوگئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا الخ	یعنی خوفِ خدا والوں کو جب شیطان کی کوئی جھپٹ پہنچتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں اسی وقت ان کی

آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

جوان عابد یہ آیت پڑھتے ہی غش کھا کر گرا۔ عورت نے اپنے کنیز کے ساتھ اٹھا کر اس کے گھر کے دروازے پر ڈال دیا۔ باپ نے بیٹے کو اٹھوایا۔ رات گئے ہوش آیا۔ باپ نے حال پوچھا۔ ناچار سارا واقعہ سنا دیا۔ باپ بولا جانِ پدر وہ کونسی آیت ہے۔ جوان عابد نے وہی آیت پڑھی تو جوانِ عابد کو پھر غش آیا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ باپ نے رات ہی کو نہلا کفنا کر دفن کر دیا۔ صبح کو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی آپ نے جوانِ عابد کے باپ سے تعزیت کی اور خبر نہ دینے کی شکایت کی۔ باپ نے عرض کی رات تھی اس لیے خبر نہ دے سکا —— حضرت فاروق اعظم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس جوانِ عابد کی قبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے اس جوانِ عابد کا نام لے کر فرمایا۔ اے فلاں جو اپنے رب کے پاس کھڑے اس کے لیے دو باغ ہیں۔

فَاَجَابَهُ الْفَتٰى مِنْ دَاخِلِ الْقَبْرِ يَا عُمَرُ قَدْ اَعْطَانِيْهِمَا رَبِّيْ فِي الْجَنَّةِ مَرَّتَيْنِ (دلائل النبوۃ)

جوانِ عابد نے قبر میں سے آواز دی۔ مجھے میرے رب نے یہ دولتِ عظمیٰ دوبار عطا فرمائی ہے۔

غرضکہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ بعض نیک و متقی افراد جو شہید نہیں ہوئے۔ ان کی قبور بھی کسی وجہ سے کھولی گئیں تو وہ صحیح وسلامت قبر میں پائے گئے۔ (حیات الموات)

بعض شہداء کی قبروں میں ان کے جسم سلامت نہیں پائے گئے

(۲۹) اب رہا یہ سوال کہ جمہور علماء دونوں آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے شہداء کی حیاتِ روحانی وجسمانی کے قائل ہیں۔ لیکن ہمارے مشاہدے دو طرح کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شہید انہی دنیاوی اجسام کے ساتھ قبروں میں تر و تازہ پائے گئے اور ان کے اجسام گلنے سڑنے سے محفوظ رہے مگر بعض کے اجسام میدانِ جنگ میں پھول پھٹ جاتے ہیں اور قبروں میں بھی ان کی ہڈیاں عام مُردوں کی طرح بوسیدہ دکھائی دیتی ہیں —— اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بعض علماء۔ قرآنِ مجید کی آیت من جاء بالحسنۃ الخ سے استدلال کرتے ہوئے شہداء کے لیے دس اجسام مثالی عطا فرمائے جانے کا قول کرتے ہیں اور کہتے ہیں شہداء روح اور جسم مثالی کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ نے بھی لکھا ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۲/۲) جسم مثالی کا قول کیا جائے تو ایسی صورت میں اگر شہید کے دنیاوی جسم کو جلا دیا جائے یا پانی میں ڈبو دیا جائے یا درندوں کو کھلا دیا جائے تو اس سے بھی اس کے جسم مثالی کی حیات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم

دکھاوے اور نام و نمود کے لیے جہاد کرنے والا جہنمی ہے

(۳۰) علاوہ ازیں دینِ اسلام کی اصولی و بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اعمال کے ثواب کا مدار خلوصِ نیت پر ہے۔ نیت میں خرابی ہو یا رضاءِ الٰہی کا جذبہ نہ ہو تو اس عمل کا ثواب نہیں ملتا۔ تو یہی ضابطہ شہید کے لیے اور ہر نیک عمل کرنے والے کے لیے ہے کہ نیک عمل کا ثواب حاصل کرنے کے لیے خلوص و للٰہیت اور رضاءِ الٰہی شرط ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کی ہجرت دنیا یا عورت کے لیے ہو تو اس کی ہجرت دنیا اور عورت کے لیے ہی کے

لیے ہوگی یعنی نیت کی خرابی کی وجہ سے یہ ہجرت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول واجر وثواب کا باعث نہ ہوگی۔ نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَنْ یُّکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِہٖ ۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ راہِ خدا میں کون زخم کھاتا ہے (التذکرہ ص ۱۹۳)
اور محدث کبیر امام مسلم علیہ الرحمہ نے تو باب قائم کیا ہے کہ دکھاوے اور نام ونمود کے لیے جہاد کرنے والا دوزخ کا مستحق ہے اور حدیثِ ابوہریرہ ذکر کی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ قیامت کے دن شہید سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے جو نعمتیں تجھے عطا کیں تو نے ان سے کیا کام لیا۔ وہ عرض کرے گا۔ تیری راہ میں جہاد کیا اور جان دیدی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے اس لیے جہاد کیا کہ تو بہادر کہلائے۔ سو تجھے بہادر کہا گیا۔ پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ العظیم (مسلم حدیث نمبر ۴۹۰۸)

غور کیجئے نام ونمود کے لیے جہاد کرنے والا جہنمی ہوگیا۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ جس کا جسم سلامت نہ رہا، گل سڑ گیا وہ حقیقت میں شہید نہ ہو کیونکہ دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے ——— اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل خلوص اور رضاءِ الٰہی کے لیے کام کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے ——— اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص راہِ خدا میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے۔

وَعَلَیْہِ دَیْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یُقْضٰی عَنْہُ (مسلم)

اور اس پر قرض ہو تو جب تک ادا نہ کر دیا جائے۔ شہید بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

معلوم ہوا کہ شہادت کے مرتبہ اور ثواب کے حصول کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ کسی مسلمان کے حق میں گرفتار نہ ہو واللہ اعلم

شہید کی حیاتِ جسمانی کے متعلق اشکال کا جواب

جو علماء شہید کی حیاتِ جسمانی کا قول کرتے ہیں۔ اس پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض شہداء کے اجسام گل سڑ جاتے ہیں اور عام انسانوں کی طرح ان کے جسم بھی خاک ہو جاتے ہیں اور یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ جن شہداء کے دنیاوی اجسام ان کی قبروں کے کھولے جانے کے بعد صحیح وسلامت پائے گئے۔ ان آثار میں یہ تصریح بھی ہے کہ کسی کے کان کا ذرا سا حصہ یا کسی کے جسم کا کوئی حصہ یا داڑھی کے بال بوسیدہ ہو گئے تھے مگر اس کے باوجود کہ بعض شہداء کے اجسام دنیاوی صحیح و سلامت پائے گئے۔ ان میں دنیاوی زندگی کی طرح کے سب آثار چلنا پھرنا دیکھنا اٹھنا بیٹھنا بولنا حرکت کرنا وغیرہ امور کا ظہور نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں حیاتِ جسمانی کی طرح زندہ ماننا صحیح ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں اللہ نے فرمایا کہ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ تم شہید کی حیات کا شعور نہیں ہے۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ گو ہماری نظریں شہداء کو صفتِ اموات پر دیکھتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ حیاتِ روحانی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور حیات کچھ دنیاوی جسم کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے۔ اس کے حیات پیدا کرنے کے انداز بے مثل وبے مثال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار

دیکھئے انڈے میں جب ایک خاص حرارت پیدا ہو جائے تو چوزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انڈہ ہر طرف سے بند ہوتا ہے۔ بلکہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی طرح بھی

نہیں ہوتا۔ کہیں سے انڈہ کے اندر ہوا جانے کا امکان ہی نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ چوزہ انڈے سے باہر آئے تو اس کی چونچ پر ایک کانٹا سا پیدا فرما دیتا ہے۔ پھر وہ چوزہ اپنی چونچ انڈہ پر مارتا ہے۔ اس کی چونچ کے کانٹے کی ضرب سے انڈہ بکھرنے لگتا ہے اور اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور چوزہ انڈے سے باہر آجاتا ہے۔ اس مثال سے جو ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ عقل و فہم انسانی کے تقاضوں کے مطابق فلسفیانہ انداز کی گفتگو کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن بات صرف اور صرف اس امر پر جا کر ختم ہوتی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

شہیدِ حقیقی (فقہی) کے دُنیاوی احکام (۱۳۱) جو مسلمان راہِ خدا میں کافروں سے لڑتا ہوا انتقال کر جائے اس کے دنیاوی احکام یہ ہیں:۔

(۱) اصطلاحِ فقہاء میں شہید فقہی اس مسلمان، عاقل بالغ طاہر کو کہتے ہیں جو بطور ظلم کسی آلۂ جارحہ سے ظلماً قتل کیا گیا اور اس کے قتل سے مال واجب نہ ہوا ہو یا معرکہ جنگ میں سے مردہ یا زخمی پایا گیا اور دنیا سے نفع نہ اٹھایا ہو۔ اسے شہید حقیقی بھی کہتے ہیں۔ فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ شہید فقہی کو اس کے انہی کپڑوں میں جو اس نے پہنے ہوئے تھے یعنی وردی وغیرہ کے ساتھ دفن کر دیا جائیگا ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اس کے خون کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

(۲) شہید فقہی کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ البتہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ شہداء احد کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انہیں ان کے خون آلود کپڑوں میں لپیٹ دو۔ ان کو غسل نہ دو۔ حضور علیہ السلام نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(۳) اگر شہید کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ جنبی تھا۔ یوں کہ قتل سے قبل اس نے خود بتایا ہو یا اس کی بیوی نے بتایا ہو تو پھر غسل دیں گے۔

(۴) شہید فقہی کے جسم اور کپڑوں پر جو خون لگا ہے وہ نہیں دھویا جائے گا۔ خون آلود جسم اور کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔ ہاں اگر جسم یا کپڑے پر نجاست لگی ہو تو اس کو دھوڈالیں گے۔ (عالمگیری) (۵)

(۵) شہید کے بدن پر جو چیزیں از قسم کفن نہ ہوں اُتار لی جائیں مثلاً پوستین، زرہ، ٹوپی، خود، ہتھیار۔

(۶) اگر مقتول شہر وغیرہ میں ملا اور معلوم ہوا چوروں نے قتل کیا خواہ کسی بھی چیز سے قتل کیا یا مقتول جنگل سے ملا اور معلوم نہیں کہ کس نے قتل کیا یا اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا، تخریب کاروں نے قتل کیا۔ ہتھیار یا کسی اور چیز سے قتل کیا، ان سب کو غسل نہ دیں گے (رد المختار)

(۷) کوئی مسلمان میدانِ کارزار میں زخمی ہوا مگر اس کے بعد دنیا سے نفع اٹھایا۔ مثلاً کھایا، پیا یا سویا یا علاج کیا اگرچہ یہ چیزیں بہت قلیل ہوں یا خیمہ میں ٹھہرا یعنی وہیں جہاں زخمی ہوا۔ یا نماز کا ایک وقت پورا ہوش میں گزرا بشرطیکہ نماز پڑھنے پر قادر ہو یا وہاں سے اُٹھ کر دوسری جگہ کو چلا یا لوگ اُسے معرکہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے گئے خواہ زندہ پہنچا یا راستہ ہی میں انتقال ہوا یا کسی دنیاوی بات کی وصیت کی یا بیع کی یا کچھ خریدا اور بہت سی باتیں کیں تو ان سب صورتوں

ہیں غسل دیں گے بشرطیکہ یہ امور جہاد ختم ہونے کے بعد واقع ہوئے ہوں اور اگر اثنائے جنگ میں ہوں تو یہ چیزیں مانع شہادت نہیں یعنی غسل نہ دیں گے اور وصیت اگر آخرت کے متعلق ہو یا دو ایک بات بولا اگرچہ لڑائی کے بعد تو شہید ہے۔ غسل نہیں دیں گے (در مختار رد المحتار)

(۷) نابالغ بچہ خواہ میدانِ کارزار میں قتل ہو اور خواہ کسی بھی چیز سے قتل کیا جائے اسے غسل دیں گے۔

(۸) شہید فقہی کی میراث تقسیم ہوگی۔ اس کی بیوی کے لیے عدتِ وفات چار مہینہ دس روز گزارنا واجب ہے۔ عدت پوری ہو جانے کے بعد شہید کی بیوی کسی شخص سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

شہید حکمی

(۹) وہ مسلمان ہے جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید قرار دیا یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمان بھی شہید فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب پائیں گے۔ ایسے افراد کو فقہاء شہید حکمی کہتے ہیں۔ انہیں غسل و کفن دیا جائے گا۔ نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ امام مالک ابوداؤد و نسائی نے حضرت جابر بن عتیک اور امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) طاعون (۲) ذات الجنب (۳) پیٹ کی بیماری (۴) ڈوب کر مرنے والا شہید ہے (۵) جل کر (۶) کسی چیز کے نیچے آکر دب کر (۷) عورت بوقتِ ولادت مر جائے شہید ہے (۸) ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ مسافرت کی موت بھی شہادت ہے۔

اور بہت سی صورتیں ہیں جن میں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی وغیرہ ائمہ نے ان کا ذکر کیا ہے بعض یہ ہیں۔ سل کی بیماری میں مرا، سواری سے گر کر یا مرگی سے مرا، بخار میں مرا۔ مال، جان، اہل یا کسی حق کے بچانے میں قتل کیا گیا۔ عشق میں مرا بشرطیکہ پاکدامن ہو اور چھپایا ہو۔ کسی درندے نے پھاڑ کھایا۔ بادشاہ نے ظلماً قید کیا یا مارا اور مر گیا۔ کسی موذی جانور کے کاٹنے سے مرا، علم دین کی طلب میں مرا، مؤذن کہ طلبِ ثواب کے لیے اذان کہتا ہو، تاجر راست گو جسے سمندر کے سفر میں متلی اور قے آئی۔ جو اپنے بال بچوں کے لیے روزی کمائے اور انھیں دین پر چلائے اور حلال کھلائے، جو ہر روز پچیس بار یہ پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ط جو چاشت کی نماز پڑھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے اور وتر کو سفر و حضر میں کہیں ترک نہ کرے۔ فسادِ امت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا اس کے لیے سو شہید کا ثواب ہے۔ جو مرض میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ چالیس بار کہے اور اس مرض میں مر جائے اور اچھا ہو گیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ کفار سے مقابلہ کے لیے سرحد پر گھوڑا باندھنے والا جو ہر رات میں سورہ یٰسٓ شریف پڑھے۔ جو باطہارت سویا اور مر گیا۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سو بار درود پڑھے۔ جو سچے دل سے یہ سوال کرے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ جو جمعہ کے دن مرے۔ جو صبح کو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ تین بار پڑھ کر سورہ حشر کی پچھلی تین آیتیں پڑھے۔ اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرمائے گا کہ اس کے لیے شام تک استغفار کریں اور اگر اس دن میں مرا تو شہید مرا اور جو شام کو کہے صبح تک کے لیے یہی بات ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے اور رحیم و کریم ہے۔ فکر انسانی اس کی رحمت اور

فضل وکرم کی وسعت تک کہاں پہنچ سکتی ہے۔ یہ اس کا فضل وکرم ہی ہے کہ اپنے بندوں کے بعض نیک اعمال کے ثواب یا کسی خاص مرض میں وفات پانے کی بنا پر شہادت کا ثواب عطا فرمادیتا ہے۔

حیاتِ انبیار اور انبیار کرام کا درجہ ومرتبہ شہدار سے افضل واکمل ہے۔ اسی لیے سورہ نسار کی آیت نمبر ۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے انبیار کو شہدار پہ مقدم رکھا ہے تو جب شہید زندہ ہیں تو انبیارِ کرام تو بطریقِ اولیٰ زندہ قرار پائیں گے کیونکہ انبیار کرام میں صفتِ شہادت بھی پائی جاتی ہے۔

(۱) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں قتل کیے گئے، مُردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔

وَالْاَنْبِيَآءُ اَوْلٰى مَعَ النُّبُوَّةِ وَصِفَةِ الشَّهَادَةِ فَيَدْخُلُوْنَ عُمُوْمَ لَفْظِ الْاٰيَةِ (انبیاء الاذکیاء ص۱۲۸)

اور انبیار اس ہدایتِ الٰہی کے زیادہ مستحق اولیٰ اور اجل واعظم ہیں اور کوئی نبی نہیں مگر اس نے وصفِ شہادت کو بھی جمع فرمالیا۔ تو انبیا بھی آیت کے عموم میں ضرور داخل ہیں۔

انبیار کرام کو مرتبۂ شہادت حاصل ہے امام سیوطی علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ انبیار علیہم السلام میں وصفِ شہادت پایا جاتا ہے۔ اہلسنت میں شوافع نے حیاتِ شہدار کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ چونکہ شہید زندہ ہے اس لیے اس کی نمازِ جنازہ نہیں (مبسوط امام سرخسی ج۲ ص۵۰)

علامہ شوکانی نے تصریح کی ہے کہ جب شہدار زندہ ہیں تو انبیار بطریقِ اولیٰ زندہ قرار پائیں گے

۲۔ حتیٰ کہ غیر مقلد وہابی اور دیوبندی حضرات کے معتمد اور پیشوا قاضی شوکانی نے تصریح کی ہے کہ اللہ کی کتاب (قرآن) میں شہدار کے حق میں نص وارد ہوئی ہے۔

اِنَّهُمْ اَحْيَآءٌ يُرْزَقُوْنَ وَالْحَيَاةُ فِيْهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَقَدْ ثَبَتَ فِى الْحَدِيْثِ اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَآءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ (رواه المنذری و صححه البیهقی) (نیل الاوطار ج ۳ ص۲۸۳)

کہ بے شک وہ زندہ ہیں (رزق دیے جاتے ہیں۔ تو انبیار ومرسلین کا کیا حال ہوگا (یعنی ان کو بطریقِ اولیٰ حیاتِ جسمانی حاصل ہوگی) اور حدیث میں ہے جسے امام منذری نے روایت کیا اور امام بیہقی نے اس کو صحیح حدیث قرار دیا کہ انبیار کرام علیہم الرحمۃ والرضوان اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

واضح ہو کہ انبیار کرام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونے، نماز پڑھنے، حج کرنے سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ امام ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں، بیہقی نے اپنی کتاب حیات الانبیار میں، ابونعیم نے حلیہ میں اور امام ابوداؤد اور دیگر علمار حدیث نے ذکر فرمائی ہیں (رضی اللہ عنہم)

(۳) حضرت قاضی ثنار اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر مظہری میں فرمایا کہ ایک جماعتِ علمار نے کہا کہ آیت میں جس حیات

کا ذکر ہے۔ یہ شہداء کے ساتھ خاص ہے مگر میرے نزدیک حق یہ ہے کہ

وَذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّ هٰذِهِ الْحَيَاةَ مُخْتَصَّةٌ بِالشُّهَدَاءِ وَالْحَقُّ عِنْدِي عَدَمُ اِخْتِصَاصِهَا بِهِمْ بَلْ حَيَاةُ الْاَنْبِيَاءِ اَقْوٰى مِنْهُمْ وَاَشَدُّ ظُهُوْرُ اٰثَارِهَا فِي الْخَارِجِ حَتّٰى لَا يَجُوْزُ النِّكَاحُ مُخْتَصَّةٍ بِاَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ

ان کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ انبیاء کرام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی ہے اور انبیاء کی حیات کا ظہور بھی خارج میں بہت اشد ہے۔ حتیٰ کہ ازواج النبی کو ان کی وفات کے بعد کسی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۶۱)

انبیاء کرام اور شہداء دونوں حیات ہیں مگر مدارج حیات میں فرق ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس العزیز نے انبیاء کرام کی حیات کا شہداء کی حیات سے قوی ہونے اور ان کی حیات کے ظاہر ہونے کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ ان کی ازواج کو ان کی وفات کے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس شہداء کی میراث بھی تقسیم ہوتی ہے۔ ان کی بیویاں بعد عدت نکاح کر سکتی ہیں تو نکاح و میراث کو بھی حیات میں دخل ضرور ہے اور انبیاء و شہداء کی حیات میں جو فرق ہے وہ نفس حیات کا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مبنیٰ درجات حیات کا تفاضل اور تفاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قوی درجہ کی حیات سے انبیاء کرام کو نوازا ہے۔ وہ بہرحال شہداء کو حاصل نہیں ہے۔ انبیاء کرام اللہ کے رسول اور اپنی امت کے مطاع ہیں اور شہداء انبیاء کے مقتدی، متبع اور مطیع ہیں۔ انبیاء کرام کے اتباع ہی سے وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء و شہداء کے درجات حیات میں تفاضل اور تفاوت ایک قطعی اور بدیہی بات ہے۔ اس لیے شہداء کے زندہ ہونے کے باوجود ان کی ازواج کو کسی اور سے نکاح کرنا جائز ہے ——— یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا درجہ و مقام صرف شہداء کی حیات سے ہی افضل نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے بھی افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہے۔

حضور کی حیات بھی تمام انبیاء کی حیات سے افضل ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین، امام الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعلمین ہیں۔ یعنی ؎

سب نبی نور ہیں لیکن ہے تفاوت اتنا　　نیّر نور ہو تم اور سارے نبی تارے ہیں

آپ کا افضل المرسلین ہونا کتاب و سنت سے واضح و ثابت اور قطعی اجماعی و ایمانی مسئلہ ہے۔ اس لیے آپ کی حیاتِ مبارک کا درجہ و مقام تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہونا بھی بدیہی امر ہے۔

حضور کی قبر انور ہی حضور کا برزخ ہے

(۴) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منور ہی حضور کا برزخ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا یہ حصہ باتفاق ائمہ دین، محدثین، مفسرین علیہم الرحمہ زمین و آسمان کے تمام طبقات جنت، عرش، کرسی، لوح و قلم، سدرہ سے افضل و برتر ہے۔ کیونکہ یہ وہ مقدس مکان ہے جس کا مکین دونوں جہان کی ہر چیز سے افضل و برتر ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے خصائص کبریٰ

میں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔

(۱۵) علامہ شیخ محمد بن عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ حضور کی حیات شہداء کی حیات سے افضل واکمل ہے۔ علم قطعی سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اپنی قبر مبارک میں حیات حقیقی کے ساتھ جلوہ فرما ہیں۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی اور اس امر پہ اجماع ہے کہ وہ حصہ زمین جو حضور کے اعضاء کریم سے ملا ہوا ہے۔ تمام زمینوں سے افضل ہے اور علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ نے حضرت ابن عقیل حنبلی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے کہ یہ حصہ زمین عرش سے افضل ہے۔ (جواہر البحار ج ۱ صـ ۶۸۲، ۶۸۶)

حضور علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں زندہ جاوید ہیں

(۱۶) شارح بخاری علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے مواہب لدنیہ میں فرمایا کہ علامہ تقی الدین سبکی علیہم الرحمۃ نے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا کہ حضور علیہ السلام

حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَبَدَ الْاٰبَادِ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ لَا الْمَجَازِ (الحاوی للفتاوی ج ۲ صـ ۱۴۹)

اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ حضور کی رسالت ابدی ہے حقیقی ہے مجازی نہیں

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اس وقت سے لے کر ابد الآباد بلکہ اس کے بعد بھی اللہ کے رسول ہیں۔ حضور حیات ظاہری میں اور وصال کے بعد بلکہ اس وقت بھی جب کہ آدم علیہ السلام آب وگل کے درمیان تھے وصف نبوت سے حقیقی طور پر موصوف ہیں اور رہیں گے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:۔

کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (بخاری)

میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے مرحلہ میں تھے۔

(۱۷) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو وفات کے بعد میرے روضہ انور میں دفن ہوں گے۔ (مدارج النبوت ج ۱ صـ ۲۲۳ وابن الجوزی کتاب الوفا) نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے ضرور نازل ہوں گے۔

حضور نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجھے پکاریں تو میں جواب دونگا اور جنگ حرہ کے موقع پر حضور کی قبر انور سے اذان وتکبیر کی آواز آتی تھی

لَئِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَجَبْتُہٗ۔ پھر اگر وہ مری قبر کے پاس کھڑے ہو کر یا محمد کہہ کر پکاریں گے تو میں انہیں ضرور جواب دوں گا (ابو یعلیٰ) ——— حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں ہمیشہ اذان وتکبیر کی آواز رسول اللہ کی قبر انور سے سنتا رہا۔ حتیٰ کہ لوگ واپس آگئے (دلائل النبوۃ و خصائص کبریٰ) ——— جنگ حرہ کے موقع پر ایسی صورتحال پیدا ہو گئی کہ تین دن تک مسجد نبوی میں اذان نہ ہوئی اور کوئی مسجد نبوی میں نہ آیا۔ صرف حضرت سعید بن مسیب باقی رہ گئے تھے۔

(۱۸)

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا کہ ایک جماعت نے حضور کی قبرِ انور سے سلام کا جواب سُنا ہے

اِنَّ قَوْمًا سَمِعُوا السَّلَامَ مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قُبُوْرِ غَيْرِهِمْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ وَاِنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ كَانَ يَسْمَعُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ وَنَحْوُ ذَالِكَ فَهٰذَا كُلُّهٗ حَقٌّ (اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۳۷۳)

تحقیق ایک جماعت نے سلام کا جواب نبی علیہ السلام کی قبرِ منور سے اور صالحین کی قبور سے سُنا ہے اور تحقیق حضرت سعید بن مسیب نبی علیہ السلام کی قبر مبارک سے آذان سُنتے تھے وغیرہ ذالک یہ تمام امور حق ہیں۔

وصال کے بعد حضور علیہ السلام کے لب مبارک حرکت کر رہے تھے اور ربِّ ھب لی اُمّتی کی آواز آ رہی تھی

(۱۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضرت قثم بن عباس حضور کے روضہ انور سے باہر آنیوالوں میں سب سے آخر تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور اپنے لبہائے مبارک کو متحرک فرما رہے ہیں:۔

پس گوشش پیش دہانِ وے داشتم۔ شنیدم می فرمود رب امتی امتی (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۶۹۸ نولکشور)

تو میں نے آپ کے دہنِ اقدس کے آگے کان لگا دیے میں نے سُنا آپ فرما رہے ہیں۔ رب امتی امتی

جو شخص مسجد نبوی میں بلند آواز سے بات کرتا تو امیر المومنین صدیق اکبر اور فاروق اعظم اس کو کہتے تو نے رسول کریم کو ایذا پہنچائی ہے۔ یہی حال ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔

علامہ تقی الدین سبکی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا اس کو فرماتے۔ تحقیق تو نے آواز بلند کر کے

لَقَدْ اٰذَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی سے متصل کیل ٹھوکنے کی آواز مسجد نبوی تک پہنچتی تو جنابِ عائشہ فوراً اس کے پاس یہ کہلوا کر بھیجتیں۔

لَا تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (خصائص کبریٰ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیل ٹھوکنے کی آواز سے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

حضور علیہ السلام اپنی قبرِ انور میں جلوہ فرما ہوتے ہوئے بھی جہاں میں تصرف فرماتے ہیں

(۲۱) علامہ نورالدین حلبی علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ تعریف اہل الاسلام میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روح و جسم کے ساتھ حیاتِ حقیقی رکھتے ہیں۔ آپ کے جسمِ پاک میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا اور آپ آج بھی

وَاَنَّہٗ یَتَصَرَّفُ حَیْثُ شَآءَ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَفِی الْمَلَکُوْتِ (جواہر البحار ج ۱ ص ۴۳)

اقطارِ ارض اور ملکوت (اللہ کے ملکوں میں) جیسے چاہیں تصرف فرماتے ہیں۔

غرضیکہ اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اجماع ہے کہ تمام انبیاء کرام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زندہ و جاوید ہیں اور ان کی حیاتِ حقیقی جسمانی وروحانی ہے یعنی ایک آن کے لیے وعدہ الٰہی کے مطابق ان پر موت طاری ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ روح وجسم کے ساتھ اسی طرح حیات ہیں جیسا کہ صحابہ کرام کے سامنے تھے۔ انبیاء کی حیات، حیاتِ شہداء سے بھی افضل واقوی ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات ج ۱ صفحہ ۵۸۴ میں تصریح فرمائی (۱۱) اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ "تنویر الملک فی امکان رویۃ النبی والملک" میں فرمایا کہ

فَحَصَلَ مِنْ مَّجْمُوْعِ هٰذَا النُّقُوْلِ وَالْاَحَادِیْثِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ بِجَسَدِہٖ وَرُوْحِہٖ وَاَنَّہٗ یَتَصَرَّفُ وَیَسِیْرُ حَیْثُ شَآءَ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَفِی الْمَلَکُوْتِ وَھُوَ بِھَیْئَتِہِ الَّتِیْ کَانَ عَلَیْھَا قَبْلَ وَفَاتِہٖ لَمْ یَتَبَدَّلْ مِنْہُ شَیْءٌ وَاَنَّہٗ مُغَیَّبٌ عَنِ الْاَبْصَارِ کَمَا غُیِّبَتِ الْمَلَائِکَۃُ مَعَ اَنَّھُمْ اَحْیَآءٌ بِاَجْسَادِھِمْ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ رَفَعَ الْحِجَابَ عَمَّنْ اَرَادَ اِکْرَامَہٗ بِرُؤْیَتِہٖ تَرَاہُ عَلٰی ھَیْئَتِہِ الَّتِیْ ھُوَ عَلَیْھَا لَا مَانِعَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا دَاعِیَ اِلَی التَّخْصِیْصِ بِرُؤْیَۃِ الْمِثَالِ (الحاوی للفتاوی ج ۲/ ۲۶۵)

یعنی ان نقول اور احادیث کے مجموعہ سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک اور روح اقدس کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ تصرف فرماتے ہیں اور عالم ملکوت اور زمین کے جس حصہ میں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں اور اپنی اسی ہیئت کے ساتھ حیات ہیں جس پر وفات سے پہلے تھے۔ آپ کی روح وجسم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور حضور علیہ السلام ہماری آنکھوں سے ایسے غائب کر دیے جیسے فرشتے اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب رہتے ہیں۔ آپ عام لوگوں کو نظر نہیں آتے جیسے ملائکہ اپنے اجسامِ لطیفہ کے ساتھ باوجود زندہ ہونے کے عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کی عزت افزائی فرماتا ہے تو حجاب اٹھا دیتا ہے۔ پھر وہ بندہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ہیئت وحال میں زیارت کرتا ہے۔ جس پر آپ وفات سے پہلے تھے اور اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے اور اس تخصیص کی کوئی دلیل شرعی داعی نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت صورتِ مثالی میں ہوتی ہے۔

چونکہ حضور علیہ السلام حیاتِ حقیقی کیساتھ زندہ ہیں اسلیے آپ کی ازواج بیوہ نہیں ہوتیں اور آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی

(۲۳) چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حقیقی جسمانی حسی ہے۔ اس لیے آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی اور آپ کی ازواج مطہرات بیوہ نہیں ہوئیں اور انھیں آپ کے وصال کے بعد کسی دوسرے سے نکاح جائز نہیں ہے۔ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو مومنین کی مائیں قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۶

میں ارشادِ باری ہے :-

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ | ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں

قرآنِ مجید میں یہ تصریح ہے کہ یہود نے انبیاء کرام کو قتل کیا اور اس طرح وہ مرتبہ شہادت پر بھی فائز ہوئے ارشادِ باری ہے - وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ (سورہ آلِ عمران آیت ۲۱) ——— مفسرین نے فرمایا - بنی اسرائیل نے صبح کو ایک ساعت کے اندر تینتالیس (۴۳) نبیوں کو قتل کیا - پھر جب انہیں ایک سو بارہ عابدوں نے نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے منع کیا تو اسی روز شام کو انہیں بھی قتل کر دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی طرح اپنی حفاظت میں لے لیا

(۲۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ جیسے قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے کر ہر قسم کے نقصان سے محفوظ کر لیا - اسی طرح صاحبِ قرآن حضور سید المرسلین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا اسی لیے کفار کی کوششوں کے باوجود آپ قتل ہونے سے محفوظ رہے - سورہ مائدہ آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ فرما کر آپ کی ذات وصفات کو بھی اللہ رب العلمین جل جلالہٗ نے اپنی حفاظت میں لے لیا - اسی لیے حضور کی سیرت و کردار اور قول وعمل کا محفوظ طریقہ سے قیامت تک موجود رہنا ضروری ہے اور اسی طرح آپ کی ذاتِ مبارک کو قتل ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ و مصئون فرمالیا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ کفار ومعاندین نے شمع نبوت کو گل کرنے کی بارہا کوشش کی - تیر و تفنگ اور تلواروں کو آزمایا مگر حفاظتِ خداوندی کی وجہ سے کامیاب نہ ہوئے ——— اس لیے حضور کی

حضور علیہ السلام کی شہادت زہر کے اثر سے ہوئی

شہادت اس زہر سے ہوئی جو ایک یہودی عورت نے آپ کو گوشت میں دیا تھا - اس وقت تو بطور اعجاز فوراً وہ زہر فوتِ حیات کا سبب نہ بنا مگر اس کی تکلیف نبی علیہ السلام نے ہمیشہ محسوس کی - مرضِ وفات میں حضور کے ارشاد کے مطابق اسی زہر کے اثر سے نبی علیہ السلام شہید ہوئے - گو کہ زہر دینے اور شہید ہونے میں تین سال کا وقفہ تھا ——— (۲۵) ام المومنین سیدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اپنے مرضِ وفات میں ارشاد فرمایا - میں نے خیبر میں جو زہر آلود طعام کھایا تھا اس کی تکلیف میں نے ہمیشہ محسوس کی

لَمْ اَزَلْ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِيْ اَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا اَوَانُ اِنْقَطَعَ اَبْهَرِيْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ (بخاری وبیہقی)

اور یہ وہ وقت ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہو گئی -

(انباء الاذکیا ۱۴۹، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۹)

(۲۶) چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اور امام زرقانی شارح مواہب نے فرمایا کہ بیشک

قَدْ ثَبَتَ اَنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ شَهِيْدًا لِاَكْلِهٖ يَوْمَ خَيْبَرَ شَاةً

یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی کیونکہ آپ نے خیبر کے روز زہر

مَسْمُوْمَةٍ فَاَنْزَلَا مِنْهُ اَعْقِ حَتّٰی مَاتَ مِنْہُ بِشْرٌ وَصَارَ بَقَاؤُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُعْجِزًا (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۳)

ملائی ہوئی بکری کا گوشت تناول فرمایا تھا۔ یہ زہر اتنا قاتل تھا کہ آپ کے ایک صحابی حضرت بشر بن براء بن معرور اس کو کھانے سے فوراً وفات پا گئے اور نبی علیہ السلام کا محفوظ رہنا معجزہ بن گیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے طیب و طاہر مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا۔ کیونکہ آپ کی وفات اسی زہر سے واقع ہوئی جو خیبر میں ایک یہودی عورت نے کھلایا تھا۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۹)

(۲۷) نیز قرآن مجید میں منعم علیہم چار گروہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین (سورہ نساء ۶۹) نبوت، صدیقیت اور صالحیت کے اوصاف کا نبی علیہ السلام میں پایا جانا سب کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب وصف شہادت آپ میں نہ مانا جائے تو آپ کی ذات اقدس کمال شہادت سے محروم قرار پائیگی۔ اور یہ امر باطل محض اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں مردود ہے کیونکہ قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور تمام کمالات و انعامات الٰہیہ اور انبیاء سابقین کے تمام فضائل و کمالات کے جامع اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا مخزن ہیں اور جس کسی کو جو نعمت اور فضل و شرف، مرتبہ و مقام حاصل ہوتا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلہ اور واسطہ سے عطا ہوتا ہے۔ اس لیے نبوت، صدیقیت اور صالحیت کی طرح وصف شہادت سے بھی حضور موصوف ہیں ——— اور حضور کا وصف شہادت تمام شہداء کے وصف شہادت سے ہزاروں درجے افضل و اعلیٰ ہے۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ و مرتبہ تمام انبیاء، اصفیاء و ملائکہ کے درجہ سے افضل و اکمل ہے

جس کو جو نعمت ملتی ہے حضور ہی کے دربار سے ملتی ہے

چنانچہ حضرت ربیعہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کو وضو کرایا تو آپ نے ان سے فرمایا۔ سَلْ یَا رَبِیْعَةُ ربیعہ مانگو۔ حدیث ہذا کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت ملا علی قاری علیہم الرحمۃ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے سوال کو مطلق رکھا۔ کسی خاص چیز کے ساتھ خاص نہیں فرمایا ——— جس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کو حضور کے اختیار میں دے دیا ہے۔ جس کو چاہیں جتنا چاہیں باذن الٰہی عطا فرما دیں۔ چنانچہ ان دونوں جلیل القدر شارحین کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

یُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاَمْرَ بِالسُّؤَالِ اَنَّ اللّٰهَ مَکَّنَهٗ مِنْ اِعْطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ (مرقات شرح مشکوٰۃ) ——— از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت او است صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد و کرا خواہد باذن پروردگار خود دہد (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم

۲۹۔ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ (بخاری) ——— میں تقسیم فرمانے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتے

والا ـــــ اس حدیث میں عموم ہے۔ حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی قاسم کے لفظ کو کسی نعمت سے خاص کرنا غلط ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ میں قاسم ہوں اور اللہ یعطی۔ اب اللہ تعالیٰ کیا عطا فرماتا ہے اسے کون شمار کر سکتا ہے۔ ثابت ہوا جو کچھ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تقسیم فرمانے والے ہیں۔ اسی لیے امام بوصیری رضی اللہ عنہ نے دربارِ رسالت میں عرض کی ؎

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ۔۔۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللہ دنیا و آخرت دونوں حضور کے خوانِ نعمت کا ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کے تمام علوم حضور کے علم کا ایک پارہ۔

(۳۰) امام محدث خطیب قسطلانی شارح بخاری قدس سرہٗ الباری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:۔

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِزَانَةُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ اَمْرٌ اِلَّا مِنْهُ ؎

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رازِ الٰہی کے خزانہ اور جائے نفاذِ امر ہیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے ـــــ خبردار ہو! میرے ماں باپ قربان ہوں ان پر جو بادشاہ و سردار ہیں اس وقت سے جب کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی آب و گل کے اندر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضور جس بات کا ارادہ فرمائیں اس کا خلاف نہیں ہوتا۔ تمام جہان میں ان کا حکم پھیرنے والا نہیں ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کوئی کیونکر پھیر سکے کہ حکمِ الٰہی کسی کے پھیرے نہیں پھرتا۔ حضور جو کچھ چاہتے ہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہٗ وہی چاہتا ہے اور حضور وہی چاہتے ہیں جو اللہ رب العٰلمین چاہتا ہے ؎

اَلَا بِاَبِیْ مَنْ كَانَ مَلِكًا وَّسَيِّدًا
وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَاقِفٌ
اِذَا رَامَ اَمْرًا لَا يَكُوْنُ خِلَافُهٗ
وَلَيْسَ لِذٰلِكَ الْاَمْرِ فِي الْكَوْنِ صَارِفٌ

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم ۔۔۔ خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۱) اسی لیے ام المومنین سیدہ، عفیفہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بحضور نبوت عرض کرتی ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی۔

مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ
(بخاری و مسلم)

میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر آپ کی خواہش کے پورا کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔

ثابت ہوا کہ جس کسی کو جو نعمت ملی ہے خواہ وہ انبیاء ہوں، صدیقین یا شہداء یا صالحین امت، سب کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ ہی سے ملی ہے اور شہداء کا مرتبہ شہادت بھی حضور ہی کا رہین منت ہے۔ غور کیجیے کہ جس مقدس ہستی کے اتباع اور وسیلہ سے مسلمان شہادت کا مرتبہ پاتا ہے خود وہ ہستی کمالِ شہادت سے کیونکر محروم رہ سکتی ہے؟ الغرض حیاتِ شہداء کے سلسلہ کی دونوں آیتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ داخل و شامل ہیں ؎

لاورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہی حضور کا برزخ ہے

(۳۲) جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ چونکہ زمین کا وہ حصہ جو جسم اقدس سے ملا ہوا ہے وہ روئے زمین بلکہ عرش و کرسی سے افضل و اعلیٰ ہے اس لیے حضور کا برزخ آپ کی قبر مبارک ہی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہی آپ کا برزخ ہے۔ کیونکہ اس سے بہتر کوئی اور جگہ ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ خیال کرنا شیطانی وسوسہ ہے کہ معاذ اللہ پھر تو آپ قبر مبارک میں محدود ہو گئے؟ یہ خیال غلط اور باطل ہے۔ حضور قبر انور میں محدود نہیں ہوئے بلکہ اپنی قبر انور میں جلوہ فرما ہونے کے باوجود ساری کائنات کا مشاہدہ فرماتے اور تصرف فرماتے ہیں۔ اگر اعلیٰ علیین میں جلوہ فرماتے ہیں تو قبر انور میں بھی جلوہ فرما رہتے ہیں۔ جیسا کہ بلا تمثیل حضرت جبرئیل امین کا حال ہے کہ وہ بیک وقت بحضور نبوت بھی حاضر اور سدرۃ المنتہیٰ پر بھی موجود جیسا کہ مفسر کبیر علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ

جبرئیل امین بیک وقت بحضور نبوت بھی حاضر اور سدرۃ المنتہیٰ پر بھی موجود

اِنَّ جِبْرَائِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَعَ ظُہُوْرِہٖ بَیْنَ یَدَیِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صُوْرَۃِ دِحْیَۃَ الْکَلْبِیِّ وَغَیْرِہٖ لَمْ یُفَارِقْ سِدْرَۃَ الْمُنْتَہٰی (روح المعانی پ ۲۲ ص ۳۵)

حضرت جبرئیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حضرت دحیہ کلبی وغیرہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے مگر سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔

بلا تمثیل یہی کیفیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحظہ اپنی امت کی طرف متوجہ رہتے ہیں

(۳۳) لَمْ یَزَلْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَزَالُ مُتَوَجِّہًا اِلَی الْخَلْقِ مُقْبِلًا اِلَیْہِمْ بِوَجْہِہٖ (فیوض الحرمین ص ۳۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مخلوق الٰہی کی طرف متوجہ ہیں اور ان کی طرف اپنا رخ انور فرمائے ہوئے ہیں۔

سچ فرمایا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے ؂

سر عرش پر ہے تیری گزر دل فرش پر ہے تیری نظر ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس یعسوب الارواح اور جان کائنات ہے

(۳۴) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی روح طیب تو ارواح و اجسام ملائکہ سے کہیں زیادہ اقوی و اعلیٰ اور افضل و برتر اور بے حد و بے شمار قوت و تصرف کی مالک ہے۔ آپ کی روح اقدس تو یعسوب الارواح اور روح الارواح بلکہ روح کائنات ہے۔ اسلیے

نبی علیہ السلام کا اپنی قبر انور میں موجود ہونے کے باوجود آسمانوں، عرشِ اعظم، اعلیٰ علیین اور دنیا کے دیگر مقامات پر جلوہ فرما ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی شان تو یہ ہے کہ جس چیز کے قریب سے آپ گزر جاتے اس میں حیات پیدا ہو جاتی ہے

۴۳۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کی قوت و شوکت، عظمت و رفعت کا تو یہ عالم ہے کہ بعض اوقات جس چیز کے قریب سے آپ گزر جاتے اس میں حیات پیدا ہو جاتی تھی۔ ویسے یہ مسئلہ بھی بدیہی ہے۔ دلائل کا محتاج نہیں ہے۔ مگر منکرین کے اطمینان کے لیے چند احادیث پیش کیے دیتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ میں مکہ کے اس پتھر کو آج بھی پہچانتا ہوں ـــــ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ (مسلم شریف) جو قبل بعثت مجھے سلام عرض کرتا تھا ـــــ ائمہ اہلسنت میں سے سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاص معجزات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے وہ کسی اور نبی کو نہیں عطا ہوئے۔ کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا ہوا اس کے مقابل ہمارے نبی کو کیا عطا ہوا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

حَنِيْنُ الْجِذْعِ فَهٰذَا اَكْبَرُ مِنْهُ (خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۷۰) | کھجور کے تنہ کا رونا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے مُردے زندہ کرنے سے افضل و اکبر ہے۔

حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو فراقِ محبوب میں اس کے منہ سے نکلتی ہے اور جزع کھجور کے درخت کے کٹے ہوئے تنے کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی جب تعمیر ہوئی تو کوئی منبر نہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے خشک تنے کے ساتھ تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا تو حضور نے اس منبر پر جلوہ فرما ہو کر خطبہ دیا۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے

فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ اَصْوَاتِ الْعِشَارِ حَتّٰى نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ (بخاری ج ۱ صہ ۱۲۵) | تو وہ کھجور کے تنہ کی سوکھی ہوئی لکڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں اس طرح روئی جیسے کسی اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے تو وہ دردناک آواز سے روئے۔

خصائص کبریٰ میں علامہ جلال الدین علیہ الرحمۃ نے حدیث ذکر کی ہے کہ جب کھجور کا خشک تنہ نبی علیہ السلام کے فراق میں رونے لگا تو صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اُترے اور اسے گلے لگایا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر میں اس کھجور کے خشک تنہ کو تسلی نہ دیتا

لَحَنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۷۵، ۷۶) | تو یہ قیامت تک روتا رہتا

سچ فرمایا سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ نے کہ حضور کا یہ معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے افضل و اکبر اور اقویٰ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک پر صرف انسان زندہ ہوئے اور وہ بھی صرف چار عدد، غرضکہ یہ ان کا معجزہ تھا

اور ہمارے سید مولیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ ہے کہ خشک لکڑی، درخت اور پتھر جن میں انسانی حیات نہیں ہوتی وہ بھی زندہ ہو گئے ؎

لب زلالِ چشمۂ کن سے گندھیں وقت خمیر
مُردے زندہ کرنا اے جان تم کو کیا دشوار ہے

غرضکہ حضرت عیسیٰ رُوح اللہ تھے۔ جن کا اعجاز یہ تھا کہ مُردہ انسان زندہ ہوئے اور حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا اعجاز یہ ہے کہ چوب خشک نہ صرف زندہ ہوئی بلکہ اس میں انسانوں جیسی صفات عقل وفہم، شعور وادراک، حزن وملال، فراقِ محبوب کا احساس، محبوب کے اس کے ساتھ تکیہ لگانے کے شرف سے محرومی جیسا ایک عاشقانہ رنگ کا ظہور ہوا۔

(۳۵) دارمی، امام بغوی، ابونعیم ابن عساکر، عبداللہ بن بریدہ حضرت ابی بن کعب سے راوی، وہ کھجور کا تنا رویا چلایا (بخاری) تھر تھر کانپا (نسائی) اور فراق محبوب میں تڑپنے لگا تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے۔ کھجور کے تنے پر دستِ شفقت رکھا اور فرمایا۔ اے خشک لکڑی کیوں روتی ہے۔ استن حنانہ نے عرض کی اے رحمتِ عالم تیری جدائی رلاتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُسْكُنْ اِنْ تَشَاءَ اَغْرِسُكَ فِي الْجَنَّةِ فَيَاكُلُ مِنْكَ الصَّالِحُوْنَ وَاِنْ تَشَاءَ اَنْ اُعِيْدَكَ رَطْبًا كَمَا كُنْتَ فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص۷۵)

چُپ ہو جاؤ۔ اگر تو چاہے تو تجھے جنت کا درخت بنا دوں اور نیک بندے تیرے پھل کھائیں اور اگر تو چاہے تو تجھے اسی دنیا کا سرسبز وشاداب درخت بنا دوں جیسے پہلے تو تھا تو کھجور کے تنے نے دنیا کی بجائے آخرت کو اختیار کیا۔

جنت میں کسی چیز کی کمی بیشی کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے

سوال یہ ہے کہ کیا عام انسان کو یہ اختیار ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کمی بیشی کر دے۔ کیا یہ اختیار ہے کہ کسی درخت سے کٹے ہوئے خشک تنے کو حسب سابق کی طرح سرسبز وشاداب کر دے؟ یہ اعزاز واختیار اگر کسی کو بارگاہِ الٰہی سے ملا ہے تو وہ صرف ہمارے آقا ومولیٰ طیب وطاہر معصوم رسول حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ذاتِ اقدس ہے۔ سچ ہے اور حق ہے کہ ؎

محبوبِ خدا کا کوئی ہم پایہ نہیں ہے
اس شان کا دنیا میں کوئی آیا نہیں ہے
ہے وصفِ الٰہی کی جھلک ان میں نمودار
وہاں جسم نہیں ہے تو یہاں سایہ نہیں ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردے زندہ فرمائے ہیں

مُردہ زندہ کرنے کا معجزہ اللہ تعالیٰ نے صرف عیسیٰ علیہ السلام کو ہی عطا نہیں فرمایا بلکہ حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی اس فضیلت سے نوازا ہے۔ اس نوع کے متعدد معجزات کا آپ سے ظہور ہوا ہے۔

(۳۶) چنانچہ شرح شفاء حضرت علا علی قاری قدس سرہ العزیز میں ہے کہ ایک شخص کی لڑکی مر گئی۔ بحضور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم عرض کی میری لڑکی فلاں جنگل میں مر گئی ہے۔ نبی علیہ السلام اس جنگل میں تشریف لے گئے اور اس لڑکی کا نام

لے کر آواز دی۔ وہ لبیک وسعدیک کہتی ہوئی زندہ ہوگئی۔ امام بیہقی نے روایت کی ایک شخص نے بحضور نبوت عرض کی اگر آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں تو میں اسلام لے آؤں گا۔ چنانچہ حضور نے اس کا نام لے کر آواز دی تو وہ لبیک وسعدیک کہتی ہوئی زندہ ہوگئی۔ حضور علیہ السلام نے اس لڑکی سے فرمایا۔ تو دنیا میں رہنا پسند کرتی ہے تو اس نے عرض کی۔

وَجَدْتُ اللّٰهَ خَيْرًا لِّي مِنْ اَبَوَيَّ (شفا ملا علی قاری ج ۱ ص ۶۴۳)	نہیں میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے والدین سے بہتر پایا ہے۔

حتیٰ کہ حضور کے غلاموں کے ذریعے بھی مُردے زندہ ہوتے۔ ایک بوڑھی عورت کا جوان لڑکا وفات پاگیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو وہ زندہ ہوگیا۔ (دلائل النبوت ج ۳ ص ۲۲۴)

دیکھیں جان بخشی لبِ تو کہیں خضر و مسیح کیوں مرے کوئی اگر ایسی مسیحائی ہو

بات دور جا پڑی عرض صرف یہ کرنا تھا کہ مکہ کا مقدس پتھر، جب حضور اس کے سامنے سے گزرتے تو آپ کو سلام عرض کرتا۔ مولائے کائنات علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔ ہم حضور کے ساتھ کسی طرف روانہ ہوئے۔

فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَّلَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۳)	تو جس پتھر اور درخت کے قریب ہوئے اس سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کی آواز آئی۔

تو جس ہستی مقدس کی یہ شان ہو کہ وہ جس چیز کے قریب سے گزر جائیں اور جس سوکھے تنے سے تکیہ لگا کر خطبہ دیں وہ آپ کی برکت سے زندہ ہو جائے بلکہ اس میں انسانوں جیسی خصوصیات پیدا ہو جائیں۔ چنانچہ مکہ کے اس پتھر کے قریب سے بہت لوگ گزرتے تھے اور وہ خاموش رہتا تھا۔ مگر جب روحِ کائنات حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تو وہ بول اٹھتا تھا اور اس میں ادراک کی قوت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ پتھر بحضور نبوت سلام عرض کرتا۔ تو جس مقدس رسول کی یہ شان ہو خود اس کی حیاتِ حقیقی کی کیا کیفیت ہوگی۔

غرضکہ وہ عیسیٰ روح اللہ تھے جن کا اعجاز یہ تھا کہ مُردہ انسان زندہ ہوگئے اور یہ حبیب خدا احمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ہیں جن کا اعجاز یہ ہے کہ چوبِ خشک نہ صرف زندہ ہوئی بلکہ اس میں انسانوں جیسی صفات، عشق و محبت، ہجر و وصال، عقل و شعور، حزن و ملال، فراقِ محبوب کا ادراک اور محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ تکیہ لگانے سے محرومی کا احساس جیسا عاشقانہ رنگ کا ظہور ہوا۔ محدثِ کبیر علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری قدس سرہٗ العزیز حدیثِ حنانہ کی شرح میں فرماتے ہیں

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى صِحَّةِ رِسَالَتِهٖ وَهُوَ حَنِيْنُ الْجِمَادِ وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ لِلْجِذْعِ حَيَاةً حَنَّ بِهَا (بخاری ج اول ص ۱۲۵ حاشیہ ۱۳)	اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے حق ہونے کی دلیل ہے اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس سوکھے ہوئے تنے میں حیات پیدا فرما دی جس کی وجہ سے وہ رو دیا۔

یعنی حدیثِ حنانہ نبی علیہ السلام کا عظیم الشان معجزہ ہے جو آپ کے رسولِ برحق ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا فرشتہ پیدا فرمایا ہے جو تمام جہان کے مسلمانوں کے درود سن کر بحضور نبوت پیش کرتا ہے

(۳۶) عَنْ عَمَّارٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَاَئِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ فَمَا مِنْ اَحَدٍ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا بَلَّغَنِیْھَا (بخاری فی التاریخ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک (خاص) فرشتہ ہے جو میری قبر انور پر حاضر رہتا ہے۔ تو جو کوئی بھی مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ وہ فرشتہ اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ عبدالرؤف شرح جامع صغیر میں اعطاہ اسماع الخلائق کی شرح میں یوں فرماتے ہیں:۔

اَیْ قُوَّۃً یَقْتَدِرُ بِھَا عَلٰی سَمَاعِ مَا یَنْطِقُ بِہٖ کُلُّ مَخْلُوْقٍ مِّنْ اِنْسٍ وَّجِنٍّ وَّغَیْرِھِمَا (وَزَادَ الْمُنَاوِیْ) فِیْ اَیِّ مَوْضَعٍ کَانَ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو ایسی قوت دی ہے کہ انسان جن وغیرہما تمام مخلوقِ الٰہی کی زبان سے جو کچھ نکلے اسے سب کے سننے کی طاقت ہے چاہے کہیں کی آواز ہو

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی وَکَّلَ لِیْ مَلَکًا عِنْدَ قَبْرِیْ فَاِذَا صَلّٰی عَلَیَّ رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَالَ لِیْ ذٰلِکَ الْمَلَکُ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ السَّاعَۃَ

مجھ پر درود بہت بھیجو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مزار پر ایک فرشتہ متعین فرمایا ہے۔ جب کوئی میرا امتی مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ وہ مجھ سے عرض کرتا ہے یا رسول اللہ فلاں بن فلاں نے ابھی ابھی حضور پر درود بھیجا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَبَارِکْ عَلٰی ھٰذَا الْحَبِیْبِ الْمُجْتَبٰی وَالشَّفِیْعِ الْمُرْتَضٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ صَلٰوۃً یَّدُوْمُ بِدَوَامِکَ وَتَبْقٰی بِبَقَائِکَ کَمَا ھُوَ اَھْلٌ لَّہٗ وَکَمَا اَنْتَ اَھْلٌ لَّہٗ اٰمِیْنَ اٰمِیْنَ اِلٰہَ الْحَقِّ اٰمِیْنَ ؎

جان مید ہم در آرزو ای قاصد آخر باز گو در مجلس آن نازنین حرفے گر از ما میرود

ظاہر ہے فرشتے کا درود پہنچانا حضور نبی کریم علیہ السلام کی عزت افزائی کے لیے ہے۔ ورنہ فرشتہ کا ہر کسی کا خواہ وہ کہیں ہو درود سن لینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ خود نہ سننا ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جو کمال عطا فرمایا ہے وہ بلکہ اس سے زیادہ حضور انور علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے۔

جس کسی کو جو کمال وخوبی ملی ہے حضور کے واسطہ ووسیلہ سے ملی ہے

خود حضور اقدس نے فرمایا کہ میں قاسم ہوں وَاللّٰہُ یُعْطِیْ کا (بخاری)۔ اب اللہ کیا کچھ عطا فرماتا ہے۔ اس کا بیان تو ناممکن ہے غرضیکہ ہر چیز اللہ ہی عطا فرماتا ہے خواہ وہ قوت، علم وبصر وسمع وادراک ہو یا کچھ اور

سب کچھ اللہ ہی عطا فرماتا ہے اور اس سب کچھ کے قاسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ حضور ہی کے وسیلہ اور واسطہ سے سب کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملتی ہیں ـــــ اور نصوصِ شرعیہ کے عموم و اطلاق کو بلا دلیل شرعی مقید اور خاص کرنا جائز نہیں ہے

(۲۷) اسی لیے امام اجل احمد بن حجر مکی علیہ الرحمۃ الجوہر المنظم میں فرماتے ہیں ۔

هُوَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِيْفَةُ اللهِ الْاَعْظَمُ الَّذِيْ جَعَلَ خَزَائِنَ كَرَمِهٖ وَمَوَائِدَ نِعَمِهٖ طَوْعَ يَدَيْهِ وَاِرَادَتِهٖ يُعْطِيْ مَنْ يَّشَاءُ

(الامن والعلیٰ ص۹۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزّوجل کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان آپ کے ہاتھوں کے مطیع اور آپ کے ارادے کے زیرِ فرمان کر دیے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں ؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

تو جب یہ مقدس فرشتہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کی آوازیں بیک وقت سننے کی طاقت و قوت عطا فرمائی ہے یہ قوت بھی اس فرشتہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی عطا ہوئی ہے ۔ نیز تمام فرشتے حضور کے اُمتی ہیں یہ فرشتہ بھی حضور کی اُمت کا ایک فرد ہے ـــــ تو حضور کا ایک اُمتی فرشتہ تو تمام جہان کی آوازیں سننے کی قوت رکھے اور وہ بھی حضور کے وسیلہ اور صدقہ سے اور خود حضور تمام جہان کی آوازیں سننے کی قدرت نہ رکھیں ، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ بصیرت و سماعت بلاشبہ اس فرشتہ سے اکمل و افضل و اعلےٰ ہے ۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی مادرِ محترم کے شکمِ مبارک میں تھا کہ قلمِ قدرت کے چلنے اور زیرِ عرش ملائکہ کی تسبیح کی آواز کو سنتا تھا

(۲۸) چنانچہ فقیہہ اعظم حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بحضور نبوت عرض کی ۔ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاند آپ سے کیا معاملہ کرتا تھا اس وقت آپ چہل روزہ تھے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مادر محترم سلام اللہ علیہا نے میرا ہاتھ باندھ دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے رونا آتا تھا ۔ چاند مجھے رونے سے منع کرتا تھا ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی ۔ آپ ان دنوں چہل روزہ تھے ۔ یہ حال آپ کو کیونکر معلوم ہوا ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ لوح محفوظ پر قلمِ قدرت چلتا تھا اور میں سنتا تھا ۔ حالانکہ (میں) شکمِ مادر میں تھا ۔ فرشتے عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز کو سنتا تھا حالانکہ (میں) شکمِ مادر میں تھا (مجموعہ فتاویٰ ج ۲ ص ۹۷) ـــــ امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی حدیث لکھی ہے جسے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے خصائصِ کبریٰ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بحضور نبوت عرض کی یا رسول اللہ آپ گہوارہ میں جلوہ فرما تھے اور جس طرف انگلی سے اشارہ فرماتے چاند اسی طرف جھک جاتا تھا ۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا اے میرے چچا چاند مجھ سے اور میں چاند سے ـــــ

كُنْتُ اُحَدِّثُهٗ وَيُحَدِّثُنِيْ وَيُلْهِيْنِيْ عَنِ الْبُكَاءِ وَاَسْمَعُ وَجْبَتَهٗ حِيْنَ يَسْجُدُ

باتیں کرتا تھا اور چاند مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب چاند زیرِ عرش سجدہ کرتا تھا تو اس کے سجدہ کرنے کی

تَحْتَ الْعَرْشِ (بیہقی) | آواز سُنتا تھا۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اُٹھاتے مہد میں | کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

تو وہ ہستیٔ مقدس جو شکمِ مادر میں قلمِ قدرت کے چلنے کی آواز کو سن لے جو زیرِ عرش چاند کے سجدہ کرنے سے جو ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہوا اسے سن لے وہ ہمارے تمہارے درود شریف کو دُور و نزدیک سے نہیں سن سکتا؟ یقیناً سُنتا ہے ـــــ جب اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ دنیا بھر کی آواز سُنتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جہان بھر کی آوازوں کی سماعت فرماتے ہیں۔

ایک فرشتہ جہان بھر کی آواز سُنتا ہے

(۳۹) اوپر حدیث گزری کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ سب کے درود کو سن کر بحضور نبوت پیش کرتا ہے خواہ درود پڑھنے والا زمین اور اس کی گہرائیوں میں ہو یا آسمان اور اس کی فضاؤں میں یا عرشِ الٰہی کے قریب یا سدرۃ المنتہیٰ پر (جیسا کہ قرآنِ مجید میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں) ـــــ اس مقدس فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوتِ سماعت عطا فرمائی ہے کہ انسانوں، جنوں اور ملائکہ، سب کے درود پڑھنے کو سُنتا ہے۔ خواہ درود پڑھنے والا کہیں ہو یہ بیک وقت سُنتا ہے۔ دنیا میں حضور کی ذاتِ اقدس پر درود پڑھنے والے یقیناً مختلف مقامات پر ایک نہیں کروڑوں ہیں۔ نمازِ فرض میں کروڑوں مسلمان پانچ وقت ہر روز درود پڑھتے ہیں۔ سنت واجب اور نوافل اس کے علاوہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ مقدس فرشتہ جہان بھر کے درود پڑھنے والوں کا درود سن لیتا ہے۔ ثابت ہوا کہ جہان بھر کی آوازوں کو بیک وقت اور ہر وقت سن لینا خاصہ ملزومہ الوہیت نہیں ہے۔

جہان بھر کی آواز کو بیک وقت سن لینا خاصہ ملزومہ اُلوہیت نہیں ہے اور اس وصف کو بعطائے الٰہی غیر اللہ میں ماننا شرک نہیں ہے

بلکہ بندے میں اس صفت کا پایا جانا ممکن اور زیرِ قدرتِ الٰہی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بندہ خاص کو چاہے دُور و نزدیک اور جہان بھر کی آواز سننے کی قوت عطا فرما دے ـــــ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بعطائے الٰہی انبیاء، اصفیاء، اولیاء اللہ جہان بھر کی آوازیں سن لیتے ہیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو شخص جہاں بھی ہو درود شریف عرض کرے حضور خود بلا واسطہ اپنے ہر اُمتی کے درود کو سن لیتے ہیں شرک نہیں ہے اور اس عقیدہ کو شرک کہنے والے بلا دلیلِ شرعی شرک قرار دے کر خود شرک میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ظلمِ عظیم کے مرتکب۔

فرشتہ کے بحضور نبوت درود پہنچانے میں حکمت کیا ہے؟

(۴۰) رہا دُور سے درود پڑھنے والے کا درود فرشتہ کا بحضور نبوت عرض کرنا یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے ہے۔ اس لیے نہیں ہے کہ حضور دُور سے درود پڑھنے پڑھنے والے کا درود خود نہیں سنتے بلا تمثیل ایسے ہے جیسے کراماً کاتبین لوگوں کے اچھے بُرے اعمال کو لکھتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا گیا۔

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (سورہ انفطار ۱۲) | معزز لکھنے والے فرشتے جانتے ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو

حالانکہ اللہ رب العزت خود جانتا ہے کہ اس کے بندے کیا کرتے ہیں۔ اس کے لکھوانے کی ضرورت کیا ہے؟ وہ تو ضرورت سے پاک و منزہ ہے۔

(۴۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ملائکہ کے گروہ یکے بعد دیگرے رات اور دن میں آتے ہیں اور نمازِ فجر و عصر میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ واپس ہو جاتے ہیں۔ فرشتوں کا رب ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خود جانتا ہے

فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ (بخاری ج ۱ ص ۷۹)	اے فرشتو! تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم آئے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

تو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے اپنے بندوں کی نمازوں اور اعمالِ صالحہ کے متعلق سوال کرنا اور فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے حضور بندوں کے نیک اعمال کو پیش کرنے سے یہ استدلال کرنا غلط اور عقل شکن ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی نمازوں اور اعمالِ صالحہ کا علم ہوتا تو فرشتے دربارِ الٰہی میں کیوں پیش کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ سوال کیوں فرماتا؟ ایسے ہی بلاتمثیل فرشتوں کا بحضور نبوت درود بطور تحفہ و ہدیہ پیش کرنے سے یہ استدلال کرنا کہ حضور علیہ السلام دُور سے درود پڑھنے والے کا درود خود نہیں سنتے غلط اور باطل ہے۔ یا یہ کہ اگر آپ خود سنتے ہوتے تو پھر فرشتہ کو درود پہنچانے کی کیا ضرورت ہے؟ —— حق یہ ہے کہ فرشتہ کا بحضورِ نبوت درود پیش کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ بادشاہوں کے درباروں میں ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اور حضور خود بھی سب کا درود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ دلائل الخیرات کی حدیث (جسے تلقی بالقبول حاصل ہے) نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

اَسْمَعُ صَلٰوةَ اَهْلِ مَحَبَّتِيْ وَاَعْرِفُهُمْ	میں اہلِ محبت کا سلام خود سنتا ہوں اور درود پڑھنے والے کو پہچانتا بھی ہوں۔

منکرین کے استدلال کا جواب (۴۱) منکرینِ شانِ نبوت کہتے ہیں کہ اگر قبرِ انور پر درود پڑھا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتے ہیں اور دُور سے پڑھنے والوں کا درود خود حضور نہیں سنتے بلکہ فرشتے حضور علیہ السلام کو پہنچا دیتے ہیں۔ یہ لوگ حدیثِ ابوہریرہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ (مشکوٰۃ و بیہقی)	جس شخص نے میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

اوّل تو اس حدیث میں اس امر کی نفی نہیں ہے کہ دُور سے مجھ پر درود پڑھنے والے کے درود کو میں خود نہیں سنتا۔ دوم یہ کہ اگر اس استدلال کو تسلیم کر لیا جائے کہ بحضور نبوت فرشتہ کا درود عرض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حضور خود کسی کا درود نہیں سنتے تو اس استدلال سے یہ بھی لازم آئے گا کہ قبرِ انور پر جو درود پڑھا جائے وہ بھی حضور خود نہیں سنتے کیونکہ اسی سلسلہ کی دوسری حدیث جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ صَلّٰى عِنْدَ قَبْرِيْ وَكَّلَ اللّٰهُ مَلَكًا يُبَلِّغُنِيْ

جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہوا ہے جو میری قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے کا درود مجھ پہنچا دیتا ہے

( )

ظاہر ہے کہ یہ حدیث پہلی حدیث جس میں یہ نص صریح ہے کہ

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ

جو میری قبر مبارک کے درود پڑھتے ہیں خود اس کو سنتا ہوں

کے مخالف و معارض ہو گئی اور یہ تعارض اس وجہ سے پیدا ہوا کہ منکرین نے حدیث دوم کے الفاظ کہ جو دور سے مجھ پر درود پڑھتے ہیں ان کا درود ملائکہ کے ذریعے مجھے پہنچتا ہے کو مطلقاً علی العموم نہ سننے کی دلیل بنا لیا۔ حالانکہ دیگر احادیث کے پیش نظر حدیث دوم سے مطلقاً نفی مراد ہی نہیں ہے بلکہ فرشتوں کے ذریعے بحضور نبوت درود کا پہنچایا جانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و اجلال اور مرتبہ و مقام کی عظمت کی بنا پر ہے۔ نیز حضور خود سنتے ہیں یا فرشتوں کو درود پہنچانے کی خدمت سپرد کی جاتی ہے یہ اس امر کی چمکتی ہوئی دلیل بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی جسمانی حسی حیات کے ساتھ زندہ و جاوید ہیں۔

(۲۴) اسی لیے شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا۔ بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم می بیند و می شنود کلام ترا زیراکہ وے متصف است

حضور علیہ السلام حیاتِ حقیقی جسمانی حسی کے ساتھ زندہ ہیں اور صفات اللہ سے متصف ہیں

بصفات اللہ تعالیٰ و یکے از صفاتِ الٰہی آن است کہ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ مر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را نصیب وافر است از صفت۔ جان لو کہ نبی علیہ السلام تجھے دیکھتے اور تیرا کلام بھی سنتے ہیں اس لیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف ہیں اور صفاتِ الٰہی میں ایک صفت یہ ہے کہ اللہ عز و جل نے فرمایا۔ میں اس کے ساتھ ہوں یا اس کا ہمنشیں ہوں جو مجھے یاد کرے اور حضور علیہ السلام کو اس سے پورا پورا حصہ ملا ہے (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۵۰) ثابت ہوا کہ حضور دور و نزدیک سب کی آوازوں کو سنتے ہیں ؎ مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ منکرین شیطان اور ملک الموت اور دیگر ملائکہ مقربین، کراماً کاتبین وغیرہ کے لیے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ حضرات دور و نزدیک کی آوازیں سن لیتے ہیں۔ حضرت ملک الموت اور شیطان لعین کی وسعتِ علمی قرآن و سنت سے

---

[۱] یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ منکرین بھی یہ تسلیم کرتے اور اقرار کرتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جو درود پڑھا جائے اسے حضور علیہ السلام خود سنتے ہیں اس میں فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا۔

[۲] علمائے دیوبند کے مذہبی پیشوا مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے براہین قاطعہ نامی کتاب میں لکھا شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلافِ نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین ص۵۱)

ثابت مانتے ہیں ـــــ مگر جب محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و شرف و مرتبہ و مقام کا مرحلہ آتا ہے تو صاف انکار ہی نہیں کرتے بلکہ شرک تک کا فتویٰ دینے سے نہیں چوکتے۔ خدا جانے ان لوگوں کا کیسا ایمان ہے کہ نبی علیہ السلام کی فضیلتِ علمی کا انکار اور شیطان کی فضیلتِ علمی کا اقرار کرتے ہیں ؎ ارے کھائے تجھے تپ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

(۴۲) نیز بعض احادیث سے بغیر کسی ابہام کے یہ واضح ہے کہ نبی علیہ السلام ہر کسی کے درود کو سنتے ہیں۔ خواہ وہ آپ کی قبرِ منور پر پڑھا جائے یا دور سے پڑھا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (احمد، ابن داؤد و بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں کوئی جو سلام عرض کرے مجھ پر لیکن اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا دیتا ہے کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

رد اللہ روحی کا معنیٰ شارحین اہلسنت نے یہ کیے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک مشاہدۂ حق میں مستغرق ہوتی ہے یعنی جب کوئی بھی آپ پر درود و سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی توجہ صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے کی طرف کر دیتا ہے ورنہ درود و سلام عرض کرنے والے کروڑوں مسلمان ہیں۔ رد اللہ روحی کی یہ توجیہہ نہ کی جائے تو کروڑوں دفعہ روح کا لوٹانا لازم آئے گا۔ دیوبندیوں کے مفتہ رعلماء بھی حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی یہی توجیہہ تسلیم کرتے ہیں ـــــ دوسرا نکتہ اس حدیث میں یہ ہے کہ الفاظِ حدیث "مَا مِنْ" میں "ما" نافیہ ہے اور اَحَدٌ نکرہ ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ نکرہ نفی کی جگہ ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور مِن استغراقیہ عموم و استغراق پر نص ہے۔ اس ضابطہ و قاعدہ سے یہ بات واضح و ثابت ہے کہ جو کوئی بھی مجھ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرے تو کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سلام کی طرف میری توجہ مبذول نہ ہوتی ہو خواہ وہ قبرِ انور کے پاس ہو یا دور ہو ہر ایک کے سلام کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں اور ہر شخص کے سلام کا جواب میں خود دیتا ہوں ـــــ ثابت ہوا کہ درود پڑھنے والے ہر فرد کا درود حضور علیہ السلام خود سنتے ہیں اور سن کر جواب بھی دیتے ہیں خواہ وہ شخص قبرِ انور کے پاس ہو یا دور ہو۔ فالحمد للہ رب العٰلمین۔

علامہ ابن جوزی کا اعترافِ حق

(۴۳) علامہ ابن جوزی نے اپنی تالیف جلاء الافہام میں ایک حدیث بحوالہ طبرانی مع سند کے ذکر کی ہے اور یہ تصریح بھی کی ہے۔ حافظ منذری نے ترغیب میں کہا کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو بہ سند جید ذکر کیا ہے۔ قَالَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ یہ وہ یوم مشہود ہے کہ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ کہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُه حَيْثُ كَانَ۔ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِيْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ

اللہ کا کوئی بندہ مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ درود پڑھنے والا جہاں بھی ہو۔ ہم نے (صحابہ نے) عرض کی۔ کیا وفات کے بعد بھی (آپ پر درود

اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ
(جلاء الافہام صہ ۶۳)

پہنچیں گے) حضور نے فرمایا۔ ہاں وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

یہ حدیثِ مقدس اپنے مضمون میں واضح ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کے درود کو سنتے ہیں خواہ وہ دور سے درود پڑھے یا قبرِ انور پر حاضر ہو کر درود پڑھے۔

جب اللہ تعالیٰ کا نورِ جلال اللہ کے خاص بندے کا سمع و بصر ہو جاتا ہے تو وہ بندہ اس نور سے دور و نزدیک اشیاء کو دیکھتا اور سنتا ہے

(۴۴) اور یہ تو حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں جن سے کوئی افضل و اعلیٰ نہیں ہے۔ حضور کے امتی جو نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قربِ خاص کی دولت پا لیتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں ان کے کان ہو جاتا ہوں اس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے (بخاری شریف) امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَهٗ سَمِعَ الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَصَرًا لَهٗ رَاَى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ
(تفسیر ج ۸ صہ ۳۸۸)

اللہ تعالیٰ کے نور کا جلال جب بندے کے کان ہو جاتا ہے تو وہ بندہ قریب و دور کو سنتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا نورِ جلال بندے کی آنکھ ہو جاتا ہے تو وہ قریب و دور کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔

تو دور و نزدیک کو دیکھنے سننے کا کمال اولیاء کرام کے لیے دلیلِ شرعی سے ثابت ہے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت کے ساتھ یقیناً ولایتِ کاملہ عظمیٰ پر فائز ہیں، کی ذات اقدس سے یہ کمال کیسے منفی ہو سکتا ہے؟

(۴۵) خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اس کمالِ سمعی و بصری کو بیان فرمایا ہے۔

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ

میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔

اس حدیث میں اگر ما موصولہ مانا جائے تو عموم ظاہر ہے۔ کیونکہ (ما موصولہ) کلماتِ عموم سے ہے اور اگر ما نافیہ مانا جائے تو نکرہ حیزِ نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ غرضکہ حدیث کا معنیٰ و مطلب یہ قرار پاتا ہے کہ ؎

شش جہت سمتِ مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی

مذکورہ بالا حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخری جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ آسمان چرچراتا ہے کہ اس کو یہی لائق ہے کہ وہ چرچرائے (یعنی جمال و جلالِ خداوندی کی وجہ سے وہ کانپتا ہے)

لَيْسَ لَهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِّلّٰهِ (خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۲۶)

آسمان پر چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتے اپنے رب کو سجدہ کرتے ہوئے نہ پڑے ہوں۔

زمین سے آسمان تک پانچسو برس کی مسافت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت وبصارت کا یہ حال ہے کہ پانچسو برس فاصلے کی کیفیت بیان فرما رہے ہیں اور یہ تو پانچسو برس کی کیفیت حضور نے بیان فرمائی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ساری کائنات حضور کے پیشِ نظر ہے ——— مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک دن میں قیامت تک کے ہونے والے حالات وواقعات بیان فرما دیئے - بخاری شریف کی حدیث میں ہے - ابتدا ِ دنیا سے لے کر انتہا ِ دنیا تک تمام خبریں بیان فرمادیں ——— محدث کبیر شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدا ِ دنیا سے لے کر ختم دنیا تک کے حالات و واقعات کو ایک مجلس میں

وَفِیْ اِیْرَادِ ذَالِكَ كُلِّهٖ فِیْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ اَمْرٌ عَظِیْمٌ خَوَارِقُ الْعَادَةِ

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۱۴ مطبوعہ)

بیان فرمادینا امر اعظم ہے اور خوارق عادات سے ہے - (یعنی بہت بڑا معجزہ ہے)

(۴۶) بیشک معجزہ ہی ہے بے دیکھے سنے تو آپ نے ابتدا ِ دنیا تا انتہا ِ دنیا کی خبریں نہیں دیں بلکہ دیکھ کر سن کر دی ہیں اور دنیا و آخرت کے حالات وواقعات کا حضور کے پیشِ نظر ہونا تو ایک معمولی بات ہے - حضور کا منصب و مقام تو یہ ہے کہ آپ حریم حق میں پہنچ کر اپنے رب کریم کے بے کیف دیدار سے مشرف ہوئے تو جس ہستی مقدس کی بصارت وسماعت کا یہ عالم ہے (۴۷) وہ غیب نہیں بلکہ غیب الغیب (ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ) کے دیدار پُر انوار سے مشرف ہوتے ہیں - تو جس ہستی مقدس سے غیب الغیب نہیں چھپا اس سے

نبی علیہ السلام سے غیب کیسے مخفی رہ سکتا ہے جبکہ آپ نے غیب الغیب اللہ عزوجل کو دیکھا ہے

غیب وشہادت اور دُور و نزدیک کے درود پڑھنے والے کی آواز سننے کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے ؎

اور کوئی کیا غیب ہو تم سے نہاں ـــ جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود

(۴۸) امام ابونعیم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ حضر موت کا بادشاہ بحضور نبوت حاضر آیا اور کہنے لگا - آپ کے نبی صادق ہونے کی کیا دلیل ہے - حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں دستِ اقدس میں اٹھائیں -

قَالَ هٰذَا یَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَسَبَّحَ الْحَصٰی فِیْ یَدِهٖ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۷۵)

اور فرمایا یہ کنکریاں میرے سچے رسول ہونے کی شہادت دیں گی چنانچہ سنگریزوں نے تسبیح کی اور وہ مسلمان ہو گیا

اس نوع کے واقعات صحیح احادیث میں بے شمار ہیں - عرض یہ کرنا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرآن نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ مٹی سے پرندوں کی صورتیں بناتے فَاَنْفُخُ فِیْهِ - پھر اس میں رُوح پھونکتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاتے ——— حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز یہ ہے کہ نہ تو مٹی سے پرندے کی صورت بناتے ہیں - نہ اس میں رُوح پھونکتے ہیں بلکہ حضر موت کے بادشاہ کے ہاتھ میں سنگریزے زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگتے ہیں ؎

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں ـــ سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

عارف رومی قدس سرہٗ العزیز نے مثنوی میں یہ روایت لکھی ہے کہ ابوجہل مٹھی میں بند کر کے چند کنکریاں لایا - حضور

علیہ السلام سے عرض کی بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا میں بتاؤں یا جو تیری مٹھی میں ہے وہ بتائے کہ میں کون ہوں۔ قصہ مختصر ؎

لاالہٰ گفت الا اللہ گفت — گوہر احمد رسول اللہ گفت

غور فرمائیے سنگریزے ابوجہل کی مٹھی میں ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھ رہے ہیں جس کی آواز ابوجہل بھی سن رہا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ان سنگریزوں کو نہ چھوا، نہ ان میں نفخ روح فرمایا۔ نہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم دیا۔ صرف یہ فرمایا کہ جو کچھ تیری مٹھی میں ہے وہی میرے متعلق بتائے گا۔ صرف اتنے جملے فرمانے سے وہ سنگریزے زندہ ہو گئے اور ان میں بولنے اور پہچاننے کی انسانی صفات بھی پیدا ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روحِ کائنات ہیں۔ آپ کی حیاتِ حقیقی حسی کا کون صاحب ایمان انکار کر سکتا ہے ؎

سنگریزوں نے حیاتِ ابدی پائی ہے — ناخنوں میں تیرے اعجازِ مسیحائی ہے

الغرض انبیاء کرام خصوصاً حضور سید المرسلین علیہ السلام کا اپنی قبور مبارک میں حقیقی روحانی جسمانی اور حسی طور پر زندہ جاوید ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ اپنی قبور میں نماز پڑھنے، ان کے اجسام مقدسہ کو مٹی کے نہ کھانے، درود و سلام کو سننے، ان کے علم و ادراک اور سمع و بصر کے برقرار رہنے اور قبور مقدسہ میں جلوہ فرما ہوتے ہوئے زمین و آسمان، عرش اور اعلیٰ علیین میں جلوہ فرما ہونے اور تصرف فرمانے کے متعلق اتنی کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن کے ذکر و بیان کے لیے دفتر درکار ہے تفصیل کے لیے خصائص الکبریٰ، جواہر البحار، دلائل النبوۃ، کتاب الروح، التذکرہ فی امور الآخرہ، فیوض الحرمین، بدور السافرہ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیے

المختصر حیاتِ انبیاء خصوصاً حضور سید المرسلین علیہم السلام کی حیاتِ روحانی و جسمانی کے متعلق کسی صاحب ایمان و ایقان کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ علماء اہلسنت و جماعت نے اس موضوع پر جو تالیفات فرمائی ہیں وہ تو منکرین کے رد اور لایعنی اور عقل شکن اشکالات کے جواب کے لیے ہیں اور فقیر حقیر ذرہ بے مقدار نے ضمنی طور پر جو کچھ عرض کیا ہے وہ محض ثواب و سعادت کے حصول کے لیے ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ — مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

روح کے متعلق کچھ امور کا بیان

واضح ہو کہ گذشتہ صفحات میں ارواحِ شہداء کا ذکر ہوا ہے اور آیندہ صفحات میں منکر نکیر کا قبر میں سوال، بدنِ میت میں روح کا اعادہ اور عذابِ قبر اور احوالِ آخرت کا ذکر آیا ہے۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ روح کے متعلق کتاب و سنت کی روشنی میں کچھ امور بیان کر دیے جائیں ——— اور روح کے متعلق ان علماء امت کے (جن کے علم و فضل کا سب ہی اعتراف کرتے ہیں) مشاہدات اقوال کو بھی پیش کر دیا جائے۔

(۱) شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ بہت سے اربابِ علم معانی اور علم باطن کے عارف اور

متکلمین فرماتے ہیں کہ روح کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی نہ ہی اس کی کوئی تعریف کی جاسکتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے:-

قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ | اے حبیب فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے

نیز فرماتے ہیں کہ ہمارے بہت سے شیوخ کی رائے یہ ہے کہ رُوح ایک لطیف جسم ہے۔ جب وہ جسمِ انسانی سے نکل جاتی ہے تو جسم پر موت طاری ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت میں جسم سے رُوح کے الگ ہونے کے متعلق خروج اور قبض اور بلوغ الحلقوم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ قَالَ الشَّیۡخُ ھٰذَا ھُوَ الۡمُخۡتَارُ (عینی ج ۱۴ ص ۱۱۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رُوح کا علم عطا ہوا ہے (۲) علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رُوح کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ آیت عَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ میں (ما) عام ہے اور اس کے عموم میں دنیا کی ہر چیز روح کے شامل و داخل ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۲۰۱) ؎

عالم میں کیا ہے جس کی تجھ کو خبر نہیں ذرّہ ہے کونسا تری جس پر نظر نہیں

رُوح کے لیے موت نہیں (۳) مفسرینِ کرام اور شارحینِ حدیث نے قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کو حیاتِ مستمرہ عطا فرمائی ہے۔ بدنِ انسانی سے رُوح کے نکل جانے کے بعد بھی رُوح پر موت طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ رُوح زندہ رہتی ہے۔

سورہ فجر آیت نمبر ۳۰ میں ارشادِ باری ہے کہ

یٰۤاَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ۝ اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ۝ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ	اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ

جو لوگ ایمان و ایقان پر ثابت قدم رہے اور اللہ تعالےٰ کے حکم کے حضور سر اطاعت خم کرتے رہے۔ جب دنیا سے ان کے سفر کا وقت آئیگا تو انھیں مذکورہ بالا خطاب سے نوازا جائے گا۔ اب یہ خطاب موت کے وقت مانا جائے یا بعث کے دن مانا جائے۔ ہر دو صورتوں میں روح کا جسم ہونا اور موت کے بعد باقی رہنا اظہر من الشمس ہے۔

(۵) قرآنِ مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے شہدا کی حیات کو بیان فرمایا ہے وہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔

فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ (آل عمران آیت ۱۷۰)	شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا۔

اس آیت سے بھی رُوح کا زندہ ہونا ثابت ہوا (۶) اسی طرح سورہ یٰسین آیت ۲۷ میں ارشاد ہے۔

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ	اس سے فرمایا گیا جنت میں داخل ہو۔ کہا کسی طرح

يَعْلَمُونَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ	میری قوم جانتی جیسی میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں کیا

یہ تو شہدار اور مومنوں کے بارے میں ارشادِ باری ہے ـــــ کفار کے متعلق سورہ اعراف آیت ۳۹ میں ارشاد ہے۔ جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ	ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کفار کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جب کافر کی رُوح قبض کی جاتی ہے تو فرشتے اس کی رُوح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے وہ گزرتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں۔

مَا هٰذَا الرُّوحُ الْخَبِيثُ حَتّٰى يَنْتَهِيَ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ	یہ کیسی خبیث رُوح ہے۔ حتیٰ کہ فرشتے اسے آسمانِ اول تک لے جاتے ہیں۔ آسمان کا دروازہ کھولنے کی استدعا کی جاتی ہے مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھلتا

مختصر یہ کہ کافر کی روح سجین میں بحکم الٰہی پھینک دی جاتی ہے۔ (خلاصہ تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۹۴ احمد، ابوداؤد وحاکم) اس آیت اور حدیث سے بھی واضح ہوا کہ کافروں کی ارواح بھی ان کے جسموں سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتیں بلکہ سماءِ دنیا تک لے جانے کے بعد انتہائی ذلت کے ساتھ واپس کردی جاتی ہیں اور سجین میں قید کردی جاتی ہیں۔ نیز مفسرین کرام نے اور آیات بھی ہیں جن سے رُوح کے باقی رہنے کا استدلال فرمایا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ کثیر صحیح احادیث سے جن میں مرنے کے بعد راحت یا عذاب کا بیان ہے اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آدمی کے مرنے کے بعد ارواح فنا نہیں ہوتیں اور علم و ادراک، سمع و بصر، قول و عمل کے ساتھ متصف ہوکر موجود رہتی ہیں۔

(۷) نیز غیر مقلد وہابیوں کے امام و پیشوا علامہ ابن قیم جوزی کتاب الروح ص ۸۶ پر لکھتے ہیں:۔

قَدْ ثَبَتَ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاتِّفَاقِ الْأُمَّةِ إِنَّ الرُّوحَ تَبْقَىٰ بَعْدَ فِرَاقِ الْبَدَنِ وَإِنَّهَا مُنَعَّمَةٌ أَوْ مُعَذَّبَةٌ (کتاب الروح ص ۸۶)	قرآن وسنت سے ثابت ہے اور امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ روح بدنِ انسانی سے نکلنے کے بعد باقی (زندہ) رہتی ہے اور روح راحت میں ہوگی یا عذاب میں۔

الغرض کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ اجسام سے روح خارج ہو جانے کے بعد بہرحال زندہ رہتی ہے اور روح خواہ کافر کی ہو یا مومن کی اسے اللہ تعالیٰ نے حیاتِ مستمرہ عطا فرمائی ہے۔ تو کافر کی روح بھی زندہ ہوتی ہے مگر قید ہوتی ہے یا عذاب میں مبتلا ہوتی ہے۔

رُوح کی ابتدا ہے مگر انتہا نہیں	(۸) علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے التذکرہ میں رُوح کے موضوع پر تفصیل

سے گفتگو فرمائی ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ رُوح جسمِ لطیف ہے ۔ مرتی اور فنا نہیں ہوتی ۔

وَهُوَ مِمَّا لَهٗ اَوَّلٌ وَّلَيْسَ لَهٗ اٰخِرٌ وَّكُلُّ مَنْ يَّقُوْلُ اِنَّ الرُّوْحَ يَمُوْتُ وَيَفْنٰى فَهُوَ مُلْحِدٌ	رُوح کی ابتداء تو ہے مگر آخر نہیں ہے (یعنی رُوح فنا نہیں ہوتی) اور جو یہ عقیدہ رکھے کہ رُوح مرجاتی ہے اور فنا ہوجاتی ہے وہ ملحد ہے

اسی طرح وہ شخص بھی ملحد ہے جو تناسخ کا قائل ہے (یعنی آواگون کا کہ بدنِ انسانی سے نکلنے کے بعد گدھے یا کتے کی جُون اختیار کرلیتی ہے (التذکرہ صہ ۱۳۵/۱۳) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ شرح الصدور میں نقل کرتے ہیں کہ رُوحیں پیدائش کے بعد

بَاقِيَةٌ بَعْدَ خَلْقِهَا بِالْاِجْمَاعِ	بالاجماع زندہ وجاوداں رہتی ہیں

اور امام عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رُوحیں مرتی نہیں۔

بَلْ تُرْفَعُ اِلَى السَّمَاۗءِ حَيَّةً	بلکہ زندہ آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہیں

(۹) علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ روحیں جوہر قائم بالذات ہیں۔ جسم انسانی جو نظر آتا ہے۔ اس کے سوا (رُوح) اور چیز ہے۔ موت کے بعد ادراک تام رکھتی ہے۔

تَبْقٰى بَعْدَ الْمَوْتِ دَرَّاكَةً وَّعَلَيْهِ جُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَبِهٖ نَطَقَتِ الْاٰيَاتُ وَالسُّنَنُ (حیات الاموات صہ ۷۸/۹۳)	موت کے بعد ادراکِ تام رکھتی ہے ۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے اور یہ بات آیات واحادیث سے ثابت ہے

الغرض قرآن وحدیث سے واضح وثابت ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد رُوح میں تغیر نہیں آتا۔ رُوح کا علم و ادراک سمع وبصر آنا جانا سب کچھ باقی رہتا ہے۔

(۱۰) امام عبداللہ بن مبارک اور ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں، امام طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسندِ صحیح حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی ہے کہ بیشک دُنیا کافر کی جنّت اور مسلمان کا قیدخانہ ہے اور

وَاِنَّمَا مَثَلُ الْمُؤْمِنِ حِيْنَ تَخْرُجُ نَفْسُهٗ كَمَثَلِ الرَّجُلِ كَانَ فِيْ سِجْنٍ فَاُخْرِجَ مِنْهُ فَجَعَلَ يَتَقَلَّبُ فِي الْاَرْضِ وَيَتَفَسَّحُ فِيْهَا (مسند احمد) فَاِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ يُخَلّٰى سَرْبُهٗ يَسْرَحُ حَيْثُ شَاۗءَ (حیات بعد الموت صہ ۳۷)	ایمان والے کی جب رُوح نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قیدخانہ میں تھا اور اس سے نکال دیا گیا کہ زمین میں گشت کرتا اور بافراغت چلتا پھرتا ہے۔ جب مسلمان مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جائے۔

اور صدیقین، شہداء اور مومنین صالحین کی ارواح کے ادراکات یعنی سمع وبصر آنا جانا بالترتیب عام ارواح سے زیادہ ہوتا ہے —— اور ارواح کا جسم سے تعلق منقطع ہوجانے کے بعد بھی جسم انسانی کے ساتھ اچھا یا بُرا جو سلوک

ہوگا۔ رُوح کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ اگر وہ فعل تعظیم و ادب ہے تو رُوح خوش ہوگی اور مسرتِ روحانی پائے گی۔ اگر وہ فعل بدنِ میّت کو ایذا پہنچانے اور اس کی توہین و تحقیر پر مبنی ہوگا تو رُوح اس پر مطلع ہوگی اور اسے ایذائے روحانی ہوگی۔

رُوح کے رہنے کی جگہ کو برزخ کہتے ہیں

(۱۱) مرنے کے بعد رُوح کے قیام کی جگہ کو برزخ کہتے ہیں۔ مسلمان کی رُوح اپنے مرتبے کے لحاظ سے مختلف مقامات پر رہتی ہے۔ اگر قبر موجود ہو بعض کی قبر پر، بعض کی چاہِ زمزم شریف، بعض کی آسمان اور زمین کے درمیان، بعض کی پہلے دوسرے ساتویں آسمان تک اور بعض کی آسمانوں سے بھی بلند اور بعض کی رُوحیں زیرِ عرش قندیلوں میں اور بعض کی اعلیٰ علیین میں، جیسے صدیقین اور شہداء کی ارواح —— رُوح کی مثال حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ ایک طائر پہلے قفس میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا —— علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ اور علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا۔

إِنَّ النُّفُوسَ الْقُدْسِيَّةَ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ وَتَرَىٰ وَتَسْمَعُ الْكُلَّ كَالْمُشَاهِدِ

بیشک پاک جانیں جب بدن کے علائق سے جُدا ہوتی ہیں، عالمِ بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں۔

حدیث میں فرمایا:۔

إِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ يُخَلَّىٰ سَرْبُهُ يَسْرَحُ حَيْثُ شَاءَ

جب مسلمان مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جائے۔

کافروں کی خبیث رُوحیں، بعض کی ان کی مرگھٹ یا قبر پر رہتی ہیں۔ بعض کی چاہِ برہوت میں کہ یمن میں ایک نالا ہے۔ بعض کی پہلی دوسری ساتویں زمین تک، بعض کی اس کے بھی نیچے سجین میں۔

ارواح اور ان کے تصرفات کے متعلق امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی تصریحات

امام احمد رضا محدث بریلوی

قدس سرہٗ العزیز نے رُوح کے موضوع پر ایک نہایت مدلل کتاب "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" تالیف فرمائی ہے۔ راقم الحروف نے یہ مضمون اسی کتاب سے ترتیب دیا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر عربی فارسی عبارات کا ترجمہ کر دیا ہے اور بعض مقامات پر مضمونِ کتاب کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ قلم لغزش نہ کھائے پھر بھی کہیں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو علماء محترم نشاندہی فرما دیں۔ انشاء اللہ اشاعت آئندہ میں تلافی کر دی جائے گی۔

—— سید محمود احمد رضوی اشرفی

(۱) رُوح فنا نہیں ہوتی اور اس کے افعال و ادراکات

انسان کے مر جانے کے بعد اس کی رُوح زندہ رہتی ہے اور اپنے افعال و اوصاف پر باقی رہتی ہے سمع و بصر رُوح کی صفت ہے نہ کہ تودہ خاک بدنِ مُردہ کی

دیکھنا، سُننا، آنا، جانا، چلنا پھرنا۔ سب بدستور رہتے ہیں۔ (انسان کے مرنے کے بعد رُوح کی قوتیں اور تیز ہو جاتی ہیں۔ (انسان کی زندگی) میں رُوح جو کام ان آلاتِ خاکی یعنی ہاتھ پاؤں زبان سے لیتی ہے۔ اب رُوح ان کے بغیر انجام دیتی ہے (۲) اور سمع و بصر و علم و ادراک جس کے اوصاف ہیں وہ جانِ پاک (روح ہے) نہ کہ تودہ خاک (بدنِ مُردہ) حیات الموات ص ۳۶/۳۳)

(۳) امام ترمذی حضرت انس سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا سے مسلمان کا جانا ایسے ہے جیسے بچہ کا ماں کے پیٹ سے نکلنا یعنی اس دم گھٹنے اور اندھیری جگہ سے فضائے وسیع دنیا میں آنا۔ ص ۱۴۶

(۴) مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں زیر آیت وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں سے سلام علیک کرو۔ وہ سُنتے ہیں اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی رُوح سُنتی ہے اور قبر میں پڑا ہوا دھڑ، وہ نہیں سُن سکتا (حیات الموات ص ۱۴۶)

رُوح جہاں بھی ہو زائر کی آواز سُنتی ہے اور جواب دیتی ہے

(۵) رُوح جنت یا آسمان یا علیین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہوتی ہے اور وہیں سے زائر کی آواز سنتی ہے جواب دیتی، ادراک کرتی ہے اپنے بدن سے کام لیتی ہے۔ پھر کون بتا سکتا ہے کہ زمین سے جنت تک کئی لاکھ، کئی کروڑ منزل کا فاصلہ ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے تفسیر عزیزی میں فرمایا۔ رُوح کو قرب و بعد مکانی اس دریافت کا حاجب نہیں۔ اس کا حال نگاہ سا ہے کہ کنوئیں کے اندر سے ساتوں آسمان کے ستارے دیکھ سکتی ہے (حیات الموت ص ۱۶۱) ـــ چنانچہ نسائی کی شرح زہر الربیٰ میں ہے:۔

اِنَّ لِلرُّوْحِ شَاْنًا اٰخَرَ تَكُوْنُ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى مُتَّصِلَةً بِالْبَدَنِ بِحَيْثُ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ فِيْ مَكَانِهَا

یعنی رُوح کی شان یہ بھی ہے کہ عالم بالا میں رہتے ہوئے بھی بدن سے اس کا خاص تعلق رہتا ہے۔ وہ عالمِ بالا ہی میں سلام کرنے والے کی آواز سنتی ہے اور جواب بھی دیتی ہے۔ (حیات الموات)

ہمیں حیاتِ بدن اور سماعِ جسمانی سے کچھ کام نہیں نہ وہ عام لوگوں کے لیے ہمارا دعویٰ

(۶) ہمیں بقائے حیاتِ بدن و سماعِ جسمانی سے کچھ کام نہیں نہ وہ عام لوگوں میں ہمارا دعویٰ نہ ہمارا کوئی مسئلہ اس پر موقوف تو اگر بالفرض بدن کے لیے موت مطلق دائم رہتی۔ ہمارا کچھ حرج نہ تھا۔ ورودِ نصوص کے سبب ہم نے تنعیم و تعذیب قبر روح و بدن دونوں کے لیے مانی اور بشہادتِ عقل و نقل بدن کے واسطے بھی ایک نوعِ حیات ہے۔ اس تلذذ و تالم کے لیے لازم جانی۔ ہاں یہ ضرور ہمارا مدعا ہے اور بحمد للہ دلائلِ قاہرہ اس پر قائم ہو چکے (ہم نے دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں بیان کیے) کہ رُوح باقی و مستمر بحال و نامتغیر و سمیع و مبصر اور بدن کے ساتھ اس کا تعلق ہمیشہ مستمر رہتا ہے) جو کچھ بعد فراق بھی بدن کے ساتھ کیا جائے (رُوح ضرور اس پر مطلع ہو گی) (حیات الموات ص ۲۴۵)

روح میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بدن میں ہوتا ہے

(۷) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ آدمی مرکب از دو چیز است جان و بدن - جزوِ اعظم جان است کہ تغیر و تبدل دراں راہ نمی یابد و بدن بمنزلہ لباس است کہ اختلاف بسیار دروے راہ می یابد - یعنی آدمی دو چیزوں کا مرکب ہے جان و بدن - جزوِ اعظم جان ہے کہ تبدل و تغیر اس میں نہیں ہوتا اور بدن جو بمنزلہ لباس ہے اس میں بہت تغیر و تبدل ہوتا ہے (حیات الموات)

محلِ نزاع سماعِ ارواح ہے ابدان سے غرض نہیں

(۸) دائرہ سماعِ موتیٰ میں اہلسنت و جماعت کا مقصود کچھ اس پر موقوف نہیں ہے کہ تمام اموات کے بدن ہی قبر میں ہمیشہ زندہ رہیں - زائروں کا سلام و کلام انہیں (مادی) کانوں کے ساتھ سنیں - اسی طرح عام اموات کی رویت (دیکھنے) کے ہماری اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ انہیں مادی آنکھوں سے دیکھیں نہ یہ واقع ہے نہ یہ ہمارا دعویٰ اور نہ ہمارے دعوے کو اس پر توقف (۲۱۵)

بدن کا کوئی ذرہ باقی نہ رہا سب خاک ہوگیا پھر بھی جیسے مسلمان سنتا ہے ایسے ہی کافر بھی

(۹) آخر اہلسنت کے نزدیک جس طرح ابھی کا مُردہ دیکھتا ہے - یونہی برسوں کا جب کہ کان، آنکھ، جسم کا کوئی ذرہ سلامت نہ رہا - سب خاک و غبار ہو کر مٹی میں مل گیا - جس طرح مسلمان قبر میں سنتا ہے - یونہی ہندو، کافر مرگھٹ میں، جس وقت اس کے کان، آنکھ کو آگ دیتے ہیں وہ ان آگ دینے والوں کو دیکھتا، ان کی باتیں سنتا، اس آگ کی اذیت کا احساس کرتا، آنکھ، کان، اعضا کو جلتا دیکھتا، ان پر آگ بھڑکنے کی آواز سنتا ہے اور جب جل بجھ کر راکھ ہو جاتے ہیں جب بھی دیکھتا، سنتا ہے جو سلام و کلام مدفونِ امروزہ کے لیے شرع مطہر میں ہے وہی مدفونِ ہزار سالہ کے واسطے، دونوں سے وہی کہا جائے گا کہ سلام تم پر اے ایمان والو، اللہ تمہیں اور ہمیں بخشے - تم ہمارے اگلے ہو اور ہم تمہارے پچھلے - خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں - حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی اعرابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جہاں کسی کافر کی قبر پر گزرو اسے دوزخ میں جلنے کی خبر دو - ارشادِ نبوت میں تازہ مرے ہوئے کی تخصیص نہ تھی بلکہ تعمیم تھی اور ان صحابی نے بھی اسی تعمیم پر عمل کیا - غرضیکہ دلائل مطلق اور آلاتِ جسمانی (یعنی دنیاوی) کی تخصیص ناحق ہے - ($\frac{۲۲۵}{۲۲۶}$)

اہلسنت کے نزدیک روح کو فنا نہیں موت حقیقۃً صفتِ بدن ہے نہ کہ وصفِ روح مگر پھر بھی کبھی روح پر لفظِ موت کا مجازاً اطلاق آتا ہے

(۱۰) اہلسنت کے نزدیک روح کے لیے فنا نہیں، موت سے روح کا مر جانا بدمذہبوں کا قول ہے - کتبِ عقائد مثلاً مقاصد و مواقف و طوالع اور ان کی شروح وغیرہا اس کی تصریحات سے مالامال ہیں تو موت حقیقۃً صفتِ بدن ہے نہ وصفِ روح جیسا کہ علامۃ الوجود مفتی ابوالسعود محمد عمادی نے تفسیر ارشاد العقل السلیم میں آیۂ مبارکہ بل احیاء عند ربھم فرمایا - پھر بھی مجازاً جو روح بدن سے نکل گئی اس پر موت کا اطلاق آتا ہے جیسا کہ

حدیث میں وارد ہوا۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ الْاَرْوَاحِ الْفَانِیَۃِ وَالْاَجْسَادِ الْبَالِیَۃِ ـــــ علامہ عزیزی اس حدیث کے تحت سراج منیر میں علامہ زین العابدین مناوی تیسیر میں اور علامہ حنفی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ اَیِ الْفَانِیْ اَجْسَادُھَا ـــــ یعنی اَلْاَرْوَاحُ الَّتِیْ اَجْسَادُھَا فَانِیَۃٌ وَالْاَرْوَاحُ لَا تَفْنٰی یعنی حدیث میں جو ارواح کو فانی فرمایا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ روح جس کے جسم فانی ہیں، وہ روح جس کے اجسام فانی ہیں، ورنہ ارواح کو تو فنا نہیں ہے۔ (حیات الموات ص۱۹۲)

شہداء اور خواص مومنین کے جسم سلامت رہتے ہیں

(۱۱) ان سب عبارات کا محصل یہ کہ روح پر اطلاق فانی باعتبارِ جسم واقع ہوا یعنی لے وہ روحیں جن کے بدن فنا ہو گئے تم پر سلام ہو ورنہ خود روح کے لیے ہرگز فنا نہیں اور لہٰذا دوسرے فقرے میں اس کی تفسیر فرمادی کہ گلے ہوئے بدن یعنی عام لوگوں کے لیے کہ شہداء اور ان کے مثل خواص کے جسم بھی سلامت رہتے ہیں۔ (حیات الموات ۱۹۱/۱۹۲)

رُوح پر بھی لفظِ میّت کا اطلاق آتا ہے اور ہم انہیں ارواح موتیٰ کے سُننے، دیکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی کو اموات کا دیکھنا سُننا کہتے ہیں

(۱۲) ہمیں اتنی بات سے کام ہے کہ مُردے زندوں کی طرح صورت و صوت کا ادراک کرتے ہیں اور اُوپر روشن ہو چکا کہ ادراک کار رُوح ہے اور رُوح موت سے نہ مرتی ہے نہ متغیر ہوتی ہے مگر اس پر بھی لفظِ میّت کا اطلاق آتا ہے۔ ہم انھیں ارواحِ موتیٰ کے سماع و ابصار کا عقیدہ رکھتے اور اسی کو اموات کا دیکھنا سننا کہتے ہیں۔ اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہاں بھی ذرائع و آلات یہی ہوں یا غیر۔ (حیات الموات ص ۲۱۶)

(۱۳) احادیث سے واضح ہے کہ بدن و روح دونوں پر میّت کا اطلاق ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہیں کہ موت بدن کے لیے ہے رُوح اس سے مبرّا ہے۔ نیز حدیث میں ارشاد ہوا کہ جو شخص مُردے کو نہلاتا، کفناتا، اُٹھاتا اور دفناتا ہے مُردہ اسے پہچانتا ہے پر ظاہر کہ یہ افعال بدن پر وارد ہیں نہ رُوح پر اور پہچاننا کام روح کا ہے اور جب اپنے علم و ادراک پر باقی رہتی ہے تو اسے موت کہاں۔ موت کی چھوٹی بہن نیند میں تو پہچان رہتی نہیں۔ موت میں کیونکر رہتی۔ (حیات الموات ص: ۱۹۳)

(۱۴) باجماع اہلِ حق رُوح کے لیے موت نہیں۔ تمام کتبِ عقائد شرح مقاصد وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اہلسنّت کے نزدیک جسم شرطِ حیات نہیں (شرح مواقف) اور رُوح آدمی کے مرنے کے بعد متغیر نہیں ہوتی۔ اس کے علوم و ادراکات بدستور رہتے ہیں تو روح بعد دفنِ میّت سوال یا عذاب و راحت کے لیے ہرگز اعادہ حیات کی محتاج نہیں کہ حیات و ادراک اس سے کب جُدا ہوئے ـــــ ہاں بدن اعادہ رُوح کا ضرور محتاج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں اہلسنت عذاب و ثوابِ رُوح و جسم دونوں کے لیے مانتے ہیں اور سوال نکیرین بھی رُوح و جسم دونوں کے لیے ہے۔ اس مسئلہ پر نصوصِ کثیرہ متواترہ دال ہیں۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں فرمایا۔ عذابِ قبر

رُوح اور بدن دونوں کے لیے ہے اور شرح فقہ اکبر میں ہے کہ ابن حزم کہتا ہے۔ برزخ میں سوال صرف رُوح سے ہوگا، بعض نے کہا صرف بدن بلا رُوح سے ہوگا۔ یہ دونوں قول احادیث صحیحہ کی روشنی میں باطل ہیں۔ (خلاصہ حیات الموات ص۱۹۵)

(۱۵) امام شیخ الاسلام خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین ابوالحسین علی سبکی قدس سرہ کا ارشاد گوارا کہ ہم نہیں کہتے کہ بدنِ مردہ سُنتا ہے بلکہ رُوح سنتی ہے خواہ تنہا جب کہ بدن مردہ رہے یا جسم سے مل کر جب کہ حیات جانب بدن عود کرے ــــــ آخر آتی بات تو منکرین کو بھی تسلیم ہے کہ اموات (جہاں ہوں) ملائکہ عذاب وثواب کو دیکھتے، ان کی بات سنتے، سمجھتے، قیامت آنے کی دعائیں کرتے اور یہ بھی تسلیم ہے کہ اموات کا دیکھنا، سُننا اور بولنا انہیں آلاتِ جسمانیہ دنیویہ پر غیر مقصود (یعنی موقوف نہیں ہے۔ (حیات الموات ص ۲۱۹)

رُوح ایک جوہر لطیف نورانی ہے علم وبصر وسمع تمام ادراکات رکھتی ہے اور کھانے پینے سے بے نیاز ہے

(۱۶) امام عینی علیہ الرحمہ شارح کنز، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الاذان بعد ذہاب الوقت میں فرماتے ہیں کہ۔

"روح ایک جوہر لطیف نورانی ہے کہ علم وسمع وبصر وغیرہا تمام ادراکات رکھتی ہے۔ کھانے پینے سے بے نیاز گھٹنے بڑھنے سے بَری ہے۔ اس لیے فنائے بدن کے بعد باقی رہتی ہے کہ اسے بدن کی طرف اصلاً احتیاج نہیں۔ ایسا جوہر عالم آب وگل سے نہیں ہوتا بلکہ عالمِ ملکوت سے تو اس کی شان یہ ہے کہ بدن کا خلل پذیر ہونا اسے کچھ نقصان نہ پہنچائے۔ جو بات موافق ہو اس سے لذت پائے جو مخالف ہو اس سے درد پہنچے اور اس پر دلیل اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو راہِ خدا میں مارے گئے ہرگز انہیں مُردہ نہ جانو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ جب مُردہ نعش پر رکھا جاتا ہے اس کی رُوح بالائے نعش پر افشاں رہتی ہے اور کہتی ہے کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! (حیات الموات ۲۲۳)

اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ سمع وبصر علم وفہم رُوح کیلیے ہے بدنِ مُردہ کیلیے نہیں

(۱۷) لاجرم قطعاً یقیناً وہ ارواحِ موتی کے لیے سمع و بصر علم وفہم مانتے اور بدن مُردہ کو جب تک مُردہ رہے ان صفات سے معزول جانتے ہیں۔ یہی بعینہٖ ہمارا مذہب اور یہی عباراتِ علماء کا مطلب (حیات الموات ، ۲۲۷)

حضرت عائشہ بدنِ میّت بلا رُوح کے سماع کا انکار فرماتی ہیں

(۱۸) اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی صرف سماعِ بدن (بدنِ میت بلا رُوح) کی مُنکر ہیں اور ادراکِ رُوحانی کی مثبت ومقر (یعنی مانتی اور اقرار فرماتی ہیں) صہ۲۲۸۔ وہ ائمہ کلام وعلماءِ اعلام سماعِ میّت کے قائل نہیں۔ ان کے کلام کو ارواحِ موتی کے متعلق قرار دینا صراحۃً باطل اور توجیہ القول بِما لایرضیٰ بہ القائل ہے۔ ان کے ارشادات بہزار زبان اس سے تحاشی (بیزاری) فرماتے ہیں۔ ص ۲۲۹

احادیث میں وارد ہوا کہ مُردہ سُنتا، دیکھتا، سلام کا جواب دیتا ہے، یہ سب حق ہے مگر یہ سب رُوح کے لیے ہے (۱۹) احادیث میں وارد ہوا کہ مُردوں کو سلام کرو وہ تمہارے سلام کو سُنتے ہیں، جواب دیتے ہیں، میّت پر رونے سے مُردہ بھی رونے لگتا ہے۔ تلاوتِ قرآن اور درخت کی تسبیح سے مُردہ کا دل بہلتا ہے۔ جب قبر پر اس کے عزیز آتے ہیں وہاں کو پہچانتا ہے، یہ سب کچھ حق ہے اس پر اہلسنت کا اجماع ہے ____ مگر اس کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ اَلْاَصْلُ فِیْهِ اِنَّ کُلَّ فِعْلٍ یُلَذِّذُ وَیُؤْلِمُ وَیَغُمُّ وَیَسُرُّ یَقَعُ عَلَی الْحَیَاتِ دُوْنَ الْمَمَاتِ فقہ حنفی کے امام علامہ شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الاحکام میں قول درر پر تقریر کی اور خود فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ مُردہ کا لذت، عذاب غم اور مسرت وخوشی محسوس کرنا بدنِ مُردہ کے لیے نہیں ہے بلکہ اس بدن کے لیے ہے جس سے حیات کا تعلق قائم ہو جائے (حیات الموات ص ۲۲۵)

اہلسنت وجماعت کا موقف یہ ہے کہ مسلمان برزخ میں علم رکھتا ہے۔ زائر کا سلام سُنتا ہے اولیاء اللہ کی قبور کی زیارت اور ارواحِ اولیاء سے استعانت نفع دیتی ہے حنفیہ وشافعیہ وغیرہم کے علمائے محققین نے صحیح حدیثوں، صحیح خبروں سے ثابت کیا ہے کہ آدمی برزخ میں علم رکھتا ہے اور زائر کا سلام وکلام سنتا اور اسے پہچانتا اور اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ علی قاری حنفی شرح الصدور حافظ سیوطی شافعی وشفاء السقام امام سبکی وغیرہا جمہور محققین کی کتب مشہورہ میں اس مسئلہ اور اس کے دلائل کی تصریح ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے عقائد کی مشہور کتابوں میں اس کی طرف اشارہ کیا۔ مقاصد وشرح مقاصد میں تصریح فرمائی کہ معتزلہ وغیرہم کے نزدیک یہ بدن شرطِ ادراک ہے تو ان کے مذہب میں جب آلاتِ بدنی نہ رہے ادراک جزئیات بھی نہ رہا اور ہم اہلسنت کے نزدیک ادراک باقی رہتا ہے۔ قواعدِ اسلام اسی کی تائید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قبورِ ابرار کی زیارت ارواحِ اولیاء سے استعانت نفع دیتی ہے۔ غرض روحِ انسانی کے ادراکات باقی اور اسے موضع دفن سے بہت تعلقات ہیں۔ احادیث وآثار اس پر گواہ ہیں۔ (حیات الموات فتویٰ علماء حرمین ص ۱۶۸/۱۶۷)

عذابِ قبر روح اور بدن دونوں پر ہے (۲۱) عذابِ قبر اگرچہ روح وبدن دونوں پر ہے مگر اس کے لیے بدن کو ایک نوع حیاتِ تازہ بقدر ادراکِ الم دی جاتی ہے۔ ورنہ موت تو اس قدر حساس وادراک کے منافی ہے۔ پھر اس حیات کا استمرار بھی ضرور نہیں۔ احادیثِ کثیرہ کہ سمع وبصر وفہم وادراک ومعرفتِ اموات پر ناطق ہیں ضرور صادق ہیں۔ ان سے مراد ارواح موتی ہیں کہ ادراک حقیقۃً روح ہی کا کام ہے اور اسے موت نہیں، نہ موتِ بدن سے اس میں تغیر آئے۔ البتہ احادیثِ خفق نعال ضرور سمع جسمانی بتاتی ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ لفظ میّت بدن میں حقیقت ان میں صراحۃً ارشاد اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وارد ہوا اور قبر میں رکھا جانا بدن ہی کی شان ہے مگر یہ بھی بوجہ مذکور ہم پر وارد نہیں کہ اس وقت بغرضِ سوال بدن کی طرف اعادہ حیات ہوتا ہے تو سماع حی کے لیے ثابت ہوا نہ کہ میت کے لیے (حیات الموات ص ۲۲۹/۲۲۸)

(۲۲) میّت نہیں مگر بدن۔ کافی شرح وافی بحث (قسم) میں فرمایا۔

اَلرُّوْحُ لَا یَمُوْتُ لٰکِنَّہٗ زَالَ عَنْ قَالِبِ فُلَانٍ وَاللّٰہُ تَعَالٰی قَادِرٌ عَلٰی اِعَادَتِہٖ (۲۲۵)

یعنی روح میت نہیں وہ تو صرف بدن سے جُدا ہوگئی اور اللہ تعالٰی قادر ہے کہ دوبارہ اسے بدن میں لے آئے۔

قبر سے تکیہ لگانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ رُوح میّت ایذا پاتی ہے

(۲۳) حدیث میں تکیہ لگانے کی ممانعت آئی ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔" شاید مراد آنست کہ روح وی ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیہ کردن بر قبروی از جہت تضمن وی اہانت و استخفاف را بودے ——— اور عارف باللہ حکیم ترمذی اور علامہ نابلسی حدیقہ میں اسی کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

مَعْنَاہُ اِنَّ الْاَرْوَاحَ تَعْلَمُ بِتَرْکِ اِقَامَۃِ الْحُرْمَۃِ وَالْاِسْتِہَانَۃِ فَتَتَاذّٰی بِذٰلِکَ

اس کے یہ معنٰی ہیں کہ رُوحیں جان لیتی ہیں کہ اُس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا، لہٰذا ایذا پاتی ہیں (حیات ۹۸)

قبر پر سلام اس لیے کیا جاتا ہے کہ رُوح سُنتی ہے

(۲۴) امام عز الدین بن عبد السلام اپنے امالی میں فرماتے ہیں کہ ہمیں (احادیث) میں حکم دیا گیا ہے کہ قبور پر سلام کریں تو اگر رُوحیں سمجھتی نہ ہوتیں تو بے شک اس میں (یعنی سلام کہنے) میں کچھ فائدہ نہ ہوتا (حیات الموات صہ۱۱۹)

اِنَّا اُمِرْنَا بِالسَّلَامِ عَلَی الْقُبُوْرِ لَوْلَا اَنَّ الْاَرْوَاحَ تُدْرِکُ لَمَا کَانَ فِیْہِ فَائِدَۃٌ

اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ مُردے سُنتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ارواح مُردگان سُنتی ہیں۔

(۲۵) اہلسنّت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ مُردے سنتے ہیں قطعاً حق ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں کہ ارواحِ مُردگان (کہ ان پر بھی اطلاقِ مُردہ ومیّت کیا جاتا ہے اور وہ خود اور ان کے ادراکات باقی و مستمر و بحال و نامتغیّر ہیں) بعد فراق بھی بدستور ادراکِ اصوات وکلام کرتے ہیں ——— (حیات الموات صفحہ ۲۱۸) ——— اس عبارت کا بھی مطلب یہ ہے کہ رُوح پر بھی موت کا اطلاق آتا ہے جیساکہ قرآن وسنت سے واضح ہے تو اہلسنت کے ہاں سماع موتی کا معنی و مطلب یہ ہے کہ مُردہ کی رُوح سنتی ہے کہ اس کے ادراک کی قوتیں باقی و مستمر و متغیر نہیں ہوتیں۔ $\frac{۲۲۸}{۲۲۹}$

(۲۶) آیۃ مبارکہ ما انت بمسمع من فی القبور سے استدلال کرتے ہیں کہ تم قبر والوں کو سنا نہیں سکتے، تو ظاہر ہے کہ فی القبر نہیں ہے مگر بدن تو آیت میں نفی اسماع بدن سے ہے اور علماء نے جو سماع کی نفی فرمائی وہ بھی بدن میت (بلا روح) سے فرمائی ہے کیونکہ قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت بدنِ میت میں حیاتِ خفیف پیدا کر دی جاتی ہے۔ ۲۲۹

بدنِ مُردہ کو پیٹنے سے حانث نہ ہوگا

(۲۷) اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر میں زید کو ماروں تو میرا غلام آزاد اب اگر زید مرگیا اور اس نے اس مرے ہوئے بدن کو پیٹا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ضرب کے معنی بدن کو درد پہچانے کے ہیں۔ والایلام لایتحقق فی المیت درد وتکلیفِ بدن میّت میں متحقق نہیں ہوتا۔

(مستخلص الحقائق بہ تبعیت ہدایہ)۔(حیات الموات، ۲۲۵)

مرنے کے بعد روح فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے

(۲۸) کتاب حیات الموات میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے متعدد احادیث و آثار ذکر کیے ہیں۔ جن کا مضمون یہ ہے (۱) جب بندہ مرتا ہے ایک فرشتہ اسکی رُوح ہاتھ میں لیے رہتا ہے۔ نہلاتے اٹھاتے وقت جو کچھ ہوتا ہے وہ سب دیکھتا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتہ اسے قبر تک پہنچا دیتا ہے (۲) روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اسے جنازے کے ساتھ لے کر چلتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ سُن تیرے حق میں کیا کہا جاتا ہے (۳) جو آدمی مرتا ہے اس کی رُوح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اپنے بدن کو دیکھتی ہے کیونکر نہلایا جاتا ہے کیونکر کفن پہنایا جاتا ہے کیونکر قبر کی طرف لے کر چلتے ہیں (۴) ہر مُردے کی رُوح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اپنے بدن کو دیکھتی جاتی ہے۔ کیونکر غسل دیتے ہیں۔ کس طرح کفن پہناتے ہیں کس طرح لے کر چلتے ہیں اور وہ جنازے پر ہوتا ہے کہ فرشتہ اس سے کہتا ہے سُن تیرے حق میں بھلا یا بُرا کیا کہتے ہیں۔ (۵) امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا کہ امام ابن ماجہ صاحب سنن کے استاذ ہیں۔ امام اجل بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:۔

بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ مَا مِنْ مَیِّتٍ یَمُوْتُ اِلَّا وَرُوْحُہٗ فِیْ یَدِ مَلَكِ الْمَوْتِ فَھُمْ یُغَسِّلُوْنَہٗ وَ یُکَفِّنُوْنَہٗ وَھُوَ یَرٰی مَا یَصْنَعُ اَھْلُہٗ فَلَوْ یَقْدِرُ عَلَی الْکَلَامِ لَنَھَاھُمْ عَنِ الرَّنَّۃِ وَ الْعَوِیْلِ

مجھے حدیث پہنچی کہ جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لوگ اسے غسل و کفن دیتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں اِن سے بول نہیں سکتا کہ انھیں شور و غل و فریاد سے منع کرے (حیات الموات ۴۴/۴۵)

جب قبر میں مُردہ دیکھتا، سُنتا، کلام کرتا، درد تکلیف محسوس نہیں کرتا پھر عذاب کس طرح؟

(۲۹) جب یہ سوال پیدا ہوا کہ بدنِ میّت میں حس و ادراک نہیں تو عذابِ قبر کیسا؟ تو علماءِ اہلسنت نے یہی جواب دیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ عذاب کرنا چاہتا ہے اسے قبر میں ایک گونہ حیات دی جاتی ہے، جس سے وہ درد محسوس کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ حیات بھی کامل نہیں بلکہ خفیف بخلاف روح کے کہ اس کی حیاتِ مستمرہ ہے (بنایہ شرح ہدایہ، کافی اور مستخلص میں ایسا ہی لکھا ہے (خلاصہ حیات الموات ص ۲۲۷-۲۲۶ اور علامہ ابن الہمام نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ روح کے نکلنے کے بعد بدن کو میّت سے موسوم کرتے ہیں۔ اسی لیے عذاب دینے کے لیے قبر میں میّت میں اتنی حیات پیدا کر دی جاتی ہے جس سے وہ عذاب کی تکلیف کو محسوس کر سکے۔ حتیٰ کہ بدنِ میّت کے اجزاء ایسے متفرق ہو گئے کہ وہ مٹی میں مل جانے اور خاک ہو جانے کے بعد متمیز نہ ہو سکیں تو اللہ تعالیٰ انہی اجزاء میں حیات پیدا فرما دے گا۔ جس کو زندہ انسان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی ص ۲۲۷، تو غور کیجیے۔ فقہاء کرام میت کسے کہہ رہے ہیں؟ جس کے اجزاء مٹی میں مل گئے نظر نہیں آتے وہ بھی تودۂ خاکِ بدن ہے نہ کہ روحِ پاک اور اسی تودہ خاک یعنی بدنِ میّت جس میں رُوح نہیں کے متعلق

فقہاء نے فرمایا ہے کہ وہ نہ سُنتی ہے نہ دیکھتی ہے (خلاصہ حیات الموات ص: ۲۲۷)

غزوہ بدر میں جو کافر قتل ہوئے نبی علیہ السلام نے ان کی لاشوں سے کلام کیا مگر ان کی لاشوں میں رُوح کا اعادہ کیا گیا تھا

(۳۰) صحیح احادیث سے واضح ہے کہ غزوہ بدر میں جو صنادید قریش مارے گئے تو نبی علیہ السلام نے ان کی لاشیں کنویں میں پھینکوا دیں۔ جب لاشوں سے کنواں پَٹ گیا تو تین دن بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لائے اور ان کافروں کی لاشوں کو مخاطب بنا کر فرمایا۔ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا (بخاری ومسلم)

احادیثِ قلیب اگرچہ قبر میں سوال کے وقت اعادہ روح سے جُدا ہے۔ اول تو کافر مجاہر سے سوال ہونے میں کلام ہے اور اگر سوال ماننے ہی تو اس کا وقت ابتداء وضعِ بدن و دفن ہے ـــــ امام ابوعمر ابن عبدالبر نے فرمایا۔ سوال یا مومن سے ہوگا یا منافق سے کہ بظاہر مسلمان بنتا تھا بخلاف کافرِ ظاہر کہ اس سے سوال نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا۔ هُوَ الْأَرْجَحُ وَلَا أَقُوْلُ سِوَاهُ اسے ردالمحتار میں نقل کیا ـــــ یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ ان کافروں کی لاشوں نے گوشِ بدن ہی سے سُنا۔ حضرت فاروقِ اعظم نے عرض کی۔ حضور کیا ان بدنوں سے کلام فرماتے ہیں۔ جن میں روح نہیں۔ حضور نے جواب میں فرمایا کہ خدا کی قسم تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ صاف ثابت ہوا کہ سماع جسمانی ہی واقع ہوا ـــــ مگر جبکہ جسم سے رُوح کا علیحدہ ہونا یقیناً معلوم بغیر اعادہ حیات خالی جسم کا سُننا قطعاً معدوم تو ان کافروں کے لیے تین دن بعد ان کے اجسام میں رُوح کا اعادہ ماننے سے چارہ نہیں ـــــ اور ظاہر ہے کہ ایسا عموماً نہیں ہوتا۔ ایک تو یہ حضور کا معجزہ ہے۔ دوسرے ان کی لاشوں سے روح کا تعلق اس لیے کیا گیا تاکہ ان کافروں کو حسرت ندامت، عذاب اور اذیت زیادہ ہو کیونکہ روح و بدن دونوں کا اشتراک تنہا روح کے ادراک سے اشد اور سخت تر ہے۔ اسی لیے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ان کی حسرت اور توبیخ و تذلیل کے لیے ان کفار کی لاشوں میں رُوح کا اعادہ فرما کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان کو سنوایا۔

(حیات الموات ۲۳۹/۲۴۰)

مرنے کے بعد بھی رُوح کا قبر سے خاص تعلق باقی رہتا ہے

(۳۱) حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ تفسیر عزیزی میں ارواحِ انبیاء، اولیاء و صالحینِ امت کی ارواح کا ذکر فرماتے ہیں:۔

تعلقے بقبر نیز ایں ارواح را می باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس می شود زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود و مثالِ آں در وجود انسان روحِ بصری است کہ ستارہ ہا ہفت آسمان را درونِ چاہ می تواند دید۔

(حیات الموات ۱۴۸)

مرنے کے بعد بھی روح کا قبر کے ساتھ تعلق رہتا ہے جو لوگ زیارت کو آتے ہیں اور دوست احباب قبر پر آتے ہیں تو روح کو اس سے تسکین ہوتی ہے کیونکہ رُوح کو دور و نزدیک مانع نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کنویں میں بھی آدمی کی روحِ بصری سات آسمان پر جو ستارے ہیں انھیں دیکھ لیتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا بندہ کامل جب انتقال فرماتا ہے تو اس کی عادات علم و بصر اور کمالات سب اس کے ساتھ ہوتے ہیں بلکہ اور جوہر دار اور قوی ہو جاتے ہیں

(۳۲) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں (مرنے کے بعد آدمی) جب برزخ کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو ان کی عادات اور علم سب ان کے ساتھ (مَعَهُمْ لَا انْفِكَاكَ عَنْهُمْ) رہتے ہیں۔ جدا نہیں ہوتے۔
(۳۳) بندہ کامل کا جب انتقال ہوتا ہے نہ وہ گمتا ہے نہ اس کا کمال بلکہ بدستور اسی حال پر رہتے ہیں (بَلْ كُلٌّ حَالِكَ بِحَالِهٖ) (۳۴) بندہ کامل جب انتقال فرماتا ہے تو عوام خیال کرتے ہیں کہ وہ دنیا سے گم ہو گیا (وَلَا وَاللّٰهِ مَا فُقِدَ بَلْ تَجَوْهَرَ وَتَقَوّٰى) حالانکہ خدا کی قسم وہ گم نہیں بلکہ اور جوہر دار و قوی ہو گیا (۳۵) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:۔

چوں آدمی می میرد روح را اصلاً تغیر نمی شود چنانچہ حامل قوی بود حالا ہم ست و شعور و ادراکے کہ داشت حالا ہم دارد بلکہ صاف تر و روشن تر ملخصاً

یعنی جسم خاکی سے روح نکلنے کے بعد بالکل متغیر نہیں ہوتی اور اس کے شعور و ادراک کی قوتیں اور صاف اور روشن ہو جاتی ہیں۔ (حیات الممات ص ۱۴۷، ۱۴۶)

شہداء و صدیقین و اولیاء کرام کی ارواح جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں اور دنیا و آخرت میں مدد فرماتی ہیں

(۳۶) مفسر شہیر بیہقی وقت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی حنفی عثمانی مظہری مجددی نقشبندی مصنف تفسیر مظہری قدس سرہ العزیز، تذکرۃ الموتی میں ارواح اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے متعلق فرماتے ہیں۔

ارواح ایشاں از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند و دوستاں و معتقداں را در دنیا و آخرت مددگاری میفرمایند و دشمناں را ہلاک می سازند

(الامن والعلی ص ۱۱)

یعنی اولیاء کرام کی ارواح مبارک زمین و آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور اپنے دوستوں اور معتقدوں کی دنیا و آخرت میں مدد فرماتی ہیں۔ ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔

(۳۷) حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے تصرف کے متعلق مرزا جان جاناں فرماتے ہیں۔ میں بلاد مصیبت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روح مبارک سے مدد لیتا ہوں۔
امام العارفین مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنھیں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے اپنے مکاتیب میں قیم طریقہ احمدیہ و داعی سنت نبویہ اور حاشیہ مکتوبات دہلویہ میں ان کے متعلق فرمایا۔ ہند و عرب و ولایت میں ایسا متبع کتاب و سنت نہیں ہے بلکہ سلف میں بھی کم ہوتے ہیں۔ یہی مرزا صاحب علیہ الرحمۃ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں۔

نسبت ما بجناب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ میرسد

یعنی میری حضرت امیر المومنین شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

سے نسبت ہے اور مجھ حقیر کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے خاص نیازمندی ثابت ہے۔ مجھے جب کوئی جسمانی عارضہ (بلا و مصیبت) لاحق ہوتا ہے تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توجہ حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی توجہ و عنایت سے شفا حاصل ہوجاتی ہے۔ (حیات الموات ۱۷)

علی امام من است و منم غلام علی ہزار جانِ گرامی فدا بنامِ علی

اولیاء کاملین فرماتے ہیں ہماری رُوحیں ہمارے جسم ہیں یعنی ہماری رُوحیں اجسام کا کام دیتی ہیں اور کبھی ہمارے اجسام برنگِ ارواح ہوجاتے ہیں

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ العزیز

(جنہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے مکتوب نمبر ۵۷ میں فضیلت و ولایت مآب مروج شریعت و منور طریقت دنور مجسم و عزیز ترین موجودات و مصدر انوار فیوض و برکات قرار دیا اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے بیہقی وقت کا خطاب دیا) اپنی تالیف تذکرۃ الموتی میں فرماتے ہیں:۔

اولیاء گفتہ اند ارواحنا اجسادنا یعنی ارواحِ ایشاں کار اجساد می کنند و گاہی اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برایند میگویند کہ رسولِ خدا را سایہ نبود صلی اللہ علیہ وسلم ارواحِ ایشان از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند و بسبب ہمیں حیات اجساد آنہارا در قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم می ماند ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود ارواحِ مومنین ہر جا کہ خواہد سیر کند مراد از مومنین کاملین اند حق تعالیٰ اجساد ایشان را قوتِ ارواح می دہد کہ در قبور نماز می خوانند و ذکر میکنند و قرآن می خوانند ملخصاً (حیات الموات ص ۱۴۷)

یعنی اولیاء کاملین فرماتے ہیں کہ ہماری ارواح ہمارے اجسام ہیں یعنی ہماری ارواح اجسام کا کام کرتی ہیں اور کبھی ہمارے اجسام لطافت کی وجہ سے ارواح کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لیے ان کے جسم بلکہ کفن کو مٹی نہیں کھاتی ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی کہ مومنین کی رُوحیں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں۔ مراد اس سے مومنین کاملین ہیں (جیسے صحابہ کرام، صدیقین و شہداء، صالحین) اللہ ان کے اجسام کو قوتِ ارواح سے نواز دیتا ہے یہ اپنی قبروں (برزخ) میں نماز پڑھتے، اللہ کا ذکر کرتے اور قرآن پڑھتے ہیں۔

صالحین اُمت کی ارواح کا حال ملائکہ کی طرح ہے وہ انسانی شکل میں آکر تصرف کرتی ہیں

(۳۹) حضرت شاہ عبد العزیز تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:۔

چوں روح از بدن جدا می شود قوائے نباتی از و جدا می شوند نہ قوای نفسانی و حیوانی واگر وجود قوای نفسانی و حیوانی نیضاناً یا بقاءً مشروط باشد بوجود قوائے نباتی و مزاج لازم آید کہ ملائکہ را شعور و ادراک و حسے و حرکتے

یعنی جب روح بدن سے جدا ہوتی ہے تو جسمانی قوتیں اس سے جدا ہوتی ہیں۔ جب کہ نفسانی اور حیوانی قوتیں باقی رہتی ہیں۔ اگر نفسانی و حیوانی قوی کا فیضان و بقا قوی جسمانی سے مشروط ہوتا تو پھر لازم آتا کہ ملائکہ کو شعور

وغضب ودفع منافر نباشد پس حال ارواح در عالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکل وبدنی کار میکنند ومصدر افعال حیوانی ونفسانی میگردند بے آنکہ نفسِ نباتی ہمراہ داشتہ باشند

(حیات الموات ۱۴۷)

ادراک وحس وحرکت وغضب ودفع منافرۃ ہوتا۔ پس عالمِ برزخ میں رُوح کا حال ملائکہ کی طرح ہے جو بتوسطِ شکل وبدن کام کرتی ہے اور حیوانی ونفسانی افعال کا صدور ان سے ہوتا ہے خواہ نفسِ نباتی ساتھ ہو یا نہ ہو۔

امام شاہ ولی اللہ نے فرمایا۔ اولیاء اللہ کی طرف متوجہ ہوکر فاتحہ پڑھے اور مرزا مظہر جانِ جاناں نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رُوح نے مجھ پر بڑا اکرم کیا

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نے بحضور علی مرتضیٰ ایک قصیدہ عرض کیا جس کا مطلع یہ تھا ؎

فروغ چشم آگاہی امیر المومنین حیدر — ز انگشتِ ید اللّٰہی امیر المومنین حیدر

بجنابِ ایشان عرض نمودم نوازشہا فرمودند — بحضور امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم عرض کیا تو آپ نے بڑی نوازشیں فرمائیں (حیات الموات ۱۷)

(۴۱) امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ "حدیثِ نفس کا علاج بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بارواحِ طیبہ مشائخ متوجہ شود برائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارتِ قبر ایشاں رود وازانجا انجذاب دریوزہ ہمعات) (حیات الموات ص ۱۴/۱۳)

یعنی ارواحِ طیبہ مشائخ کی طرف متوجہ ہوکر فاتحہ پڑھے یا ان کے مزارات کی زیارت کرے اور بھیک مانگے۔

امام ولی اللہ نے فرمایا۔ ہمارے شیخ عبد الرحیم نے ائمہ کرام، غوثِ اعظم، خواجہ نقشبند، خواجہ غریب نواز سے آداب سیکھے

امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں:۔

تَاَدَّبَ شَیْخُنَا عَبْدُ الرَّحِیْمِ مِنْ رُّوْحِ الْاَئِمَّۃِ الشَّیْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ الْجِیْلَانِیِّ وَالْخَوَاجَہ بَھَاؤُ الدِّیْنِ مُحَمَّدِ نَقْشَبَنْدِیْ وَالْخَوَاجَہ مُعِیْنِ الدِّیْنِ الْحَسَنِ الْچِشْتِیِّ وَاَمَدَّہٗ رَاٰھُمْ وَاَخَذَ مِنْھُمُ الْاِجَازَۃَ وَاَعْرِفُ لِنِسْبَۃِ کُلِّ اَحَدٍ مِّنْھُمْ عَلٰی حِدَتِہَا مِمَّا فَاضَ مِنْھُمْ عَلٰی قَلْبِہٖ وَکَانَ یَحْکِیْ لَنَا حِکَایَتَھَا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ

یعنی ہمارے مرشد شیخ عبد الرحیم نے ائمہ کرام، حضور غوثِ اعظم اور خواجہ نقشبند وخواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواحِ طیبہ سے آدابِ طریقت سیکھے اور ان سے اجازتیں لیں اور ہر ایک کی نسبت جو ان سرکاروں سے ان کے دل پر فائز ہوئی جُدا جُدا پہچانی اور ہم سے اس کی حکایت بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات اور ان سے راضی ہو۔

(حیات الموات ص ۱۵۹)

نیز امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

(۴۲) اور بھی ہمارے مرشد شاہ عبدالرحیم ادب آموز ہوئے۔ اپنے تایا شیخ رفیع الدین کی روح سے (شفاء العلیل)

اور انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد سے ناقل کہ

میفرمودند مرا در مبدء حال بہ مزار شیخ رفیع الدین الفتے پیدا شد آنجا می رفتم و بفقر شان متوجہ می شدم الخ (حیات المموات ص ۱۸)

یعنی وہ یہ بھی فرماتے تھے۔ مجھے ابتدا میں حضرت شیخ رفیع الدین علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک سے الفت پیدا ہوئی تو میں ان کے مزار پر حاضر ہوا اور ان کی طرف متوجہ ہوا

سلسلہ نقشبندیہ کے رئیس حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ حضور غوث الثقلین کی توجہ ہر وقت اپنے مریدوں کی طرف مبذول رہتی ہے انکا کوئی مرید ایسا نہیں جو انکی توجہ سے محروم رہے

(۴۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں۔

التفات غوث الثقلین بحالی متوسلان طریقۂ علیا ایشان بسیار معلوم شد باہیچکس از اہل ایں طریقہ ملاقات نہ شد کہ توجہ مبارک آنحضرت بحالش مبذول نیست (حیات المموات ص ۱۵۲)

حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی توجہ اپنے طریقۂ علیہ کے وابستگان کے ساتھ تو بہت ہی مشہور ہے (میری) اس طریقہ (قادریہ) کے متوسلین میں سے کسی ایسے شخص سے کبھی بھی ملاقات نہیں ہوئی کہ اس کی طرف حضرت غوث الثقلین کی توجہ نہ رہی ہو۔

خواص اولیاء اللہ کی ارواح عالم برزخ سے بھی دنیا میں تصرف فرماتی ہیں

(۴۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں: بعض خواص اولیاء را کہ جارحۂ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانند دریں حالت (یعنی بعالم برزخ) تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد" (حیات المموات ص ۱۵۰)

(۴۵) حضرت مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ مکتوبات میں لکھتے ہیں:۔

بعض ارواح کاملان بعد ترک تعلق اجساد آنہا را دریں نشاء تصرفے باقی است (حیات المموات ۱۵۰)

یعنی بعض اولیاء کاملین کی ارواح کا اپنے جسم سے علیحدہ ہوجانے کے بعد اس دنیا میں عمل دخل باقی رہتا ہے

اولیاء مدفونین سے فائدہ و استفادہ جاری ہے

غوث اعظم بین بے سروساماں مددے
قبلۂ دین مددے کعبۂ ایماں مددے

(۴۶) حضرت شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں دفن کو نعمت الٰہی ٹھہرا کر اس کے منافع و فوائد میں لکھتے ہیں۔ "از اولیائے مدفونین انتفاع و استفادہ جاریست" (حیات المموات ص ۱۶)

حضرت بایزید بسطامی کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل ہوا

(۴۷) حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے

والد شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ سے ناقل تفسیری عزیزی میں لکھتے ہیں کہ اویسیت کی نسبت صحیح اور قوی ہے۔ شیخ ابو علی فارمدی کو ابوالحسن خرقانی سے روحی فیض ہے اور ان کو بایزید بسطامی کی روحانیت سے اور ان کو امام جعفر صادق کی رُوحانیت سے تربیت ہے۔ اھ نقلہ البلھوری فی شفاء العلیل (حیات الموات ۱۶)

ارواحِ اولیاء اللہ سے فیض حاصل ہونا ایک امرِ واقعی ہے

(۴۸) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔

بسیارے را فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ و ایں طائفہ را در اصطلاحِ ایشان اویسی خوانند (حیات الموات ۱۱۸)

یعنی ارواحِ اولیاء سے جن کو فیوض و برکات حاصل ہوئے اصطلاحِ صوفیاء میں ان کو اویسی کہتے ہیں۔ فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ امام شیخ الاسلام فخر رازی (صاحب تفسیرِ کبیر) نے فرمایا۔

چوں می آید زائر نزد قبر حاصل میشود نفسِ او را تعلقی خاص بقدر چنانچہ نفس صاحبِ قبر را و بسببِ ایں دو تعلق حاصل میشود میانِ ہر دو نفس ملاقات معنوی و علاقہ مخصوص پس اگر نفس مزور قوی تر باشد نفس زائر مستفیض میشود و اگر بعکس بود برعکس شود

جب کوئی شخص کسی ولی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور زائر اور صاحبِ قبر کی رُوحوں میں خاص تعلق پیدا ہو جائے تو پھر فیض حاصل ہو جاتا ہے۔ (حیات الموات ص ۱۱۸)

ارواحِ اولیاء اللہ دنیا و آخرت میں مدد فرماتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:۔

(۴۹) اولیاء اللہ دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگاری میفرمایند و دشمنان را ہلاک می نمایند و از ارواح بطریقِ اویسیت فیض باطنی میرسد (حیات الموات ۱۵۲)

اولیاء اللہ اپنے دوستوں اور معتقدان کی دنیا و آخرت میں مدد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اولیاء اللہ سے بطریقِ اویسیت فیض باطنی ملتا ہے

حضرت خواجہ نقشبند، خواجہ نظام الدین اولیاء اور شیخ جلال پانی پتی اپنے معتقدوں کی مدد فرماتے ہیں

(۵۰) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:۔

عنایت حضرت خواجہ نقشبند بحالِ معتقدان خود مصروف است مغلان در صحرا ہا وقتِ خواب اسباب و اسپانِ خود بحمایت حضرت می سپارند تا ئیدات از غیب ہمراہ

یعنی حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی عنایت و توجہ اپنے مریدوں پر ہمیشہ رہی ہے۔ اسی لیے مغل جنگل میں اپنے اسباب و گھوڑے وغیرہ حضرت کے سپرد کر دیتے ہیں

ایشان میشود دریں باب حکایات بسیار است تحریر آں باطالت میرساند سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بحال زائران مزار خود عنایت بسیار میفرمایند ہمچنیں شیخ جلال پانی پتی التفاتہا می نمایند (حیات الموات ۱۵۲)

(حفاظت کے لیے) اور حضرت خواجہ نقشبند کی غیبی تائید ہمیشہ ان کے ہمراہ رہتی ہے۔ اس باب میں بے شمار روایات ہیں جن کی تحریر موجب طوالت ہے۔ اسی طرح سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ جلال پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما کی توجہ و عنایت زائرانِ مزار کے حال پر رہتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا اور ان کے مزار کی طرف توجہ کی تو حضرت خواجہ باقی باللہ نے کمال غریب نوازی اپنی خاص نسبت جو انہیں حضرت خواجہ احرار سے ملی ہوئی تھی مجھے مرحمت فرمادی

(۵۱) حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی قدس سرہ الربانی مکتوبات شریف میں فرماتے۔

بعد از رحلت ارشاد پناہی قبلہ گاہی (یعنی خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ) بتقریب زیارت مزار شریف بہ بلدۂ محروسۂ دہلی اتفاق عبور افتاد و زعید بزیارتِ مزار شریف ایشان رفتہ بود و در اثنائے توجہ بمزارِ متبرک التفاتے تمام از روحانیتِ مقدس ظاہر گشت و از کمالِ غریب نوازی نسبت خاصہ خود را کہ بحضرتِ خواجہ احرار منسوب بود مرحمت فرمودند (حیات الموات ۱۵۸)

امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ارواحِ طیبہ مشائخ سے فیض چاہو

(۵۲) حضرت امام شاہ ولی اللہ نے ایک رباعی لکھی۔

آنانکہ ز اد ناس بیہمی جستند بالجملہ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمتِ ایشان میجو دروازۂ فیضِ قدس ایشان ہستند

اور مکتوبِ شرح رباعیات میں خود اس کی شرح یوں کی۔

توجہ بارواحِ طیبہ مشائخ در تہذیبِ رُوح و سر نفع بلیغ دارد (حیات الموات ۱۴)

یعنی اولیاء اللہ کی رُوح کی طرف توجہ کرنے سے بہت رُوحانی فائدہ ہوتا ہے۔

قبر کے قریب بیٹھ کر یارُوح الروح کہے اور فیض پائے

(۵۳) امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے القول الجمیل میں ایک عبارت لکھی۔ اس کا ترجمہ مولوی خرم علی بلہوری نے نصیحۃ المسلمین میں یوں کیا:۔

"مشائخ چشتیہ نے فرمایا۔ قبرستان میں میت کے سامنے کعبہ معظمہ کو پشت دے کر بیٹھے گیارہ بار سورۂ فاتحہ پڑھے

پھر میت سے قریب ہو کر کہے یا روح اور یا روح الروح کی دل میں ضرب کرے یہاں تک کہ کشائش و نور پائے پھر منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحبِ قبر سے ہو اس کے دل پر (حیات الموات ص ۱۵)

حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے فرمایا نسبتِ اویسی رکھنے والے ارواحِ اولیائ سے حاجتیں طلب کرتے اور مراد کو پاتے ہیں

(۵۴) حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے تفسیر فتح العزیز میں فرمایا۔

اویسیان تحصیلِ مطلب کمالاتِ باطنی از انہا می نمایند و اربابِ حاجات و مطالب حلِ مشکلاتِ خود از انہا می طلبند می یابند (حیات الموات ص ۱۵)

یعنی اویسی (قادری) ارواحِ اولیاء اللہ سے کمالاتِ باطنی کا حصول اور مطلب انہی سے دیکھتے ہیں اور اہلِ حاجت اپنی مشکلوں کا حل ان کے مانگتے اور پاتے ہیں

قضاءِ حاجات و حلِ مشکلات کے لیے امام شاہ ولی اللہ نے وظیفہ شیئاً للہ یا شیخ عبد القادر تجویز فرمایا

(۵۵) حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے انتباہ میں بعض شارح حضرات قادریہ قدست سرائہم سے حصولِ مہمات و قضائے حاجات کیلیے ایک ختم یوں نقل کیا :-

اوّل دو رکعت نفل بعد ازاں یک صد و یازدہ بار درود بعد ازاں یک صد و یازدہ بار کلمہ تمجید و یکصد و یازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبد القادر جیلانی الخ (حیات الموات ۱۶۴)

یعنی پہلے دو رکعت نفل پڑھے، اس کے بعد ۱۱۱ بار درود شریف، اس کے بعد ۱۱۱ بار کلمہ تمجید پڑھے، اس کے بعد ۱۱۱ بار یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا ورد کرے اور پھر اپنے مقصد کے لیے دُعا کرے

حضرت غوث اعظم اور خواجہ معین الدین کی قبر مبارک سے فیض حاصل کیا

(۵۶) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ انفاس العارفین میں اپنے استاذ الاستاذ محدث ابراہیم کردی علیہ الرحمۃ کا حال لکھتے ہیں :-

دو سال کم و بیش در بغداد ساکن بود بر قبری سیدی عبد القادر قدس سرہٗ متوجہ می شد ذوقِ ایں را از انجا پیدا کرد (حیات الموات ۱۵۸)

یعنی دو سال بغداد میں مقیم رہے اور قبر سیدی شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف (فیض حاصل کرنے کے لیے) متوجہ رہے۔ راہِ طریقت کا ذوق یہیں سے پیدا ہوا

(۵۷) بمزار فائض الانوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ متوجہ بودند و از آنجناب دلربا نیہا یافتند و فیضہا گرفتند ——— اپنے تایا ابو الرضا محمد سے نقل کیا۔

میفرمودند یکبار حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ را در یقظہ دیدم اسرار عظیم دران محل تعلیم فرمودند

فرماتے تھے مزار فائض الانوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی طرف متوجہ ہوئے اور فیض حاصل کیا۔

(حیات الموات ۱۵۹)

نیز فرماتے تھے ایک بار بیداری میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ اس موقع پر آپ نے طریقت کے اسرارِ عظیم تعلیم فرمائے۔

ایک نہایت کمزور بیمار بڑھیا کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ روحِ شیخ انسانی شکل میں آئی پانی پلایا اور لحاف اوڑھایا

(۵۸) امام ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے سلسلہ کے ایک شیخ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"عجوزہ را از مخلصان بعد وفاتِ ایشان تپ ولرزہ گرفت بغایت نزار گشت شبی بنوشیدنِ آب و پوشیدنِ لحاف محتاج شد وطاقتِ آن نداشت وکسے حاضر نبود ایشان متمثل شدند وآب دادند ولحاف پوشانیدند واز نگاہ غائب شدند" (حیات الموات صد ۱۵۹)

فیوض و برکات و ولایت کا سب سے پہلے ظہور سیدنا آدم علیہ السلام کے وقت سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا ہوا۔ دنیا بھر کے تمام اوتاد، ابدال، نجبار، نقبار و اولیار کو جو فیض ملا حضرت علی ہی کی بارگاہ سے ملا ہے۔ آپ کے وسیلہ کے بغیر کسی کو فیضِ ولایت نہیں مل سکتا

(۶۰) بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ العزیز "سیف المسلول" میں فرماتے ہیں:۔

فیوض و برکات کارخانہ ولایت کہ از جناب الٰہی بر اولیاء اللہ نازل میشود اول بر یک شخص نازل میشود ازاں شخص قسمت شدہ بر یک از اولیائے عصر موافق مرتبہ و بحسب استعداد او میرسد و ہیچکس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضی نمیرسد وکسی از مردان خدا بے وسیلہ او درجہ ولایت نمی یابد اقطاب و اوتاد و ابدال و نجبا و نقبا جمیع اقسام اولیائے خدا بوے محتاج میباشد صاحب ایں منصبِ عالی را امام وقطب الارشاد بالاصالۃ" نیز خوانند و ایں منصب عالی از وقتِ ظہور آدم علیہ السلام بروح پاک علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ مقرر بود (حیات الموات ص ۱۵۲)

ولایت کے کارخانہ کے فیوض و برکات جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں۔ اول صرف ایک شخص پر نازل ہوتے ہیں۔ اسی سے اولیاءِ عصر میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ و استعداد کے مطابق پہنچتے ہیں۔ کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی اس کے وسیلہ کے بغیر فیض نہیں پاتا اور مردانِ خدا اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت حاصل نہیں کر سکتے۔ قطب و اوتاد، ابدال، نجبا، نقباء تمام سب کے سب اسکے محتاج ہوتے ہیں۔ اس منصبِ عالی کو امام وقطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور اس منصبِ عالی پر ظہور سیدنا آدم علیہ السلام کے وقت سے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فائز و مقرر ہوئے۔ پھر بالترتیب آئمہ اہلبیت یکے بعد دیگرے اس منصب پر فائز ہوتے رہے۔

حضرت علی کے بعد جس کسی کو فیض و ھدایت ملا آئمہ اثناعشر کے توسط سے ملا اور آئمہ اثناعشر اولیاء اللہ

کے ملجا ہیں حتیٰ کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچی

(۶۰) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوب ۱۲۳ جلد سوم میں فرماتے ہیں۔

بعد از ایشان (یعنی حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم) بہر یکے از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت و در اعصار ایں بزرگواران وہم چنیں بعد از ارتحال ایشان ہر کرا فیض وہدایت میرسد بتوسط ایں بزرگواران بودہ ملاذ و ملجائے ہمہ ایشان بودہ اند تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ الخ

یعنی اب جس کسی کو فیوض و برکات اور درجہ ولایت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک ہوگا وہ انہی آئمہ اثنا عشر اور ان کے بعد حضور غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی رُوح مبارک کے وسیلہ و واسطہ اور بارگاہِ عالی سے حاصل ہوگا

(حیات الموات ۱۵۴/۱۵۳)

یعنی آپ ظہور امام مہدی علیہ السلام تک منصب قطب الاقطاب پر فائز ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ اور واسطہ سے فیوضِ ولایت و قطبیت ملتے ہیں اور تمام اولیائے امت کے آپ ہی ملجا و ماویٰ ہیں۔ (مکتوب مجدد الف ثانی ۱۲۳ جلد سوم)

اسی لیے حضور پرنور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ۔۔۔ اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

پہلوں کے سورج غروب ہوگئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے اُفق پر جلوہ ریز رہے گا۔

پھر یہ منصب امام حسن عسکری کو ملا

قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

(۶۱) بعد وفات عسکری علیہ السلام تا وقت ظہور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلی ایں منصب بروح حسن علیہ السلام متعلق بود۔ (سیف المسلول)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد یہ منصب قطب الارشاد ائمہ اثنا عشر کو منتقل ہوتا ہوا حضرت امام حسن عسکری کی روح مبارک کو عطا ہوا۔

(حیات الموات صد ۱۵۴)

پھر غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی کو یہ منصب عطا ہوا

حضرت قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

(۶۲) "چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد ایں منصب مبارک بوی متعلق شد و تا ظہور محمد مہدی ایں منصب بروحِ مبارک غوث الثقلین متعلق باشد۔" "چوں امام محمد مہدی ظاہر شود ایں منصبِ عالی تا انقراض زمان بوی مفوض باشد۔" (سیف المسلول) حیات الموات)

یعنی جب غوث الثقلین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ منصب (قطب الارشاد) انہیں تفویض ہوا اور تا ظہورِ امام مہدی علیہ السلام یہ منصب غوث الثقلین ہی سے متعلق رہے گا۔ اور جب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو یہ منصب تا قیامِ قیامت انہیں کے سپرد رہیگا

(سیف المسلول)

مجدد الف ثانی بھی نائب مناب حضرت غوث الاعظم ہیں

(۶۳) مجدد الف دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است و بنیابت حضرت شیخ ایں معاملہ باد مربوط است چنانچہ گفتہ اند نور القمر مستفاد من نور الشمس (مکتوب مجدد جلد سوم مکتوب ۱۲۳)
(حیات الموات ۱۵۴)

یعنی "مجدد الف ثانی" بھی اس مقام (یعنی ولایت و مجددیت) میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا نائب و مناب ہے اور آپ کی ہی نیابت میں اس منصب سے اس کا بھی تعلق ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔

امام ولی اللہ نے فرمایا حضور غوث اعظم کی روحانیت کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ اپنی قبر مبارک میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔

(۶۴) حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ہمعات میں لکھتے ہیں:۔

در اولیائے امت و اصحاب طرق اقوی کسی کہ بعد تمام راہ جذب باکد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ و درانجا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی اند ولہذا گفتہ اند کہ ایشان در قبر خود مثل احیار تصرف می کند
(حیات الموات صہ ۱۴۹)

یعنی تمام اولیاء امت اور اصحاب سلاسل میں جن کی روحانیت کا مقام سب سے بلند ہے اور جن کی نسبت زیادہ کامل و مکمل ہے وہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز ہیں جن کے بارے میں بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی قبر مبارک میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی کہتے ہیں بادشاہوں کو بادشاہی ملنے میں حضرت علی کی ہمت کو بہت دخل ہے

(۶۵) قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت عہد حضرت مرتضی (کرم اللہ وجہہ الکریم) تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان است و در سلطنت سلاطین و امارت امراء ہمت ایشان را دخلے ست کو بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست
(صراط مستقیم) (حیات الموات صہ ۱۵۱)

یعنی قطبیت، غوثیت، ابدالیت وغیرہا تمام مناصب و مراتب حضرت امیر المومنین علی مرتضے کرم اللہ وجہہ الکریم کے زندگی مبارک سے دنیا کے اختتام تک (یعنی ان کے وصال کے بعد بھی) سب آپ کے ہی وسیلہ و واسطہ سے ملتے ہیں اور بادشاہوں کی سلطنت میں اور امیروں کی امیری ملنے میں مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمت کو ایسا دخل ہے جو سیاحین عالم ملکوت پر ظاہر ہے۔

(۶۶) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز تفہیمات میں فرماتے ہیں کہ سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ کی الگ الگ خاصیتیں ہیں۔ سلسلہ قادریہ میں تعلیم اگرچہ بظاہر شیخ سے ہوتی ہے ــــــ مگر قادریہ سلسلہ اویسیہ روحانیہ سے قریب ہے۔ اس سلسلہ میں مشائخ کے ساتھ تعلق اور ان کے ساتھ توجہ جس درجہ کی ہوتی ہے۔ دوسرے

سلسلوں میں نہیں پائی جاتی اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور پرنور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو عالم میں اثر و نفوذ کا خاص مقام حاصل ہے۔ یہ اس لیے کہ جب انھوں نے وصال پایا تو انھیں ملاء اعلیٰ کی ہیئت حاصل ہوگئی اور ان کو وہ وجود حاصل ہوگیا جو تمام عالم میں جاری و ساری ہے۔ بدیں وجہ ان کے سلسلے (قادریہ) میں ایک خاص رُوح پیدا ہوگئی۔ (تفہیمات)

گم شدہ چیز کی دریافت کے لیے ارواحِ اولیاء سے مدد چاہنا جائز ہے

(۶۷) اہلسنت و جماعت کے مانے ہوئے فقہاء جن کی جلالتِ علمی و فقہی کو مخالف بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی علامہ زیادی، علامہ اجہوری، علامہ داؤدی اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں۔ "جس کی کوئی چیز گم ہو جائے مکان بلند پر روبقبلہ کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کرے۔ پھر اس کا ثواب حضرت سیدی احمد بن علوان یمنی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ہدیہ کرے۔ اس کے بعد یوں عرض کرے کہ سیدی یا ابن علوان میری گمُ ہوئی چیز مجھے مل جائے ورنہ دفترِ اولیاء سے آپ کا نام خارج کردونگا (یعنی آپ کی ولایت تسلیم نہیں کرونگا) تو وہ گم شدہ چیز مل جائے گی" (ردالمحتار ج ۳ ص ۳۳۴)

اولیاء اللہ سے استمداد کا طریقہ

(۶۸) رسالہ فیض عام مزاراتِ اولیاء سے استمداد میں شاہ عبدالعزیز کا ارشاد یہ ہے۔

طریق استمداد از ایشان آنست کہ بزبان گوید ای حضرت من برائے فلاں کار در جناب الٰہی التجا میکنم شما نیز بدعا و شفاعت امداد من نمائید لکن استمداد از مشہورین باید کرد (حیات الموات ۱۶۵)

یعنی اولیاء اللہ سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے کہے حضرت فلاں کام کے لیے بجناب الٰہی میرے لیے التجا کریں۔ دعا اور شفاعت سے میری امداد فرمائیں لیکن استمداد مشہور (معتبر اولیاء سے کرے)

جو بات یا فعل شرک ہے اس میں زندہ و مردہ کا تفرقہ عقل و شرع دونوں کی رُو سے غلط بلکہ مضحکہ خیز ہے

(۶۹) شیخ شیوخ علماء الہند مولانا و برکتنا سیدی شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات میں فرمایا:۔

اگر ایں معنی کہ در امداد و استمداد کردیم موجب شرک و توجہ بما سوائے حق باشد چنانکہ منکر زعم میکند پس باید کہ منع کردہ شود توسل و طلبِ دُعا از صالحان و دوستانِ خدا در حالتِ حیات نیز و ایں ممنوع نیست بلکہ مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین
حیات الموات صفحہ ۲۵

اگر اولیاء اللہ سے (مشکلات میں) مدد طلب کرنا شرک اور توجہ ما سوی اللہ ہے جیسا کہ منکر کا خیال ہے تو پھر چاہیئے کہ اللہ والوں اور اللہ کے نیک بندوں سے ان کی دنیاوی زندگی میں ان سے توسل اور دُعا کرانا بھی منع ہو۔ حالانکہ صالحینِ امت سے ان کی دنیاوی زندگی میں مدد

توسل و دعا کرانا باتفاق شریعتِ اسلامیہ میں مستحسن و مستحب اور جاری و معمول ہے ـــــــ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے جو نکتہ بیان فرمایا ہے۔ ہر مسلمان کے ذہن میں رہنا چاہیئے۔ اس میں بہت سے شبہات و اعتراضات کا رد ہے اور یہ اصولی و بنیادی بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیئے جو بات یا فعل شرک ہے اس میں زندہ و مردہ کا تفرقہ کرنا عقل و شرح دونوں کی رو سے غلط بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ کیا زندہ کو خدا کا شریک ماننا جائز اور مردہ کو خدا کا شریک ماننا شرک ہوگا؟ حالانکہ خدا کا شریک نہ ہوسکنے میں زندے مُردے سب برابر ہیں۔ جو بات یا فعل شرک ہے وہ جیسے زندہ کے ساتھ شرک ہے ایسے ہی مردے کے ساتھ بھی شرک ہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ زندہ سے مدد مانگنا جائز ہے اور مُردے سے مدد مانگنا حرام و شرک ہے غلط کہتے ہیں۔ اسی نکتہ کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمادیا کہ توسل و دُعا جیسے بزرگانِ دین سے ان کی حالتِ حیات میں جائز ہے ان کی وفات کے بعد بھی جائز ہے شرک نہیں ہے ورنہ اگر زندہ اور مردہ کی قید لگائی جائے تو پھر تو بزرگانِ دین سے ان کی زندگی میں بھی توسل اور دُعا کرانا، ناجائز و شرک قرار پاجائے گا (رضوی) ـــــــ

(۲۶۱۹) امام بخاری نے حدیثِ انس ذکر فرمائی ہے۔ جس میں یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کفار و مشرکین کے لیے نمازِ صبح میں تیس دن تک دعاءِ ہلاکت فرمائی تھی۔ یہ رعل ذکوان او عُصَیّہ کے قبائل تھے (بخاری) اس حدیث پر مفصل گفتگو گزشتہ اوراق میں ہوچکی ہے۔ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۶۲۰) عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ اِصْطَبَحَ نَاسٌ اَلْخَمْرَ يَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ قُتِلُوْا شُهَدَاءَ فَقِيْلَ لِسُفْيٰنَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ قَالَ لَيْسَ هٰذَا فِيْهِ

حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ نے جنگِ اُحد کے دن صبح کے وقت شراب پی پھر شہید ہوگئے۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ (راوی حدیث) سے پوچھا گیا۔ کیا اسی دن کے آخری حصے میں (انکی شہادت ہوئی تھی جس دن انھوں نے شراب پی تھی؟) تو انھوں نے جواب دیا کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (بخاری)

عرب میں شراب کا عام رواج تھا اور یہ واقعہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اِصْطَبَحَ باب افتعال سے اس کے معنیٰ شَرِبُوا الْخَمْرَ صُبُوْحًا۔ انھوں نے صبح کے وقت شراب پی، کے ہیں۔

بَابُ ظِلِّ الْمَلٰٓئِكَةِ عَلَى الشَّهِيْدِ

باب شہید پر ملائکہ کا سایہ کرنا

اِبْنَ الْمُنْكَدِرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ جِيْءَ بِاَبِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ مُثِّلَ بِهٖ وَ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ میرے والد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے (اُحد کے موقع پر) ان کو مُثلہ کردیا گیا تھا۔ نعش نبی کریم صلی اللہ

وُضِعَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَذَهَبْتُ اَکْشِفُ عَنْ وَجْهِهٖ فَنَهَانِیْ قَوْمِیْ فَسَمِعَ صَوْتَ صَائِحَةٍ فَقِیْلَ ابْنَةُ عَمْرٍو اَوْ اُخْتُ عَمْرٍو فَقَالَ فَلِمَ تَبْکِیْ اَوْ فَلَا تَبْکِیْ مَا زَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ تُظِلُّهٗ بِاَجْنِحَتِهَا قُلْتُ لِصَدَقَةَ اَفِیْهِ حَتّٰی رُفِعَ قَالَ رُبَّمَا قَالَهٗ

(بخاری)

علیہ وسلم کے سامنے رکھی گئی تو میں نے آگے بڑھ کر ان کا چہرہ کھولنا چاہا لیکن میری قوم کے لوگوں نے مجھے منع کر دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی آواز سنی۔ لوگوں نے بتایا کہ عمرو کی لڑکی ہیں (شہید کی بہن) یا عمرو کی بہن ہیں (شہید کی چچی، شک راوی کو تھا) حضور نے فرمایا۔ روکیوں رہی ہیں۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ روئیں نہیں، ملائکہ مسلسل ان پر اپنے پروں کا سایہ کیے ہوئے ہیں۔

شہید پر ملائکہ کا سایہ کرنا یہ بھی ان کا اعزاز و اکرام ہے۔ جس کی خبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ نیز ملائکہ کا پروں سے سایہ کرنا امور غیب سے ہے جیسے خود ملائکہ کا وجود ہمارے لیے غیب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمورِ غیبیہ کو ظاہر فرما دیا ہے اور علم و رویت کی ایک ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام وہ کچھ دیکھتے سنتے اور جانتے ہیں جو عام انسانوں کی قوتِ سماعت و بصارت سے باہر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ وہ اُحد میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے حضرت جابر نے کسی وجہ سے دوسری جگہ دفن کرنے کے لیے ان کی قبر مبارک کو کھولا تو ان کا جسم ترو تازہ تھا۔ جیسے ابھی ابھی دفن کیا گیا ہو۔ حالانکہ ان کی قبر کو چھ ماہ کے بعد کھولا گیا تھا غرضکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کو بھی دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ فرشتے ان کی لاش پر اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حضور کے صحابہ کو ان اُمور کی خبر نہ ہوئی۔

بَابُ تَمَنِّی الْمُجَاهِدِ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا

باب مجاہد کا دنیا میں واپس آنے کی خواہش کرنا

۲۶۲۲- سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَحَدٌ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ یُحِبُّ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَهٗ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا الشَّهِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَةِ

(بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرے گا اگرچہ اس کو دنیا کی ہر چیز دیدی جائے۔ مگر شہید یہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں واپس ہو اور دس بار راہِ خدا میں قتل کیا جائے کیونکہ وہ جنت میں اپنے اعزاز و اکرام کو دیکھے گا۔

(۱) اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے بھی جہاد میں ذکر کیا ہے (۲) علامہ ابن بطال نے فرمایا یہ حدیث شہید کے فضل و شرف کی عظمت کی آئینہ دار ہے۔ شہید کو اللہ تعالیٰ جنت میں حسن عظیم و جلیل ثواب اور نعمتوں سے فراز

فرمائے گا۔ اس کی بنا پر وہ یہ تمنا کرے گا کہ مجھے پھر دنیا میں بھیجا جائے اور متعدد بار راہِ خدا میں قتل کیا جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو مزید حاصل کروں۔

بَابُ الْجَنَّةُ تَحْتَ بَارِقَةِ السُّيُوفِ

باب جنت تلواروں کی چمک کے نیچے ہے

وَقَالَ الْمُغِيرَةُ ابْنُ شُعْبَةَ اَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ اِلَى الْجَنَّةِ وَقَالَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَلٰى (بخاری)

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے رب کی طرف سے خبر دی کہ جو ہم سے شہید ہو جائے وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت عمر نے بحضورِ نبوت عرض کی یا رسول اللہ ہم میں سے جو راہِ خدا میں قتل ہوں وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور ان کے مقتول آگ میں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں۔

اس تعلیق کو امام بخاری نے جزیہ میں مکمل طور پر ذکر کیا ہے۔ کشمیھنی کی روایت میں عن رسالۃ ربنا کے الفاظ مروی ہوئے ہیں۔

۲۶۲۳۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ تَابَعَهُ الْاُوَيْسِيُّ عَنِ ابْنِ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسٰى ابْنِ عُقْبَةَ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنّت تلواروں کے سایہ میں ہے۔

(بخاری)

حدیث اور تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ راہِ خدا میں شہید ہونا ایک بہت بڑی نعمت اور فضیلت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو جب جہاد کے لیے بلایا جائے تو خلوصِ قلب سے لبیک کہنا چاہیے۔

بَابُ مَنْ طَلَبَ الْوَلَدَ لِلْجِهَادِ

باب جو جہاد کے لیے اللہ سے اولاد مانگے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوٗدَ لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى مِائَةِ امْرَاَةٍ اَوْ تِسْعٍ وَتِسْعِيْنَ كُلُّهُنَّ تَاْتِيْ بِفَارِسٍ يُّجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے فرمایا۔ آج رات میں اپنی سو یا ننانوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر بیوی ایک ایک ایسے شہسوار جنے گی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد

فَقَالَ لَہٗ صَاحِبُہٗ قُلْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ فَلَمْ یَقُلْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْھُنَّ اِلَّا امْرَاۃٌ وَّاحِدَۃٌ جَآءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَّالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فُرْسَانًا اَجْمَعُوْنَ (بخاری)

کرے گا۔ ان کے ساتھی نے عرض کی انشاء اللہ بھی کہہ لیجئے۔ لیکن آپ انشاء اللہ نہیں کہہ سکے۔ چنانچہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان کے بھی آدھا بچہ پیدا ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام اسوقت انشاء اللہ کہہ لیتے (تو ان کی تمام بیویوں کے ہاں مجاہد بچے پیدا ہوتے) ضرور راہِ خدا میں جہاد کرتے۔

(۱) امام بخاری یہاں یہ حدیث معلقاً لائے ہیں اور باقی چھ مقامات ایمان و نذور میں یہی حدیث مسنداً لائے ہیں (۲) حضرت سلیمان علیہ السلام نے صرف زبان سے انشاء اللہ نہیں کہا۔ لیکن ان کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کی طرف تفویضِ امر سے ہرگز غافل نہ تھا۔ کیونکہ یہ بات منصبِ نبوت کے لائق نہیں ہے اور صرف ان کی زبان پر انشاء اللہ کا جملہ جاری نہ ہونا بھی مقدورِ الٰہی سے تھا۔ (۳) اس حدیث سے واضح ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں مجاہد لڑکے پیدا ہونے کی دُعا کرنا بھی کارِ ثواب ہے گو کہ لڑکے پیدا نہ ہوں مگر نیت کا ثواب بہرحال مل جائیگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا انشاء اللہ نہ کہنے کے متعلق چند امور کی وضاحت

(۴) ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم کیسے کھائی کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی تمام ازواج سے مجاہد لڑکے پیدا ہوتے۔ (حالانکہ جو شخص انشاء اللہ کہہ دے تو اللہ تعالیٰ پر واجب و لازم نہیں ہے کہ انشاء اللہ کہنے والے کی دُعا اور تمنّا ضرور پوری کر دے البتہ انشاء اللہ کہنا مستحب بھی ہے اور باعث برکت بھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک پر اعتماد اور اسی کی ذات کی طرف تمام کاموں کو سُپرد کر دینے کا آئینہ دار ہے)۔

تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ فلاں بندہ جب فلاں دوائی استعمال کرے گا تو اس کو شفا ہوگی۔ یہ عمل کرے گا تو اس کو رزق عطا ہوگا۔ انشاء اللہ کہے گا تو اس کی تمنّا پوری ہوگی۔ اگر دُعا کرے گا تو اس کی مشکل حل ہوگی۔ یعنی یہ بات مقدورِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ اگر وہ انشاء اللہ نہیں کہتا، دُعا نہیں کرتا، دوائی استعمال نہیں کرتا جس میں اسکی شفا مقدر ہے تو وہ کام بھی نہیں ہوتا۔

غرضیکہ مقدورِ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں۔ کبھی بندہ کا رزق، اولاد، مصائب و آلام سے نجات وغیرہ امور بندہ کے کسی فعل قول اور دُعا کے ساتھ معلق ہوتے ہیں تو اس کا نتیجہ وغیرہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ اس مسئلہ کی اصل حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ

تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا ضرور اس کے پیٹ میں

بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ | رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے

اس آیت سے واضح ہوا کہ تقدیر الٰہی میں یہی تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح و تہلیل کریں گے تو مچھلی کے پیٹ سے نجات پائیں گے اور اگر وہ تسبیح نہ کریں گے تو مچھلی کے پیٹ سے نہیں نکل سکیں گے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ مقدور الٰہی یہ ہے کہ اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ زبان سے کہہ دیں گے تو ضرور لڑکے پیدا ہوں گے۔ تو تقدیر الٰہی کے علم کی بنا پر حضور علیہ السلام نے قسم یاد فرمائی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو علم اولین و آخرین سے نوازا ہے۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک رات میں اپنی سو ازواج سے قربت یہ انبیاء کے خصائص سے ہے۔ ان کو وہ قوت و طاقت عطا ہوتی ہے جو ان کے غیر کو نہیں دی جاتی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ۴۰ جنتی مردوں جتنی قوت عطا ہوئی ہے اور یہ بات نبی علیہ السلام کے زہد اور صبر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے باوجود اتنی قوت کے نو ازواج مطہرات پر قناعت فرمائی ہے۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ استثناء کے لیے صرف نیت کافی نہیں ہے بلکہ زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری ہے ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

بَابُ الشُّجَاعَةِ فِي الْحَرْبِ وَالْجُبْنِ

باب جنگ کے موقع پر بہادری یا بزدلی

۲۶۲۴۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَاَشْجَعَ النَّاسِ وَاَجْوَدَ النَّاسِ لَقَدْ فَزِعَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَقَهُمْ عَلٰى فَرَسٍ قَالَ وَجَدْنَاهُ بَحْرًا (بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔ مدینہ کے تمام لوگ (ایک رات) خوفزدہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک گھوڑے پر سوار سب سے آگے تھے۔ حضور نے فرمایا۔ اس گھوڑے کو (دوڑنے میں) ہم نے سمندر کی طرح پایا۔

فوائد و مسائل (۱) عنوان کا مقصد یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر اور اسی طرح خوف کے مقامات پر شجاعت و بہادری قابل مدح ہے اور جبن بزدلی قابلِ مذمت ہے (۲) اس حدیث کو امام بخاری نے ادب، مسلم نے فضائل النبی، ترمذی و ابن ماجہ نے جہاد میں اور نسائی نے سیر اور عمل الیوم واللیلہ میں ذکر کیا ہے (۳) حدیثِ ہذا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حسنہ میں سے تین صفات کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ یہ تینوں صفات آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ (۴) علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حکماء اسلام کہتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تین قوتیں عطا فرمائی ہیں۔

قوتِ عقلیہ، اس کا کمال جود و عطا ہے ـ قوتِ غضبیہ، اس کا کمال شجاعت ہے ـ قوتِ شہویہ، اس کا

کمال جود و عطا ہے اور احسن کے لفظ سے اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ حسنِ صورت تابع ہے اعتدالِ مزاج کے اور اعتدالِ مزاج صفاتِ نفس کے تابع ہے اور نفس کی مذکورہ بالا تینوں صفات اخلاقِ حمیدہ کی اصل اور بنیاد ہیں (عینی ج ۱۴ ص ۱۷۱) ——— غرضیکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم احسنیت، حسن و جمال، اشجعیت، بہادری اور شجاعت اور اجودیت میں بے مثل و بے مثال ہیں۔

(۴) واقعہ یہ تھا۔ ایک رات اہلِ مدینہ کو دشمن کے حملہ کا خوف ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر مدینہ کی سرحدوں کو ملاحظہ فرمایا اور واپس آکر اہلِ مدینہ کو مطمئن کیا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے (۵) یہ گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اور اس کا نام مندوب تھا۔ نبی علیہ السلام نے اس کی تیز رفتاری کو سمندر کی موجوں سے تشبیہ دی۔ گھوڑے کی تیز رفتاری کے متعلق ایسی تشبیہ سب سے پہلے حضور ہی نے دی۔

۲۶۶۵- اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ اَنَّهٗ بَيْنَمَا هُوَ يَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ النَّاسُ مَقْفَلَهٗ مِنْ حُنَيْنٍ فَعَلِقَتِ الْاَعْرَابُ يَسْاَلُوْنَهٗ حَتّٰى اضْطَرُّوْهُ اِلٰى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَآءَهٗ فَوَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْطُوْنِيْ رِدَائِيْ لَوْ كَانَ لِيْ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمٌ لَقَسَمْتُهٗ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِيْ بَخِيْلًا وَلَا كَذُوْبًا وَلَا جَبَانًا (بخاری)

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ آپ کے ساتھ اور صحابہ بھی تھے۔ وادی حنین سے آپ واپس تشریف لا رہے تھے۔ کچھ (بدو) لوگ آپ کو لپٹ گئے۔ بالآخر آپ کو ایک ببول کے درخت کے پاس جانا پڑا تو ان لوگوں نے اسے لے لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمایا، چادر مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس اس درخت کے کانٹوں جتنے بھی اونٹ بکریاں ہوتیں تو میں تم میں تقسیم کر دیتا مجھے تم بخیل نہیں پاؤ گے اور نہ جھوٹا اور بزدل پاؤ گے۔

فوائد و مسائل (۱) مَقْفَلَهٗ کے معنی واپس ہونے، رجوع کرنے کے ہیں۔ نبی علیہ السلام وادی حنین (جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے) سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ کچھ بدو آپ سے مانگنے کے لیے آپ سے چمٹ گئے۔ حضور ان سے بچنے کے لیے ببول کے درخت کے قریب ہوئے تو آپ کی چادر مبارک درخت کے کانٹوں سے الجھ گئی اور بدوؤں نے وہ چادر لے لی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہو گئے اور مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے جو حدیث زیرِ بحث میں مذکور ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور کا یہ ارشاد جوامع الکلم سے ہے۔ کیونکہ اخلاقِ حسنہ کے اصولِ حکمت، جود و کرم اور شجاعت ہیں۔ تو عدم بخل سے جود و کرم اور عدمِ جبن سے شجاعت و بہادری اور عدمِ کذب سے حکمت کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا۔ اور بخیل وہ ہے جو کسی کو کچھ نہ دے۔ شحیح وہ ہے جو دوسروں کا مال ناحق کھائے ——— الغرض حضور علیہ السلام نہ تو بخیل تھے اور نہ بزدل اور نہ کبھی آپ

کی زبانِ مبارک پر خلافِ واقعہ بات آئی۔

بَابُ مَا يُتَعَوَّذُ مِنَ الْجُبْنِ

باب بزدلی سے پناہ مانگنے کے متعلق

۲۶۲۶۔ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيَّ قَالَ كَانَ سَعْدٌ يُعَلِّمُ بَنِيهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَمَا يُعَلِّمُ الْمُعَلِّمُ الْغِلْمَانَ الْكِتَابَةَ وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (بخاری)

عمرو بن میمون اودی کہتے ہیں کہ حضرت سعد اپنے بچوں کو یہ دعا سکھاتے تھے جیسے استاد بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ اے اللہ تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں سخت ضعیفی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے

۲۶۲۷۔ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ عاجزی، سستی، بزدلی، بڑھاپے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں موت کے فتنے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے۔

اس حدیث کو ترمذی نے دعوات، نسائی نے استعاذہ اور عمل الیوم واللیلہ میں ذکر کیا ہے ۲۔ بزدلی ویسے ہی ایک بُری خصلت ہے مگر میدانِ جہاد میں بزدلی دکھانا اور بھی زیادہ معیوب ہے۔ ۳۔ ارذل العمر کے معنی سخت و شدید قسم کی ضعیفی ہے جس میں عقل و فہم میں کمی آجاتی ہے اور آدمی اپنے فرائض دینی و دنیوی کی ادائیگی میں سخت دشواری محسوس کرتا ہے اور دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ فتنۂ دنیا یہ ہے کہ آدمی مال و دولت اور حکومت و اقتدار کے حصول کے لیے ناجائز اور حرام طریقے اختیار کرے۔ ظلم، حق تلفی، دھوکہ اور فریب سے کام لے اور دنیا کی حرص میں عاقبت کو فراموش کر دے۔ حیات کا فتنہ بھی فتنۂ دنیا ہی ہے اور ممات کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم ہو جائے۔

(۴) ان دونوں حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے کہ بحضور رب العلمین کثرت سے یہ دعا کیا کریں اور حضور کا خود مذکورہ بالا جملوں سے دعا فرمانا تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ عجز، کسل، جبن، ھرم، موت و حیات کے فتنے اور عذاب قبر سے اللہ کے فضل و کرم سے حضور علیہ السلام قطعاً محفوظ و مصئون ہیں۔

فائدہ مذکورہ بالا احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور سے پناہ مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے وہ یہ ہیں۔ جُبن شجاعت کی ضد ہے۔ ارذل العمر نکمی زندگی یعنی ضعف و نقاہت اور بڑھاپے

کی وجہ سے آدمی کا اپنی ذات اور دین کے فرائض کو کما حقہ ادا نہ کرسکنا۔ فتنۃ الدنیا دنیا کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی عیش و عشرت کے حصول میں ایسا مصروف ہوجائے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے غافل ہوجائے۔ عجز یہ قدرت کی ضد ہے۔ متکلمین عدم قدرت بالفعل کو عجز کہتے ہیں اور فقہا استطاعت قبل الفعل وعدم قدرت عند الفعل کو۔ کسل ہمت اور ارادہ کی سستی کو کہتے ہیں۔ ھَرَم کبرسنی بڑھاپے کو کہتے ہیں۔ فتنۃ المحیاً والممات زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی آخرت کو بھول جائے اور موت کا فتنہ یہ ہے کہ خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال کا جواب نہ دے سکے یا عذاب میں مبتلا ہونا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ جَلَّ مَجْدُہٗ بِمَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ وَرَحْمَتِہٖ بِجَاہِ رَسُوْلِہٖ وَحَبِیْبِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ——— غرضکہ یہ تمام امور ایسے ہیں جو دنیا و آخرت میں نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے بہر حال و بہر صورت ہر مومن مسلمان کو ان امور سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے دلائل اور بعض امور کی وضاحت

(۵) اس حدیث میں عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کی دعا کا ذکر ہے۔ متعدد صحیح حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی تعلیم و ترغیب و ہدایت فرمائی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عذابِ قبر اور تنعیم قبر حق ہے۔ امام احمد ابو داؤد بخاری و مسلم اور امام بغوی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں بزار اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ ابن ابی شیبہ اور حاکم نے مستدرک میں ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ

اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے ——— کے متعلق فرمایا یہ آیت

نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی۔

قولِ ثابت سے مراد توحیدِ الٰہی اور نبی کریم علیہ السلام کی رسالت و نبوت کی تصدیق مراد ہے۔ حیاتِ دنیا سے مراد دنیا میں راہ حق میں ابتلاء و مصائب کے وقت صابر رہنا اور کفار کی ایذا رسانیوں کے باوجود دینِ قویم پر قائم رہنا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی زندگی کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے اور فی الآخرۃ سے مراد قبر ہے کیونکہ یہ آخرت کی پہلی منزل اور منازلِ دنیا کی آخری منزل ہے۔ قبر میں منکر نکیر آکر سوال کرتے ہیں۔

قبر میں سوال و جواب کی حدیث

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ

بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چل دیتے ہیں تو وہ (ساتھیوں) کی جوتیوں

مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ

(بخاری و مسلم)

کی جوتیوں کی چاپ سن رہا ہوتا ہے (اسی وقت) دو فرشتے قبر میں آتے ہیں۔ اس کو بٹھاتے ہیں۔ پھر سوال کرتے ہیں۔ تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کہتے تھے تو مومن جواب میں کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے (صحیح جواب نہ دینے کی صورت میں) اپنا ٹھکانہ دوزخ دیکھ جسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں تبدیل کر دیا چنانچہ وہ دونوں ٹھکانوں کو ایک ساتھ دیکھے گا۔ اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے اس سے بھی سوال ہوتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ وہ کہتا ہے میں خود تو کچھ نہیں جانتا۔ لوگ جو کہا کرتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا تو اس سے کہا جائیگا نہ تو تو نے خود جانا اور نہ پیروی کی اور لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائیگا۔ پس وہ چیخے گا۔ جن وانس کے علاوہ اس کے آس پاس کی ہر چیز اس کی چیخ کی آواز کو سنے گی۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور تین سوال کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان الفاظ میں سوال ہوتا ہے۔ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ تینوں سوالوں کے جواب میں مومن کہتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے اور یہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تمہیں یہ بات کس نے بتائی تو وہ جواب میں کہتا ہے۔ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو میں ایمان لایا اور تصدیق کی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا مومن کا یہی وہ جواب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ

اللہ تعالیٰ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی

قَالَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ لِيُفْتَحُ لَهٗ، قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْتَحُ لَهٗ فِيْهَا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر آسمان سے ایک ندا دینے والا ندا دیتا ہے۔ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ اور جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو تو وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پس جنت کی

مُدَّ بَصَرِہٖ | ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور جنت میں اس کے لیے منتہائے نظر تک کشادگی کردی جاتی ہے (یعنی وہ جنت کی بہاروں اور اس کے نظاروں سے فرحت و مسرت اور لذت حاصل کرتا ہے۔)

وَاَمَّا الْکَافِرُ فَذَکَرَ مَوْتَہٗ قَالَ وَیُعَادُ رُوْحُہٗ فِیْ جَسَدِہٖ وَیَاْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّکَ ؟ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ مَا ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ ؟ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ ، فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ کَذَبَ فَافْرِشُوْہُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوْہُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَہٗ بَابًا اِلَی النَّارِ قَالَ فَیَاْتِیْہِ مِنْ حَرِّھَا وَسَمُوْمِھَا قَالَ وَیُضَیَّقُ عَلَیْہِ قَبْرُہٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْہِ اَضْلَاعُہٗ ثُمَّ یُقَیَّضُ لَہٗ اَعْمٰی اَصَمُّ مَعَہٗ مِرْزَبَّۃٌ مِّنْ حَدِیْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِھَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَیَضْرِبُہٗ بِھَا ضَرْبَۃً فَیَصِیْحُ صَیْحَۃً یَسْمَعُھَا مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَیْنِ فَیَصِیْرُ تُرَابًا ثُمَّ یُعَادُ فِیْہِ الرُّوْحُ

(احمد و ابوداؤد)

اور کافر کی موت کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے ؟ تیرا دین کیا تھا؟ اور یہ شخص جو تم میں (بحیثیت نبی) مبعوث ہوئے۔ ان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ تھا۔ تینوں سوالوں کے جواب میں وہ کہتا ہے۔ ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر آسمان میں ندا دینے والا پکارتا ہے۔ اس نے جھوٹ بولا۔ اس کے لیے آگ کا فرش کرو اور آگ کا لباس پہناؤ اور دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو۔ اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی جھلسانے والی ہوائیں اس کے پاس آتی رہیں گی۔ اس کی قبر اتنی تنگ کردی جائے گی کہ اس کے سینے کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی۔ پھر اس کو عذاب دینے کے لیے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا جو کچھ نہ دیکھے گا، نہ سنے گا۔ اس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہوگا۔ اگر اس کی ضرب پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے وہ فرشتہ اس گرز سے اس پر ایک ضرب لگائے گا۔ جس سے وہ اس طرح چیخے گا جس کو جن و انس کے علاوہ وہ سب چیزیں سنیں گی جو مشرق و مغرب کے درمیان ہیں۔ اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔

(۶) قرآن مجید میں جو ارشاد ہے کہ جب قوم نوح غرق کی گئی تو فوراً آگ کے عذاب میں مبتلا کردی گئی۔

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (نوح ۲۵) | ڈبوئے گئے اور پھر آگ میں داخل کیے گئے

وجہ استدلال یہ ہے فادخلوا میں جو فا ہے وہ تعقیب بلا مہلۃ کے لیے آتی ہے۔ یعنی فا کا مفاد یہ ہے کہ فرعونیوں کو غرق کرنے کے فوراً بعد آگ کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ واضح ہوا کہ عذاب موت کے بعد واقع ہوا۔

کیونکہ عذابِ قیامت تو ابھی بہت دُور ہے جس کی تاخیر کی مدت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور ہم اسی کو عذابِ قبر سے موسوم کرتے ہیں۔ دوسری دلیل اس آیت میں یہ ہے کہ ماضی کا لفظ اس امر پر دال ہے کہ نزولِ آیت سے قبل قومِ نوح کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

(۷) سورہ مومن میں ارشادِ باری ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (مومن، ۴۶)	آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو

اس آیت میں عذابِ قبر کے ثبوت کی واضح دلیل ہے۔ قومِ فرعون کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ عذابِ قبر ہی ہے اور قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ انہیں سخت تر عذاب میں داخل کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ فرعونیوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے قالب میں ہر روز دو مرتبہ صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے۔ یہ آگ تمہارا مقام ہے اور قیامت تک ان کے ساتھ یہی معمول رہے گا —— آیت میں "یوم تقوم الساعۃ" کا "النار یعرضون علیھا" پر عطف ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ صبح و شام عذاب کا پیش کیا جانا قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہے اور یہی عذاب قبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر مرنے والے پر اس کا مقام صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ جنتی پر جنت کا اور دوزخی پر دوزخ کا اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تا آنکہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تجھ کو اٹھائے۔

عذابِ قبر کفار اور بعض گنہگار مومنین کو ہوگا

(۸) کتب عقائد میں یہ تصریح ہے کہ کفار کو تو بہر حال عذابِ قبر ہوگا لیکن مومنین میں سے بعض کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ چاہے اور بہت سے مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ نہ صرف عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا بلکہ بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرما دیگا۔ شرح عقائد میں ہے۔

عَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِيْنَ وَلِبَعْضِ عُصَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ	کافروں کے لیے اور بعض گنہگار مومنین کے لیے عذابِ قبر ثابت ہے۔

نیز علامہ نسفی علیہ الرحمۃ نے بحر الکلام میں فرمایا۔ بعض عصاۃ مومنین کو قبر میں عذاب ہوتا ہے مگر جمعہ کے دن اور رات عذاب منقطع ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	پھر قیامت تک عذاب نہ ہوگا

اس عبارت کے حاشیہ نمبر ۷ میں ہے کہ امام نسفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اگر کوئی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات وفات پا جائے تو اس کے لیے قبر میں صرف ایک ساعۃ کے لیے عذاب اور ضغطۃ قبر ہوگا۔ شرح الصدور میں ایسا ہی لکھا ہے۔ (نبراس مع حاشیہ صـ۳۱۴)

بعض مومنوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا

۹- اسی طرح بعض گنہگار مومنین کو عذابِ قبر ہوگا اور بعض کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا۔ جیسے شہداء جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید جب قتل کیا جاتا ہے اور اس کے خون جاری ہوتا ہے تو اول مرحلہ ہی میں اس کو اس کا ٹھکانہ جنت دکھادی جاتی ہے اور اس کی مغفرت فرمادی جاتی ہے اور عذابِ قبر سے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے (ترمذی) اسی طرح جو جمعہ کے دن وفات پائے یا سورہ تبارک شریف ہر رات تلاوت کرے (نسائی) سرحد اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے جو وفات پا جائے یہ سب حضرات بھی عذابِ قبر سے محفوظ رہتے ہیں (ابو داؤد) نبراس صہ ۳۱۵)

نیز قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ اس آیت سے واضح ہوا کہ عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے اس لیے تمام گنہگار مسلمانوں کے لیے عذابِ قبر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

اور احادیث عذابِ قبر اور منکر نکیر کا سوال کرنا وغیرہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت انس بن مالک، حضرت براء، تمیم داری، ثوبان، جابر بن عبداللہ، حذیفہ، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عمرو بن عاص، معاذ بن جبل، ابو امامہ، ابو درداء، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان حضرات سے بیشمار صحابہ نے روایت کی ہے حضرۃ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ان احادیث کو شرح الصدور اور البدور السافرہ میں ذکر کیا ہے (شرح عقائد، نبراس مع حواشی صہ ۳۱۴، ۳۱۵)

بعض معتزلہ اور روافض عذابِ قبر کا انکار کرتے ہیں

۱۰- عذابِ قبر کا انکار بعض معتزلہ اور روافض نے کیا ہے۔ روافض سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت رکھتے ہیں (بلکہ انھیں منافق قرار دیتے ہیں۔ رفض کے معنیٰ چھوڑنے اور ترک کرنے کے ہیں۔ جب امام زید بن زین العابدین بن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت شروع کی تو بنی امیہ کے لشکر آمادۂ جنگ ہوئے (واضح رہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے بھی حضرت امام زید بن زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت فرمائی تھی) اور کہا ہم آپ کی مدد کریں گے بشرطیکہ آپ امیر المومنین حضرت ابوبکر اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا ترک کر دیں۔ حضرت امام زید نے فرمایا۔ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو وزیروں سے محبت ترک نہیں کر سکتا۔ اس پر ان لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا (فرفضوہ ای ترکوہ) اور دشمنوں نے حضرت امام زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس لیے اس جماعت کا نام رافضی ہوا۔ (نبراس صہ ۳۲۱)

مُردے کو قبر کا دبانا

(۱۱) مُردے کو جب قبر میں دفن کر دیتے ہیں تو خواہ وہ مومن مطیع ہو یا عاصی قبر اس کو دباتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قبر دباتی ہے اگر کوئی اس سے مستثنیٰ ہوتا تو

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہوتے (احمد) قاسم صفدی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ ضغطۃ القبر سب کے لیے ہے۔ خواہ مومن صالح ہو یا ظالم لیکن کافر قیامت تک قبر کے دباؤ میں مبتلا رہے گا اور مومن کو قبر کے دباؤ کا اول مرحلہ میں جب کہ اس کو قبر میں رکھیں گے، واسطہ پڑے گا۔ اس کے بعد اس کی قبر فراخ کر دی جائے گی اور حکیم ترمذی نے فرمایا۔ ہر ایک نے کوئی کوتاہی کی ہوتی ہے۔ قبر کا دبانا اس کی عزا ہے البتہ انبیاء علیہ السلام اس سے محفوظ و مصئون ہوتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن کو قبر میں منکر نکیر کی آواز ایسی ہو گی جیسے آنکھ میں سُرمہ (یعنی بڑی خفیف آواز سے منکر نکیر مومن کو پیش آئیں گے۔ مومن کیلئے قبر کا دبانا ایسے ہو گا جیسے شفیق ماں کو اس کا بیٹا سر درد کی تکلیف کا اظہار کرے۔ فَتَغْمِزُ رَأْسَهٗ غَمْزًا رَقِيْقًا (بیہقی) تو ماں اس کا سر آہستہ دبائے۔ (نبراس صہ ۱۲۲ خلاصہ)

(۱۲) امام ترمذی نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ	قبر جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں ایک گڑھا

قبر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق سوال اور اس کی کیفیت

(۱۳) بخاری، ترمذی و ابو داؤد سے روایت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزہ و اقربا واپس چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ پھر قبر میں دو فرشتے آتے ہیں۔ ان کا بدن سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ وہ تین سوال کرتے ہیں۔ اوّل تیرا رب کون ہے دوم تیرا دین کیا ہے۔ مردہ اگر مسلمان ہے تو جواب دیگا میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ تیسرا سوال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ۔ اگر میت مسلمان ہے تو جواب دیتا ہے هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس جواب کے بعد مومن کی قبر ستر ہاتھ وسیع اور اس کی قبر روشن اور منوّر کر دی جاتی ہے اور مومن سے جاتا ہے۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ سو جا جیسے دلہن سو جاتی ہے یعنی برزخ میں۔ اب تجھے تیرا محبوب ہی بیدار کرے گا۔

حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ	حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس کی جگہ سے اٹھائے گا۔

اور اگر مردہ کافر یا منافق ہے تو سب سوالوں کے جواب میں یہ کہے گا کہ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِیْ افسوس مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس کے بعد کافر کو عذاب شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کردہ میں وارد ہوا ہے۔

فَلَا يَزَالُ فِيْهَا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ (ترمذی۔ بیہقی و ابن ابی الدنیا)	کافر اسی حالتِ عذاب میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو (بروزِ حشر) اس کی جگہ سے اٹھائے

معلوم ہوا کہ کافر و منافق قیامت تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

منکر نکیر دو ہیں یا زیادہ؟

(۱۴) شرح عقائد میں ہے وَهُوَ مَلَكَانِ شَخْصَانِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ منکر نکیر دو فرشتے ہیں يَدْخُلَانِ الْقَبْرَ عَقِبَ الدَّفْنِ إِذَا رَجَعَ النَّاسُ عَنْهُ وہ قبر میں دفن میت کے بعد (جب کہ لوگ واپس ہو جاتے ہیں) داخل ہوتے ہیں (بیہقی) امام حلیمی جو شوافع کے جلیل القدر علمار سے ہیں، کہتے ہیں منکر نکیر صرف دو فرشتے نہیں بلکہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جن میں سے الگ الگ قبر میں آکر سوال کرتے ہیں۔ جیسے انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کی ایک کثیر جماعت ہے۔ جن میں سے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں ——— غالباً امام حلیمی اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ نے یہ تاویل اس سوال کے جواب میں کی ہے کہ دو فرشتے ایک دن ایک ساعت میں لاکھوں، ہزاروں مُردوں سے کیسے سوال و جواب کریں گے جو دنیا کے متفرق اور مختلف مقامات پر مدفون (یا ان کے اجزار اصلیہ موجود ہوتے ہیں) اور علامہ قرطبی نے اس سوال کے جواب میں یہ تاویل کی ہے کہ منکر نکیر دو فرشتوں کی جسامت اتنی عظیم و محیط ہو کہ ہر قبر میں بیک وقت میت کو نظر آئیں اور ان کے سوال کو سنیں اور ہر مُردہ یہ سمجھے کہ وہ فرشتہ مجھ سے ہی مخاطب ہے (شرح عقائد، نبراس صد ۳۱۶ مع حواشی و شرح الصدور صد ۶) ——— لیکن راقم کی گزارش یہ ہے کہ امام حلیمی، علامہ جلال الدین، علامہ قرطبی علیہم الرحمہ کے علم و فضل کے اعتراف و اقرار کے باوجود ان حضرات سے یہ اقوال دلیل شرعی کے محتاج ہیں۔ خصوصاً ایسی صورت جب کہ یہ حضرات تسلیم کرتے ہیں کہ عالم برزخ کے تمام امور خرقِ عادت سے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ وہ صرف دو عدد منکر نکیر کو ایسی قوت و طاقت عطا فرمائے کہ وہ قبر میں ہر مُردے کے پاس ایک ہی دن ایک ہی ساعت میں دنیا کے مختلف مقامات کے مُردوں کے پاس پہنچ کر سوال کریں۔ اس لیے تاویل کی ضرورت کیوں؟ اس کی نظیر ملک الموت کی ہے جن کے متعدد ہونے کا کسی نے قول نہیں کیا مگر یاں ہم سب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہیں جو دنیا بھر کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی ایک ہی دن میں ایک ہی ساعت میں رُوح قبض کرتے ہیں۔ پھر قبر خواہ لوہے کی کیوں نہ بنا دی جائے منکر و نکیر لوہے کی قبر کے اندر پہنچ کر بھی سوال کرتے ہیں۔ نیز منکر نکیر بھی ملائکہ ہی سے ہیں جیسا کہ شرح عقائد میں تصریح ہے اور ملائکہ نوری جسم ہیں اور اجسام لطیفہ کے لیے قرب و بعد یکساں ہوتا ہے۔

قبر میں کافر و منافق دونوں سے سوال ہوگا البتہ انبیار اور نابالغ بچوں سے سوال نہیں ہوگا

(۱۵) واضح ہو کہ قبر کے سوال کے متعلق احادیث میں یہ الفاظ مروی ہیں۔ بخاری، ابوداؤد اور امام احمد کی روایت میں کافر اور منافق ——— امام احمد نے حضرت اسمار سے روایت کیا۔ اس میں کافر یا فاجر اور بخاری و مسلم نے منافق ——— امام احمد بروایت حضرت عائشہ میں بدکار کے اور طبرانی بروایت ابوہریرہ میں اہل شک کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح انبیار کرام اور نابالغ بچوں سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوتا اور نہ عذاب کیونکہ انبیار معصوم ہیں

اور نابالغ بچے غیر مکلف ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا یہی صحیح وصواب ہے۔ علامہ محمد عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمۃ نے نبراس صـ۳۱۶ پر فرمایا کہ بعض صلحاء امت سے قبر میں سوال نہ ہونا ثابت ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلامی ممالک کی سرحدوں پر پہرہ دیتے ہوئے وفات پا جائے وہ فتنۂ قبر (سوال قبر عذاب قبر) سے محفوظ رہے گا (طبرانی) اور نسائی کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے شہید کے علاوہ مسلمانوں کی قبر میں آزمائش ہوگی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کے سر پر چمکتی ہوئی تلواریں اس کی آزمائش کے لیے کافی ہیں۔ جب امت کے بعض صالحین فتنۂ قبر سے محفوظ رہیں گے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو بطریق اولیٰ یقیناً فتنۂ قبر سے محفوظ ومصئون ہیں۔

قبر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق سوال ہوتا ہے

(۱۶) جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا کہ قبر میں تیسرا سوال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق ہوتا ہے۔

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ | تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو

اشارہ کے متعلق شارحین کرام کے متعدد قول ہیں (۱) حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ شارح بخاری کا مختار قول یہ ہے کہ میت کے ذہن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تصور ہے اس کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جاتا ہے (۲) حضرت شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ لفظ اشارہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو اشارہ ہے وہ یا تو اس وجہ سے کہ آپ کی رسالت مشہور ہے اور آپ کا تصور ذہنوں میں حاضر ہے یا اشارہ اس وجہ سے ہے کہ قبر میں آپ کی ذاتِ اقدس جلوہ فرما ہو بایں طور کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال قبر میں لائی جائے اور فرشتے اس کی طرف اشارہ کر کے سوال کریں (۳) حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی زیارت صرف ان کو قبر میں ہوگی جنہوں نے دنیا میں حضور کی زیارت کی اور آپ کے دیدار پُر انوار سے مشرف ہوئے (نبراس مع حاشیہ نمبر ۴ صـ۳۱۹ ومرقات ج ۱ صـ۱۹۹) (۴) میرے والد محترم شیخ المحدثین حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب قدس سرہ العزیز نے ان اقوال کا ذکر کر کے فرمایا هٰذا اسم اشارہ ہے جو مشار الیہ حسی کو چاہتا ہے یعنی هٰذا اسم اشارہ کے حقیقی معنیٰ یہ ہیں کہ مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) وہ خارج میں محسوس بھی ہو اور نظر بھی آئے لہٰذا زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام اعلیٰ وارفع میں جلوہ فرما ہوتے ہیں اور میت کے لیے جو حجاب ہے وہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ میت آپ کے دیدار پُر انوار سے مشرف ہو اور فرشتے حضور کی طرف اشارہ کر کے سوال کریں۔ البتہ یہ بات قطعی ہے کہ قبر میں نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرشتے سوال کرتے ہیں مگر اشارہ کی نوعیت وکیفیت کا بیان قطعی نہیں ہے ———— علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ هٰذا کے ساتھ اشارہ کا تقاضہ یہ ہے کہ میت پر حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس منکشف کر کے آپ کی طرف اشارہ کر کے سوال ہو لیکن یہ بعض غیر مستند علماء نے

بغیر کسی دلیلِ شرعی کے دعویٰ کیا ہے۔ پس میت کے ذہن میں حضور کا جو تصور موجود ہے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (شرح الصدور صنٰ) حضرت ابن حجر کا ان علما کو غیر مستند کہنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ علماء اسم اشارہ سے استدلال کر رہے ہیں۔ نیز ہر انسان کے ذہن میں حضور کا تصور رہنا بھی محلِ نظر ہے۔

جن لوگوں نے دُنیا میں حضور کی زیارت نہیں کی ان سے سوال کیسے ہوگا؟

(۱۷) شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح مسلم ص۶۲۷ ج۷ میں ایک سوال یہ اٹھایا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نبی علیہ السلام کی زیارت نہیں کی اور آپ کو پہچانتے نہیں (جیسے غیر صحابہ اور کافر) ان سے یہ سوال کرنا کہ تم نبی علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو یہ عدل وانصاف سے بعید اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور رحمت دونوں کے خلاف ہے۔ پھر خود ہی جواب میں لکھا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کے ذہن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا تصور ہے خواہ کافر ہو یا مومن اس کو یہ علم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور وہ دینِ اسلام کے داعی تھے۔ سو میت کے ذہن میں جو حضور کا تصور ہے اس کی طرف اشارہ کرکے سوال کیا جاتا ہے —— لیکن اس جواب بھی متعدد اشکال وارد ہوتے ہیں۔ یہ بات تو واضح ہے کہ ہر مومن مسلمان کے دل میں حضور کا تصورِ نبوت ورسالت موجود ہے۔ لیکن ہر وہ انسان جو کہ کافر ہے کے ذہن میں نبی علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور اسلام کا تصور محلِ نظر ہے۔ ہاں بعض یا اکثر کفار کے ذہن میں حضور کی نبوت اور اسلام کا تصور ہونا بدیہی بات ہے مگر ہندوستان اور چین اور پاکستان کے دُور دراز علاقوں اور دیگر ممالک میں ایسے قبائل بستے ہیں جو ترقی یافتہ ممالک سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ ان کے ذہنوں میں تو آج کے ترقی یافتہ ممالک اور نت نئی ایجادات اور دیگر مذاہب کا تصور موجود نہیں ہے چہ جائیکہ نبی علیہ السلام کی نبوت ورسالت اور اسلام کا تصور موجود ہو۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ احادیث میں صاف وصریح طور پر ہے کہ منافق یا کافر ان سب سوالوں کے جواب میں کہے گا ھَاھَا لَا اَدْرِی افسوس مجھے کچھ معلوم نہیں۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے۔ بعض علماء کو کافر مجاہر سے سوال ہونے میں کلام ہے۔ امام ابو عمر ابن عبد البر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ قبر میں سوال یا مومن سے ہوگا یا منافق سے کہ بظاہر مسلمان بنتا تھا بخلاف کافر ظاہر سے کہ اس سے سوال نہیں اور رد المحتار میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کا ارشاد نقل ہے ھٰذَا ھُوَ الْاَرْجَحُ وَلَا اَقُوْلُ سِوَاہُ نیز شرح الصدور میں بھی امام جلال الدین سیوطی نے اسی موقف کی تائید کی ہے اور امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے حیاۃ الموات ص۲۳۹ پر یہ موقف نقل فرمایا ہے مگر اس پر کوئی تنقید نہیں فرمائی۔ ان کے الفاظ کے تیور یہ بتاتے ہیں کہ غالباً امام احمد رضا علیہ الرحمۃ بھی اسی موقف کے مؤید ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اول تو کافر مجاہر سے سوال ہونے میں کلام ہے —— اور اگر سوال مانیئے بھی —— ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حدیث میں کافر، منافق، فاجر، بدکار اور اہلِ شک کے جو الفاظ آئے ہیں۔ یہ حضرات ان سب الفاظ سے منافق ہی مراد لیتے ہیں۔ راقم تو خوشہ چین ہے محقق، محدث اور مفسر ہونے کا دعویدار نہیں ہے مگر ان حضرات کے موقف میں بہر حال قوت ہے۔ میری گزارش تو صرف اس قدر ہے کہ تمام کفار کے ذہنوں میں نبی علیہ السلام کا تصور ہونا بہرحال وبہر صورت محلِ نظر ضرور ہے۔

(۱۸) نیز قبر میں جو سوال وجواب ہوتے ہیں تقریباً ہر مسلمان ان سے پہلے ہی واقف ہے اور جن کفار نے ان احادیث کو پڑھا ہے وہ بھی واقف ہوگئے حالانکہ امتحان میں سوال وجواب کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے تو یہ امتحان بھی عجیب وغریب نوعیت کا ہے کہ جس میں امتحانی سوال وجواب پہلے ہی بتا دیے گئے ہیں۔ پھر امتحان کیا ہوا؟ میرے ناقص مطالعہ میں اس نوع کے اشکالات کے متعلق شارحین احادیث کے جوابات ابھی تک نہیں آئے۔ (۱۹) اس لیے صرف یہ کہنا چاہیئے کہ یہ معاملات عالم برزخ کے ہیں اور عالم برزخ کے واقعات وحالات خرقِ عادت سے ہیں۔ اس لیے صحیح احادیث کثیرہ کی بنا پر ہر مسلمان کے لیے یہ عقیدہ تو لازم وواجب ہے کہ قبر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہوتا ہے مگر قبر میں سوال وجواب اور دیگر امور کی حقیقت، نوعیت وکیفیت کے متعلق شارحین کے بیان کردہ احتمالات واقوال کو بغیر واضح دلیل شرعی کے ماننا ضروری نہیں ہے یعنی شارحین کرام کے بیان کردہ احتمالات وتوجیہات کو صرف امکان کی حد تک مانا جا سکتا ہے حتمی وقطعی طور پر نہیں اور جو انہیں تسلیم نہ کرے اس کے متعلق گمراہی کا فتویٰ لگانا بھی زیادتی ہے (۲۰) نیز سوال وجواب کے ظاہر کر دینے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق سوال ہونا آپ کے اعزاز واکرام اور انبیاء کرام میں آپ کی عظمت ورفعت اور درجہ کی بلندی کے اظہار کے لیے بھی ہے۔ واللہ اعلم

قبر میں روح وجسم دونوں سے سوال ہوگا اور عذاب وثواب بھی روح وجسم دونوں کے لیے ہیں

(۲۱) اہلسنت وجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قبر میں عذاب وثواب روح وجسم دونوں کو ہوگا۔ علامہ ابن قیم جوزی نے تصریح کی ہے کہ یہ جو کہتے ہیں کہ عذاب صرف رُوح کو ہوگا اور بدن کو نہ عذاب نہ ثواب تو یہ فلاسفہ کا خیال ہے جو معادِ ابدان کے منکر ہیں۔

وَهٰٓؤُلَآءِ كُفَّارٌ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ | اور یہ باجماع مسلمین کافر ہیں۔ (کتاب الروح صفحہ ۸۰)

امام احمد وابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب قبر میں فرشتے آتے ہیں

تُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ | تو میت کے جسم میں روح کا اعادہ کرتے ہیں

واضح رہے موت نام ہے رُوح کے بدنِ انسانی سے نکل جانے کا۔ جب میت کو قبر میں رکھتے ہیں تو پھر اس کے جسم میں رُوح ڈال دی جاتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کی احادیث کے ابتدائی جملے یہ ہیں اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ (بخاری) اذا اقبر المیت (ترمذی) جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو وَ تُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ (ابوداؤد) ان احادیث سے واضح ہے کہ سوال وجواب اور ثواب وعذاب رُوح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

مُنکرینِ عذابِ قبر کے شبہات کا جواب

(۲۲) جو لوگ عذابِ قبر اور سوالِ قبر کے منکر ہیں جیسے خوارج بعض معتزلہ، مرجیہ اور بعض روافض۔ ان کے تمام شبہات عقل نا تمام اور مشاہدہ ومعائنہ اور دکھائی نہ دینے پر مبنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کو کھولا جائے تو مُردہ پر عذابِ قبر کے کوئی آثار موجود نہیں ہوتے۔ اسی طرح جو پانی میں غرق ہو جاتے جیسے جانور درندے، پرندے کھالیں انسان

کا جسم اس جانور کا جزو بدن بن جائے۔ جیسے سُولی پر چڑھایا جائے تو اس کی لاش ایک مدت تک پڑی رہتی ہے حادثہ میں ہلاک ہونے والوں کی لاشیں کچھ عرصہ تک سڑکوں پر پڑی رہتی ہیں۔ لیکن ہم ان سے سوال وجواب اور عذاب دیئے جانے کے کوئی آثار نہیں دیکھتے۔ اسی طرح جس کی لاش جلادی جائے یا اس کی راکھ ہوا میں منتشر ہو جائے۔ ان کو عذاب ہونا محال ہے۔ علماءِ حق نے ان کے شبہات کے متعدد تسلی بخش عقلی ونقلی جواب دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا جیسے گرمی، سردی، ہوا محسوس تو ہوتی ہے مگر نظر نہیں آتی۔ اسی طرح جسمِ انسانی میں رُوح کی موجودگی مانی جاتی ہے مگر رُوح کو دکھایا نہیں جا سکتا۔ ایک شخص خواب میں دیکھ رہا ہے کہ اس کو پیٹا جا رہا ہے اور وہ خواب میں تکلیف اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں آدمی خوشی اور مسرت کی لذت کو بھی محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے سر میں زخم وغیرہ میں سخت وشدید درد ہوتا ہے۔ مگر ان سب افراد کے دکھ درد، خوشی ومسرت کی لذت کا پاس بیٹھے ہوئے انسانوں کو ادراک نہیں ہوتا۔ جیسے سکتہ ہو جائے وہ زندہ ہوتا ہے مگر ہم اس کی زندگی کا ادراک نہیں کرتے۔ اسی طرح انسانوں میں سُننے دیکھنے، علم وعقل وفہم کی قوتیں موجود ہیں مگر یہ قوتیں نہ تو خود اس کو نظر آتی ہیں اور نہ ہی دوسروں کو۔ ایک آدمی پھل وغیرہ لذیذ اشیا کھا رہا ہے۔ جس کی لذت کھانے والے کو محسوس ہوتی ہے مگر پاس بیٹھے ہوئے لوگ اس لذت کو محسوس نہیں کرتے۔ زندہ انسان کو بیہوش کر کے اس کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ اس کے جسم کی چیر پھاڑ ہوتی ہے۔ جسم کے کسی حصہ کو کاٹا اور الگ کیا جاتا ہے۔ مگر عالمِ بیہوشی میں اسے نہ تو درد اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور نہ اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا گیا ہے۔ غرضیکہ اس نوع کے بہت نظائر ہیں جن پر غور وفکر کیا جائے تو ان سے قبر میں میت سے سوال وجواب، عذاب وثواب کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہو سکتی ـــــ دوم یہ کہ جس شخص سے سوال وجواب یا عذاب وثواب ہوتا ہے خواہ وہ سولی پر چڑھا دیا جائے یا جلا دیا جائے یا جانوروں کی خوراک بن جائے۔ اگر اس کا جسم موجود ہے تو اس میں اور اگر جسم صحیح وسالم نہیں ہے تو اس کے اجزاءِ اصلیہ میں، جو کہ موجود ہیں۔ روح کا تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے گو کہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ جب میت سے سوال ہوتا ہے یا اسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے تو روح کہیں بھی ہو۔ خواہ آسمانوں یا سجین، زمین کے انتہائی نچلے حصہ میں مقید (جیسے کفار کی روح) تو اس کا میت کے ساتھ ایک گونہ تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ تکلیف وراحت محسوس کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے سورج چوتھے آسمان پر ہے مگر زمین کے ہر حصہ پر اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ پھر میت کے ساتھ اس کی روح کے ادنیٰ تعلق سے اس میں ایک قسم کی حیاتِ ضعیفہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے میت راحت اور تکلیف محسوس کرتی ہے۔ گو کہ اس کا مشاہدہ ہم نہیں کر سکتے۔ بلا تمثیل ایسے ہے جیسے شیاطین کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف ۲۷)	بیشک وہ اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے

اور بحضورِ نبوت حضرت جبرئیل حاضر ہوتے تھے اور آپ سے گفتگو کرتے تھے مگر حاضرین کو معلوم نہیں ہوتا۔ فرشتے ہر انسان کے پاس ہوتے ہیں مگر آدمی ان کے دیکھنے، محسوس کرنے سے قاصر ہے اور اہلِ ایمان کے لیے یہ جواب کافی ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور انسان انہیں امور کا ادراک کر سکتا ہے جس کے ادراک کی قوت اللہ تعالیٰ نے انسان میں پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے کہ احوالِ قبر و عذاب و ثوابِ قبر کو انسان کے حواس سے پوشیدہ رکھا جائے اور یہ بات عقلِ سلیم کے خلاف کہاں ہے؟ نیز یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ انبیاء کرام کا علم وحی الٰہی پر مبنی اور یقینی ہوتا ہے اور جو امور وہ بیان فرماتے ہیں وہ حرف بحرف صحیح ہوتے ہیں اور انبیاء کرام پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا اور پورے یقین کے ساتھ مان لیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانے کا مطلب یہی ہے کہ دینِ اسلام سے متعلق اور عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے متعلق آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس پہ ایمان لایا جائے اور خلوصِ قلب کے ساتھ ان امور کی تصدیق کی جائے۔ اگرچہ ان امور کو ہماری عقلِ ناتمام اور ہمارے مادی حواس انہیں بطورِ خود سمجھ لینے سے عاجز و قاصر ہوں۔

قبر کے عذاب و ثواب اور قبر میں بوقتِ سوال مردے کے جسم میں روح کے لوٹائے جانے پر علماء امت کا اتفاق ہے

(۲۳) قبر میں مردے کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا منکر و نکیر کے سوال اور عذاب و ثوابِ قبر کے مسئلہ پر تمام علماء اہلسنت کا اتفاق ہے۔ علامہ تقی الدین سبکی شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

قَدْ اَجْمَعَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰی اِثْبَاتِ الْحَیٰوةِ فِی الْقُبُوْرِ۔ قَالَ اِمَامُ الْحَرَمَیْنِ فِی الشَّامِلِ قَدِ اتَّفَقَ سَلَفُ الْاُمَّةِ عَلٰی اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاِحْیَاءِ الْمَوْتٰی فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَرَدِّ الْاَرْوَاحِ فِیْ اَجْسَادِهِمْ (شفاء السقام ص۱۸۳)

اہلِ قبور کی حیات پر اہلسنت و جماعت کا اجماع ہے حضرت امام الحرمین نے اپنی کتاب شامل میں فرمایا کہ عذابِ قبر کے اثبات اور مردوں کے اُن کی قبروں میں زندہ کیے جانے اور ارواح کو ان کے اجسام کی طرف لوٹائے جانے کے متعلق اسلافِ امت کا اتفاق ہے۔

(۲۴) علامہ قاضی عضد بن عبدالرحمٰن بن احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اِحْیَاءُ الْمَوْتٰی فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَمَسْئَلَةُ مُنْکَرٍ وَّنَکِیْرٍ وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْکَافِرِ وَالْفَاسِقِ کُلُّهَا حَقٌّ وَاتَّفَقَ عَلَیْهِ سَلَفُ الْاُمَّةِ

مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جانا اور منکر نکیر کا سوال اور کافر و فاسق کو قبر میں عذاب دیا جانا سب امور حق ہیں اور اسلافِ امت کا اس پر اتفاق ہے۔ (شرح مواقف ص۵۷۱)

(۲۵) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنہیں حضرت شاہ عبدالعزیز نے بیہقی وقت کا لقب دیا فرماتے ہیں۔

قُلْنَا وَجْهُ التَّطْبِیْقِ اِنَّ مَقَرَّ اَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ عِلِّیِّیْنَ اَوْ فِی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ کَمَا مَرَّ وَمَقَرَّ اَرْوَاحِ الْکُفَّارِ فِیْ سِجِّیْنَ وَمَعَ ذٰلِكَ لِکُلِّ رُوْحٍ مِّنْهَا اِتِّصَالٌ

ہم کہتے ہیں کہ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ ارواحِ مومنین کی رہائشگاہ علّیین یا ساتوں آسمان یا ان کے مانند کوئی جگہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا اور کفار کی ارواح کا ٹھکانہ سجّین ہے۔ اسی کے باوجود ہر ایک روح کا اس

بِجَسَدِهٖ فِیْ قَبْرِهٖ لَا یُدْرِکُ کُنْهَهٗ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی وَبِذٰلِکَ الْاِتِّصَالِ یَصِحُّ اَنْ یُّعْرَضَ عَلَی الْاِنْسَانِ الْمَجْمُوْعِ الْمُرَکَّبِ مِنَ الْجَسَدِ وَالرُّوْحِ مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَیَحِسُّ اللَّذَّةَ اَوِالْاَلَمَ وَیَسْمَعُ سَلَامَ الزَّآئِرِ وَیُجِیْبُ الْمُنْکَرَ وَالنَّکِیْرَ وَنَحْوَ ذٰلِکَ مِمَّا ثَبَتَ بِالْکِتٰبِ وَالسُّنَّةِ
(تفسیر مظہری جلد ۲ صـ ۱۲۴)

کے متعلقہ جسم سے قبر وغیرہ میں اتصال وتعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کی حقیقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسی اتصال وتعلق کی وجہ سے تو یہ درست ہوا کہ انسان پر جو جسم اور روح کے مجموعے کا مرکب ہے۔ اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ اور وہ راحت وتکلیف محسوس کرتا ہے۔ زائر کا سلام سنتا اور منکر نکیر کو جواب دیتا ہے اور اسی طرح وہ تمام چیزیں واقع ہوتی ہیں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

علامہ سید محمد ابن ابن عمر عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے موقف کی ترجمانی ان الفاظ سے فرمائی ہے

وَلَا یَرِدُ تَعْذِیْبُ الْمَیِّتِ فِیْ قَبْرِهٖ لِاَنَّهٗ تُوْضَعُ فِیْهِ الْحَیٰوةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ بِقَدْرِ مَا یَحِسُّ بِالْاَلَمِ وَالْبِنْیَةُ لَیْسَتْ بِشَرْطٍ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ بَلْ تُجْعَلُ الْحَیٰوةُ فِیْ تِلْکَ الْاَجْزَآءِ الْمُتَفَرِّقَةِ لَا یُدْرِکُهُ الْبَصَرُ
(رد المحتار ج ۲ صـ ۲۰۱)

عذابِ قبر ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کیونکہ عام علماء کے نزدیک مُردے کے اندر اتنی زندگی پیدا کر دی جاتی ہے جس سے کہ وہ تکالیف وغیرہ کا احساس کر سکے۔ اہلسنت وجماعت کے نزدیک ڈھانچے کا باقی رہنا شرط نہیں ہے بلکہ جسم کے اجزائے منتشرہ میں ایسی جان ڈال دی جاتی ہے جسے نگاہ نہیں دیکھتی۔

(۲۶) علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ اللّٰهَ یَخْلُقُ فِی الْمَیِّتِ نَوْعَ الْحَیٰوةِ فِی الْقَبْرِ قَدْرَ مَا یَتَاَلَّمُ وَیَتَلَذَّذُ وَلٰکِنِ اخْتَلَفُوْا فِیْ اَنَّهٗ هَلْ یُعَادُ الرُّوْحُ اِلَیْهِ وَالْمَنْقُوْلُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ التَّوَقُّفُ اِلَّا اَنَّ کَلَامَهٗ هٰهُنَا یَدُلُّ عَلٰی اِعَادَةِ الرُّوْحِ اِذْ جَوَابُ الْمَلَکَیْنِ فِعْلٌ اِخْتِیَارِیٌّ فَلَا یُتَصَوَّرُ بِدُوْنِ الرُّوْحِ
(شرح فقہ اکبر صـ ۱۲۱)

جاننا چاہیئے کہ اس بات پر اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کو قبر میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا فرما دیتا ہے جس سے وہ تکلیف اور لذت کا احساس کرتا ہے لیکن رُوح کو لوٹائے جانے کے بارے میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں توقف کرنا منقول ہے۔ اس کے برعکس ان کا کلام اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے کیونکہ منکر نکیر کو جواب دینا بغیر روح کے متصور نہیں۔

قبر میں بندے کے بدن میں رُوح کا اعادہ ہوتا ہے اور اس کی کیفیت کا بیان

(۲۷) سیدنا امام اعظم سراجِ امت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے۔

وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَی الْعَبْدِ فِیْ قَبْرِہٖ حَقٌّ | بدنِ میت میں اس کی قبر میں روح کا اعادہ حق ہے

اور احادیث میں بھی منکر نکیر کے سوال وجواب کے وقت اعادہ روح کی تصریح ہے وَیُعَادُ رُوْحُہٗ فِیْ جَسَدِہٖ (بخاری ومسلم) علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ نے شرح عقائد میں اعادہ روح کا مطلب ومعنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ بدنِ میت میں منکر ونکیر کے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ بدنِ میت میں ایک قسم کی حیات پیدا فرمادیتا ہے۔ ایسی یا اتنی کہ اس وقت میت سوال کا جواب دے سکے اور عذاب کی تکلیف اور ثواب کی لذت کا ادراک کرسکے ــــ یہ بات بدنِ میت میں اعادہ رُوح کو مستلزم نہیں ہے اور نہ اس امر کی مقتضی ہے کہ بدنِ میت میں ایک نوع کی حیات پیدا ہوجانے سے میت حرکت کرے یا اضطراب کی کیفیت اس پر طاری ہو یا عذاب کا اثر دکھائی دے یا وہ دنیاوی حیات کی طرح کھائے پیئے، بولے چالے چلے پھرے ــــ واضح ہو کہ جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ روح کے بغیر عادۃً حیات نہیں ہوتی تو وہ اس وہم میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ رُوح کے بغیر حیات کا وجود نہیں ہوسکتا ورنہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ رُوح کے بغیر بدنِ میت میں نوعِ حیات پیدا فرمادے جس کی بنا پر وہ عذاب کی تکلیف اور ثواب کی لذت کا ادراک کرلے ــــ خود رب العزت جل مجدہ حی ہے مگر وہ روح سے پاک ومنزہ ہے (شرح عقائد مع حواشی ص۱۰۶)

کسی چیز کو اللہ تعالیٰ انسانی رُوح کے بغیر بھی انسانوں جیسے کام کرنے کی قوت وقدرت عطا فرمادیتا ہے

انسان یہ سمجھتا ہے اور اس کا مشاہدہ یہ ہے کہ رُوح کے بغیر کوئی شخص کھانا پیتا چلتا بولتا سُنتا نہیں اور زبان کے بغیر بولتا نہیں اور پاؤں کے بغیر چلتا نہیں لیکن قرآن مجید میں تصریح ہے کہ روح کے بغیر بھی دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور پتھر اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف سے لرزتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل ۴۴)	اور ان پتھروں کو کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے مگر تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

رہی یہ بات کہ پتھر اور درخت وغیرہ کو جماد اور اموات کہا جاتا ہے تو ان کو جماد اور اموات سے موسوم کیا جانا اس حیات کی نسبت کی بنا پر ہے جو انسان کو حاصل ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن کفار کے ہاتھ پاؤں بغیر زبان کے کلام کریں گے اور جو کچھ دنیا میں انھوں نے کیا ہے سب کچھ بیان کردیں گے۔ چنانچہ سورہ یٰس میں ارشاد ہے:۔

وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یٰس ۶۵)	اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کیے کی گواہی دیں گے۔

حدیثِ مسلم میں ہے کہ مکہ کا ایک پتھر بحضور نبوت سلام عرض کرتا تھا۔ ترمذی میں حدیث میں ہے کہ پتھر اور درخت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتے تھے سنگریزوں نے حضور کا کلمہ پڑھا۔ درخت حضور کے طلب کرنے پر آپ کے حضور حاضر ہوتے۔ درختوں کی ڈالیاں آپ پر سایہ کے لیے جھک جاتیں۔ ظاہر ہے کہ پتھر درخت وغیرہ میں

انسانی روح نہیں ہوتی مگر خالقِ رُوح نے ان کو بھی ایک نوع کی حیات عطا فرمادی ہے۔ معلوم ہوا کہ بغیر روح کے بھی حیات ممکن ہے۔

(۱۳) نیز یہ حیاتِ ضعیف اس امر کو بھی مستلزم نہیں ہے کہ میّت میں حرکت پیدا ہو یا عذاب سے مضطرب ہو یا عذاب سے بدن کا جلنا یا مار کھانا نظر بھی آئے۔ حتیٰ کہ جو پانی میں غرق ہوگیا اور جانوروں کی غذا بن گیا یا سُولی پر چڑھا دیا گیا یا جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے جہاں بھی ہوگا اسے عذاب دے گا۔ گو کہ زندہ انسان ان تمام امور کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ سُن سکتا ہے۔ جو صاحبِ ایمان و ایقان ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے عجائبِ مُلک و ملکوت اور مراتبِ قدرت و جبروت سے ایسے امور کو مستبعد نہیں جانتے۔ چہ جائیکہ محال کا قول کریں (شرح عقائد مع حواشی و نبراس)

سورہ دخان کی آیت جنّتی جنّت میں دوسری موت کا مزا نہیں چکھیں گے؟

(۱۴) علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ:۔

اِنَّ الضَّمِیْرَ لِلْجَنَّةِ وَ الِاسْتِثْنَاءُ تَاکِیْدٌ لِعَدَمِ الذَّوْقِ عَلٰی سَبِیْلِ التَّعْلِیْقِ بِالْمُحَالِ فَالْمَعْنٰی لَوْ اَمْکَنَ ذَوْقُهُمُ الْمَوْتَ الْاَوَّلَ فِی الْجَنَّةِ لَذَاقُوْهَا لٰکِنَّهٗ غَیْرُ مُمْکِنٍ فَلَا مَوْتَ فِی الْجَنَّةِ

(نبراس صد ۳۲۲)

یعنی یہ جو فرمایا گیا جنّت میں پہلی موت کے سوا جو دنیا میں چکھ چکے اور کوئی موت نہیں چکھیں گے تو یہ جنت میں ان پر موت نہ آنے کی بطور تعلیق بالمحال تاکید کی ہے۔ مطلبِ آیت یہ ہے کہ اگر پہلی موت کا مزا چکھنا ممکن ہوتا تو جنت میں پہلی موت کا مزا چکھ لیتے لیکن پہلی موت کا مزا چکھنا تو ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ آچکی ہے۔ اس لیے اب جنت میں موت کا مزا چکھنا یعنی موت کا آنا ممکن ہی نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں موت سے مراد کامل و مکمل طور پر بدنِ انسانی کا رُوح سے خالی ہونا ہی مراد ہے یعنی جنت میں جنتی تو رُوح و جسم کے ساتھ زندہ جاوید ہوں گے۔ ایسے کہ پھر ان کو موت نہیں آسکے گی۔ قبر میں سوال و جواب کے وقت جو حیاتِ ضعیف مردہ کو دی جاتی ہے وہ حیاتِ کامل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات یعنی قبر میں میّت کو حیاتِ ضعیف کا دیا جانا آیت کے منافی نہیں ہے۔ پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے۔ مُردہ کو جو حیاتِ ضعیف دی جاتی ہے اس کا باقی رہنا بھی ضروری نہیں ہے۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے بدنِ میّت میں حیات پیدا فرمادی تو وہ جماد کہاں رہا — دراصل کتب عقائد میں یہ ساری گفتگو معتزلہ کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ میّت جماد ہے۔ اس میں نہ حیات ہے اور نہ ادراک کی قوت اس لیے اس کو قبر میں عذاب دیا جانا محال ہے۔ تو اس اشکال کے جواب میں کہا گیا کہ میّت قبر میں جمادِ محض نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک قسم کی حیات پیدا فرمادیتا ہے۔ تاکہ میت عذاب کی تکلیف اور ثواب و نعمت کی لذت کا ادراک کر سکے۔

(۱۵) شرح عقائد میں ہے کہ میت کا لذت و الم کا ادراک کرنا اس امر پر مستلزم نہیں ہے کہ بدنِ میت میں روح کا اعادہ ہو۔ وَهٰذَا لَا يَسْتَلْزِمُ اِعَادَةَ الرُّوْحِ فِي الْبَدَنِ۔ یہ جملہ بھی معتزلہ کے اعتراض کا جواب ہے۔ سورہ دخان کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (دخان ۵۶)

اس میں (یعنی جنت میں) پہلی موت کے سوا (جو دنیا میں ہو چکی) کے سوا پھر موت نہ چکھیں گے

تو جب بدنِ میت میں رُوح کا اعادہ ہوگا تو اس سے لازم آئے گا کہ انہیں دو موتوں سے سابقہ پڑے گا۔ پہلی موت قبر میں جانے سے پہلے اور دوسری موت قبر میں جانے کے بعد بعث سے پہلے تو اعادہ رُوح کا عقیدہ قرآن کی تصریح کے خلاف قرار پا گیا —— اس اشکال کے کتبِ عقائد میں متعدد جواب دیے گئے ہیں۔ جوابِ اوّل یہ ہے کہ اعادۂ روح سے ہماری مراد صرف اتنی حیات ہے جس سے میت لذت و تکلیف محسوس کر سکے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہوا یعنی اعادہ روح کا مطلب تو یہ ہے کہ حیاتِ کامل و تکمیل کا اعادہ کیا جائے اور ہماری مراد یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ادراکِ الم و لذت کے لیے ایک ادنیٰ سا تعلق روح سے پیدا کر دیا جاتا ہے۔ خواہ روح کہیں بھی ہو۔ ساتویں آسمان پر ہو یا سجین میں قید ہو اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے سورج ساتویں آسمان پر ہے اور اس کی روشنی زمین پر پڑ رہی ہے (۱۶) علامہ عبدالعزیز فرہاری نے فرمایا کہ مشائخ کرام فرماتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے بدنِ میت میں روح کامل کا اعادہ ہوتا ہے بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ بوقتِ سوال و جواب بدنِ میت میں روح کا ایک نہایت ضعیف تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے جس سے وہ سوالات کا جواب اور تکلیف و راحت محسوس کرتا ہے لہذا جائز ہے کہ اس کے زوال کو موت سے موسوم نہ کیا جائے۔ (نبراس صہ ۳۲۲)

حیات مابعد الموت یعنی عالمِ برزخ (عالمِ قبر) کے متعلق انبیاء کرام نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خلافِ عقل نہیں ہے

(۲۷) عذابِ قبر، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے متعلق، کتاب و سنت میں جن حقائق کو بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ سب کے سب حق ہیں اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہیں۔ نیز انبیاء کرام اور خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمِ برزخ وغیرہ کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔ جو لوگ قبر کے حالات و واقعات اور عالمِ آخرت کے حقائق کا انکار کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد صرف اس امر پر ہے کہ ہم انہیں نہیں دیکھتے، نہیں سنتے اور ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی۔ تو ان امور کی بنیاد پر عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے حقائق کا انکار کر دینا عقلمندی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے نبوت وہبی چیز ہے۔ ایسے ہی انبیاء کرام کا علم بھی وہبی ہے۔ انبیاء کرام کے علم کا ذریعہ وحیِ الٰہی اور تعلیمِ الٰہی ہے۔ اسی لیے ان کا علم یقینی ہوتا ہے۔ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ سے علم و معرفت حاصل کر کے ایسے حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں۔ جن کو عام انسان اپنی آنکھوں کانوں اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کر سکتا۔ بلا تمثیل جیسے دور بین رکھنے والا شخص بہت دور کی چیزیں دیکھ لیتا ہے جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے

ایسے ہی انبیا کرام کے علم میں ایسے حقائق ہوتے ہیں۔ جن پر عام انسانوں کی عقل وفہم کی رسائی نہیں ہوتی (۲) اور چونکہ انبیاً کرام کا علم یقینی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے فیضِ علم پا کر جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب صحیح وصواب اور شک وشبہ سے پاک ہوتا ہے اور ان کی تعلیمات میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ انبیاً کرام کے ارشاد فرمودہ حقائق کو ہماری عقل وفہم اور ہمارے حواس اور ہماری صفاتِ ادراک از خود ان کو سمجھ لینے سے عاجز وقاصر ہو یا وہ ایسی چیزیں ہوں جن کو ہم اپنی عقل وفہم سے از خود نہیں جان سکتے۔ کیونکہ انبیاء کرام کی عقل و فہم رویت وبصیرت عام انسانوں کی عقل وفہم اور رویت وبصیرت کی طرح نہیں ہے۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو عقل وفہم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے دیئے ہیں۔ ان کی طاقتِ فہم اور ان کا دائرہ عمل بہت ہی محدود ہوتا ہے۔ لیکن انبیاء کرام اور خصوصاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو قوتِ علمیہ عطا فرمائی ہے وہ محدود نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے فرمایا۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ حبیب جو تم نہیں جانتے تھے ہم نے آپ کو اس کا علم عطا فرما دیا اور کثیر صحیح احادیث میں حضور علیہ السلام نے اپنی قوتِ علمیہ کے غیر محدود ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

بدعقیدہ افراد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں اور پھر وہ حضور کے خصائص اور علم ورویت اور دور ونزدیک سے سننے اور دیکھنے کی قوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اِنِّیْ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ وَاِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ (ترمذی، ابن ماجہ)	میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے اور وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔

اس حدیث میں کلمہ مَا موصولہ مانا جائے۔ تو اس کا عام ہونا ظاہر ہے کیونکہ مَا موصولہ کلماتِ عموم میں سے ہے اور اگر کلمہ مَا نکرہ مانا جائے تو نکرہ نفی کی جگہ عموم کا فائدہ دیتا ہے غرضکہ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اور مَا لَا تَرَوْنَ کے الفاظ سے واضح ہے کہ جو چیز عام انسانوں کی بصارت وسماعت سے باہر ہے حضور اس کو بھی سنتے دیکھتے ہیں خواہ وہ چیز آسمان کی وسعتوں میں ہو یا زمین کی گہرائی میں ہو۔ اسی لیے عالمِ برزخ اور قبر کے حال واحوال حضور علیہ السلام کی مقدس آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہوتے۔ چونکہ نبی علیہ السلام کا علم وفہم وہبی ہے، عطیہ الٰہی ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کے ارشاد فرمودہ حقائق سب کے سب حق وصواب ہیں۔

کسی چیز کے وجود کا محض اس بنا پر انکار کر دینا کہ ہماری عقل ان کو نہیں سمجھتی غلط اور بہت بے عقلی کی بات ہے

(۲۹) اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں جدید آلات کے ذریعے ہمارے علم میں بہت سی ایسی چیزیں آئی ہیں اور آ رہی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پانی اور خون اور دیگر اشیاء میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں اُن خوردبینی آلات کے ذریعہ آنکھ ان پر مطلع ہو جاتی ہے۔ جسمِ انسانی کے اندر کے حالات جنہیں انسان کی عقل وفہم اور آنکھ نہ

سمجھ سکتی تھی اور نہ دیکھ سکتی تھی اب سائنسی آلات کے ذریعے ان کا انکشاف ہو جاتا ہے اور اسی انکشاف کی بنیاد پر امراض کا علاج معالجہ اور آپریشن ہوتا ہے۔ ہزاروں میل دور کی آواز واقعات و حادثات کے مناظر ٹیلیویژن کی سکرین پر ہم دیکھتے سنتے ہیں۔ جن کا اس سے قبل ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ (۳۰) اسی طرح بہت سے انکشافات کا علم آج ہمیں سائنسی تجربات کے ذریعے ہوا ہے۔

ایک ارب کہکشائیں اور ہر کہکشاں میں ایک سو ارب ستارے ہیں

مثلاً اس کائنات میں تقریباً ایکسو ارب کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں تقریباً ایک سو ارب ستارے اور سیارے (سورج بھی ایک سیارہ ہے) اگر ان سب کا مادہ MATTER کائنات کے حجم اور کمیت (ٹھوس پن) کے تقریباً دس فیصد سے زیادہ نہیں یعنی باقی تقریباً نوّے فیصد صرف خلا ہے۔ اس خلا میں ان کی اپنی فضا بھی شامل ہے ——— اور ان کہکشاؤں میں سے ہم ایک معمولی گرپیچ دار کہکشاں کے ایک معمولی سائز کے نظام ——— نظامِ شمسی کے ایک چھوٹے سے سیارے کرہ ارض میں رہتے ہیں۔

ایک سو ارب کہکشاؤں اور ہر ایک کہکشاں میں تقریباً ایک سو ارب ستارے اور سیاروں کا علم اور اسی نوع کے بہت سے انکشافات جن کے ذکر کے لیے دفتر درکار ہے۔ سائنسدانوں کے تجربات سے قبل ہم کہاں جانتے اور مانتے تھے یہ مثال صرف اس لیے دی ہے کہ کسی حقیقت کا صرف اس بنا پر کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتی یا ہم اس کو سنتے نہیں یا ہماری عقل اس کو سمجھتی نہیں انکار کر دینا غلط ہے بلکہ بے عقلی کی بات ہے ——— اسی طرح عالمِ برزخ اور قبر کے عذاب و ثواب، تکلیف و راحت کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہے تو حق و صواب مگر ہمارے حواسِ خمسہ اس کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں۔

(۳۱) مسلم شریف کی حدیث بروایت حضرت زید ابن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خچر پر سوار قبیلہ بنی نجار کے ایک باغ سے گزرے تو آپ کا خچر بدکا۔ اس باغ میں مشرکوں کی قبریں تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِىْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ (مسلم)

اس امت کے یہ لوگ اپنی قبروں (عالم برزخ میں) میں عذاب میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن نہ کر سکو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب کو جو میں سن رہا ہوں وہ تم کو بھی سنا دے۔

حضرت سعد بن معاذ انصاری حضور علیہ السلام کے مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ غزوہ بدر میں شرکت کی ان کو سعادت حاصل ہے۔ ۵ھ میں ان کا وصال ہوا۔ انہی کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے اور آسمان کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے۔ مسند احمد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو حضور علیہ السلام نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جب ان کو قبر میں

رکھ کر مٹی برابر کردی گئی تو حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد فرمایا :۔

سَبَّحَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ (احمد)

ہم دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے۔ پھر آپ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا تو ہم بھی آپ کی اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت آپ اس تسبیح اور تکبیر کا کیا سبب تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرما دی۔

حضرت سعد بن معاذ تو نیک و صالح آدمی تھے۔ نبی علیہ السلام نے بھی ان کا ذکر عبدِ صالح کے الفاظ سے فرمایا۔ مگر سُنۃ اللہ کے مطابق قبر نے ان کو ذرا دیر کے لیے دبایا۔ نبی علیہ السلام نے برکت کے لیے سبحان اللہ اور اللہ اکبر کا ورد فرمایا جس سے واضح ہوا کہ قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کے ذکر سے صاحبِ قبر کو راحت ملتی ہے اور قبر کی تکلیف دُور ہو جاتی ہے :۔

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کرو اور یہ دُعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے۔ کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہوگا۔

اس حدیث سے واضح ہوا قبر میں فرشتے سوال کرنے کے لیے آتے ہیں اور یہ کہ دفن کے بعد میت کے لیے مغفرت، سوالوں کے صحیح جواب دینے کی توفیق کی دُعا کرنا سنت ہے اور اس کو بدعت کہنا معاذ اللہ حضور کی سنت کو بدعت کہنا ہے۔

(۳۲) اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد :۔

لَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ

یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن نہ کر سکو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ جو میں سُن رہا ہوں تم کو بھی سُنا دے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی جو کیفیت مجھ پر منکشف ہے اور عذاب اور عذاب دیے جانے والوں کی چیخ و پکار جو میں سُن رہا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بھی سنوا دے تو اس کا خطرہ ہے کہ تمہیں موت سے آتنی دہشت ہو

ہو جائے کہ مُردوں کے دفن وکفن کا انتظام بھی نہ کر سکو۔ اس لیے میں اللہ سے دُعا نہیں کرتا کہ وہ تمہیں بھی سُنا دے۔

——— معلوم ہوا کہ قبر کے حال و احوال، عذاب قبر، میّت کی چیخ و پکار حضور علیہ السلام سُن اور دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ عام انسانوں سے قبر کے احوال اس لیے پوشیدہ رکھے گئے ہیں کہ ان کی قوتِ ادراک اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اگر قبر میں میّت پر جو کچھ گزرتا ہے۔ اگر جن و انس سب اس کو دیکھ لیں یا سُن لیتے تو ایک تو ایمان بالغیب نہ رہتا دوسرے دنیا کا نظام بھی چل سکتا۔ جیسے کہ ہمارا کوئی عزیز سخت و شدید تکلیف میں مبتلا ہو تو اس وقت ہم سخت کرب و پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اگر قبروں کا ہیبت ناک عذاب ہم پر منکشف ہو جایا کرتا تو ہم کسی کام کے نہ رہتے بلکہ خوف و خشیت کی وجہ سے مائیں اپنے بچوں کو دُودھ بھی نہ پلا سکتیں۔

اس حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے برزخ کے حالات کو عام انسانوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔

نبی علیہ السلام پر برزخ کے حالات منکشف ہیں

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان قبر والوں پر جو عذاب ہو رہا تھا اور اس کی وجہ سے جو چیخ و پکار ان قبروں میں مچی ہوئی تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والے صحابہ کرام بالکل نہیں سُن رہے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سُن بھی رہے تھے اور دیکھ بھی رہے تھے ——— حضور علیہ السلام کے ساتھی صحابہ کرام کا عذابِ قبر پر مطلع نہ ہونا ایسے ہی تھا جیسا کہ جب جبرئیل امین علیہ السلام وحی لے کر آتے تو بسا اوقات صحابہ کرام اس وقت آپ کے پاس ہوتے تھے لیکن صحابہ کرام باوجود حضور کے قریب ہونے کے جبرئیل امین کو عام طور پر نہ تو دیکھتے تھے اور نہ ان کی آواز سنتے تھے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل امین کو دیکھتے بھی تھے اور ان کی آواز کو سنتے بھی تھے۔

(۳۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے :-

عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(بخاری و مسلم)

تو ہر صبح و شام اس کے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتیوں میں سے ہے۔ تو جنتیوں کے مقام میں سے اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح صبح و شام) دوزخیوں کے مقامات میں سے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے تیرا مستقل ٹھکانا اور یہ اس وقت ہوگا) جب کہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائے گا قیامت کے دن۔

ظاہر ہے کہ جنتیوں کو ان کا مقام جنت اور دوزخیوں کو ان کا مقام دوزخ صبح و شام اس لیے دکھایا جاتا ہے کہ مومن کو اپنا مقام جنت دیکھ کر لذت و مسرت حاصل ہوا کرے اور دوزخیوں کو اپنا مقام دوزخ دیکھ کر رنج و غم ہو گویا قبر میں مومن کو خوشی اور کافر کو غم ہونا بھی عذاب و ثواب کی ایک کیفیت ہے۔

قبر کے اندر فرشتے کیسے آجاتے ہیں

(۳۴) قبر کے اندر فرشتوں کے سوال و جواب کے متعلق ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لیے جب کوئی راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا تو فرشتے اس میں کس طرح جاتے ہیں ؟ ——— یہ شبہ دراصل ان لوگوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو اپنی طرح گوشت پوست سے بنی ہوئی مادی مخلوق خیال کرتے ہیں ——— حالانکہ فرشتے نوری مخلوق ہیں، اجسام لطیفہ ہیں۔ اس لیے فرشتوں کو کہیں بھی آنے جانے کے لیے نہ تو سواری کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ کسی دروازہ اور کھڑکی کی۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہماری نگاہیں یا آفتاب جو چوتھے آسمان پر ہے۔ اس کی شعاعیں جس طرح شیشوں سے نکل جاتی ہیں۔ اسی طرح فرشتے اپنے جسم کی لطافت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت سے لوہے اور پتھروں سے بنی ہوئی مضبوط و محکم عمارتوں سے پار ہو جاتے ہیں اور ان کے وجود کی لطافت کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ کوئی چیز نہ ان کے لیے حجاب بنے اور نہ رکاوٹ۔

اللہ کی سُنّت یہ ہے کہ عالمِ برزخ کے حال و احوال کو عام انسانوں اور جنّوں سے پوشیدہ رکھا جائے

(۳۵) یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام سُنّت و عادت یہ ہے کہ برزخ کی واردات و احوال کو جن و انس سے کلی طور پر پوشیدہ رکھا جائے۔ عام انسان برزخ کے معاملات نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سُن سکتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو برزخی عذاب و ثواب کی کیفیت اپنے کسی خاص بندے کو دکھا دیتا ہے ——— چنانچہ علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس امر کی تصریح کی ہے۔ انھوں نے متعدد احادیث و آثار کو ذکر کر کے لکھا ہے :-

وَهٰذِهِ الْاَخْبَارُ وَ اَضْعَافُهَا وَ اَضْعَافُ اَضْعَافِهَا مِمَّا لَا يَتَّسِعُ لَهَا الْكِتَابُ مِمَّا اَرَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بَعْضَ عِبَادِهٖ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهٖ عِيَانًا وَ اَمَّا رُؤْيَةُ الْمَنَامِ فَلَوْ ذَكَرْنَاهَا لَجَاءَتْ عِدَّةَ اَسْفَارٍ وَلَيْسَ عِنْدَ الْمَلَاحِدَةِ وَالزَّنَادِقَةِ اِلَّا التَّكْذِيْبِ بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ

(کتاب الروح ۱۱۲)

یہ واقعات جو میں نے یہاں ذکر کیے اس قسم کے اور بھی بے شمار واقعات ہیں۔ جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ یہ سب اسی قبیل سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو قبر کے عذاب و ثواب کا کبھی مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے۔ یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں سے دکھا دیتا ہے ——— رہا خواب میں دیکھنا تو اس کے واقعات تو اتنے ہیں کہ اگر ان کو لکھا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں لیکن ملحد و زندیق قسم کے لوگوں کا حال یہی ہے کہ جن امور کا وہ ادراک نہ کر سکیں اس کی تکذیب و انکار کر دیتے ہیں۔

اکثر احادیث میں مُردوں کو قبر میں دفن کرنے کا ذکر ہے

(۳۶) حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور آج بھی مُردوں کو قبر میں ہی دفن کرنے کا عام رواج ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ فرشتوں کا سوال و جواب صرف انہی مُردوں کے ساتھ خاص ہے جو قبروں

میں دفن ہوتے ہیں بلکہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال وجواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے، خواہ اس کا جسم قبر ہی دفن کیا جائے یا دریا میں بہایا جائے۔ خواہ آگ میں جلایا جائے، گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں جاکر پرندوں درندوں اور مچھلیوں کی غذا بن کر ان کا جزوِ بدن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے (اس کے اجزاءِ اصلیہ جو کہ محفوظ رہتے ہیں) اس سے رُوح کا ایک گونہ تعلق فرما دیتا ہے اور اس طرح فرشتے ہر مرنیوالے سے سوال کرتے ہیں ــــ اسی طرح اگر بدنِ انسانی گل سڑ کر یا جل کر راکھ ہو جائے

اگر بدنِ انسانی گل سڑ کر خاک ہو جائے تو اس سے بھی سوال وجواب ہوتا ہے

تو اس کے اجزاءِ اصلیہ سے رُوح کا خفیف تعلق پیدا کر کے اس سے بھی سوال وجواب اور عذاب وثواب ہوتا ہے۔

جسمِ انسانی کے اجزاء اصلیہ فنا نہیں ہوتے

(۳۷) جسمِ انسانی کے اجزاءِ اصلیہ کو اللہ تعالیٰ باقی رکھتا ہے۔ جسمِ انسانی سے رُوح کے نکل جانے کے بعد بھی وہ اجزاء اصلیہ باقی رہتے ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب البعث کی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مِثْلُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ وَمِنْهُ تُنْشَأُونَ ــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کا تمام جسم گل سڑ جاتا ہے مگر ایک ہڈی

اِلَّا عَظْمٌ وَّاحِدٌ وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنْبِ | نہیں گلتی سڑتی مٹی ہوتی وہ عجب الذنب ہے

اسی سے انسان کو قیامت کے دن مرکب کر کے اُٹھایا جائے گا۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر ابن آدم کو مٹی کھا جاتی ہے مگر عَجْبُ الذَّنْبِ مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ یعنی اسی اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو بنایا اور اسی سے قیامت کے دن دوبارہ اس کے بدن کو مرکب کیا جائے گا (مسلم وابن ماجہ التذکرہ صد۱۴۲) یعنی رُوح تو ہر انسان کی زندہ ہوتی ہے مگر حشر کے دن اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے انسانوں کے انہیں اجزاءِ اصلیہ میں رُوح ڈالے گا اور قیامت کے دن اُٹھائے گا۔ اسی کو قرآن نے جابجا یومِ آخر کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (بقرہ ۱) ایقان، ایمان سے بھی اوپر کا درجہ ہے۔ یعنی ایقان ایک حقیقت پر اس طرح یقین کر لینا ہے کہ جس میں شک وشبہ کسی طور پر بھی راہ نہیں پا سکتا اور بندہ مومن ایقان کی دولت حاصل کر کے ایمان کے نہایت ہی اعلیٰ وارفع درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ سورہ تکاثر میں اللہ تعالیٰ نے یقین کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ علم الیقین یعنی کسی شے کے دلائل اور بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا اقرار کر لینا اور عین الیقین یہ ہے کہ وہ چیز انسان کے احساس اور مشاہدہ میں آجائے۔ اور یہ یقین کا نہایت اعلیٰ درجہ ہے جس میں پھر شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔

جسمِ انسانی کے اجزاءِ اصلیہ کی حقیقت کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے

(۳۸) جسمِ انسانی کے اجزاء اصلیہ کی حقیقت وکیفیت کو بیان کرنا ممکن

ہے ایک مومنِ مخلص کے لیے اسی قدر ماننا لازم وواجب ہے جو حدیث میں مخبرِ صادق حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ وہ اجزاء عجب الذنب ریڑھ کی ہڈی میں ہیں (بخاری، مسلم، احمد، وابن حبان) اور رائے کے دانے کے برابر ہیں۔ انہی اجزاء میں اللہ تعالیٰ رُوح ڈال کر قیامت کے دن اٹھائے گا۔ نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مثل حبة خردل ومنه تنشاؤن (ابوداؤد) اس کے علاوہ جو کچھ محققین نے اس باب میں فرمایا ہے وہ سب ظنیات ہیں۔ جیسا کہ فقہ حنفیہ کے محقق امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسامرہ اور اس کی شرح میں تشریح فرمائی ہے (نبراس حاشیہ ۷ صـ ۳۲۶) اور بخاری ومسلم وابوداؤد ہی کی احادیث کی روشنی میں علماءِ اہلسنت نے کتبِ عقائد میں لکھا ہے کہ انسانی بدن کو کسی نے کھالیا اور وہ درندوں پرندوں کا جزوِ بدن ہوگیا یا جسم انسانی گل سڑ کر خاک ہوگیا یا اس کو جلادیا گیا اور اس کی خاک کو ہوا میں اُڑادیا گیا یا پانی میں بہادیا گیا تو یہ تو جسمِ انسانی کا فضلہ ہے اجزاءِ اصلیہ نہیں ہیں۔

انسانی جسم کے اجزاءِ اصلیہ تو وہ ہیں جو اوّلِ عمر سے آخرِ عمر تک باقی رہتے ہیں۔ نہ جلتے ہیں نہ فنا ہوتے ہیں اور نہ دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں باقی رکھتا ہے اور انہی اجزاءِ اصلیہ میں قیامت کے دن رُوح ڈال کر زندہ کیا جائے گا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے:۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (مومنون آیت ۱۶) | پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

جسمِ انسانی کے اجزاءِ اصلیہ کا باقی رہنا انسانی عقل کے خلاف نہیں

(۳۹) انسان کے اجزاءِ اصلیہ کا باقی رہنا چونکہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے اس لیے اہلِ ایمان والیقان کے لیے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے مگر جو لوگ عقلِ ناتمام کے اسیر ہیں ان کے لیے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے حق تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمادیے ہیں کہ جن کا انکار ناممکن ہے۔ اخبارات میں ایسی خبریں آتی رہتی ہیں کہ سائنسدانوں نے لاکھوں سال پُرانی انسانی ہڈیاں دریافت کی ہیں کہ سائنسی قواعد وضوابط سے کام لیتے ہوئے ان پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ ہڈیاں لاکھوں سال قبل کے انسان کی ہیں حال ہی میں روزنامہ جنگ ۱۹ر اگست ۱۹۹۵ء کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیے۔

انسان کے آباؤ اجداد ۴۰ لاکھ سال قبل سیدھا چلنا سیکھ گئے تھے، تازہ تحقیق

نیویارک (اپ) کینیا سے ملنے والی پُرانی انسانی ہڈیوں سے یہ شواہد سامنے آئے ہیں کہ بنی نوع انسان کے آباؤ اجداد نے سائنسدانوں کے اندازوں سے ۵ لاکھ سال قبل سیدھا چلنا شروع کردیا تھا۔ ہڈیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً ۴۰ لاکھ سال پہلے انسان کے نامعلوم جدِامجد جس کا وزن تقریباً ۱۲۰ پونڈ اور جسم بالدار تھا موجودہ انسان کی طرح چلنا شروع کردیا تھا۔ تاہم انسان کے سیدھا چلنے سے متعلق ٹھوس شواہد پاؤں کے وہ نشانات ہیں۔ سائنسدانوں کی یہ تازہ تحقیق ایک غیر ملکی جریدے کے مطابق ایسے قدیم انسان کی پنڈلی کی نامکمل ہڈی پر کی گئی ہے جو کینیا کے شمال مغرب میں رہتا تھا۔ تحقیق

میں اس دور کے انسان کے دیگر خواص بھی سامنے آئے ہیں کہ یہ انسان نہ صرف مضبوط اور طاقتور تھا بلکہ اپنا بیشتر وقت زمین پر گزارتا۔ یہ تحقیق پنسلوانیا یونیورسٹی کے پروفیسر ایلن والکر رہے ہیں۔

حیرانی اور افسوس کی بات یہ ہے کہ سائنسدانوں کے اس نوع کے انکشافات ہم سنتے پڑھتے اور اس پر ایمان بھی لے آتے ہیں اور کوئی نام نہاد مفکر و دانشور نہ حیرت کا اظہار کرتا ہے اور نہ یہ کہتا ہے کہ چالیس لاکھ سال قبل کی انسانی ہڈیاں زمانہ کے ہولناک اور بدترین ادوار سے گزرنے کے باوجود باقی کیسے رہ گئیں؟ —— اور اگر یہی بات کتاب وسنت اور وحی الٰہی کے حوالہ سے علماء بیان فرمائیں کہ انسان کے ایسے اجزاء اصلیہ ہیں جو جسمِ انسانی کے جلنے سڑنے خاک ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اگرچہ کروڑوں سال گزر جائیں تو بعض دانشور اور منکر علماء کا مذاق اڑاتے ہیں اور شک وشبہ کی فضا قائم کر کے ان دینی حقائق کا انکار کر دیتے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

اسی لیے یوم آخر اور حیاتِ آخر اسلام کی بنیادی واساسی تعلیم ہے اور ایمان باللہ کے بعد اسی کو اہمیت دی گئی ہے (سورہ ابراہیم آیت ۲۷) میں ارشاد ہے جو ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ | حیاتِ دنیا اور آخرت میں اس پکی بات (کلمہ طیبہ) پر قائم رکھے گا۔

عالمِ برزخ

(۴۰) یہاں آخرت سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ قرآن بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن قولِ ثابت پر قائم رہنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس دن تو حق و باطل سب کچھ آفتاب کی طرح ظاہر و نمایاں ہوگا۔ آیت میں آخرت سے عالمِ برزخ کے سوا کچھ اور مراد نہیں۔ ہوسکتا ہے اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ (ابن ماجہ، کنز العمال ج ۸ ص ۹۵) سورہ مومنون میں فرمایا:۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ | (مرنے والوں کے آگے ایک آڑ (پردہ) ہے اس دن تک جس میں وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے۔

مطلبِ آیت یہ ہے کہ موت کے بعد ہر شخص عالمِ برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے مفسرین نے فرمایا کہ برزخ وقتِ موت سے وقتِ بعث کی مدت کو کہتے ہیں —— واضح ہو کہ عالمِ برزخ بھی انسان اپنے نیک اور بد اعمال کے مطابق ثواب وعذاب سے دوچار ہو سکتا ہے خواہ میت کہیں اور کسی بھی حال میں ہو مگر یہ اللہ رب العٰلمین کی مشیت و مرضی پر ہے۔

یومِ آخر پر ایمان اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اور اس کا انکار کفرِ خالص ہے

(۴۱) اسی لیے قرآن میں یوم آخر کا لفظ پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان کے معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے۔ سورہ بقرہ نمبر ۲۸ میں ارشادِ باری ہے:۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا | بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہو گے؟ حالانکہ تم مردہ تھے

فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

اس نے تمہیں جلایا اور پھر تمہیں مارے گا۔ پھر تمہیں جلائے گا۔ پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے

پہلی موت سے مراد آدمی کے پیدا ہونے سے پہلے کا زمانہ ہے جس کو امواتا سے تعبیر کیا گیا۔ پھر اس کو اس دنیا میں پیدا فرمایا۔ یہ اس کی پہلی زندگی ہے۔ پھر موت آئی اور روح جسم سے جدا ہو گئی۔ یہ دوسری موت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں روح ڈال کر زندہ فرمائے گا۔ یہ دوسری زندگی ہوئی جس کے بعد پھر موت نہیں —— سورہ مومن نمبر" میں بھی دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے۔ دوزخیوں کی زبان سے کہلوایا گیا۔

رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

اے ہمارے رب تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا۔

مطلب آیت یہ ہے کہ پہلے انسان نطفہ بے جان تھا۔ اس موت کے بعد اسے جان دے کر زندہ کیا۔ پھر عمر پوری ہو جانے پر موت دی۔ پھر بعث کے لیے زندہ کیا۔

یوم البعث (۴۲) عقیدہ توحید کے بعد اہل عرب اسلام کے جس بنیادی عقیدہ کا بہت شدت سے انکار کرتے تھے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور انسان کا دنیا کی زندگی میں جو عقیدہ و عمل رہا ہے اس کا حساب کتاب اور جزا و سزا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہوئی تو خیر و شر اور نیکی و بدی کا امتیاز لغو اور انسانی زندگی بالکل بے مقصد ہو جاتی ہے۔ کفار عرب کے ذہن اس حقیقت کو کسی طرح قبول نہ کر پاتے تھے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس لیے قرآن مجید میں بہت مقامات پر بڑی اہمیت کے ساتھ مثالیں دے کر اور عقلی دلائل کے ساتھ عقیدہ بعث (حشر اجسام مع الروح) بیان فرمایا گیا ہے۔ سورہ یٰسٓ میں ارشاد ہے:۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۞ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۙ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (یٰس ۷۹/۸۰)

بولا ایسا کون کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں۔ تم فرماؤ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔ جس نے تمہارے لیے ہرے پیڑ میں سے آگ پیدا کی۔ جبھی تم اس سے سلگاتے ہو۔

میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محترم امام المفسرین سید المتکلمین استاذ المحدثین حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ العزیز تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یہ آیت عاص بن وائل یا ابوجہل اور بقول مشہور ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی جو انکار بعث میں یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرنے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلی ہوئی ہڈی تھی اس کو توڑتا جاتا تھا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا جاتا تھا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ اس ہڈی کو گل سڑ جانے اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ہاں اور تجھے

بھی مرنے کے بعد اٹھائیگا اور جہنم میں داخل فرمائیگا۔ اس پہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس کے جہل کا اظہار فرمایا گیا کہ گلی ہوئی ہڈی کا بکھرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندگی قبول کرنا اپنی نادانی سے ناممکن سمجھتا ہے۔ کتنا احمق ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتا کہ ابتداء میں ایک گندہ نطفہ تھا۔ گلی ہوئی ہڈی سے بھی حقیر تر۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اس میں جان ڈالی، انسان بنایا تو ایسا مغرور و متکبر انسان ہوا کہ اسی کی قدرت ہی کا منکر ہو کر جھگڑنے آگیا۔ اتنا نہیں دیکھتا کہ جو قادر برحق پانی کی بوند کو قوی اور توانا انسان بنا دیتا ہے۔ اس کی قدرت سے گلی ہوئی ہڈی کو دوبارہ زندگی بخش دینا کیا بعید ہے اور اس کو ناممکن سمجھنا کتنی کھلی ہوئی جہالت ہے۔

اسی سورہ یٰس کی آیت نمبر ۸۰) میں عرب کے ایک درخت کی مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ دیکھو عرب میں دو درخت ہوتے ہیں جو وہاں جنگلوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ایک کا نام مرخ ہے دوسرے کا عفار۔ ان کی خاصیت ہے کہ جب ان کی سبز شاخیں کاٹ کر ایک دوسرے پر رگڑی جائیں تو ان سے آگ نکلتی ہے باوجودیکہ وہ اتنی تر ہوتی ہیں کہ ان سے پانی ٹپکتا ہے۔ اس میں قدرت کی کیسی عجیب و غریب نشانی ہے کہ آگ اور پانی دونوں ایک دوسرے کی ضد، ہر ایک ایک جگہ ایک لکڑی میں موجود، نہ پانی آگ کو بجھائے نہ آگ لکڑی کو جلائے۔ جس قادر مطلق کی یہ حکمت ہے وہ اگر ایک بدن پر موت کے بعد زندگی وارد کرے یعنی بدنِ انسانی کو موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے تو اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ لہٰذا بعث کا آثار قدرت دیکھنے کے باوجود انکار کرنا کھلی ہوئی جہالت ہے۔

عالم تین ہیں

(۴۳) الغرض عالم تین ہیں (۱) عالمِ دنیا جس میں انسان اپنی زندگی گزارتا ہے (۲) جس جگہ قیامت تک ٹھہرنا اور رہنا ہے وہ عالمِ برزخ ہے (۳) اس کے بعد آخری مرحلہ قیامت کا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ رُوح کو جسم سے ملا کر زندہ فرمائے گا جسے بعث بھی کہتے ہیں۔ یہی یومِ آخر جسے قرآن نے الدارالآخرہ اور عقبی الدّار سے بھی موسوم کیا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ موت سے لے کر قیامت تک کا دور عالمِ برزخ ہے اور قیامت سے لے کر ابد (ہمیشہ) زندگی کا دور بعث یا حشر و نشر اور قیامت ہے۔ جس میں پھر موت اور فنا نہیں ہے۔ سورہ حج میں ارشاد باری ہے۔

بے شبہ اللہ تعالیٰ اُٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں	وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (حج ۷)

یہ ہے بعث، یعنی دوسری زندگی جس کے بعد پھر موت نہیں۔ ظاہر ہے یہ بعث صرف انھی کے ساتھ خاص نہیں جو زمین کے اندر دفن ہیں۔ (یعنی جسے عرفِ عام میں قبر کہتے ہیں۔ حوادثِ زمانہ کی بناء پر یہ تودۂ خاک جس میں دفن کیا گیا ہے نامعلوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے) بلکہ ہر میّت کے لیے ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ کسی حالت کسی عالم میں ہو اس کے اجزاءِ اصلیہ تو بہرحال موجود رہتے ہیں۔ اس لیے قبر سے مقصود وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم انسانی جگہ پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے اسی جسم کو دوبارہ زندہ فرمائیگا۔ روزِ حساب و کتاب کے بعد وہ شخص جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور یہی حشر و نشر و بعث و قیامت ہے جس کے بعد پھر موت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

فلاسفہ بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں انکے شبہات کے جوابات

(۲۴۴) علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ فلاسفہ متعدد شبہات پیدا کر کے بعث اجساد کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے اور معدوم کا اعادہ محال ہے۔ گو کہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ قرآن و سنت کی نصوصِ قاطعہ سے بعثِ اجساد ثابت و واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے۔ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ معدوم کو وجود عطا فرمادے ـــــ اور بالفرض ان کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کا یہ کہنا کہ معدوم کا اعادہ محال ہے ہمارے موقف کو مضر نہیں ہے کیونکہ ہم نے ایجاد بعد الاعدام کا دعویٰ نہیں کیا جس کی بنیاد پر ہم پر معدوم کے اعادہ کا الزام لگایا جائے۔ ہمارا مقصود تو بعث ہے اور اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ انسان کے اجزاءِ اصلیہ کو جمع کر کے اس میں دوبارہ رُوح کا اعادہ فرمائے گا۔ اس عمل کا نام فلاسفہ معدوم کا اعادہ رکھ لیں یا نہ رکھیں ہمارے موقف کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور عقلاً بھی دیکھا جائے تو یہ اعادہ معدوم نہیں ہے کیونکہ انسان کے اجزاءِ اصلیہ میں رُوح ڈالی جا رہی ہے معدوم میں نہیں ـــــ اور نظیر اس کی یہ ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم نے بنی تغلب سے جزیہ طلب فرمایا تو انھوں نے کہا کہ ہم جزیہ تو نہیں دیں گے مگر جزیہ کی رقم سے زیادہ صدقہ دیدیں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ فَقَالَ هٰذِهٖ جِزْيَتُكُمْ فَسَمُّوْهَا مَا شِئْتُمْ | یہ تو بہر حال جزیہ ہی ہے اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ جزیہ کا نام جو چاہو نام رکھ لو۔

یہی ہم فلاسفہ سے کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ تو بعث اجسام مع الروح ہے۔ تم اگر اس عمل کو اعادہ معدوم سے موسوم کرو تو تمہاری مرضی ہے ـــــ فلاسفہ یہاں ایک اور شبہ پیش کرتے ہیں کہ اگر انسان نے دوسرے انسان کو کھا لیا مثلاً زید نے بکر کو کھا لیا اور بکر زید کا جزوِ بدن ہو گیا کیونکہ جب کوئی چیز کھائی جاتی ہے تو معدہ میں پہنچ کر خون وغیرہ میں منقلب ہو جاتی ہے تو اب یہ سوال ہے کہ زید کے جسم کے اجزاء جو بکر کے جسم کا جز ہو گئے کیا ان دونوں میں ـــــ روح کا اعادہ ہو گا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ امر محال ہے کیونکہ جز واحد آنِ واحد و وقتِ واحد میں دو مکانوں میں بداہتاً موجود نہیں ہو سکتے ـــــ اگر جواب یہ ہے کہ صرف ایک انسان میں روح کا اعادہ ہو گا تو لازم آئے گا کہ دوسرے انسان کے تمام اجزاء میں روح کا اعادہ نہ ہو اور یہ بات قائلینِ بعث (اہلسنت) بھی تسلیم نہیں کرتے ـــــ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہر انسانی بدن کے ایک تو اجزاءِ اصلیہ ہوتے ہیں اور دوسرے اجزائے فضلیہ ـــــ اجزاءِ اصلیہ سے یہاں مراد وہ ہیں جو ہر بدنِ انسانی کو کھائے جانے سے پہلے ہوتے ہیں اور اجزائے فضلیہ وہ ہیں جو انسانی بدن کی غذا سے حاصل ہوتے ہیں ـــــ تو انسان کا جسم جو جل گیا گل گیا۔ خاک ہو گیا یا کھا لیا گیا وہ تو فضلہ ہے اجزاءِ اصلیہ نہیں ہیں۔ اجزاءِ اصلیہ تو تخمِ جسم ہیں، نہ گلتے ہیں، نہ خاک ہوتے ہیں، نہ جلتے ہیں اور نہ کھائے جا سکتے ہیں اور نہ نظر آتے ہیں۔ وہ تو اول عمر سے لے کر آخر عمر تک باقی رہتے ہیں۔ تو روزِ قیامت روحوں کا اعادہ اجزائے اصلیہ میں ہو گا۔ رہے اجزاء ماکولہ جو کھائے گئے ہیں وہ اجزاءِ اصلیہ نہیں ہیں بلکہ فضلہ ہیں۔

الغرض حشر صرف روح کا نہیں بلکہ روح وجسم دونوں کا ہوگا۔ دنیا میں جو روح جس جسم کے ساتھ متعلق تھی اسی رُوح کا حشر اسی جسم میں ہوگا۔ یہ نہیں کہ کوئی نیا جسم پیدا کرکے اس کے ساتھ رُوح متعلق کر دی جائے۔ مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزاء منتشر ہو گئے۔ گل سڑ کر خاک ہو گئے یا کسی انسان یا حیوان کی غذا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس انسان کے اجزاء اصلیہ کو جمع فرما کر ان میں روح کا اعادہ کرکے اٹھائے گا۔

تناسخ آواگون[1] (۴۵) فلاسفہ ایک شبہ یہ پیش کرتے ہیں۔ بعث کا عقیدہ تناسخ ہے اور تناسخ کا باطل ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں احادیث میں اس امر کی تصریح آئی ہے کہ اہلِ جنّت (اجُرد مُرد) کے بدن پر بال نہ ہوں گے۔ صرف خوبصورتی اور زینت کے بال ہوں گے ـــــ چہرہ پر داڑھی نہ ہوگی۔ تیس یا تینتیس سال کی عمر کے ہوں گے۔ اَمرد ہوں گے۔ قد آدم علیہ السلام کے قد جتنا ساٹھ ہاتھ ہوگا اور ان کا جسم خوشبودار کر دیا جائیگا کہ ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک تیز سوار کے لیے تین دن کی راہ ہے۔ جہنمی کی ایک داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ کھال کی موٹائی بیالیس ذراع کی ہوگی۔ زبان ایک کوس دو کوس تک گھسٹتی ہوگی (مسلم، بخاری، ترمذی، بیہقی) اور متکبّرین کا حشر چیونٹیوں کی مثل ہوگا۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں۔ یُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (ترمذی)

(۴۶) فلاسفہ کہتے ہیں کہ بدنِ انسانی میں رُوح کے اعادہ کے بعد جو تغیّر ہوا جیسا کہ اوپر احادیث سے واضح ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدنِ اخروی (یعنی جنت میں جنتی کا بدن اور جہنم میں جہنمی کا بدن) بدن دنیوی نہ ہوگا بلکہ کوئی اور بدن ہوگا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ کا ایسا کہنا ان کی کم فہمی ہے۔ کیونکہ تناسخ تو جب ہوتا ہے کہ بدنِ اُخروی بدن دنیوی کے اجزاء اصلیہ سے نہ بنا ہوتا۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہاں تو اسی دنیوی جسم کے اجزاءِ اصلیہ میں تغیر وتبدل اور کمی زیادتی ہوتی ہے اور اس کو تناسخ قرار دینا غلط اور باطل ہے اور یہ بات نہ دلائلِ شرعیہ کے خلاف ہے نہ عقل کے اور نہ مشاہدہ کے ـــــ بچہ کتنا چھوٹا پیدا ہوتا ہے پھر اس ننھے منے انسان کے اعضاء بالتدریج بڑھتے ہیں۔ جسم پر بال نہیں ہوتے پھر ایک خاص عمر میں بال پیدا ہو جاتے ہیں اور مختلف مراحل سے گزر کر جوان بن جاتا ہے۔ پھر بڑھاپے کی منزل آتی ہے۔ قوی ہیکل

---

[1] جیسا کہ ہندوؤں اور دیگر کفار کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اور اگر آدمی نے اچھے عمل کیے ہیں تو اس کی رُوح بدن سے خارج ہو کر اس کے اچھے عمل کی وجہ سے کسی نیک اور اچھے آدمی کے جسم میں جگہ پائے گی اور اگر انسان کے اعمال بُرے ہیں تو اس کی رُوح کتے گدھے بلی وغیرہ جانوروں کے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اور یہی نیک و بد انسان کا انجام آخر ہے۔ اسی طرح کفار بعث اور جزاء وسزا کا انکار کرتے ہیں۔ اہلسنت والجماعت بلکہ فلاسفہ بھی تناسخ کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اہل الحق عقیدہ تناسخ کو کفر قرار دیتے ہیں اور محققین اس بناء پر قائلین تناسخ کی تکفیر کرتے ہیں کہ وہ بعث کے منکر ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دنیا فنا نہ ہوگی اور ارواح ایک بدن سے بدنِ دیگر میں منتقل ہوتی رہیں گی۔

انسان دبلا پتلا ہو جاتا ہے۔ بینائی میں کمزوری اور اعضاء کی قوت میں کمی آجاتی ہے ـــــ ایک قوی ہیکل انسان بیماری کی وجہ سے چوزہ مرغ ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ صحت کی دولت عطا کر دے تو اسی کمزور و لاغر جسم پر نیا گوشت پوست آجاتا ہے۔ جسمانی اعضاء کی گئی ہوئی قوتیں واپس آجاتی ہیں۔ انسان جسم کی ان تبدیلیوں، تغیر و تبدل اور کمی بیشی کی بنیاد پر کوئی عاقل، کوئی فلاسفر، کوئی اہل دانش یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ انسان جو بیماری کی وجہ سے سوکھ کر ہڈیوں کا پنجر بن گیا تھا اور اب صحت یاب ہو کر مثلِ سابق ہو گیا ہے وہ کسی اور جسم میں تبدیل ہو گیا ہے یا بیمار انسان جو صحت یاب ہو گیا ہے اس کی رُوح کسی دوسرے کے بدن میں آگئی ہے؟ ـــــ اسی طرح روزِ قیامت رُوحوں کا اعادہ اسی دنیاوی جسم میں ہوگا نہ جسمِ دیگر میں اور اسی دنیاوی جسم کا جنت و دوزخ میں گھٹنا بڑھنا اور تغیر و تبدل (جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں وارد ہوا ہے) کو تناسخ قرار دینا غلط ہے کیونکہ یہ تغیر و تبدل اسی بدنِ انسانی کے اعضاءِ اصلیہ میں ہوا ہے کسی بدنِ دیگر میں نہیں ہوا۔

جنّت و دوزخ میں انسان کی دنیوی شکل و صورت میں تبدیلی ہو جاتی ہے

(۴) احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جنّت میں جنتیوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ ان کا لباس نہ میلا ہوگا نہ پُرانا۔ جوان ہوں گے۔ آپس میں بغض و حسد اور اختلاف نہ ہوگا۔ نجاست، گندگی، پاخانہ، پیشاب اور بدن کے میل سے پاک ہوں گے۔ یہ سب کچھ ان کے اعمالِ صالحہ کی جزاء و ثواب اور ان کے اکرام و اعزاز کی بنا پر ہوگا ـــــ اس کے برعکس دوزخیوں کی شکلیں نہایت بدصورت اور ایسی بھیانک ہوں گی کہ ان کا کوئی فرد اس دنیا میں لایا جائے تو لوگ ان کی بدصورتی اور کراہت کو برداشت نہ کر سکیں اور مر جائیں۔ دوزخی کی داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر اور زبان اتنی دراز کہ دو کوس تک گھسٹتی جائے ـــــ یہ دوزخیوں کی ذلّت و خواری، ان کی بداعمالی اور اللہ احکم الحاکمین جل جلالہ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ شرک کرنے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے وغیرہ، اعمالِ بد کی وجہ سے ہوگا۔ (نبراس مع حواشی ۳۲۷/۳۲۸) ـــــ نیز دوزخیوں کی شکل و صورت میں ہولناک کراہت کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کی شکل و صورت احسنِ تقویم ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہ کہ انسان کا چہرہ جمالِ خداوندی کا عکس ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ نیز انسان کی دنیاوی شکل و صورت اللہ تعالیٰ کے محبوب و مطلوب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری شکل و صورت کے بھی بظاہر مشابہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ کسی انسان کو اسکی اصلی شکل و صورت میں عذاب دیا جائے۔

بَابُ مَنْ حَدَّثَ بِمَشَاهِدِهِ فِي الْحَرْبِ

باب جہاد کے واقعات بیان کرنے کے متعلق

۲۶۲۸۔ حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں طلحہ بن عبید اللہ اور سعد و مقداد بن اسود اور عبد الرحمٰن بن عوف کا ساتھی رہا ہوں۔ ان میں سے کسی سے میں نے نہیں سُنا کہ لڑائی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ بیان کرتے۔ ہاں میں نے حضرت طلحہ کو سُنا۔

اِلَّا اَنِّیْ سَمِعْتُ طَلْحَۃَ یُحَدِّثُ عَنْ یَوْمِ اُحُدٍ	وہ غزوہ اُحد کے حالات بیان کرتے تھے (بخاری)

فوائد و مسائل (۱) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے والدین دونوں صحابی تھے۔ ان کے والد اور والدہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج (حجۃ الوداع) کیا۔ اس وقت ان کی عمر سات یا دس برس تھی (۲) سعد سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں (۳) فَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا مِّنْهُمْ کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت سائب نے مذکورہ فی الحدیث صحابہ کرام سے غزوہ اُحد کے متعلق کچھ نہیں سُنا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مذکورہ فی الحدیث صحابہ کے علاوہ کسی اور صحابی نے غزوہ احد کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا (۴) امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اَقِلُّوا الْحَدِیْثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا شَرِیْکُکُمْ (عینی ج ۴ ص ۱۲۰) تو ان کے ارشاد کا مطلب بھی یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے میں سخت احتیاط کرو اور آپ کی طرف وہی بات منسوب کرو جس کے متعلق تمہیں یقین ہو اور شک وشبہ سے پاک ہو کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں بیان فرمائی تو ایسا شخص اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات یاد اور محفوظ ہو تو اس کو دوسروں تک پہنچانے، تبلیغ کرنے والے کے لیے تو آپ نے دُعا دی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا (ترمذی و ابوداؤد)	اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو سرسبز و شاداب رکھے گا جو میرے ارشاد کو سُنے اسے یاد اور محفوظ رکھے اور پھر دوسروں تک پہنچادے۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ کَانَ آیَۃً (بخاری)	مجھ سے جو سُنو خواہ وہ ایک آیت کی مقدار میں ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ

غرضکہ اس مضمون کی متعدد احادیث ہیں جس میں نبی علیہ السلام نے اپنی حدیث کو یاد رکھنے اور ان کی تبلیغ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے (۴) کسی نیک کام کے ثواب پانے کے لیے نیت کی صحت ضروری ہے۔ فخر و غرور کی نیت سے اپنے کارنامے بیان کرنا جائز نہیں ہے مگر نیک نیتی کے ساتھ امرِ واقعہ کے طور پر جہاد میں اپنی شجاعت وغیرہ کے حالات و واقعات کو بیان کرنا تاکہ وہ تاریخ کا حصہ بنیں اور مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ و رغبت پیدا ہو جائز و مستحب ہے غزوہ احد میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے حملوں کو اپنے ہاتھ پر روکا جس کی وجہ سے ان کا ایک ہاتھ شل ہوگیا تھا۔ نیز صحابہ کرام نے جہاد میں اپنے کارناموں کو بیان فرمایا ہے۔

وَقَوْلِهٖ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا	اور اللہ نے فرمایا۔ اے ایمان والو۔ تمہیں کیا ہوا

قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ وَّ يُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ سَرَايَا مُتَفَرِّقِيْنَ وَيُقَالُ وَاحِدُ الثُّبَاتِ ثُبَةٌ

جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔ کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا" اور اگر کوچ نہ کروگے تو تمہیں سخت سزا دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئیگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ثبات سے مراد متفرق سریے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ثبات کا واحد ثبۃ ہے۔ یہ سورہ توبہ کی آیت ۳ ہے جو غزوہ تبوک کی ترغیب میں نازل ہوئی۔ حضرت صدر الافاضل شیخ الاسلام محدث کبیر علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں۔

غزوہ تبوک میں حضرت عثمان، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی مالی قربانیاں

تبوک ایک مقام ہے اطراف شام میں مدینہ طیبہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر۔ ماہ رجب ۹ھ میں طائف سے واپسی کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عرب کے نصرانیوں کی تحریک سے ہرقل شاہ روم نے رومیوں اور شامیوں کی فوج گراں جمع کی ہے اور وہ مسلمانوں پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے تو حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم فرمایا۔ یہ زمانہ نہایت تنگدستی، قحط سالی کا تھا۔ یہاں تک کہ دو دو آدمی ایک ایک کھجور پر بسر کرتے تھے۔ سفر دور کا تھا۔ دشمن کثیر اور قوی تھے۔ اس لیے بعض قبیلے بیٹھ رہے اور انہیں اس وقت جہاد میں جانا گراں محسوس ہوا اور اس وقت غزوہ میں بہت سے منافقین کا پردہ فاش اور حال ظاہر ہوگیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں بہت عالی ہمتی سے خرچ کیا۔ دس ہزار مجاہدین کو سامان دیا اور دس ہزار دینار اس غزوہ میں خرچ کیے۔ ۹سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و سامان کے اس کے علاوہ ہیں اور اصحاب نے بھی خوب خرچ کیا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنھوں نے اپنا کل مال حاضر کردیا۔ جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حاضر کیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ۳۰ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ہمراہی منافقین مقام ثنیۃ الوداع تک چل کر رہ گئے۔ جب لشکر اسلام تبوک میں اترا تو انھوں نے دیکھا کہ چشمے میں پانی بہت تھوڑا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پانی سے اس میں کلی فرمائی۔ جس کی برکت سے پانی جوش میں آیا اور چشمہ بھر گیا۔ لشکر اور تمام جانور اچھی طرح سیراب ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی عرصہ یہاں قیام فرمایا۔ ہرقل اپنے دل میں آپ کو سچا نبی جانتا تھا۔ اس لیے اسے خوف ہوا اور اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ نہ کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف میں لشکر بھیجے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں کے ساتھ اکیدر

حاکمِ دومۃ الجندل کے مقابل بھیجا اور فرمایا۔ تم اس کو نیل گائے کے شکار میں پکڑ لو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ نیل گائے کے شکار کے لیے اپنے قلعے سے اترا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کو گرفتار کرکے خدمت میں لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ مقرر فرما کر اس کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح حاکم ایلہ پر اسلام پیش کیا اور جزیہ پر صلح فرمائی واپسی کے وقت جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب تشریف لائے تو جو لوگ جہاد میں ساتھ ہونے سے رہ گئے تھے وہ حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے فرمایا کہ ان میں سے کسی سے کلام نہ کریں اور اپنے پاس نہ بٹھائیں جب تک ہم اجازت نہ دیں تو مسلمانوں نے ان سے اعراض کیا۔ یہاں تک کہ باپ اور بھائی کی طرف بھی التفات نہ کیا۔ اسی باب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں (خزائن العرفان صہ ۲۳)

بَابُ وُجُوبِ النَّفِيرِ وَمَا يَجِبُ مِنَ الْجِهَادِ وَالنِّيَّةِ

باب جہاد کے لیے نکلنا اور نیت نیک رکھنا

وَقَوْلِهِ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۴۱ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۴۲

(سورہ توبہ آیت ۴۱/۴۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے" یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر جانو ۴۱ اگر کوئی قریب مال یا متوسط سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ جاتے مگر ان پر تو مشقت کا راستہ دور پڑ گیا اور اب اللہ کی قسم کھائیں گے۔ اگر ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے اور اپنی جانوں کو ہلاک کرتے اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بیشک ضرور جھوٹے ہیں۔ ۴۲

آیۂ مبارکہ ۴۱ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جہاد کے لیے تیار رہو اور راہِ خدا میں مال و جان سے جہاد کرو، سستی کاہلی سے کام نہ لو۔ بلکہ حصولِ رضاءِ الٰہی کے لیے شوق و ذوق کی فراوانی سے کام لو۔ کیونکہ یہی وہ نیکی ہے جو دنیا و آخرت میں مسلمانوں کے کام آئے گی اور ثواب و مغفرت کا سبب بنے گی۔ یہ آیت غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔ صحابہ کرام خصوصاً سیدنا عثمان غنی، سیدنا امیر المومنین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غزوہ تبوک کے لیے مالی ایثار کی ایک عظیم و جلیل مثال قائم فرمائی تھی۔

مقابلہ چونکہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت قیصر روم سے تھا۔ اس لیے نفیرِ عام کا حکم دیا گیا۔ ہر مسلمان کو یہ حکم تھا کہ وہ اس غزوہ میں بہر حال و بہر صورت شرکت کرے۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا۔ جہاد میں شرکت کرو ہلکی جان سے خواہ بھاری دل سے، خوشی سے یا گرانی سے، قوت و طاقت کے ساتھ یا ضعف و نقاہت کے ساتھ۔ بے سامانی سے یا سر و سامان کے ساتھ خواہ تم بھاری بدن کے ہو یا ہلکے بدن کے، جوان ہو یا بوڑھے، مالدار ہو یا فقیر، عورت ہو یا

مرد غلام ہو یا آقا - آلاتِ حرب و ضرب ہوں یا نہ ہوں - بہر حال سب کو اس غزوہ میں شامل ہونا ضروری ہے
۲- امام سدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو لوگوں پر بہت شاق گزری تو اللہ تعالے نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا اور اس حکمِ عام کو منسوخ فرمادیا اور سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی -

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ

ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں، نہ بیماروں پر، نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جب کہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں۔

مطلب آیت یہ ہے کہ ضعیف جیسے بوڑھے، بچے، عورتیں - اسی طرح جو پیدائشی نحیف ناکارہ اور مفلوج ہوں - اسی طرح اندھے لنگڑے اپاہج اور وہ لوگ سامانِ حرب و ضرب نہ پاسکیں - اگر جہاد میں شامل نہ ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں - لیکن ان تمام افراد پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ و رسول کے خیر خواہ و وفادار رہیں - زبان سے جنگی چالوں کو جانتے ہوں تو حکومت کو مشورہ دیں - اگر مالدار ہیں تو حتی المقدور مال سے مجاہدین کی امداد کریں -
(۳) سورہ توبہ کی آیت ۴۲، ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں حیلے بہانے بنا کر شاملِ جہاد نہیں ہوتے تھے - آیت میں منافقین کے نفاق کی کیفیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ لو کان عرضا الخ اگر ان منافقین کو جہاد میں شدید محنت و مشقت کا اندیشہ نہ ہو اور دنیوی نفع کی اُمید ہو تو مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں ضرور شامل ہوتے - مگر منافقین پر محنت و مشقت کا راستہ گراں ہوتا ہے اور جہاد میں شامل نہیں ہوتے تو جھوٹی معذرت کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں - اللہ تعالے نے فرمایا - یہ منافقین جھوٹے ہیں -

۲۶۲۹- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰکِنْ جِهَادٌ وَّنِیَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے - جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو لبیک کہو -

یہ حدیث اوپر متعدد بار مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے - کتاب الجہاد میں بھی اس حدیث پر گفتگو ہو چکی ہے - (دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۹۲)

بَابُ الْکَافِرِ یَقْتُلُ الْمُسْلِمَ ثُمَّ یُسْلِمُ فَیُسَدِّدُ بَعْدُ وَیُقْتَلُ

باب پہلے کافر مسلمان کو قتل کرے پھر اسلام لائے دینِ اسلام پر قائم رہے پھر راہِ خدا میں شہید ہو جائے

۲۶۳۰- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَضْحَکُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلَیْنِ یَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ یَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُ هٰذَا فِیْ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں سے خوش ہوتا ہے جو ایک دوسرے کو قتل کردیں اور پھر دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں - پہلا اللہ کے راستے میں

(بخاری)

جنگ میں شریک ہوتا ہے اور شہید کردیا جاتا ہے (اسلیے جنت میں جاتا ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ قاتل کی توبہ قبول کرلیتا ہے یعنی قاتل مسلمان ہوجاتا ہے) اور وہ بھی شہید ہوتا ہے۔

۱۲۶۳- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِخَیْبَرَ بَعْدَ مَا افْتَتَحُوْهَا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْهِمْ لِیْ فَقَالَ بَعْضُ بَنِیْ سَعِیْدِ ابْنِ الْعَاصِ لَا تُسْهِمْ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ هٰذَا قَاتِلُ ابْنِ قَوْقَلٍ فَقَالَ ابْنُ سَعِیْدِ ابْنِ الْعَاصِ وَاعَجَبًا لِّوَبْرٍ تَدَلّٰی عَلَیْنَا مِنْ قَدُوْمِ ضَاْنٍ یَنْعٰی عَلَیَّ قَتْلَ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ اَکْرَمَهُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیَّ وَلَمْ یُهِنِّیْ عَلٰی یَدَیْهِ قَالَ فَلَا اَدْرِیْ اَسْهَمَ لَهٗ اَمْ لَمْ یُسْهِمْ لَهٗ

(بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خیبر میں پڑاو ڈالے ہوئے تھے۔ خیبر فتح ہوچکا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا بھی (مالِ غنیمت میں) حصہ لگائیے۔ سعید بن العاص کے ایک صاحبزادے (ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا یا رسول اللہ! ان کا حصہ نہ لگائیے۔ اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے کہ یہ شخص تو ابن قوقل (نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہے (اُحد کی لڑائی میں) ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کتنی عجیب بات ہے ایک وبر (بلی سے چھوٹا ایک عرب کا جانور جس کی دُم اور کان چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں) جو ضان پہاڑی سے آنے والوں کے ساتھ اُتر آیا ہے، مجھ پر ایک مسلمان کے قتل کا عیب لگاتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت دی اور مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل ہونے سے بچالیا۔ عنبسہ نے بیان کیا کہ اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ حضور اکرم نے انکا بھی حصہ لگایا یا نہیں۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نسائی نے کتاب الجہاد اور کتاب النعوت میں ذکر کیا ہے (۲) اس حدیث میں "یضحک اللہ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جس کے لُغوی معنیٰ ہنسنے کے ہیں اور اللہ تعالےٰ ہنسنے سے بھی اسی طرح پاک ہے جیسے بیٹھنے اُٹھنے چیخنے چلانے وغیرہ سے۔ اس قسم کے الفاظ قرآن و سنت میں واقع ہوئے ہیں تو حسبِ قواعد شرعیہ ایسے الفاظ جن کے حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب نہ ہوں ان کے مجازی معنیٰ یا حاصل معنیٰ مراد لیے جاتے ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ ضحک کے معنیٰ یہاں الاقبال بالوجہ کے یعنی اللہ تعالیٰ کا خصوصی طور پر رحمت و مغفرت کے ساتھ متوجہ ہونے کے لیے جائیں گے ___ اسی طرح بعض شارحین کرام نے ضحک کے لازمی معنیٰ مراد لیے ہیں یعنی رضا راضی ہونا خوش ہونا تو یضحک اللہ کے معنی ہوں گے یرضی اللہ، اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ اسی لیے امام داؤدی نے فرمایا۔ حدیث ہذا میں ضحک کے معنیٰ اللہ تعالےٰ کا راضی ہونا، رحمت فرمانا، عمل کو شرفِ قبول عطا فرمانے کے ہیں۔ (عینی ج ۱۴ ص ۱۲۲/۱۲۳)

(۲) مطلب حدیث یہ ہے کہ ایک شخص نے کافروں کی طرف سے لڑتے ہوئے ایک مسلمان مجاہد کو قتل کردیا ___ پھر

اللہ نے فضل فرمایا اور وہ کافر بھی مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تو اس طرح قاتل و مقتول دونوں جنتی ہو گئے۔ اس کیفیت پر اللہ تعالیٰ کو ہنسی آگئی یعنی اس نے دونوں کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ عطا فرمادی۔ (۳) حضرت نعمان بن قوقل انصاری اوسی رضی اللہ عنہ کو غزوہ اُحد میں ابان بن سعید نے شہید کر دیا تھا۔ پھر ابان بن سعید رضی اللہ غزوہ خیبر سے قبل صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں جنگ یرموک ۶ رجب ۱۵ھ میں اور بقول موسیٰ بن عقبہ یوم اجنادین ۱۳ھ جمادی الاوّل حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت اور بعض کا قول یہ ہے کہ حضرت عمر کے دورِ خلافت کے اوائل میں ۱۴ھ ایام مرج الصفر میں شہید ہوئے ــــــ اور اس طرح حضرت نعمان بن قوقل انصاری اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے شہادت کا رتبہ پایا۔ اور قاتل و مقتول دونوں جنتی ہو گئے ــــــ معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد قبلِ اسلام جو گناہ کیے وہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابان نے شہادت کا مرتبہ پایا اور جنتی ہو گئے۔

(۴) واقعہ یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابان بن سعید کو ایک سریہ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ کیا تھا۔ فتح خیبر کے بعد یہ لوگ بحضور نبوت حاضر ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابان بن سعید کو دیکھ کر عرض کیا۔ حضور یہ ابن قوقل کا قاتل ہے۔ انہیں مالِ غنیمت میں حصہ نہ دیں۔ حضرت ابوہریرہ نے مالِ غنیمت سے حصہ طلب کیا تو حضرت ابان نے عرض کی حضور ابوھریرہ نے جہاد میں حصہ ہی کب لیا ہے کہ مالِ غنیمت کے مستحق ہوں۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرلے تو پھر اسے ان سابقہ گناہوں کی بنا پر زجر و توبیخ اور طعن و تشنیع جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ نے ابان بن سعید پر ابنِ قوقل کے قتل کے جرم کا اظہار کیا اور اس پر طعن کی تو حضرت ابان نے حضرت ابوہریرہ کو "وبر" (یعنی پہاڑی بلی جس کی آنکھیں خوبصورت اور چمکدار ہوتی ہیں) کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور ابان بن سعید پر آپ نے نکیر نہ فرمائی۔

(۶) بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ مالِ غنیمت کا مستحق وہی ہے جو جنگ میں شریک ہو۔ لیکن سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کارِ حرب و ضرب کے لیے یا ضروریاتِ جنگ کے کاموں کو سرانجام دینے کے لیے امام المسلمین نے روک لیا ہو اور اس وجہ سے وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے تو وہ بھی غنیمت کا مستحق ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ بدر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا گو کہ وہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے اور حضور کے حکم سے کارِ مسلمین میں مصروف رہے۔

(۷) حضرت ابان کو حضور نے غزوہ خیبر سے اس لیے حصہ نہیں دیا تھا کہ وہ نہ تو غزوہ خیبر میں شریک ہوئے اور نہ ہی نبی علیہ السلام نے انہیں کارِ مسلمین کی انجام دہی کا حکم دیا تھا۔

بَابُ مَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ عَلَى الصَّوْمِ

ـــــ باب جس نے نفلی روزے پر غزوہ کو ترجیح دی ـــــ

۲۶۳۲- قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ لَا يَصُوْمُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَجْلِ الْغَزْوِ فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ اَرَهُ مُفْطِرًا اِلَّا يَوْمَ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰى (بخاری)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نبی علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں جہاد میں شرکت کی غرض سے نفلی روزہ نہیں رکھتے تھے لیکن حضور کے وصال کے بعد انھیں عید الفطر اور عید الاضحٰی کے علاوہ روزہ کے بغیر نہیں دیکھا

حضرت طلحہ نفلی روزہ اس لیے ترک فرماتے تھے کہ بدن میں ضعف پیدا نہ ہو۔ لیکن نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد وہ ۴۰ سال حیات رہے اور انھوں نے سوائے عید و بقر عید مسلسل روزے رکھے تھے۔ نفلی روزہ کا ترک تو ویسے ہی جائز ہے مگر یہ حضرت طلحہ کا شوقِ جہاد تھا کہ وہ نفلی روزہ نہ رکھتے تھے تاکہ قوت میں ضعف نہ ہو۔ رہا یہ سوال کہ ایامِ تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے مگر حضرت ابوطلحہ ایامِ تشریق میں بھی روزہ رکھتے تھے۔ اس کی وجہ علامہ عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے یہ لکھی ہے کہ ایامِ تشریق میں نفلی روزہ کے ممنوع ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت طلحہ کا مذہب جواز کا ہے۔

بَابُ الشَّهَادَةِ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ

باب راہِ خدا میں شہید ہونے کے علاوہ بھی سات افراد ایسے ہیں جن کو شہادت کا درجہ ملتا ہے

۲۶۳۳- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلطَّاعُوْنُ شَهَادَةٌ لِّكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری)

(مرضِ طاعون) میں مرنے والے ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔

۲۶۳۴- حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شہدا پانچ (اور بھی ہیں) طاعون، پیٹ کی بیماری کا، پانی میں ڈوب مرنے والا، دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا (ان کو بھی شہادت کا ثواب ہوگا) شہید فی سبیل اللہ (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے کہ شہیدِ حقیقی تو وہی ہے جو میدانِ کارزار میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کافروں سے لڑتا ہوا قتل ہو جائے۔ یا اہلِ حرب یا رہزن یا باغیوں (یا تخریب کار) یا مسلمان اسے قتل کر دے اور اس کے قتل پر دیت نہ لی گئی ہو یہ سب شہید حقیقی ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو کفن دیجیے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے لیکن غسل نہیں دیں گے اور انھیں خون آلود کپڑوں اور خون کے ساتھ دفن کر دیں گے۔

(۲) اور وہ مسلمان جنھیں احادیث میں حکماً شہید قرار دیا گیا ہے۔ جن کی تعداد متعدد حدیثوں میں بیان ہوئی ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے چالیس گنوائی ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں شہادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔ انھیں شہیدِ حکمی بھی کہتے ہیں۔ ان کا فقہی حکم یہ ہے کہ غسل کفن اور نمازِ جنازہ حسبِ معمول پڑھی جائیگی۔

(۳) اسی طرح احادیث میں شہیدِ حکمی کی تعداد پانچ، سات اور چار اور تین آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس تجے

علاوہ اور شہید حکمی نہیں ہیں کیونکہ ان التنصیص علی العدد لا ینافی العدد

جان و مال سے جہاد کی فضیلت

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق' برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ

غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

رہیں اور وہ کہ راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا (یعنی جو عذر کی وجہ سے جہاد میں حاضر نہ ہو سکے اگرچہ وہ نیت کا ثواب پائیں گے لیکن جہاد کرنے والوں کو عمل کی فضیلت اس سے زیادہ حاصل ہے) اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا (یعنی جہاد کرنے والے ہوں یا عُذر سے رہ جانے والے) اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بغیر(عذر کے) بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے۔ اس کی طرف سے درجے اور بخشش اور رحمت۔

حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے جنت میں سو درجے مہیّا فرمائے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جیسا کہ آسمان اور زمین میں۔

(۲) اس آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ کہ مجاہدین کے لیے بڑے درجے اور ثواب ہیں اور یہ بھی واضح ہوا کہ جو مسلمان بیماری، بڑھاپے، ضعف و نقاہت، ناطاقتی، نابینائی، ہاتھ پاؤں کے ناکارہ ہونے اور عُذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکیں جب کہ ان کی نیت نیک ہو اور شوقِ جہاد سے ان کے دل معمور ہوں۔ —— بخاری شریف کی حدیث میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت فرمایا کچھ مسلمان مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ ہم کسی گھاٹی یا آبادی میں نہیں چلتے، وہ دل سے ہمارے ساتھ ہوتے ہیں کیونکہ وہ کسی عُذر کی وجہ سے رُک گئے اور جہاد میں شامل نہ ہو سکے۔

(۳) جو عُذر کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکے تو وہ نیت کا ثواب پائیں گے اور جہاد کرنے والوں کو عمل کی فضیلت بہر حال حاصل ہوگی۔ (۴) وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی جہاد کرنے والے ہوں یا عذر سے رہ جانے والے سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے —— اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بغیر عُذر بیٹھ رہنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے۔

۲۶۳۵ - حضرت براء سے مروی ہے جب آیت لا یستوی القاعدون من المومنین نازل ہوئی نبی علیہ السلام نے حضرت زید کو بُلایا۔ فَجَاءَ بِكَتِفٍ فَكَتَبَهَا وَشَكَى ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ ضَرَارَتَهٗ فَنَزَلَتْ

لا یستوی القاعدون الخ (بخاری) وہ ایک چوڑی ہڈی لے کر آئے اور انہوں نے اس آیت کو اس ہڈی پر لکھا اور عبد ابن ام مکتوم نے نابینا ہونے کی شکایت کی تو آیت لا یستوی القاعدون الخ نازل ہوئی ــــ کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے ہڈی وغیرہ پر لکھتے تھے۔ یہ ان کا فن تھا کہ اس طرح لکھتے کہ صاف پڑھا جاتا اور کتابت بھی ایک عرصہ تک باقی رہتی ــــ اس حدیث سے واضح ہوا کہ سوائے انسان کی ہڈی بوجہ کراہت وعزت کے اور خنزیر کی ہڈی بوجہ نجس العین ہونے کے ہر جانور (حلال ہو یا حرام) کی ہڈی جب کہ اس میں چکناہٹ باقی نہ رہے پاک ہے۔

۲۶۳۶۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی کہتے ہیں میں نے مروان کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں اس کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا تو مروان نے ہم کو خبر دی کہ زید بن ثابت نے اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ آیت لکھوائی لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حضور یہ آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ عبد اللہ

فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي ثُمَّ سُرِّيَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (بخاری)	ابن مکتوم حاضر آئے۔ عرض کی یا رسول اللہ اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو جہاد کرتا۔ وہ نابینا تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ غیر اولی الضرر، اس وقت حضور کی ران مری ران پر تھی۔ مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے گمان ہوا کہ میری ران پھٹ نہ جائے پھر نزولِ وحی کی کیفیت ختم ہو گئی

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عذر شرعی کی بنا پر جہاد میں شریک نہ ہو سکے اور نیت اس کی شرکت کی تھی تو اسے بھی اللہ تعالیٰ جہاد کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

۲۶۳۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا (بخاری) جب تم دشمن کے مقابل آؤ تو صبر سے کام لو ــــ یعنی دشمن سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھو۔

بَابُ التَّحْرِيضِ عَلَى الْقِتَالِ

باب جہاد کی ترغیب دینا اور اللہ کا ارشاد

وَقَوْلِهِ تَعَالَى حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ	مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار کیجئے

۲۶۳۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْخَنْدَقِ فَإِذَا الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (غزوۂ خندق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی)

يَحْفِرُوْنَ فِيْ غَدَاةٍ بَارِدَةٍ فَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ عَبِيْدٌ يَعْمَلُوْنَ ذَالِكَ لَهُمْ فَلَمَّا رَاٰى مَا بِهِمْ مِنَ النَّصَبِ وَالْجُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ فَقَالُوْا مُجِيْبِيْنَ لَهٗ ؎ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا (بخاری)

خندق کی طرف تشریف لائے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سردی کے باوجود صبح ہی صبح خندق کھودنے میں مشغول ہیں۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کی اس کھدائی میں مدد کرتے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور تھکن کو دیکھا تو آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ پس انصار و مہاجرین کی آپ مغفرت فرمائیے"۔ صحابہ نے اس کے جواب میں کہا۔ "ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد کے ساتھ اس وقت تک جہاد کرنے کا عہد کیا ہے۔ جب تک ہماری جان میں جان ہے"۔ (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم)

(۱) عنوان میں امام بخاری نے سورہ انفال کی آیت درج کی ہے جس کا ترجمہ اور مختصر تفسیر یہ ہے۔ "اے غیب کی خبریں بتانے والے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے بیس صبر والے ہوں گے تو ۲ سو پر غالب آئیں گے اگر تم میں کے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے۔ اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے (کنز الایمان) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ مسلمانوں کی جماعت صابر رہے تو بمدد الٰہی دس گنا کافروں پر غالب رہے گی کیونکہ کفار جاہل ہیں اور ان کی غرض جنگ سے نہ حصول ثواب ہے اور نہ خوف عذاب۔ جانوروں کی طرح لڑتے بھڑتے ہیں تو وہ للٰہیت کے ساتھ لڑنے والے کے مقابل کیا ٹھہر سکیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا کہ مسلمانوں کا ایک، دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ پھر آیت اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ نازل ہوئی تو یہ لازم کیا گیا کہ ایک سو دو سو کے مقابل قائم رہیں یعنی دس گنے کی فرضیت منسوخ ہوئی اور دونے کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع رکھا گیا۔ (خزائن العرفان)

بَابُ حَفْرِ الْخَنْدَقِ

باب حفاظت کے لیے خندق کھودنا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ وَيَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ عَلٰى مُتُوْنِهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ ؎ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا، عَلَى الْاِسْلَامِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا ؎ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجِيْبُهُمْ وَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ (جب تمام عرب کے مدینہ منورہ پر حملہ کا خطرہ ہوا تو) مدینہ کے اردگرد مہاجرین و انصار خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ مٹی اپنی پشت پر لاد لاد کر منتقل کرتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔ "ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر اس وقت تک اسلام کے

وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَةِ
فَبَارِكْ فِي الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

کے لیے بیعت کی۔ جب تک ہماری جان میں جان ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس رجز کے جواب میں دعا فرماتے اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے سوا اور کوئی بھلائی نہیں، پس انصار اور مہاجرین کو برکت عطا فرما۔

۲۶۴۰- كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ وَيَقُوْلُ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (خندق کھودتے ہوئے مٹی منتقل کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اے اللہ اگر تیرا کرم نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی۔

۲۶۴۱- عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ يَنْقُلُ التُّرَابَ وَقَدْ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا ۞ فَاَنْزِلَنْ السَّكِيْنَةَ عَلَيْنَا ۞ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا ۞ اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ۞ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا
(بخاری)

حضرت براء بن عازب نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ خندق سے مٹی باہر نکالتے تھے اور گرد و غبار نے آپ کے بطن اقدس کی سپیدی کو چھپا لیا تھا اور آپ رجز (اشعار) پڑھ رہے تھے۔ "الٰہی تیرا کرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ ہم پر سکینہ (عزت و وقار) نازل فرما۔ دشمن سے مقابلہ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اہل مکہ نے ہم سے زیادتی کی ہے۔ انھوں نے فتنہ کا ارادہ کیا اور ہم فتنہ نہیں چاہتے۔

غزوہ خندق

ذیقعدہ ۵ھ میں واقع ہوا۔ قریش نے عرب کے قبائل غطفان وغیرہ اور مدینہ طیبہ کے بنی قریظہ کو ساتھ ملا کر مدینہ طیبہ پر اس نیت سے حملہ کیا کہ اسلام کو ختم اور شمع نبوت کو بجھا دینگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو محفوظ رکھنے کے لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کی شامی جانب کہ اس کا رخ کھلا ہوا تھا، خندق کھودنے کا حکم دیا۔ تین ہزار انصار و مہاجرین کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے میں خود بھی حصہ لیا۔ یہ خندق بیس دن میں مکمل ہوئی۔ قریش نے چوبیس دن تک ایسا سخت محاصرہ کیا کہ مسلمانوں کو سخت و شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن مجید نے وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ "یعنی سختی کی شدت کی وجہ سے مسلمانوں کے دل حلق تک آ گئے" کے الفاظ سے اس محاصرہ کی سختی کو بیان فرمایا ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو مغازی میں بھی بیان کیا ہے کہ غزوہ خندق میں بے سرو سامانی کا یہ عالم تھا کہ ایک لپ جو بو دار سالن میں پکائے جاتے اور صحابہ اسی کو کھاتے۔ گو کہ یہ کھانا حلق سے اترتا نہیں تھا مگر بھوک کی شدت کی وجہ سے کسی نہ کسی طرح نگلتے۔

نفر بیا چوبیس ہزار سے زائد، قبائل نے حملہ کیا تھا (فتح الباری) یہ منظر بہت عجیب تھا اور اسلام کی سربلندی

اور دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مصائب و آلام برداشت کرنے کا ایک ایسا معیار جو چشمِ فلک نے اس سے قبل نہ دیکھا تھا، جاڑے کی راتیں، تین تین دن کا فاقہ ــــ پتھر کھودتے وقت ایک سخت چٹان آگئی جس پر کسی کی ضرب نے کام نہ کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تین دن کا فاقہ اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودہ خاک تھی ــــ قرآنِ مجید کی سورہ احزاب میں اس معرکہ کی سنگینی اور شدت کی تصویر خود اللہ عز وجل نے کھینچی ہے ــــ تقریباً ایک مہینہ تک سخت محاصرہ رہا اور یہ اس قدر شدید و پُرخطر ہوگیا کہ صحابہ کرام نے بیتاب ہوکر اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنا شکم مبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے (شمائل ترمذی) اہلِ عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک میں پتھر باندھتے تھے تاکہ کمر جھکنے نہ پائے۔

قصہ مختصر اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کے خلوص و للّٰہیت کو قبول فرمایا اور حملہ آوروں میں بددلی، سستی اور بزدلی پیدا ہوئی۔ ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ پھر سخت و شدید آندھی آئی وہ بھی ایسی کہ حملہ آوروں کے چولہے اُلٹ گئے اور خیمے اُکھڑ گئے۔ گھوڑے رسّے تڑا تڑا کر بھاگے مگر مجاہدینِ اسلام کے کیمپ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا یہ عالم تھا کہ ان کے خیموں کے چراغ بھی جلتے رہے اور اس طرح وہ مزید گھبرا گئے اور محاصرہ سے ہاتھ کھینچ کر واپس چلے گئے۔

سچ ہے کہ ؎

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

بَابُ مَنْ حَبَسَهُ الْعُذْرُ عَنِ الْغَزْوِ

باب جسے عذرِ شرعی نے جہاد میں شمولیت سے روک دیا

۲۶۴۲ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:۔

۲۶۴۳ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزَاةٍ فَقَالَ اِنَّ اَقْوَامًا بِالْمَدِيْنَةِ خَلْفَنَا مَا سَلَكْنَا شِعْبًا وَلَا وَادِيًا اِلَّا وَهُمْ مَعَنَا فِيْهِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ

مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ہیں۔ جن کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ ہم کسی وادی یا گھاٹی میں نہیں چلے مگر وہ ہمارے ساتھ رہے (اب) ان کو عذر نے روک رکھا ہے۔

مطلبِ حدیث یہ ہے معذور مسلمان جو مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ چونکہ ان کی نیت جہاد میں شرکت کی تھی مگر عذر کی وجہ سے رُک گئے۔ انہیں بھی ان کی نیت کے مطابق ثواب ملے گا۔ عذر ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو مکلف مسلمان کے لیے نرمی اور سہولت کا تقاضا کرے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب بحالتِ جہاد روزہ رکھنا

۲۶۴۴ - يَقُولُ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَعَّدَ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ جس نے بحالتِ جہاد روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے ستر سال کی دُوری پر رکھے گا۔

(۱) علامہ عینی فرماتے ہیں۔ حقیقی معنے لینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اس لیے مطلب حدیث یہ ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ بحالتِ جہاد روزہ رکھنے والے کو جہنم سے اتنا ہی دُور فرما دے گا اور حدیثِ ہذا میں (۲) وجھہ بول کر پورا جسم مراد ہے کیونکہ عرف میں کبھی انسان کے کسی اہم جز کو ذکر کر کے پورا جسم مراد لیا جاتا ہے (۳) خریف کنایہ ہے سنہ سے یعنی سال ـــــ اس سلسلہ کی روایت میں جہنم سے دوری کے متعلق ایک سو سال (طبرانی/ پانچ سو سال (ابن عدی) ترمذی و طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جس نے بحالتِ جہاد رضاءِ الٰہی کے لیے روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک خندق بنا دیتا ہے۔ جس کی مقدار زمین و آسمان کے درمیان جتنی فاصلہ کی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں جنھیں امام عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۳۴/۱۳۵ پر ذکر کی ہیں۔ مطلب بہرحال یہ ہے کہ روزہ رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ جہنم سے دُور رکھتا ہے جیسے حضور علیہ السلام نے مختلف الفاظ اور انداز سے بیان فرمایا ہے۔

بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کے متعلق

۲۶۴۵ - عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِي سَلَمَةَ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ دَعَاهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ كُلُّ خَزَنَةِ بَابٍ اَيْ فُلُ هَلُمَّ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ ذَاكَ الَّذِيْ لَا تَوٰى عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ جس شخص نے اللہ کی راہ میں ایک جوڑا (کسی چیز کا) خرچ کیا تو اسے جنت کے داروغہ بلائیں گے جنت کے ہر دروازے کا داروغہ (اپنی طرف) بلائے گا کہ اے فلاں، اس دروازے سے آئیے، اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے۔ یا رسول اللہ! پھر تو اس شخص کو کوئی خوف نہیں رہے گا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ تم یقیناً انھیں میں سے ہو گے۔

لا توی علیہ کے معنیٰ لا ضاع علیہ ہے یعنی وہ شخص جس کے کسی عمل کا ثواب ضائع نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ مجاہد کے کسی عمل کا ثواب ضائع نہیں ہوتا۔ اسی لیے اسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے جنت میں جو دروازے ہیں ان سب سے بلایا جائے گا ـــــ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ہے کہ ان کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا ـــــ واضح ہو کہ قرآن و سنت میں جہاں لعل اور رجا کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہ

الفاظ شک تردد اور امید کے معنیٰ میں نہیں بلکہ یقین کے معنیٰ میں ہوتے ہیں۔

مستورات کا جہاد میں شریک ہونا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور شہیدوں کو میدان سے اٹھا کر لیجانا جائز ہے

(۱) ان مذکورہ بالا صحیح احادیث سے واضح و ثابت ہے کہ عہدِ نبوی میں مستورات غزوات میں شریک ہوتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، پانی پلاتیں اور جو شہید ہو جاتے انھیں اٹھا کر ان کی قبروں تک پہنچاتی تھیں۔ اوپر حدیث گزری کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام سلیم والدہ حضرت انس رضی اللہ عنہم بھی میدانِ جنگ میں دامن سمیٹے ہوئے۔ بڑی تیزی سے پانی کی مشکیں بھر کر لاتیں —— اپنی پیٹھوں پر مشکیں اٹھا کر لاتیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت مستورات کو مجاہدین کی خدمت کرنا، علاج معالجہ کرنا، مرہم پٹی کے لیے ان کے جسم کو چھونا، میدانِ جنگ سے شہداء کو اٹھا کر لے جانا جائز و مباح ہے۔

(۲) حدیث نمبر ۲۶۸۳ کا عنوان امام بخاری نے یہ قائم کیا ہے (عورتوں کا مردوں کے ساتھ رہ کر قتال کرنا) زیرِ عنوان حدیث میں قتال کا ذکر اگرچہ نہیں ہے لیکن دوا دارو کرنا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، پانی پلانا وغیرہ بھی مجاہدین کی اعانت ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ دشمن کے ان پر حملہ کی صورت میں وہ اپنا دفاع کرتی تھیں۔ یہ سب امور قتال ہی میں داخل ہیں جیسا کہ حدیث ابوداؤد میں ہے کہ غزوۂ خیبر میں مستورات حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شامل ہوئیں۔ مجاہدین کی مدد و معاونت کی۔

۲۶۴۶۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ علی الیتامیٰ حدیث نمبر ۱۳۸۲ میں ذکر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں۔ نبی علیہ السلام منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ تم پر دنیا کی برکات ظاہر ہو جائیں گی۔ پھر آپ نے دنیا کی رنگینیوں کا ذکر فرمایا۔ ایک صحابی کھڑے ہوئے۔ عرض کی کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے۔ حضور خاموش ہو گئے۔ صحابہ نے خیال کیا کہ وحی نازل ہو رہی ہے۔ سب صحابہ بھی خاموش ہو گئے جیسا کہ ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ حقیقی خیر کے برگ و بار سامنے آئیں گے تو وہ خیر ہی ہوں گے۔ کبھی چرنے والا جانور زیادہ کھا لیتا ہے تو وہ قریب المرگ ہو جاتا ہے البتہ جو جانور پیٹ بھر کر کھائے اور پھر جگالی کرے اور فضلہ کو باہر نکال دے وہ ہلاکت سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا اور اس کا مال و اسباب شاداب و سبز ہے۔ مسلمان کا وہ مال عمدہ ہے جو اس نے حلال طریقوں سے کمایا۔ پھر اسے راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ لیکن جس نے ناجائز طریقوں سے مال حاصل کر کے جمع کیا وہ ایک ایسا کھانے والا ہے جو کبھی آسودہ نہیں ہوگا اور وہ مال جو ظلم و غصب، حرام طریقہ سے حاصل کیا وہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ بن کر آئیگا (بخاری) —— مطلب حدیث یہ ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کمانا جائز اور باعثِ برکت ہے۔ پھر اس مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنا نورٌ علیٰ نور ہے اور ناجائز طریقہ سے مال حاصل کرنا دنیا میں آخرت میں وبالِ جان ہے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا أَوْ خَلَفَهُ بِخَيْرٍ

باب اس شخص کی فضیلت جس نے کسی غازی کو سامان دیا یا اس کے اہل و عیال کی خبرگیری کی

حضرت زید بن خالد کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والے کو سامانِ جہاد دیا یا مجاہد کے گھر والوں کی خبر گیری کی تو اس نے بھی جہاد کیا ـــــ یعنی اس کا شمار بھی مجاہدوں میں ہوگا ـــــ امام حبان علیہ الرحمۃ نے فقد غزا کے معنیٰ یہ کیے ہیں کہ جتنا اجر و ثواب راہِ خدا کے غازی کو ہوگا اتنا ہی ثواب غازی کو سامانِ جہاد مہیا کرنے والے کو ملے گا۔ چنانچہ ابن حبان نے دوسری سند کے ساتھ حضرت بسر بن سعید ی سے جو روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُنْقَصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ

یعنی غازی کے لیے سامانِ جہاد مہیا کرنے والے کو غازی کے برابر ہی اجر عطا ہوگا اور غازی کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا۔

امام طبری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے تحت فرمایا۔ جو شخص کسی نیکی کرنے والے کی مدد و اعانت کرے تو اس کے لیے بھی نیکی کرنے والے جیسا ثواب عطا ہوگا اور جو کوئی برائی کرنے والے کا معاون ہوگا۔ اس کے نامہ اعمال میں بھی برائی کرنے والے جتنا گناہ لکھا جائیگا۔ (عینی ج ۴ ص ۱۳۸) جہاں تک ثواب عطا فرمانے کا معاملہ ہے تو خدا قادر و قدیر ہے رحیم و کریم بھی ہے اور وَاسِعٌ عَلِيْمٌ بھی ہے۔ وہ جتنا چاہے فضل فرماوے۔ اس کے خزانۂ فضل میں کس چیز کی کمی ہے۔ وہ آنِ واحد میں ذرّہ کو آفتاب اور قطرہ کو سمندر بنا دیتا ہے۔ وہ روتی آنکھ کو ذرا دیر میں ہنسا دیتا ہے بشرطیکہ اس کے حضور حضورِ قلب کے ساتھ کوئی رونے، مانگنے اور جھکنے والا جھکے۔

۲۶۴۸۔ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ بَيْتًا بِالْمَدِيْنَةِ غَيْرَ بَيْتِ اُمِّ سُلَيْمٍ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اَرْحَمُهَا قُتِلَ اَخُوْهَا مَعِيْ

حضرت ام سُلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔

( )

حضرت ام سُلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔ چونکہ ان کے بھائی حضرت حرام بن ملحان بئرِ معونہ میں شہید ہوگئے تھے۔ اس لیے حضور اقدس ان پر شفقت و کرم فرماتے ہوئے ان کی دلجوئی کے لیے ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے ـــــ نبی علیہ السلام کا (معی) فرمانا کہ حضرت حرام کے بھائی ایک غزوہ میں میرے ساتھ کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے تھے، کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی لشکر میں دین کی سربلندی کے لیے لڑتے ہوئے شہید ہوتے تھے۔ کیونکہ بئرِ معونہ کے معرکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے تھے ـــــ

عام طور پر اصحابِ سِیَر غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی علیہ السلام شریک ہوں اور جس میں نبی علیہ السلام شریک نہ ہوں اسے سریہ کہتے ہیں۔

بَابُ التَّحَنُّطِ عِنْدَ الْقِتَالِ | باب جہاد کے وقت خوشبو لگانا

۲۶۴۹- ابن عون نے موسیٰ بن انس سے بیان کیا یمامہ کی جنگ کا ذکر کیا۔ پھر انس، ثابت بن قیس کے پاس آئے۔ جب کہ وہ اپنی رانوں کو کھولے ہوئے خوشبو مل رہے تھے۔ حضرت انس نے کہا۔ چچا آپ کو جہاد میں شرکت سے کس نے روکا؟ کہنے لگے ابھی چلتے ہیں اور خوشبو لگانے لگے۔

ثُمَّ جَآءَ فَجَلَسَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيْثِ انْكِشَافًا مِّنَ النَّاسِ فَقَالَ هٰكَذَا عَنْ وُجُوْهِنَا حَتّٰى نُضَارِبَ الْقَوْمَ مَا هٰكَذَا كُنَّا نَفْعَلُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا عَوَّدْتُمْ اَقْرَانَكُمْ

(بخاری)

پھر ثابت بن قیس آئے اور مجاہدین کے ساتھ ہو گئے (لڑے اور شہید ہو گئے) حضرت انس نے معرکہ سے لوگوں کے منتشر ہونے کا ذکر کیا تو حضرت ثابت بن قیس نے فرمایا۔ ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم کفار سے دست بدست لڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم کبھی ایسا نہیں کرتے تھے۔ تم نے دشمن کو بہت بُری چیز کا عادی بنا دیا (یعنی میدان جنگ سے ہٹ کر)

فوائد و مسائل (۱) یمامہ یمن کا ایک شہر ہے جو طائف سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے۔ یمامہ ایک نیلی آنکھوں والی عورت (جو سوار کو تین دن کی مسافت سے آتے ہوئے دیکھ لیتی تھی) کی طرف منسوب ہے امام جوہری نے اس کا نام قسمیت حافظ نے عنز اور مسعودی نے یمامہ بنت رباح بتایا ہے ۲- حضرت انس نے رشتہ داری کی وجہ سے نہیں بلکہ عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے حضرت ثابت بن قیس کو چچا کہا تھا (۳) حضرت ثابت بن قیس جلیل القدر، عظیم الشان دلیر مجاہد صحابی ہیں۔ انھوں نے معرکہ میں جانے سے قبل خوشبو لگائی کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ شہید ہوں گے (۴) ان کی زرہ بہت خوبصورت اور قیمتی تھی۔ شہادت کے بعد یہ زرہ ایک شخص

حضرت ثابت بن قیس نے سرقہ کر لی۔ آپ نے حضرت سالم موسیٰ ابو حذیفہ کو خواب میں نظر آئے اور کہا کہ میری زرہ فلاں شخص نے لے لی ہے اور فلاں جگہ کاٹھی کے نیچے ہانڈی میں رکھی ہوئی ہے تم حضرت خالد بن ولید سے کہنا کہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں۔ حضرت خالد نے اس شخص سے زرہ لے لی۔ حضرت قیس بن ثابت شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی خواب میں کہا۔ امیر المومنین حضرت صدیق اکبر سے کہنا مجھ پر فلاں فلاں کا قرض ہے وہ اُتار دیں اور میرے غلام سعد اور سالم کو میں آزاد کرتا ہوں۔ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی وصیت کے مطابق ان کا قرض اُتار دیا اور غلام آزاد کر دیے اور آپ کی وصیت نافذ کر دی۔ مرنے کے بعد کسی کی وصیت جو وہ خواب میں کرے اس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جو شہید ہو کے کے اعزاز و احترام اور مرنے کے بعد ان کی کرامت دیکھ کر ان کی رُوحِ مبارک کو خوش کرنے کے لیے ان کی وصیت کو بحیثیت امیر المومنین نافذ کر دیا۔

جنگِ یمامہ (۴) امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۱۱ھ کے آخر میں شروع ہوئی اور ۱۲ھ کے اوائل میں ختم ہوئی۔ یہ جنگ بھی بڑی سخت و شدید تھی حتیٰ کہ کچھ دیر کے لیے مسلمانوں

کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ سالارِ جنگ حضرت خالد بن ولید (سیف اللہ) تھے اور انصار کا جھنڈا حضرت زید بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کا بھی بہت نقصان ہوا۔ ساڑھے چار سو صحابہ جو حافظِ قرآن تھے۔ وہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور اس کے ساتھ بنو حنیفہ اکیس ہزار کی تعداد میں قتل ہوئے۔ حضرت قیس کا جوشِ شہادت خلوصِ نیت کا اور مجاہدین کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا اور یہ فرمانا کہ پیچھے ہٹ کر تم نے دشمن کو حوصلہ دیا کہ تم پر حملہ کریں۔ یہ مجاہدین کی شان نہیں ہے۔ پھر دو سفید کپڑے کفن کے پہن کر خوشبو مل کر میدان میں آ تنا۔ خصوصاً ایسے وقت جب کہ مجاہدوں کے قدم اکھڑ چکے ہوں ان کے خلوص و للّٰہیت اور ایمان و ایقان کی دلیل ہے۔

هَلْ يُبْعَثُ الطَّلِيعَةُ وَحْدَهُ

بَابُ فَضْلِ الطَّلِيعَةِ

باب جہاد کے موقع پر جاسوس دستوں کی فضیلت

۲۶۵۰/۲۶۵۱ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْأَحْزَابِ قَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا قَالَ مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ قَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ یوم احزاب کے موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کون ہے جو دشمن کے حالات کی خبر لائے۔ دو دفعہ فرمایا۔ دونوں دفعہ حضرت زبیر نے لبیک کہا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں

(بخاری)

نسائی کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کی سازشوں کی خبر لانے کے لیے دو مرتبہ آواز دی۔ جواب نہیں آیا۔ صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دو بار لبیک کہا۔ اور آپ تنہا بنی قریظہ کی صفوں میں پہنچے اور ان کے حال کی آپ نے حضور کو اطلاع دی۔

(۲) حواری۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص احباب کا لقب ہے۔ اس کے معنی خصوصی معاون اور معتمد کے ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں اپنا حواری قرار دیا۔

بَابُ سَفَرِ الْاِثْنَيْنِ

باب دو آدمیوں کا سفر کرنا

۲۶۵۲۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ انْصَرَفْتُ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنَا أَنَا وَصَاحِبٌ لِي أَذِّنَا وَأَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا (بخاری)

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے واپس ہوتے تو آپ نے ہم سے فرمایا۔ (ایک میں تھا اور دوسرے میرے ساتھی) اذان دینا اور اقامت کہنا اور تم دونوں میں جو

مطلب حدیث یہ ہے کہ دو آدمی سفر کے لیے روانہ ہوں تو ہر نماز کے لیے اذان دیں اور جو بڑی عمر کا ہو وہ امام بن

جائے۔ یہ حدیث کتاب الاذان میں مع مکمل مسائل کے گزر چکی ہے۔

بَابُ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

باب قیامت تک گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر و برکت قائم رہے گی

۲۶۵۳۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت تک گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر و برکت قائم رہے گی۔

۲۶۵۴۔ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْجَعْدِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

حضرت عروہ بن جعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت تک گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر و برکت قائم رہے گی۔

۲۶۵۵۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے کی پیشانی میں برکت ہے۔

بَابُ الْجِهَادُ مَاضٍ مَعَ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ

باب جہاد کا حکم ہمیشہ باقی رہیگا خواہ مسلمانوں کا امیر عادل ہو یا ظالم

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک خیر و برکت قائم رہے گی۔

۲۶۵۶۔ حَدَّثَنَا عُرْوَةُ الْبَارِقِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ (بخاری)

عروہ بارقی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیر و برکت قیامت تک گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ رہے گی۔ اسی طرح ثواب اور مال غنیمت بھی۔

بَابُ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ

باب جس نے جہاد کے لیے گھوڑا پالا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ" کی روشنی میں

۲۶۵۷۔ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ إِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهِ فَإِنَّ شِبَعَهُ وَرِيَّهُ وَرَوْثَهُ وَبَوْلَهُ فِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ انھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ اور اس کے وعدہ کو سچا جانتے ہوئے اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے)

مِیْزَانِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (بخاری)

گھوڑا پالا تو اس گھوڑے کا کھانا پینا اور اس کا بول و براز سب قیامت کے دن اس کی میزان میں ہوگا۔

بَابُ اِسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ

باب گھوڑوں اور گدھوں کا نام رکھنا

۲۶۵۸- اس عنوان کے تحت امام بخاری نے جو حدیث لکھی ہے وہ کتاب الحج باب اذا اصاد الحلال فاھدیٰ للمحرم میں مع جملہ احکام کے گزر چکی ہے۔ اس حدیث کا تعلق حاجی سے ہے جو احرام باندھ کر محرم ہو جاتا ہے ۔۔۔ بہرحال اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے :-

عبداللہ بن ابی قتادہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (صلح حدیبیہ کے موقع پر نکلے) ابو قتادہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے دوسرے تمام ساتھی تو محرم تھے (عمرہ کے لیے) لیکن انھوں نے احرام نہیں باندھا تھا۔ ان کے ساتھیوں نے ایک گورخر دیکھا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی اس پر نظر پڑنے سے پہلے! ان حضرات کی نظر اگرچہ اس پر پڑی تھی لیکن انھوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے دیکھتے ہی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے ان کے گھوڑے کا نام جرادہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی ان کا کوڑا اٹھا کر انھیں دیدے۔ ان لوگوں نے اس سے انکار کیا (محرم ہونے کی وجہ سے شکار میں کسی قسم کی بھی مدد نہیں پہنچانا چاہتے تھے) اس لیے انھوں نے خود ہی لے لیا اور گورخر پر حملہ کرکے اس کی کونچیں کاٹ دیں (ذبح کرنے اور پکانے یا بھوننے کے بعد) انھوں نے خود بھی اس کا گوشت کھایا اور دوسرے ساتھیوں نے بھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ لوگ آپ کے ساتھ ہو لیے (اور واقعہ کا ذکر کیا) تو حضور اکرم نے دریافت فرمایا۔ کیا اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس بچا ہوا بھی ہے؟ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کی ایک ران ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت تناول فرمایا۔ یہ حدیث

عَنْ جَدِّہٖ قَالَ کَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطِنَا فَرَسٌ یُّقَالُ لَہٗ اللُّحَیْفُ وَقَالَ بَعْضُھُمْ اللَّخِیْفُ

(سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ) نے بیان کی کہ ہمارے باغ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گھوڑا رہتا تھا جس کا نام لُحَیف تھا۔ اور بعض نے لَخِیف کہا۔

۲۶۵۹/۲۶۶۰ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی حِمَارٍ یُّقَالُ لَہٗ عُفَیْرٌ فَقَالَ یَا مُعَاذُ ھَلْ تَدْرِیْ حَقَّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس گدھے پر سوار رہتے ہیں اس پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس گدھے کا نام عُفیر تھا۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ

شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا (بخاری)

علم ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ اللہ کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ اللہ اسے عذاب نہ دے۔ میں نے کہا، یارسول اللہ! کیا میں اس کی لوگوں کو بشارت نہ دے دوں؟ آنحضور نے فرمایا، لوگوں کو اس کی بشارت نہ دو۔ ورنہ اسی پر تکیہ کرلیں گے۔

۲۶۶۱۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لَّنَا يُقَالُ لَهٗ مَنْدُوْبٌ فَقَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ فَزَعٍ وَّاِنْ وَّجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا (رات کے وقت) مدینہ میں کچھ خطرہ سا محسوس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا (ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا جو آپ کے عزیز تھے) گھوڑا عاریۃً منگوایا۔ گھوڑے کا نام مندوب تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خطرہ تو ہم نے کوئی نہیں دیکھا، البتہ یہ گھوڑا تو سمند رہے۔

گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے اور دیگر امور کے متعلق مختصر وضاحت

حدیث نمبر ۲۶۵۵ تا ۲۶۵۶ کے متعلق بعض ضروری امور یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک برکت ہے تو اس دور میں گھوڑے، خچر، گدھے اونٹ، تیر، نیزے، برچھے اور تلوار وغیرہ آلاتِ حرب وضرب تھے۔ اس ضمن میں گھوڑا میدانِ کارزار میں شجاعت، وفاداری اور دیگر اوصاف کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے خصوصی طور پر یہ فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک برکت رہے گی۔ چنانچہ اس دور میں جب کہ نت نئے جنگی آلات ایجاد ہوگئے ہیں گھوڑوں کی ضرورت پھر بھی باقی ہے۔ چنانچہ حضور نے اس برکت کی وضاحت الاجر والمغنم سے فرمائی ہے کہ گھوڑا میدانِ جنگ میں کام دیتا ہے تو جہاد کا اجروثواب بھی ملے گا اور مالِ غنیمت بھی۔

(۲) جو گھوڑا جہاد کے لیے پالا جائے (اسی طرح فی زمانہ جدید آلاتِ حرب وضرب جو جنگ میں کام آتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ سب کے سب باعثِ برکت وثواب ہیں کیونکہ یہ جدید ہتھیار اس لیے بناتے ہیں کہ ان کے ذریعے ملک وملت کی حفاظت اور اسلام کی سربلندی کا کام لیا جائیگا وہ بھی کارِ ثواب اور باعثِ رحمت و برکت ہیں۔

(۳) علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث میں آیا ہے کہ نحوست تین چیزوں میں ہے۔ جس میں ایک گھوڑا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو گھوڑا تکبر وظلم، فتنہ وفساد پھیلانے کے لیے رکھا جائے وہ منحوس ہے۔ (عینی ج ۱۴ ص ۱۴۵) بلکہ گھوڑے ہی کی کیا تخصیص؟ ہر وہ چیز اور ہر وہ کام جو ملک وملت کو نقصان پہنچائے اور مخلوقِ خدا کو بلاوجہ ستانے

اور ظلم و زیادتی کے لیے کیا جائے، وہ بہر حال و بہر صورت ناجائز و حرام و منحوس ہی ہے۔

جہاد کے لیے جدید ہتھیاروں کا بنانا اور حاصل کرنا بھی آیت کا مفاد ہے

(۴) قرآن مجید میں حکم ہے کہ دشمنان اسلام کے مقابلہ کے لیے قوت کو جمع کر و۔ روایت احمد میں قوت سے مراد تیر اندازی کا ذکر ہے۔ تیر اندازی کا ذکر مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد کی حدیث میں بھی آیا ہے ــــ علماء نے فرمایا قوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جنگ میں تقویت کا باعث ہو۔ اس زمانہ میں تلوار، تیر و کمان، برچھا اور گھوڑے ہیں اور قرآن مجید میں رباط الخیل کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑوں کو جہاد کی تربیت دینے کے لیے پالنا وغیرہ مراد ہے ــــ آج کے دور کے جدید آلات حرب و ضرب بھی لفظ قوت میں شامل ہیں۔

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (حدیث نمبر ۲۶۵۷) میں فرمایا۔ جس نے رضاء الٰہی، دین کی سربلندی کے لیے ایمان احتساب کی نیت سے گھوڑا رکھا تو اس کے فضلات قیامت کے دن تولے جائیں گے تو اس کا ثواب بھی عطا ہوگا یعنی مومن کے اعمال حسنہ مقبول و محمود اور خوبصورت شکل پر متشکل ہو کر اسے انس پہنچائیں گے یعنی باعث اجر و ثواب ہوں گے

جہاد کا حکم قیامت تک کے لیے ہے حتیٰ کہ ظالم حکمرانوں کی قیادت میں بھی جہاد جاری رکھا جائے

(۶) گھوڑوں اور دیگر جانوروں کے نام رکھنا جائز بلکہ سنت ہے (۷) نواصی جمع ہے ناصیہ کی۔ اس سے سر کے ابتدائی حصہ کے بال مراد ہیں۔ سورہ علق میں لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ کے الفاظ آئے ہیں یعنی ہم ضرور کافروں کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے۔ (۸) ابن منیرہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین گھوڑے حضرت سعد بن سعید کے پاس تھے۔ ایک کا نام لِزَاز دوسرے کا ظَرِب تیسرے کا لَحِيف (۹) عُفَيْر کا مادہ عُفْرَة۔ اس کے معنی وہ گھوڑا جو سفید ہو اور اس میں سرخی ملی ہوئی ہو۔ یہ گھوڑا مقوقس والیٔ مصر نے آپ کو تحفہ میں دیا تھا۔ یعفور نامی گدھا عروہ بن عمر نے نذر کیا تھا۔ اس کو نبی علیہ السلام سے بہت محبت تھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ جب نبی علیہ السلام کا وصال ہوا تو اس کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ انتقال کر گیا

بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ شُؤْمِ الْفَرَسِ

باب گھوڑے کی نحوست کے متعلق

۲۶۶۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ فِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالدَّارِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں

۲۶۶۳۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْ شَیْءٍ فَفِی الْمَرْأَۃِ وَالْفَرَسِ وَالْمَسْکَنِ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر نحوست کسی چیز میں ہوسکتی تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہونی چاہیئے تھی (بخاری)

کیا گھوڑے، عورت اور مکان میں نحوست ہوتی ہے؟

(۱) حدیث نمبر ۲۶۶ کو امام مسلم نے طب میں اور نسائی نے عشرۃ النساء میں ذکر کیا ہے اور حدیث نمبر ۲۶۶ کو بخاری و ابن ماجہ نے نکاح میں اور مسلم و بخاری نے طب میں ذکر کیا ہے (۲) طیرہ اور شوم ۔ دونوں کے معنیٰ نحوست کے ہیں (۳) واضح ہو کہ نبی علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا ہے :۔

لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ (علم کتاب الطب)	مرض کی چھوت چھات اور بدفالی نہیں

یعنی اسلام میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ مرض کی چھوت چھات کا مطلب یہ ہے کہ اسے مؤثر حقیقی نہیں سمجھنا چاہیئے ۔ ابوداؤد کی حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔ اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ ۔ تین بار فرمایا ۔ یہ ارشاد مبالغہ اور تغلیظ پر مبنی ہے کیونکہ اگر کسی چیز میں نحوست مانی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر بھروسہ اور توکل کے خلاف ہے (۴) حدیث ۲۶۶ بخاری و مسلم شریف کی حدیث اس مسئلہ کی وضاحت خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔

لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَاِنْ کَانَ شَیْءٌ فَفِی الْمَرْأَۃِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ (طحاوی)	چھوت چھات اور نحوست کوئی چیز نہیں ہوتی بالفرض اگر ہوتی تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہوسکتی تھی۔

(۵) یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ لا عدوی ولا طیرۃ نکرہ نفی کی جگہ واقع ہوا ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی چیز میں نحوست نہیں ہوتی ۔ اب رہا یہ سوال حدیث نمبر ۲۶۳ تو نبی علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہوتی ہے اور یہ بات محال اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ شیٔ واحد اور وقتِ واحد میں نفی بھی فرمائیں اور اثبات بھی فرمائیں اس لیے حضور کے ارشاد اِنَّمَا الشُّؤْمُ فِیْ ثَلَاثَۃٍ دراصل بطور انشاء و حکم نہیں ہے بلکہ بطور خبر ہے یعنی آپ نے بطور حکایت و خبر یہ فرمایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے کفار ان تین چیزوں میں نحوست کا اعتقاد رکھتے تھے ۔ آپ کے ارشاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان تین چیزوں میں نحوست کا ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا ۔ چنانچہ حدیث زیرِ بحث کا یہ مطلب و معنیٰ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرما کر تمام شکوک و شبہات کو ختم فرمادیا ۔ (واضح رہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ شخصیت ہیں جو حضرت ابوبکر و عثمان کے دور میں فتویٰ دیتی تھیں ۔ اکابر صحابہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے ۔ حدیث ترمذی میں ہے کہ صحابہ کرام کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے تھے ـــــ علماء فرماتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

چنانچہ امام طحاوی نے بروایت ابوحسان یہ حدیث ذکر کی ہے کہ بحضور ام المومنین بنی عامر کے دو اشخاص نے یہ بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نحوست عورت، گھر اور گھوڑے میں ہوتی ہے۔ فَغَضِبَتْ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سُنا تو غضبناک ہوگئیں اور فرمایا:۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ الْقُرْآنَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَهَا اِنَّمَا قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِیَّةِ کَانُوْا یَتَطَیَّرُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ (عمدۃ القاری ج ۱۴ صفحہ ۱۵۱)

مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔ حضور نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ ان تین چیزوں میں واقعی نحوست ہوتی ہے بلکہ آپ نے (خبر دی) کہ اہلِ جاہلیت ان تین چیزوں (گھوڑا، مکان اور عورت) میں نحوست کا اعتقاد رکھتے تھے۔

پھر آپ نے سورہ حدید کی آیت ۲۲ تلاوت کی جس میں ارشادِ باری ہے:۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ

نہیں پہنچتی کوئی مُصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ ایک کتاب میں ہے

مطلب آیت یہ ہے کہ بارش کا نہ ہونا، قحط، پھلوں کی کمی، کھیتوں کی تباہی، امراض اور اولاد کے غم یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ کسی چیز کی نحوست کا عقیدہ ان امُور کا سبب نہیں بنتا۔ تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے خود بتا دیا کہ حضور کے اس ارشاد کا مقصد اہلِ جاہلیت کے عقیدہ کو بیان فرمانا ہے —— زمانہ جاہلیت میں عرب کچھ اشیاء میں نحوست کا اعتقاد رکھتے تھے۔ قرآن وسنت نے ان کے نحوست کے اعتقاد کو باطل قرار دے دیا۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہے۔

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا

تم فرماؤ ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے اور وہ ہمارا مولیٰ ہے۔ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

الغرض شرعاً کسی چیز میں نحوست نہیں ہوتی۔ حکم تو صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔ جیسے اس نے لکھ دیا ہے ویسے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔

بَابُ الْخَیْلُ لِثَلٰثَةٍ

باب گھوڑوں کے مالک تین طرح کے ہوتے ہیں

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً

۲۶۶۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَیْلُ لِثَلٰثَةٍ

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے تین طرح کے ہوتے

لِرَجُلٍ اَجْرٌ وَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَ عَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ فَاَمَّا الَّذِىْ لَهٗ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَطَالَ فِىْ مَرْجٍ اَوْ رَوْضَةٍ فَمَا اَصَابَتْ فِىْ طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ اَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهٗ حَسَنَاتٌ وَلَوْ اَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ اَرْوَاثُهَا وَ اٰثَارُهَا حَسَنَاتٍ لَهٗ وَلَوْ اَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ اَنْ يَّسْقِيَهَا كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهٗ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَّ رِئَاءً وَّنِوَاءً لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَهِىَ وِزْرٌ عَلٰى ذٰلِكَ وَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ مَا اُنْزِلَ عَلَىَّ فِيْهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

(بخاری)

لوگوں کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے وہ باعثِ اجر و ثواب ہیں۔ بعضوں کیلئے پردہ اور بعضوں کے لیے وبالِ جان ہیں۔ جس کے لیے گھوڑا اجر و ثواب کا باعث ہے یہ وہ شخص ہے جو اللہ کے راستے میں (استعمال کے لیے) اسے پالتا ہے۔ پھر جہاں خوب چری ہوتی ہے یا (یہ فرمایا کہ) کسی شاداب جگہ اس کی رسی کو خوب لمبی کرکے باندھتا ہے (تاکہ چاروں طرف سے چر سکے) تو گھوڑا اس کی چری کی جگہ سے یا اس شاداب جگہ سے اپنی رسی میں بندھا ہوا جو کچھ بھی کھاتا پیتا ہے یا وہ گھوڑا اپنی رسی تڑا کر ایک یا دو شوط بھاگ جائے تو اس کی لید اور آثارِ قدم بھی مالک کے لیے باعثِ رحمت ہوں گے۔ اور اگر وہ گھوڑا کسی نہر سے گزرے اور اس میں سے پانی پی لے تو اگرچہ مالک نے پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ پھر بھی موجبِ برکت ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو گھوڑا فخر، دکھاوے اور اہلِ اسلام کی دشمنی میں باندھتا ہے تو یہ اس کے لیے وبالِ جان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر اس جامع اور منفرد آیت کے سوا اس کے متعلق اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ " جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کا بدلہ پائیگا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اس کا اجر پائیگا۔

بَابُ مَنْ ضَرَبَ دَابَّةَ غَيْرِهٖ فِى الْغَزْوِ

باب جس نے غزوہ کے موقع پر دوسرے کے جانور کو چابک مارا

۲۶۶۵- قَالَ اَتَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِىَّ فَقُلْتُ لَهٗ حَدِّثْنِىْ بِمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَافَرْتُ مَعَهٗ فِىْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ قَالَ اَبُوْعَقِيْلٍ لَا اَدْرِىْ غَزْوَةً اَوْ عُمْرَةً فَلَمَّا اَنْ اَقْبَلْنَا قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ

ابوالمتوکل ناجی نے کہا کہ میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے۔ ان میں سے مجھ سے بھی کوئی حدیث بیان کیجئے۔ انھوں نے بیان فرمایا کہ میں حضور اکرم کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھا۔ ابوعقیل نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں (یہ سفر

اَنْ یَتَعَجَّلَ اِلٰی اَهْلِهٖ فَلْیُعَجِّلْ قَالَ جَابِرٌ فَاَقْبَلْنَا وَاَنَا عَلٰی جَمَلٍ لِّیْ اَرْمَكَ لَیْسَ فِیْهِ شِیَةٌ وَالنَّاسُ خَلْفِیْ فَبَیْنَا اَنَا كَذٰلِكَ اِذْ قَامَ عَلَیَّ فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا جَابِرُ اسْتَمْسِكْ فَضَرَبَهٗ بِسَوْطِهٖ ضَرْبَةً فَوَثَبَ الْبَعِیْرُ مَكَانَهٗ فَقَالَ اَتَبِیْعُ الْجَمَلَ قُلْتُ نَعَمْ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ وَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ فِیْ طَوَائِفِ اَصْحَابِهٖ فَدَخَلْتُ اِلَیْهِ وَعَقَلْتُ الْجَمَلَ فِیْ نَاحِیَةِ الْبَلَاطِ فَقُلْتُ لَهٗ هٰذَا جَمَلُكَ فَخَرَجَ فَجَعَلَ یُطِیْفُ بِالْجَمَلِ وَیَقُوْلُ الْجَمَلُ جَمَلُنَا فَبَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَاقٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَعْطُوْهَا جَابِرًا ثُمَّ قَالَ اسْتَوْفَیْتَ الثَّمَنَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ الثَّمَنُ وَالْجَمَلُ لَكَ

(بخاری)

غزوہ کے لیے تھا یا عمرہ کے لیے (واپس ہوتے ہوئے) جب (مدینہ منورہ) دکھائی دینے لگا تو حضور اکرم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے گھر جلدی جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر ہم آگے بڑھے، میں اپنے ایک سیاہی مائل سُرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اونٹ بالکل بے عیب تھا، دوسرے لوگ میرے پیچھے تھے۔ میں اسی طرح چل رہا تھا کہ اونٹ رُک گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جابر! ٹھہر جاؤ، پھر آپ نے اپنے کوڑے سے اونٹ کو مارا، اونٹ اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا یہ اونٹ بیچو گے؟ میں نے کہا ہاں، جب مدینہ پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو میں بھی آپ کی خدمت میں پہنچا اور "بلاط" کے ایک کنارے میں نے اُونٹ باندھ دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یہ آپ کا اونٹ ہے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور اونٹ کو گھمانے لگے اور فرمایا کہ اونٹ تو ہمارا ہی ہے۔ اس کے بعد آنحضور نے چند اوقیے سونا مجھے دلوایا اور دریافت فرمایا، قیمت پوری مل گئی؟ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اب قیمت اور اونٹ (دونوں) تمہارے ہیں۔

یہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت و فیاضی کی آئینہ دار ہے ؎

منگتا تو ہے منگتا کوئی شاہوں میں دکھا دو — جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو
آتا ہے غریبوں پہ انھیں پیار کچھ ایسا — خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

(۲) حدیث نمبر ۲۶۳۵ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ الرُّكُوْبِ عَلَی الدَّابَّةِ الصَّعْبَةِ وَالْفُحُوْلَةِ مِنَ الْخَیْلِ

باب سرکش جانور اور گھوڑے کی سواری

وَقَالَ رَاشِدُ بْنُ سَعْدٍ كَانَ السَّلَفُ یَسْتَحِبُّوْنَ

راشد بن سعد نے کہا کہ سلف نر گھوڑے کی سواری

اَلْفَحُوْلَةَ لِاَنَّهَا اَجْرٰی وَاَجْسَرُ

پسند کرتے تھے کیونکہ وہ دوڑتا بھی تیز ہے اور جری بھی ہوتا ہے۔

۲۶۶۶- یہاں امام نے حدیث انس ذکر کی ہے جو متعدد بار پہلے بھی گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک رات مدینہ کے لوگ خوف میں مبتلا ہوئے کہ کہیں دشمن نے حملہ تو نہیں کر دیا۔ تو نبی علیہ السلام نے حضرت طلحہ کا گھوڑا عاریتہً لیا۔ اس کا نام مندوب تھا۔ آپ اس پر سوار ہوئے اور واپس آکر فرمایا۔ خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ اس گھوڑے کو ہیں نے دریا کی طرح پایا (بخاری) حدیث نمبر ۲۴۵۱ اور ۲۶۶۱ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ سِهَامِ الْفَرَسِ

باب مالِ غنیمت سے گھوڑے کا حصہ

۲۶۶۷- عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِصَاحِبِهِ سَهْمًا وَقَالَ مَالِكٌ يُسْهَمُ لِلْخَيْلِ وَالْبَرَاذِيْنِ مِنْهَا لِقَوْلِهِ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَلَا يُسْهَمُ لِاَكْثَرَ مِنْ فَرَسٍ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مالِ غنیمت سے) گھوڑے کے دو حصے لگائے تھے اور اس کے مالک کا ایک حصہ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گھوڑے کا اور خصوصاً ترکی گھوڑے کا بھی حصہ لگایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ" اور گھوڑے، خچر اور گدھے ہم نے پیدا کیے) تاکہ تم ان کی سواری کرو"۔ اور کسی ایک شخص کے لیے، ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہیں لگایا جائیگا۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے گھوڑے والے مجاہد کو مالِ غنیمت سے ایک اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے یعنی تین حصے عطا فرمائے ویسے عام طور پر آپ نے سوار کو دو حصے ہی عطا فرمائے ہیں۔ ایک مجاہد کا، دوسرا اس کے گھوڑے کا۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

بَابُ مَنْ قَادَ دَابَّةَ غَيْرِهِ فِي الْحَرْبِ

باب جو میدانِ جنگ میں دوسرے کا جانور لے کر چلا

۲۶۶۸ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفِرَّ اِنَّ هَوَازِنَ كَانُوْا قَوْمًا رُمَاةً وَاِنَّا لَمَّا لَقِيْنَاهُمْ حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ

ابو اسحٰق سے مروی ہے کہ ایک شخص نے براء بن عازب سے کہا۔ کیا تم لوگ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ انھوں نے کہا ہاں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ ہوازن تیر اندازی میں (ماہر) قوم تھی۔ ہمارا جب ان سے سامنا ہوا تو ہم نے ان پر حملہ کیا وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان

فَانْهَزَمُوْا فَاَقْبَلَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْغَنَآئِمِ وَاسْتَقْبَلُوْنَا بِالسِّهَامِ فَاَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَفِرَّ فَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ وَاِنَّهٗ لَعَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَآءِ وَاِنَّ اَبَا سُفْيَانَ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (بخاری)

غنیمت حاصل کرنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے ہم پر تیر برسانا شروع کر دیے۔ (اس وقت مسلمان منتشر ہوئے) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ میں نے دیکھا۔ حضور اپنے سفید خچر پر جلوہ فرما ہیں اور ابوسفیان بن حارث خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور حضور یہ رجز پڑھ رہے تھے میں نبی برحق ہوں۔ اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

غزوہ حنین (۱) حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ ہوازن اور ثقیف نہایت جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے۔ یہ غزوہ ۸ھ شوال میں ہوا۔ اسلامی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ صحابہ کرام کی زبان سے یہ کلمات نکل گئے کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟ بارگاہِ الٰہی میں ان کی یہ نازش پسند نہ آئی۔ سورہ توبہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ مسلمان اپنی کثرت پر نازاں تھے۔ وہ ان کے کچھ کام نہ آئی۔ زمین وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ ارشادِ باری ہے۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (توبہ ۲۶)

اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر وہ لشکر اتارے جو تم دیکھ نہ سکے اور کافروں کو عذاب دیا۔

ہوازن کے غزوہ میں مسلمانوں کی عارضی شکست کی اصلی وجہ تو وہی ہے جو قرآن نے بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی کثرت پر اترا گئے۔ البتہ اس کے ساتھ یہ بھی کہ مسلمانوں کے لشکر میں فتح مکہ کے موقع پر نومسلم بھی بڑی تعداد میں شریک تھے اور مولفہ قلوب مالِ غنیمت کے لالچ میں شریکِ جہاد ہوئے اور جب لڑائی نے شدت اختیار کی تو مشرکین بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت کے حصول میں مصروف ہوئے ـــــ ہوازن کے بھاگے ہوئے لشکر نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہوازن کے تیراندازوں نے اس زور سے تیر برسائے کہ وقتی طور پر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کا لشکر بھاگ پڑا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس اور آپ کے ابنِ عم ابوسفیان بن حرب اور دو چار اور کے کوئی نہ رہا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار یا اس سے زائد تھی اور مشرکین چار ہزار تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس نازک موقع پر کوہِ وقار و شجاعت رہی اور انبیاء کی خصوصیت بھی یہی ہے کہ وہ نازک سے نازک مرحلہ پر میدان نہیں چھوڑتے اور شجاعت اور مردانگی کا پیکر بنے اللہ تعالیٰ

کی مدد و نصرت پر یقین رکھتے ہیں ——— الغرض

یہ رنگ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ مہاجرین وانصار اور بیعتِ رضوان میں حصہ لینے والوں کو پکارو۔ جب انھوں نے بلایا تو بلا تاخیر صحابہ کرام فوراً حضور علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ جن مجاہدینِ اسلام کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے انھوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ صحابہ کرام نے محاذ سنبھال کر دوبارہ حملہ کیا تو ہوازن اور ثقیف بھاگ پڑے اور اس طرح مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، سکینہ کے نزول اور نہ دکھائی دینے والے خدائی لشکروں کی وجہ سے فتح حاصل ہو گئی ——— یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ غزوہ ہوازن میں صحابہ کرام سے جو غلطی اور کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے اسے یقیناً معاف کر دیا۔

غزوہ ہوازن میں صحابہ سے جو غلطی اور کوتاہی ہوئی اللہ تعالےٰ نے اس کو معاف کر دیا

اس کی واضح دلیل سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیات ہیں نزولِ سکینہ اور فرشتوں کی فوجوں کا نازل ہونا یقیناً قطعی دلیل ہیں۔ ایسی صورت میں صحابہ کرام پر زبانِ طعن دراز کرنا، انھیں بھگوڑوں اور حضور کا ساتھ چھوڑ دینے والوں کا طعنہ دینا بے جواز ہے۔ کیونکہ سکینہ کافروں اور منافقوں پر نہیں بلکہ مخلص مسلمانوں پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق منافقین کو نہیں بلکہ مومنین کو ہی اپنی فتح ونصرت سے نوازتا ہے۔

بَابُ الرِّكَابِ وَالْغَرْزِ لِلدَّابَّةِ

باب جانور کا رکاب اور غرز

۲۶۶۹۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پائے مبارک غرز (رکاب) میں ڈالا اور ناقہ آپ کو لے کر سیدھی اُٹھ گئی تو آپ نے مسجد ذوالحلیفہ کے پاس لبیک کہا احرام باندھا واضح ہو کہ غرز بھی رکاب ہی کو کہتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ رکاب اگر لوہے کا ہو یا لکڑی کا تو اسے رکاب کہتے ہیں لیکن اگر چمڑے کا ہو تو اسے غرز کہتے ہیں۔

بَابُ رُكُوْبِ الْفَرَسِ الْعُرْيِ

باب گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرنا

۲۶۷۰۔ عَنْ اَنَسٍ اِسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَرَسٍ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ فِيْ عُنُقِهٖ سَيْفٌ

(بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی ننگی پشت پر جس پر زین نہیں تھی سوار ہو کر صحابہ سے آگے نکل گئے۔ آنحضور کی گردنِ مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی۔

بَابُ الْفَرَسِ الْقَطُوْفِ

باب سست رفتار گھوڑے پر سوار ہونا

۲۶۷۱- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَزِعُوْا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِاَبِيْ طَلْحَةَ كَانَ يَقْطِفُ اَوْكَانَ فِيْهِ قِطَافٌ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى

(بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گھوڑا سست رفتار تھا یا (راوی نے کہا کہ) اس کی رفتار میں سستی تھی۔ پھر حضور اکرم واپس ہوئے تو فرمایا کہ ہم نے تو تمہارے اس گھوڑے کو دریا پایا۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں نکل سکتا تھا۔

یہ نبی علیہ السلام کا اعجاز تھا کہ آپ کی برکت سے وہ سست رفتار گھوڑا ایسا تیز رفتار ہو گیا کہ اب کوئی گھوڑا اس سے سبقت نہیں لے سکتا تھا۔

بَابُ السَّبْقِ بَيْنَ الْخَيْلِ

باب گھوڑ دوڑ کے متعلق

۲۶۷۲- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَجْرَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ضُمِّرَ مِنَ الْخَيْلِ مِنَ الْحَفْيَاءِ اِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَاَجْرَى مَا لَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلَى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَكُنْتُ فِيْمَنْ اَجْرٰى

(بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیے ہوئے گھوڑوں کی دوڑ مقام حفیا سے ثنیۃ الوداع تک کرائی تھی اور جو گھوڑے تیار نہیں کیے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک کرائی تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہونے والوں میں، میں بھی تھا۔

بَابُ اِضْمَارِ الْخَيْلِ لِلسَّبْقِ

باب گھوڑ دوڑ کے لیے گھوڑوں کی تربیت کرنا

۲۶۷۳- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضَمَّرْ وَكَانَ اَمَدُهَا مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلَى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ سَابَقَ بِهَا قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ اَمَدًا غَايَةً فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ (بخاری)

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی تھی جنہیں تیار نہیں کیا گیا تھا اور دوڑ کی حد ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک رکھی تھی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دوڑ میں شرکت کی تھی۔ ابوعبداللہ نے کہا کہ اَمَدًا (حدیث) میں حد کے معنیٰ میں ہے (قرآن مجید میں ہے) فطال علیہم الامد

بَابُ غَايَةِ السَّبْقِ لِلْخَيْلِ الْمُضَمَّرَةِ

باب تربیت دیے گئے گھوڑوں کی دوڑ کی حد

۲۶۷۴- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَابَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ قَدْ اُضْمِرَتْ فَاَرْسَلَهَا مِنَ الْحَفْيَاءِ وَ كَانَ اَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ فَقُلْتُ لِمُوْسٰى وَكَمْ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ سِتَّةُ اَمْيَالٍ اَوْ سَبْعَةٌ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضَمَّرْ فَاَرْسَلَهَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَكَانَ اَمَدُهَا مَسْجِدَ بَنِيْ زُرَيْقٍ قُلْتُ فَكَمْ بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِيْلٌ اَوْ نَحْوُهٗ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ مِمَّنْ سَابَقَ فِيْهَا

(بخاری)

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی تھی۔ جنھیں تیار کیا گیا تھا۔ دوڑ مقام حفیاء سے شروع کرائی تھی اور ثنیۃ الوداع اس کی حد تھی۔ (ابو اسحاق نے بیان کیا کہ) میں نے ابوموسیٰ سے پوچھا۔ اس کا فاصلہ کتنا تھا؟ تو انھوں نے بتایا کہ چھ یا سات میل اور آنحضور نے ان گھوڑوں کی بھی دوڑ کرائی جنہیں تیار نہیں کیا گیا تھا۔ ایسے گھوڑوں کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے شروع ہوئی تھی اور حد مسجد بنی زریق تھی۔ میں نے پوچھا، اس میں کتنا فاصلہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ تقریباً ایک میل۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی دوڑ میں شرکت کرنے والوں میں تھے۔

گھڑ دوڑ جائز ہے؟

اس حدیث سے واضح ہوا کہ مقصد صحیح جیسے جہاد کے لیے گھوڑ دوڑ کرانی جائز و مباح اور سنت ہے اور گھوڑے کو چاق و چوبند بنانے کے لیے اس کی تضمیر بھی جائز ہے۔ شوافع تضمیر کو سنت کہتے ہیں۔ گھڑ دوڑ کا مقصد یہ ہے کہ قومی و ملی کاموں کی انجام دہی میں ان سے کام لیا جائے۔ خصوصاً جہاد فی سبیل اللہ میں ـــــــ تضمیر کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کو چالیس دن تک خصوصی خوراک دیتے ہیں تاکہ وہ خوب موٹا تازہ ہو جائے۔ پھر بتدریج اس کی خوراک میں کمی کرتے جاتے ہیں تاکہ اس کا موٹاپا اعتدال پر آجائے۔ اس میں پھرتی پیدا ہو جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر کاٹھی باندھی جائے اور موٹا پالان ڈالا جائے تاکہ اسے پسینہ آجائے۔ پسینہ آنے سے بھی اس کے جسم کی سستی ختم ہوتی ہے۔ اعضاء میں نرمی و نزاکت باقی نہیں رہتی۔ تضمیر کے جواز پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ یہ گھوڑے کی اصلاح و تربیت کے لیے کی جاتی ہے۔

(۲) علامہ ابن تین علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ کرائی۔ جو گھوڑا سب سے آگے بڑھ گیا یعنی نمبر ایک کو تین یمنی چادریں، نمبر دو کو دو چادریں، نمبر تین کو ایک چادر عطا فرمائی۔ جو چوتھے نمبر پہ آیا ایک دینار، پانچویں نمبر کو ایک درہم اور چھٹے نمبر پر آنے والے کو چاندی عطا فرمائی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کے دو مقصد تھے۔ اول یہ کہ لوگوں میں گھوڑوں کو جہاد کے لیے پالنے، انہیں بنانے، سنوارنے اور تربیت دینے کا سلسلہ جاری رہے۔ دوم یہ کہ جو گھوڑوں کی تربیت کا کام کریں۔ ان کی حوصلہ افزائی ہو ـــــ اگرچہ اس حدیث میں گھڑ دوڑ پر شرط لگانے کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم دلائل شرعیہ کی روشنی میں یہ گھڑ دوڑ اسی صورت پر مبنی ہے جس

میں جانبین کی طرف سے شرط نہ ہو۔ مثلاً زید کہے۔ اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو میں تم کو سو روپے دوں گا اور بکر یہ کہے کہ اگر تیرا گھوڑا آگے نکل گیا تو میں تم کو سو روپے دونگا۔ یہ قمار کی صورت ہے جو ناجائز ہے۔ البتہ ایک طرف سے شرط لگانا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک آدمی دونوں سواروں سے کہے۔ تم میں سے جو آگے نکل گیا۔ اس کو میں بطور انعام یکصد روپیہ دوں گا (۲) حدیث نمبر ۲۶۷۲ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ نَاقَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب نبی علیہ السلام کی اونٹنی کے بیان میں

قَالَ ابْنُ عُمَرَ اَرْدَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسَامَةَ عَلَى الْقَصْوَاۗءِ وَقَالَ الْمِسْوَرُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَاَتِ الْقَصْوَاۗءُ

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو قصواء (نامی اونٹنی) پر اپنے پیچھے بٹھایا تھا۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قصواء نے سرکشی نہیں کی۔

۲۶۷۵۔ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَتْ نَاقَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا الْعَضْبَاۗءُ

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کی اونٹنی کا نام عضباء تھا (بخاری)

اس سلسلہ میں اصحاب سیرت کا بیان یہ ہے کہ قصواء، جدعا، عضباء۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین اونٹنیوں کے نام تھے۔ یا اونٹنی صرف ایک تھی اور نام اس کے تین تھے ——— مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ عضبا و قصوا ایک ہی اونٹنی کے دو نام ہیں اور قصواء نام زیادہ مشہور ہے۔ اسی اونٹنی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسی پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر یہ ٹھہر گئی۔ حجۃ الوداع کا خطبہ بھی آپ نے اسی کی پشت پر دیا۔ یہ بڑی تیز رفتار تھی اور ہر معرکہ میں بازی لے جاتی تھی (طبری ۴ ۸ ۱۷) بخاری ذکر ہجرت و مسلم ذکر حجۃ الوداع) اصابہ فی احوال الصحابہ میں ہے کہ حضور جب مدینہ پہنچے تو ہر شخص مہمانی کی درخواست کرتا تھا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے ناقہ کو چھوڑ دو۔ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ چنانچہ قصواء حضرت ابوایوب کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی اور حضرت ابوایوب انصاری نے بھی حضور سے محبت و احترام اور آپ کیلیے ایثار و قربانی کا ایک معیار مقرر فرمایا۔ جس کا ذکر کتب سیرت میں مذکور ہے۔

۲۶۷۶۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَةٌ تُسَمَّى الْعَضْبَاۗءُ لَا تُسْبَقُ قَالَ حُمَيْدٌ اَوْ لَا تَكَادُ تُسْبَقُ فَجَاۗءَ اَعْرَابِيٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ فَسَبَقَهَا فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا۔ کوئی اونٹنی اس سے آگے نہ بڑھتی تھی۔ حمید نے کہا یا کوئی اونٹنی اس سے آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ پھر

حَتّٰى عَرَفَهُ فَقَالَ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَلَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهُ (بخاری)

ایک اعرابی نوجوان ایک قوی اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سے اس کی اونٹنی سے آگے نکل گئی۔ مسلمانوں پر یہ بڑا شاق گزرا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ پر حق ہے کہ جو چیز بلند ہوا سے گرادے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا پیچھے رہ جانا صحابہ کرام پر بہت شاق گزرا۔ یہ بات حضور کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت کی آئینہ دار ہے۔ ہر محب یہ چاہتا ہے کہ اس کے محبوب سے نسبت رکھنے والی چیز پر کوئی سبقت نہ لے جائے۔ طاقت ور جانور کبھی سبقت لے جاتا ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی اس اونٹنی کے سبقت لے جانے پر پریشانی کے متعلق نہایت حکیمانہ جواب دیا کہ اسباب سے قطع نظر اللہ احکم الحاکمین کی مشیت ہی اہم ہے۔ وہی اٹھاتا ہے اور وہی گراتا ہے۔ ہر کمال کو زوال اسی کی مشیت پر مبنی ہے وہ آفتاب کو ذرہ بنا کر اور قوی ہیکل کو گرا کر یہ بات سب کو اچھی طرح سمجھا دیتا ہے کہ علیٰ کل شئی قدیر تو صرف اور صرف اسی کی شان ہے۔

بَابُ بَغْلَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْضَاءِ

باب نبی علیہ السلام کا سفید خچر

قَالَهُ اَنَسٌ وَّقَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ اَهْدٰى مَلِكُ اَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةً بَيْضَاءَ

ابو حمید نے بیان کیا کہ ایلہ کے فرمانروا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر ہدیہ میں بھجوایا تھا۔

۲۶۷۷- قَالَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الْحَارِثِ قَالَ مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَاَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً (بخاری)

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات کے بعد) سوا اپنے سفید خچر، اپنے ہتھیار اور اس زمین کے جو آپ نے صدقہ کر دی تھی اور کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی۔

فوائد و مسائل (۱) طبری نے حضور کے تمام جانوروں کے نام و حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور واقدی نے بھی حتیٰ کہ بڑے بڑے محدثین کرام جن میں یعمری مغلطائی حافظ عراقی بھی شامل ہیں نے بھی بہ تفصیل لکھی ہے جس سے یہ بات تو یقیناً واضح ہوتی ہے (حضرت عمر بن حویرث نے جو یہ فرمایا کہ حضور نے وفات کے بعد کچھ نہیں چھوڑا بجز ایک سفید خچر اور ہتھیار اور سامان کے جو وقف عام ہو گئی ـــــ توضیح احادیث سے یہ بات تو یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ عمر بن حویرث) کی بیان کردہ مختصر اشیاء سے زائد آپ کے پاس اشیاء تھیں ـــــ اور عمر بن حویرث کے بیان سے صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ وفات کے وقت بھی اشیاء تھیں کیونکہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ

یہ بھی کہ دنیاوی سازو سامان بقدر ضرورت ہی اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ جو تھا یا آتا تھا تقسیم فرما دیتے تھے۔ لیکن وفات سے قبل جو اشیاء حضور کے پاس تھیں۔ عمرو بن حریث نے ان کی نفی نہیں کی ـــــ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ آپ عملی زندگی میں بھی مالکِ کونین تھے مگر قناعت کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ جو کچھ آپ کے پاس سونا چاندی اور دیگر اشیاء آتی تھیں ایثار فرماتے تھے اور غریبوں، ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ جود و سخا آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ آپ کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ ایثار و قربانی اور جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ایک دفعہ حضور گھر میں تشریف لائے تو چہرہ اقدس متغیر تھا۔ حضرت ام سلمہ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے (یعنی تقسیم نہیں ہوئے) مسند احمد جلد ۶ صـ ۲۹۳

(۱) یہ اور اس نوع کے بہت واقعات صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں (۲) حضرت عمرو بن حریث جو ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے۔ ان کا یہ کہنا کہ بوقتِ وفات حضور علیہ السلام نے صرف سپید خچر، کچھ ہتھیار اور اس زمین کے جو آپ نے صدقہ فرما دی تھی، کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وفات سے قبل بھی آپ کے پاس صرف یہی تین چیزیں تھیں اور اس سے زائد اشیاء نہ تھیں۔

۲۶۷۸۔ (۱) یہاں امام بخاری نے حدیث غزوہ ہوازن درج کی ہے جو مع تفہیم و ترجمانی کے اوپر گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۶۶۸، (۲) اس حدیث کو امام بخاری نے جہاد، مغازی اور وصایا میں ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے شمائل، نسائی نے حباس میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ جِهَادِ النِّسَاءِ

باب عورتوں کا جہاد

۲۶۷۹۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتِ اسْتَاذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے۔

۲۶۸۰۔ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ نِسَاءُهُ عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ نِعْمَ الْجِهَادُ الْحَجُّ (بخاری)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ازواجِ مطہرات نے جہاد کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ حج کتنا عمدہ جہاد ہے۔

بَابُ غَزْوِ الْمَرْأَةِ فِي الْبَحْرِ

باب بحری غزوہ میں عورتوں کی شرکت

۲۶۸۱- اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیثِ انس ذکر کی ہے جو اوپر مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ام حرام بنت ملحان کے گھر آرام فرمایا۔ پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا۔ میری اُمّت کے لوگ راہِ خدا میں بحرِ اخضر میں جہاد کے لیے روانہ ہوں گے۔ ام حرام نے عرض کی، حضور دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان سے کر دے الخ (بخاری) واضح ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سب سے پہلا سمندری بیڑہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تیار کیا اور قبرص پر چڑھائی کی۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی بحری جنگ تھی۔ جس میں ام حرام رضی اللہ عنہا شریک ہوئیں اور شہادت بھی پائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام فاختہ تھا اور وہ بھی آپ کے ساتھ اس میں شریک تھیں۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۹

اور حدیث نمبر ۲۶۷۹/۲۶۸۰ کے تحت علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ مستورات پر جہاد فرض ہے اور آیت (انْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا) میں مستورات بالاجماع داخل نہیں ہیں۔

مستورات کا جہاد حج ہے

(عینی) لیکن ظاہر ہے کہ ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ دشمن حملہ کر دے اور مستورات بھی متاثر ہوں تو انھیں اپنی حفاظت کے لیے قتال جائز ہے ــــ جیسا کہ حنین کے موقع پر حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے اپنے پاس خنجر رکھا اور فرمایا۔ یہ خنجر اس لیے رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب ہوا بَقَرْتُ بَطْنَہٗ تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی (مسلم)

بَابُ حَمْلِ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ فِي الْغَزْوِ دُوْنَ بَعْضِ نِسَآئِهٖ

باب غزوہ میں مرد کا اپنی کسی بیوی کو ساتھ لے جانا اور کسی کو نہیں

۲۶۸۲- قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَآئِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ يَخْرُجُ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْرَعَ بَيْنَنَا فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ فِيْهَا سَهْمِيْ فَخَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ (بخاری)

عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سنی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جانا چاہتے (جہاد کے لیے) تو اپنی ازواج میں قرعہ ڈالتے تھے اور جس کا نام نکل آتا تھا۔ انھیں حضور ساتھ لے جاتے تھے۔ ایک غزوہ کے موقع پر آپ نے ہمارے درمیان قرعہ اندازی کی تو اس مرتبہ میرا نام آیا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی۔ یہ پردہ نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ مجاہد اپنے ساتھ اپنی بیوی کو جہاد میں لے جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کی عزت و ناموس کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ مستورات کو میدانِ کارزار سے دُور محفوظ مقام پر ٹھہرایا جائے۔

بَابُ غَزْوِ النِّسَآءِ وَقِتَالِهِنَّ مَعَ الرِّجَالِ

باب عورتوں کا مردوں کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونا

۲۶۸۳- عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَلَقَدْ رَاَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ اُمَّ سُلَيْمٍ وَّ اِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ اَرَى خَدَمَ سُوْقِهِمَا تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ وَقَالَ غَيْرُهٗ تَنْقُلَانِ الْقِرَبَ عَلٰى مُتُوْنِهِمَا ثُمَّ تُفْرِغَانِهٖ فِيْ اَفْوَاهِ الْقَوْمِ ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَاٰنِهَا ثُمَّ تَجِيْئَانِ فَتُفْرِغَانِهَا فِيْ اَفْوَاهِ الْقَوْمِ

(بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کی لڑائی کے موقع پر مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو گئے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور ام سلیم کو دیکھا کہ اپنے ازار سمیٹے ہوئے تھیں۔ میں نے ان کی پنڈلیوں کی پازیب کو دیکھا۔ وہ مشکیزے چھلکاتے ہوئے جا رہی تھیں اور ابو معمر کے علاوہ (جعفر بن مہران) نے بیان کیا کہ مشکیزے کو اپنی پشت پر ادھر سے ادھر لیے جاتی تھیں اور مجاہدین کو قوم میں سے پانی پلاتی تھیں۔ پھر واپس آتی تھیں اور مشکیزوں کو بھر کرلے جاتی تھیں اور مجاہدین کو پلاتی تھیں۔

بَابُ حَمْلِ النِّسَاۗءِ الْقِرَبَ اِلَى النَّاسِ فِي الْغَزْوِ

باب غزوہ میں مستورات کا مجاہدین کے پاس مشکیزے لے جانا

۲۶۸۴- قَالَ ثَعْلَبَةُ بْنُ اَبِيْ مَالِكٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَسَمَ مُرُوْطًا بَيْنَ نِسَاۗءٍ مِّنْ نِسَاۗءِ الْمَدِيْنَةِ فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهٗ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَعْطِ هٰذَا ابْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِيْ عِنْدَكَ يُرِيْدُوْنَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِيٍّ فَقَالَ عُمَرُ اُمُّ سَلِيْطٍ اَحَقُّ وَ اُمُّ سَلِيْطٍ مِّنْ نِسَاۗءِ الْاَنْصَارِ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ فَاِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ اُحُدٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ تَزْفِرُ تَخِيْطُ

(بخاری)

ثعلبہ بن ابی مالک نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں۔ ایک نئی چادر بچ گئی تو بعض حضرات نے جو آپ کے پاس ہی تھے کہا یا امیر المومنین! یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو دیدیجئے جو آپ کے گھر میں ہیں۔ ان کی مراد آپ کی بیوی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے تھی۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ام سلیط رضی اللہ عنہا ان انصاری خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ احد کی لڑائی کے موقع پر ہمارے لیے مشکیزے (پانی کے) اٹھا کر لاتی تھیں۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا حدیث ہذا میں (تزفر) کے معنیٰ سینے کے ہیں۔

قصہ نکاح ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ

(۱) ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر کی زوجہ تھیں آپ کے نکاح کے متعلق عینی و کرمانی میں بغیر کسی حوالہ کے

یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے فرمایا۔ میں ام کلثوم کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ اگر وہ راضی ہوگئیں تو ان کا نکاح تم سے کردوں گا۔ چنانچہ آپ نے ام کلثوم کو ایک چادر کے ساتھ حضرت عمر کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ عمر سے کہنا یہ ہے وہ چادر جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ حضرت عمر نے حضرت ام کلثوم سے کہا کہ علی سے کہنا میں راضی ہوں اور اللہ تم سے راضی ہو اور حضرت عمر نے ام کلثوم کی پنڈلی پر ہاتھ رکھا تو ام کلثوم نے فرمایا۔ آپ ایسا کرتے ہیں اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی ناک توڑ دیتی۔ حضرت ام کلثوم نے اپنے والد حضرت علی کے پاس آکر کہا آپ نے مجھے بُرے آدمی کے پاس بھیجا؛ حضرت علی نے فرمایا۔ اے میری بیٹی وہ تیرے شوہر ہیں ——— یہ قصہ تقویٰ اور اخلاق سے قطعاً گرا ہوا ہے۔ کوئی باپ اپنی بیٹی کی نسبت اس طرح نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ کہ حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نکاح سے قبل اپنی صاحبزادی کو اس سے منسوب شخص کے پاس بھیج دیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ توقع کسی طرح نہیں کی جاسکتی کہ نکاح سے پہلے حضرت ام کلثوم کی پنڈلی پر ہاتھ رکھ دیں یا پنڈلی سے چادر ہٹادیں معاذ اللہ پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس قصہ میں یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر سے فرمایا۔ اَنَا اُبْعِثُهَا اِلَيْكَ فَاِنْ رَضِيْتَهَا فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا۔ لیکن اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے ان کی پنڈلی سے چادر اُتار دی تو آپ کو اتنا ناگوار ہوا کہ آپ نے فرمایا۔ اگر تم امیر المومنین نہ ہوتے تو تمہاری ناک توڑ دیتی۔ یہی نہیں بلکہ اس قصہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام کلثوم نے واپس آکر اپنے والد گرامی سے عرض کی۔ بَعَثْتَنِيْ اِلٰى شَيْخٍ سُوْءٍ۔ آپ نے مجھے بُرے آدمی کے پاس بھیجا۔ جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اس وقت نکاح کے لیے راضی نہ تھیں اور حضرت علی نے مشروط وعدہ فرمایا تھا کہ اگر وہ راضی ہوگئیں تو میں ام کلثوم کا نکاح تم سے (عمر سے) کردوں گا ——— بہرحال نکاح تو ان کا حضرت عمر سے ہوا اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ شیعہ حضرات کے معتبر علماء بھی اس کا انکار نہیں کرسکے مگر نکاح کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ سراسر گڑھا ہوا، عقل شکن اور مضحکہ خیز ہے۔

(۲) ابن سعد نے طبقات انصار میں ام سلیط کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان کے بطن سے سلیط اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ اس لیے انھیں ام سلیط سے موسوم کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ان کا نام ام قیس بنت عبید بن زیاد بن ثعلبہ ہے صحابیہ ہیں انھوں نے نبی علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی تھی۔ غزوۂ اُحد میں شریک تھیں ——— ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُمِ سلیط خیبر و حنین کے معرکوں میں شریک تھیں (عینی ج ۴ ص ۱۶۸)

(۳) بعض شارحین نے حضرت امام بخاری پر تنقید کی ہے کہ (تزفر) کے معنیٰ اٹھانے کے ہیں سینے کے نہیں لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ لفظ سینے اور اٹھانے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہو۔

بَابُ مُدَاوَاةِ النِّسَاءِ الْجَرْحٰى فِى الْغَزْوِ

باب مستورات کا میدانِ کارزار میں زخمیوں کا علاج معالجہ کرنا

۲۶۸۵۔ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْقِى الْمَاءَ وَ نُدَاوِى الْجَرْحٰى وَ نَرُدُّ الْقَتْلٰى (بخاری)

ربیع بنت معوذ سے روایت ہے کہ ہم جہاد میں نبی علیہ السلام کے ساتھ زخمیوں کو پانی پلاتی اور ان کی دوا دارو

کرتی تھیں اور جو شہید ہو جاتے ان کو (قبروں تک) پہنچاتی تھیں۔

بَابُ رَدِّ النِّسَآءِ الْجَرْحٰی وَالْقَتْلٰی

باب عورتوں کا زخمیوں اور شہیدوں کو اٹھا کر لے جانا

۲۶۸۶۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنِ الرُّبَيِّعِ ابْنَةِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْقِي الْقَوْمَ وَنَخْدُمُهُمْ وَنَرُدُّ الْجَرْحٰى وَالْقَتْلٰى اِلَى الْمَدِيْنَةِ

حضرت ربیع بنت معوذ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے میں شریک ہوتے تھے۔ مسلمانوں کو پانی پلاتے، ان کی خدمت کرتے اور زخمیوں اور شہیدوں کو مدینہ منتقل کرتے تھے (بخاری)

علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ غزوہ احد میں مستورات دو یا تین شہید مردوں کو سواری پر ان کی قبروں تک لے جاتی تھیں (عینی ج ۱۴ ص ۱۶۹) ان کے ساتھ مرہم پٹی کا سامان ہوتا تھا اور وہ مجاہدین کو تیر پکڑاتی تھیں۔ نیز اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فتح خیبر کے بعد انہیں مرد مجاہدین کی طرح مال غنیمت سے حصہ بھی عطا فرمایا۔ (عینی ج ۱۴ ص ۱۶۶) مسلم شریف کتاب الجہاد کی حدیث ۴۵۶۶ میں ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر تھا نبی علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔ یہ خنجر کیسا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ یہ خنجر اس لیے ساتھ لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے پاس آیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں کی حضور علیہ السلام مسکرا دیے۔

(۳) یہ واقعہ جنگ حنین کا ہے اور مسلم کتاب الجہاد حدیث ۴۵۶۸ میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد فرماتے تو حضرت ام سلیم اور انصار کی کچھ عورتیں بھی ساتھ ہو لیتیں۔ وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں —— اور بخاری کی زیر بحث حدیث نمبر ۲۶۸۳ میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد میں میں نے حضرت عائشہ اور ام سلیم کو دیکھا کہ وہ پانی کا مشکیزہ بھر کر لاتیں، مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ اَنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ اَرٰى خَدَمَ سُوْقِهِمَا۔ وہ اپنی چادر اوپر کیے تھیں۔ میں نے ان کی پنڈلیوں کی پازیب کو دیکھا —— شارحین نے لکھا ہے کہ اس مضمون کی احادیث سے ثابت ہوا کہ مستورات کا جہاد میں شرکت کرنا، مجاہدین کو پانی پلانا، دوا وغیرہ کرنا جائز ہے۔ نیز مرہم پٹی میں غیر محرم کے بدن کو چھونا پڑے تو وہ بھی بضرورت جائز ہے —— علامہ نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتیں جہاد کے لیے جا سکتی ہیں اور ان کا مجاہدین کو پانی پلانا اور مرہم پٹی کرنا بھی ضرورت کی بنا پر جائز ہے —— لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کچھ عجیب و غریب امور کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو یہ ہیں (۱) عورتوں کا مرہم پٹی کرنا ان کے شوہروں اور محرموں کے ساتھ خاص تھا —— لیکن کسی حدیث میں علامہ نووی علیہ الرحمۃ کی اس تاویل کی نہ تصریح ہے اور نہ دلیل (۲) علامہ نووی نے لکھا ہے کہ حضرت انس نے صرف پازیب کو دیکھا تھا (۲) حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت انس نے ان کی طرف قصداً دیکھا تھا (۳) یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ مستورات کی پازیب کی طرف حضرت انس کی نظر اچانک بلا قصد پڑ گئی تھی۔ لیکن انھوں نے ان کو نگاہ بھر کر

نہیں دیکھا۔(۴) انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ اُحد کا ہے۔ حجاب کے احکام غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئے۔اس وقت عورت کی طرف دیکھنا حرام نہیں کیا گیا تھا۔ پھر علامہ نووی نے یہ تصریح کی ہے۔علاج معالجہ میں غیر محرم کے بدن کو چھونا بضرورت جائز ہے (نووی ج ۲ ص ۱۱۶) ——— لیکن باادب عرض ہے کہ علامہ نووی ہی کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ تمام تاویلات و توجیہات محض تکلف دکھائی دیتی ہیں۔جب وہ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ غزوہ اُحد کے وقت احکامِ حجاب نہیں آئے تھے۔اس وقت مرد کا غیر محرم کو دیکھنا حرام نہیں کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ان کا یہ ارشاد کہ علاج معالجہ کے لیے غیر محرم کے بدن کو چھونا بضرورت جائز ہے۔ایسی صورت میں علامہ نووی علیہ الرحمہ کی مذکورہ بالا تاویلات کا نہ کوئی جواز باقی رہتا ہے اور نہ مفاد ——— علامہ نووی کا یہ فرمانا کہ حضرت انس نے قصداً نہیں دیکھا تھا۔اچانک ان کی نظر پازیب پر پڑ گئی تھی۔ حضرت انس نے نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔یہ تمام باتیں حضرت انس ہی بتا سکتے ہیں۔کوئی دوسرا نہیں۔پھر قصد و ارادہ کا تعلق دل سے ہے حضرت انس کے دل کی بات کسی شارح حدیث کو ہزار ہا برسوں کے بعد کیسے معلوم ہو گئی ——— پھر حدیث میں لفظ (اَرٰی) ہے یعنی حضرت انس واضح طور پر کہہ رہے ہیں کہ میں نے دیکھا میدانِ کارزار میں مستورات پائنچے اونچے کیے پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں۔میں نے ان کی پنڈلیوں کے پازیب کو دیکھا۔ بنا بریں حضرت علامہ نووی علیہ الرحمۃ کی اس حدیث کے تحت گفتگو کی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ ——— لہٰذا اس مضمون کی احادیث کا جو مفہوم ہے وہی بیان کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ

میدانِ جہاد میں بضرورتِ شرعیہ غیر محرم کو دیکھنا چھونا اٹھانا وغیرہ جائز ہے

ضرورت کے وقت مستورات کا جہاد میں شریک ہونا، مجاہدین کو پانی پلانا، ان کی مرہم پٹی کرنا اور بضرورت غیر محرم کو دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔کیونکہ یہ کام دیکھے اور چھوئے بغیر انجام نہیں پا سکتے۔ نیز حدیث مسلم ۲۵۶۹ میں یہ لفظ ہیں تُفْرِغَانِهٖ فِیْ اَفْوَاهِهِمْ کہ معرکہ جہاد میں مستورات مشکیزے بھر کر لاتیں۔پھر مجاہدین کے منہ میں اس سے پانی ڈالتیں۔یہ کام ایک دوسرے کو دیکھے بغیر کیسے انجام پا سکتا ہے؟ اور واقعاتِ جنگ کو وہی بیان کر سکتا ہے جو جنگ کے حال احوال دیکھے ——— البتہ اس موضوع کی احادیث کی بنا پر مستورات کے لیے تعلیم و معیشت اور دیگر کاروبارِ زندگی میں مردوں کی طرح آزادی کا استدلال کرنا غلط اور باطل ہے۔

بَابُ نَزْعِ السَّهْمِ مِنَ الْبَدَنِ

باب بدن سے تیر نکالنا

۲۶۸۷- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ رُمِیَ اَبُوْ عَامِرٍ فِیْ رُكْبَتِهٖ فَانْتَهَیْتُ اِلَیْهِ قَالَ انْزِعْ هٰذَا السَّهْمَ فَنَزَعْتُهٗ فَنَزَا مِنْهُ الْمَآءُ فَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں تیر لگا تو میں ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ اس تیر کو کھینچ کر نکال لو۔ میں نے کھینچ لیا تو اس سے پانی بہا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ

فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ اَبِيْ عَامِرٍ (بخاری)

علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ نے دُعا فرمائی۔ اے اللہ! علبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔

ابو عامر کا نام عبید ہے۔ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں ان کو درید بن صمہ سے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ حبشی نے آپ کے گھٹنے میں تیر مارا۔ اسی سے آپ کی شہادت ہوئی۔ زخم سے پانی جیسی رطوبت کا نکلنا اس امر کی علامت ہے کہ جسم میں خون باقی نہیں رہا (۲) فَنَزَا کے معنیٰ ظاہر ہونے کے ہیں۔ علامہ ابن تین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس لفظ کے معنیٰ پانی نکلنے کے ہیں (۳) اس حدیث میں ہے کہ جب حضور کو اطلاع دی گئی کہ تیر نکالنے سے پانی جیسی رطوبت نکلی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا دَعَا لَهٗ لِاَنَّهٗ عَلِمَ اَنَّهٗ مَيِّتٌ مِنْ ذٰلِكَ حضور نے ان کے لیے دعاء مغفرت فرمائی۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ ابو عامر وفات پا گئے ہیں (۴) اس حدیث کو امام بخاری نے جہاد، مغازی اور دعوات میں، مسلم نے فضائل، نسائی نے سیر میں ذکر کیا ہے (۵) اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے ابو عامر کے لیے دعاء مغفرت فرمائی۔ ظاہر ہے حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے دفن سے پہلے ان کے لیے دعاء مغفرت فرمائی۔ علامہ عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ ابو عامر ابن سلیم ابوموسیٰ اشعری کے چچا اور اکابر صحابہ سے ہیں۔ غزوہ اوطاس میں آپ شہید ہوئے (رضی اللہ عنہم) فَلَمَّا اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ يَدْعُوْ لَهٗ۔ بخاری کتاب المغازی، ذکر غزوہ اوطاس میں ہے۔ حضرت ابو

نمازِ جنازہ سے قبل یا بعد مسلمان میّت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعاءِ مغفرت کرنا جائز ہے

موسیٰ کہتے ہیں۔ جب حضور کو ابو عامر کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ نے وضو فرمایا اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ان کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی۔ میں نے حضور کے بغلوں کی سپیدی کو دیکھا۔ یعنی اتنے بلند ہاتھ اُٹھا کر آپ نے دُعا فرمائی کہ آپ کے بغل مبارک کی سپیدی نظر آگئی —— بہرحال ظاہر حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان کے دفن سے پہلے ان کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی۔ اگر دفن کے بعد دعاءِ مغفرت فرمائی تو بھی یہ واضح ہوا کہ دفن سے پہلے اور دفن کے بعد دعاءِ مغفرت میت کے لیے کرنا سنت ہے۔ مسلمانوں میں یہی رواج ہے کہ دفن کے بعد دعاءِ مغفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ عمل سنتِ رسول ہے۔ اسے خلافِ سنت اور بدعت قرار دینا بے جا ہے۔

بَابُ الْحِرَاسَةِ فِي الْغَزْوِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب جہاد فی سبیل اللہ کے موقع پر پہرہ دینا

۲۶۸۸۔ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهِرَ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ قَالَ لَيْتَ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِيْ صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ اِذْ

عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ نے کہا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے مدینہ پہنچنے کے بعد ایک رات بیداری میں گزاری۔ آپ نے فرمایا کاش میرے صحابہ میں کوئی صالح ایسا ہوتا جو رات (ہماری حفاظت) کے

سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقَالَ أَنَا سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ جِئْتُ لِأَحْرُسَكَ وَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

کے لیے ہمارا پہرہ دیتا ــــ کہ ہتھیار کی جھنکار ہم نے سُنی۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص نے عرض کی حضور میں ہوں۔ آپ کی حفاظت کے لیے پہرہ دینے آیا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے آرام فرمایا۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام بخاری نے تمنی، مسلم نے فضائلِ سعد اور ترمذی نے مناقب اور نسائی نے مناقب اور سیر میں ذکر کیا ہے (۲) امام نے یہ حدیث جس انداز سے ذکر کی ہے اس سے یہ سمجھا آتا ہے کہ نبی علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لانے سے قبل راتوں کو جاگتے تھے حالانکہ حضرت عائشہ کی مراد یہ نہیں ہے بلکہ وہ صرف یہ بتانا چاہتی ہیں کہ مدینہ تشریف لانے سے قبل راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ ایک رات یہ قصہ پیش آیا تو اس سے مدینہ میں تشریف آوری کے بالکل ابتدائی ایام مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ کی رخصتی ۲ھ میں ہوئی۔ غرضکہ مدینہ تشریف آوری کے ابتدائی ایام میں نہ حضرت عائشہ حضور کے ساتھ تھیں نہ حضرت سعد تھے۔ مختصر یہ کہ روایت بخاری میں کتابت کی غلطی سے ترتیب بدل گئی ہے۔ یوں ہونی چاہیئے تھی۔ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ سَهِرَ لَيْلَةً

(۲) امام بخاری نے میدانِ جہاد میں پہرہ دینے کا عنوان قائم کیا ہے مگر زیرِ عنوان حدیث میدانِ جہاد میں پہرہ سے متعلق نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر حالت خواہ سفر ہو یا حضر، فی سبیل اللہ جہاد ہی کے مترادف ہے۔

(۳) رہا یہ سوال کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیا تو پہرہ کی کیا ضرورت؟ اس اشکال کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ واقع آیت مذکورہ کے نزول سے پہلے کا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو علامہ قرطبی اور دیگر شارحین نے دیا کہ آیت میں حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قتل ہونے سے محفوظ رکھے گا۔ باقی رہا لوگوں کی شرارت اور فتنہ سے حفاظت کے لیے پہرہ دینا تو یہ آیت کے منافی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے فتح و نصرت اور غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے تو جیسے جہاد و قتال وعدہ حفاظت کے منافی نہیں، ایسے ہی پہرہ دینا حفاظت کے منافی نہیں ہے (عینی ج ۱۴ ص ۱۶۱)

۲۶۸۹- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَشْعَثَ رَأْسُهُ مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا نامراد ہوا دینار و درہم اور چادر و کمبل کا غلام اگر اس کو دیا جائے تو راضی رہے اور نہ دیا جائے تو ناخوش۔ ناکام ہوا اور سرنگوں ہوا اسے جب کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ بشارت ہے ایسے شخص کے لیے جو راہِ خدا میں لگام تھامے ہوئے ہے۔ اس کے بال اُلجھے ہوئے ہیں اور قدم گرد آلود ہیں۔ اگر اسے پہرہ کی اجازت پر لگایا

وَاِنْ کَانَ فِی السَّاقَۃِ کَانَ فِی السَّاقَۃِ اِنْ اِسْتَاْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَہٗ وَاِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ فَتَعْسًا کَاَنَّہٗ یَقُوْلُ فَاَتْعَسَہُمُ اللّٰہُ حَیْبَہُمُ اللّٰہُ طُوْبٰی فُعْلٰی مِنْ کُلِّ شَیْءٍ طَیِّبٍ وَھِیَ یَاءٌ حُوِّلَتْ اِلَی الْوَاوِ وَھِیَ مِنْ یَطِیْبُ (بخاری)

جائے تو اسے انجام دے اور اگر فوج کے پیچھے رکھا جائے تو پیچھے رہتا ہے۔ اگر وہ کسی سے ملاقات کی اجازت چاہے تو نہ ملے اور سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے۔ طوبیٰ کے معنی اسب سے اچھی چیز۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ یطیب سے فعلی کے وزن پر اس کی (یا) کو (واو) سے بدل دیا گیا ہے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے لیے خلوص وللّٰہیت شرط ہے۔ جہاد کا اجر وثواب اسی صورت میں ملے گا کہ نیتِ مال و دولت، عزت وشوکت اور اپنی برتری کی نہ ہو بلکہ رضائے الٰہی کی شمع قلب میں روشن ہو اور صرف دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کرے۔ درہم و دینار اور مال و دولت کا حصول مقصد نہ ہو۔

بَابُ فَضْلِ الْخِدْمَۃِ فِی الْغَزْوِ

باب غزوہ میں خدمت کی فضیلت

۲۶۹۰۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَحِبْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ فَکَانَ یَخْدُمُنِیْ وَھُوَ اَکْبَرُ مِنْ اَنَسٍ قَالَ جَرِیْرٌ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْاَنْصَارَ یَصْنَعُوْنَ شَیْئًا لَا اَجِدُ اَحَدًا مِنْھُمْ اِلَّا اَکْرَمْتُہٗ (بخاری)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں جریر بن عبداللہ کے ساتھ رہا۔ وہ میری خدمت کرتے تھے حالانکہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ حضرت جریر کہتے ہیں۔ میں نے انصار کو دیکھا کہ وہ ایسا کرتے تھے (یعنی حضور کی خدمت کرتے تھے) جب بھی انصار سے مجھے کوئی ملتا ہے تو میں ان کی تعظیم کرتا ہوں۔

اس حدیث کی عنوان مطابقت یوں ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت جریر سفر میں میری خدمت کرتے تھے اور سفر عام ہے خواہ جہاد کا ہو یا کسی اور مقصد کا۔ امام بخاری نے اسی لیے اس حدیث کو غزوہ میں ذکر کر دیا (۲) چھوٹی عمر والے کی بڑی عمر والا خدمت کرے تو جائز ہے (۳) یصنعون کا مطلب یہ ہے کہ انصار نبی علیہ السلام کی بہت خدمت کرتے تھے اور حد سے زیادہ حضور کی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اسی لیے میں انصار کی عزت کرتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و تعظیم کرنے والا مستحقِ اکرام ہے۔

۲۶۹۱۔ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی خَیْبَرَ اَخْدِمُہٗ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاجِعًا وَبَدَا لَہٗ اُحُدٌ قَالَ ھٰذَا جَبَلٌ یُّحِبُّنَا

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ آپ کی خدمت کے لیے غزوہ خیبر میں گیا۔ جب واپس ہوئے اور اُحد پہاڑ نظر آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اُحد پہاڑ ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ ہم سے محبت

وَنُحِبُّهُ ثُمَّ أَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا كَتَحْرِيمِ إِبْرَاهِيمَ مَكَّةَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَ مُدِّنَا

(بخاری)

کرتا ہے۔ پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے مدینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ الٰہی میں مدینے کے دونوں پتھریلے میدان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیدیا تھا۔ الٰہی ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما۔

یہ حدیث مکمل تفہیم و ترجمانی کے کتاب الحج کے آخر میں گزر چکی ہے۔

اُحد پہاڑ حضور علیہ السلام سے محبّت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو محبوبیت کبریٰ کا درجہ عطا فرمایا ہے

(۲) اس حدیث میں غزوہ خیبر کا ذکر ہے جو ۷ھ میں واقع ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ اس میں تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ جب حضور نے فرمادیا کہ اُحد ہم سے محبت کرتا ہے تو واقعی وہ حضور سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اُحد میں محبت کا جذبہ پیدا فرمادے۔ معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیت کبریٰ کا وہ مقام عطا فرمایا ہے کہ حجر و شجر بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے پتھر کو آج بھی پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام عرض کرتا تھا۔ (مسلم) اس پتھر کے قریب سے بہت لوگ گزرتے تھے مگر وہ خاموش رہتا تھا لیکن جب حضور گزرتے تو بول پڑتا۔ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ جس چیز کے قریب سے آپ گزر جاتے اس میں حیات پیدا ہو جاتی تھی۔ اُستُنِ حنانہ کا واقعہ بھی اس کی دلیل ہے۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے، میں حضور کے ساتھ تھا۔ آپ کسی طرف روانہ ہوتے تو جس پہاڑ یا

فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَّلَا شَجَرٌ إِلَّا وَ هُوَ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

یا درخت سے آپ کا سامنا ہوا۔ اس نے السلام علیک یا رسول اللہ عرض کیا۔

(ترمذی ج ۲ صہ ۲۰۳)

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدے کریں
بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہیں

علامہ فرہاروی علیہ الرحمۃ نے نبراس صہ۱۳ پر لکھا ہے کہ یہ بات طے شدہ ہے جو امور ممکن ہوں اور کتاب و سنت میں ان کا ذکر آگیا ہے تو ان پر بغیر تاویل کے ایمان لانا واجب ہے اور جو امور محالات سے ہیں وہ مؤول قرار پائیں گے۔ ان میں تاویل کی جائے گی۔ ایسی تاویل جو دین کے اصولی تقاضوں کے مطابق ہو۔ مثلاً اللہ رب العلمین جل مجدہٗ جسم اور جسم کے لوازمات ہاتھ پاؤں چہرہ اسی طرح بیٹھنے اٹھنے چلنے وغیرہ سے پاک ہے۔ تو ایسے امور کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف نص میں وارد ہو جو اللہ تعالیٰ کے لیے جہت و جسم ہونے کا وہم پیدا کریں تو اس کی تاویل کریں گے۔ مثلاً قرآنِ مجید میں ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ تو یہاں ید سے مراد اس کی قدرت کاملہ مراد ہوگی کہ وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ــــ اسی طرح قرآنِ مجید میں ہے الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ تو

یہاں بھی لفظ (استویٰ) کی تاویل کریں گے یعنی اس کے معنی عظمتِ تام اور قدرتِ قاہرہ کے کیے جائیں گے۔ اور (استویٰ) کی نسبت عرش کی طرف اس لیے کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور ارفع مخلوق ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اُحد پہاڑ حضور سے محبت کرتا ہے۔ اس کے ظاہری معنیٰ لینے میں کوئی امرِ محال لازم نہیں آتا۔ عقلاً و شرعاً یہ جائز ہے کہ پتھر بھی نبی علیہ السلام سے محبت کریں اور یہ حضور کا معجزہ ہے۔

۲۶۹۲۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُنَا ظِلًّا الَّذِيْ يَسْتَظِلُّ بِكِسَائِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ صَامُوْا فَلَمْ يَعْمَلُوْا شَيْئًا وَّاَمَّا الَّذِيْنَ اَفْطَرُوْا فَبَعَثُوا الرِّكَابَ وَامْتَهَنُوْا وَعَالَجُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ

(بخاری)

حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ (سفر) میں تھے۔ ہم میں سب سے زیادہ سایہ میں وہ تھا جو اپنے کمبل سے اپنے اوپر سایہ کیے ہوئے تھا جن لوگوں نے روزہ رکھا انھوں نے کچھ نہیں کیا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا۔ وہ اپنی سواریاں لے گئے اور روزہ داروں کی بہت خدمت کی۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ آج روزہ نہ رکھنے والے اجر و ثواب حاصل کر گئے

سفر اور غزوات میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ بعد میں اس کی قضا کرنا لازم ہے۔ اس سفر میں گرمی شدید تھی۔ بعض نے اپنے کمبلوں سے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا اور بعض کے پاس سایہ کرنے کو کوئی چیز نہ تھی۔ اب جنھوں نے حالتِ سفر میں عزیمت پر عمل کیا اور روزہ رکھا وہ گرمی کی شدت، سفر کی صعوبت، تھکن اور کمزوری کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کی کوئی خدمت نہ کر سکے ___ لیکن جنھوں نے روزہ نہ رکھا وہ اپنے اونٹ پانی پر لے گئے۔ پانی لائے اور دوسرے کام انجام دیے اور روزہ داروں کی بھی خوب خوب خدمت کی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج روزہ نہ رکھنے والے ثواب لے گئے۔ گو کہ روزہ مقبول و محمود عبادت ہے مگر بحالتِ سفر روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اور ایسی صورت میں کہ دوسرے اہم کام روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے انجام نہ پا سکیں۔ اس مخصوص حالت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اسی بنا پر حضور نے روزہ نہ رکھنے والوں کے متعلق فرمایا کہ روزہ نہ رکھنے والے ثواب لے گئے ___ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روزہ رکھنے والوں کا ثواب روزہ نہ رکھنے والوں کو دیدیا گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ رکھنے والوں کی خدمت کی۔ اس لیے انھیں روزہ داروں کے ثواب کی مثل اور زائد ثواب حاصل ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ جہاد میں مجاہدین کی خدمت کرنے کا ثواب روزہ کے ثواب سے زیادہ ہے۔ واللہ واسع علیم

بَابُ فَضْلِ مَنْ حَمَلَ صَاحِبَهٗ فِي السَّفَرِ

باب اس شخص کی فضیلت جس نے سفر میں اپنے ساتھی کا سامان اٹھایا

۲۶۹۳۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ سُلَامٰى عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ يُعِيْنُ الرَّجُلَ فِيْ دَابَّتِهٖ يُحَامِلُهٗ عَلَيْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ روزانہ انسان کے ایک ایک جوڑ پر صدقہ واجب ہے اور اگر کوئی شخص کسی کی سواری میں مدد کرتا ہے کہ اس کو

اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَمْشِيهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَدَلُّ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ (بخاری)

اس کی سواری پر سوار کرادے یا اس کا سامان اس پر اٹھا کر رکھ دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اچھا اور پاک کلمہ بھی (زبان سے کہنا) صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ یہ تمام کام خدمتِ خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے اس لیے ان تمام اُمورِ خیر کو انجام دینے کی تمام مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل توفیق عمل عطا فرمائے۔

بَابُ فَضْلِ رِبَاطِ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

باب ایک دن اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کا ثواب

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو صبر سے کام لو الخ

(۱) رباط کے حاصل معنیٰ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے پہرہ دینے کے ہیں۔ خصوصاً ایسی جگہ کا پہرہ دینا جہاں سے کفار کے حملہ کرنے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا خطرہ ہو ــــ مجاہد صرف وہی نہیں جو قتال کرے۔ میدانِ کارزار میں کافروں سے لڑے بلکہ وہ بھی مجاہد ہے جو راہِ خدا میں مال سے امداد دے۔ نیک مشورہ دے یا خود شریک ہو کر مسلمانوں کی تعداد بڑھائے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرے یا ان کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرے یا آلاتِ حرب و ضرب کی ترسیل میں حصہ لے ــــ اسی کے توابع سے رباط ہے۔ یعنی اسلامی ملکوں کی حفاظت کے لیے سرحد پر گھوڑا باندھنا، یعنی وہاں مقیم رہنا۔ اس کا ثواب بہت بڑا ہے۔ ایسے شخص کی نماز پانچسو نماز کے برابر۔ اس کا ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم سے بڑھ کر ہے۔ انتقال کر جائے روز مرہ رباط کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا۔ فتنۂ قبر سوال منکر نکیر سے محفوظ رہیگا، قیامت کے دن شہید اٹھایا جائے گا اور فزع اکبر سے بھی مصئون رہیگا (درمختار)

(۲) اصبروا، امر کا صیغہ ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ صبر کرو۔ اس کے حاصل معنیٰ کسی چیز پر قائم رہنے کے ہیں۔ اس لیے شارحین کرام نے فرمایا۔ اصبروا کے معنیٰ یہ ہیں۔ جہاد پر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر، مصائب و آلام پر ثابت قدم رہو، اور صابروا، امر کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے۔ اس میں مبالغہ کے معنیٰ جاتے ہیں تو صابروا کے معنیٰ یہ ہیں۔ نمازِ پنجگانہ کی خوب پابندی کرو۔ اللہ کی راہ میں خوب جہاد کرو۔ سرحدوں کی خوب حفاظت کرو۔ دشمنانِ اسلام کا خوب مقابلہ کرو۔

۲۶۹۴ - عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ اَحَدِكُمْ مِّنَ

حضرت سہل بن سعد الساعدی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کی راہ میں سرحد پر ایک دن گھوڑا باندھنا (پہرہ دینا) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور

الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا

راہ خدا (جہاد) میں ایک صبح یا ایک شام گزار دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے افضل ہے۔

(بخاری)

(۱) اس دور میں گھوڑے اونٹ وغیرہ جنگ میں کام دیتے تھے۔ اس دور میں نت نئے آلاتِ حرب ایجاد ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ چیز اور ہتھیار جس سے دشمن کی جارحیت کو روکا جا سکے تاکہ وہ سرحد عبور نہ کر پائے اور مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے سب کے لیے یہی ثواب ہے جو حدیث میں مذکور ہوا۔

(۲) سرحد کی حفاظت کرنے والے مجاہد کی فضیلت کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے فتنۂ قبر، عذاب اور سوالِ منکر نکیر سے محفوظ رکھے گا (طبرانی) اسی طرح جو مسلمان جمعہ کے دن یا رات میں انتقال کرے اسے بھی اللہ تعالیٰ فتنۂ قبر سے محفوظ رکھے گا (ترمذی) نبراس ص۳۱۶ —— جب مجاہد اور جمعہ کے دن انتقال کرنے والا عذاب و سوالِ منکر نکیر سے محفوظ رہیگا تو انبیاء کرام تو بطریقِ اولیٰ محفوظ و مصئون ہیں۔

بَابُ مَنْ غَزَا بِصَبِيٍّ لِّلْخِدْمَةِ

باب جس نے کسی بچہ کو غزوہ میں اپنے ساتھ رکھا

۲۶۹۵۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي طَلْحَةَ الْتَمِسْ غُلَامًا مِّنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي حَتَّى أَخْرُجَ إِلَى خَيْبَرَ فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ مُرْدِفِي وَأَنَا غُلَامٌ رَاهَقْتُ الْحُلُمَ فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ كَثِيرًا يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ ثُمَّ قَدِمْنَا خَيْبَرَ فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا فَاصْطَفَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فَخَرَجَ بِهَا حَتَّى إِذَا بَلَغْنَا سَدَّ الصَّهْبَاءِ

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ابوطلحہ سے فرمایا مجھے ایک بچہ تلاش کر دو جو میری خدمت کرے خیبر جانے تک تو ابوطلحہ نے مجھے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور میں بالغ ہونے کے قریب تھا۔ جب حضور کہیں قیام کرتے میں آپ کی خدمت کرتا۔ اکثر میں سنتا کہ حضور یہ دعا فرماتے۔ الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں غم و اندوہ، عجز اور سستی و بخل اور بزدلی اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبے سے —— آخر ہم خیبر پہنچے جب کہ خیبر پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرمائی۔ آپ کے سامنے صفیہ بنت حی بن اخطب کے جمال کا ذکر کیا گیا۔ ان کا شوہر (یہودی) لڑائی میں کام آگیا تھا اور وہ ابھی دلہن ہی تھیں (اور چونکہ قبیلہ کے سردار کی لڑکی تھیں) اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرما لیا۔ پھر حضور انھیں ساتھ لے کر وہاں سے چلے، جب ہم سد الصہباء پر پہنچے تو وہ حیض سے

حَلَّتْ فَبَنٰى بِهَا ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِىْ نِطَعٍ صَغِيْرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰذِنْ مَنْ حَوْلَكَ فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيْمَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَفِيَّةَ ثُمَّ خَرَجْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَوِّىْ لَهَا وَرَاءَهٗ بِعَبَاءَةٍ ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيْرِهٖ فَيَضَعُ رُكْبَتَهٗ فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهٖ حَتّٰى تَرْكَبَ فَسِرْنَا حَتّٰى اِذَا اَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ نَظَرَ اِلٰى اُحُدٍ فَقَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ ثُمَّ نَظَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا بِمِثْلِ مَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِىْ مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ

(بخاری)

پاک ہوئیں تو آپ نے ان سے خلوت کی۔ اس کے بعد آپ نے حَیس تیار کرا کر ایک چھوٹے سے دسترخوان پر رکھوایا اور فرمایا کہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو بتا دو کہ آنحضور نے ولیمہ کیا ہے اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا ولیمہ تھا۔ آخر ہم مدینہ کی طرف چلے۔ انس کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آنحضور صفیہ کی وجہ سے اپنے پیچھے اپنی عبا سے پردہ کیے ہوئے ہیں۔ پھر آپ اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور اپنا گھٹنا کھڑا رکھتے اور حضرت صفیہ اپنا پاؤں آپ کے گھٹنے پر رکھ کر سوار ہو جاتیں۔ اس طرح ہم چلتے رہے اور جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو حضور نے اُحد پہاڑ کو دیکھا اور فرمایا۔ یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا اے اللہ! میں اس کے دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیان کے خطے کو حرمت والا قرار دیتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرمت والا قرار دیا تھا۔ اے اللہ! مدینہ کے لوگوں کو ان کے مُد اور صاع میں برکت دے۔

فوائد و مسائل حضرت انس رضی اللہ عنہ تو شروع ہی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ مجھے دس سال نبی علیہ السلام کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے اور حدیث ہذا میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے حضور کی طلب پر خیبر کے موقع پر سنہ ۷ھ میں حضرت انس کو پیش کیا۔ اس حدیث کی رو سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت انس نے تقریباً چار سال حضور کی خدمت کی۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امر واقعہ تو یہی ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو حضرت انس کی والدہ حضرت ام سلیم نے انہیں خدمت کے لیے بحضور نبوت پیش کیا تھا۔ لیکن یہ پیش کرنا مدینہ طیبہ کے لیے تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے لیے ایسا بچہ تلاش کرو جو مدینہ سے باہر میرے ساتھ رہے اور میری خدمت کرے۔ (۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ بچہ کو غزوات میں اپنی خدمت کے لیے ساتھ لے جانا جائز ہے (عینی ج ۱۴ ص ۱۸۷)

ولیمہ اور شادی کی دعوت اس حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت کے

بعد ولیمہ کیا۔ ولیمہ میں آپ نے حَیس تیار کرایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا محبوب ترین (کھانا) ثرید تھا جو روٹی سے تیار کیا گیا ہو اور حَیس سے تیار شدہ بھی آپ کو پسند تھا ——— ثرید من الخبز، روٹی کے ٹکڑے شوربے میں ایسے ڈال دیے جائیں کہ وہ خوب تر ہو کر نرم ہو جائیں اور ثرید من الحیس ستو، کھجور، پنیر، گھی یا روغن زیتون ملا کر مالیدہ یا حلوہ کی طرح بنا لیا جائے۔ یہ مرکب بھی حضور کو بہت مرغوب تھا بہر حال آپ نے چند صحابہ کو بلا کر حَیس سے ولیمہ کے طور پر کھلایا تھا۔ (۲) ولیمہ سنت ہے اور ولیمہ بھی اپنی بساط کے مطابق کرنا چاہیئے۔ ہمارے زمانے کی طرح ولیمہ کی دعوت میں افراط و تفریط اور فضول خرچی حرام و ناجائز ہے ولیمہ سنت ضرور ہے مگر فرض و واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ولیمہ نہیں کر سکا یا باوجود وسعت و قدرت کے اس نے ولیمہ نہ کیا تو گنہگار نہ ہوگا ——— جیسے عقیقہ بھی سنت ہے مگر فرض و واجب نہیں ہے ——— لڑکی والوں کی طرف سے برات کی دعوت کرنا نہ سنت ہے اور نہ مستحب۔ ہاں اگر اعتدال کے ساتھ فضول خرچی سے بچتے ہوئے لڑکی والے اپنی خوشی سے برات کی دعوت کر دیں تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح باپ اپنی بیٹی کو حسب توفیق جہیز دے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ حسب توفیق والدین کا اپنی بیٹی کو خوشی سے جہیز دینے کو ہندوانہ رسم قرار دینا سخت و شدید قسم کی زیادتی ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا گو کہ وہ چکی اور معمولی اشیاء پر مشتمل تھا مگر تھا تو جہیز۔ دراصل جہیز کی مخالفت کرنے والے اور جہیز دینے والے دونوں افراط و تفریط کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اور دینِ اسلام کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اعتدال و توازن کا دامن تھامے رہنا چاہیئے اور ہر معاملہ میں افراط و تفریط اور فضول خرچی سے بچنا لازم و واجب ہے۔

بَابُ رُكُوبِ الْبَحْرِ

باب جہاد کے لیے بحری سفر کرنا

۲۶۹۶۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیثِ انس ذکر کی ہے جو مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۹۷۔ البتہ اس حدیث میں اتنا مضمون اور زیادہ ہے کہ حضرت ام حرام سے حضرت عبادہ بن صامت نے نکاح کر لیا تھا۔ وہ ان کو ساتھ لے کر جہاد میں شامل ہوئے۔ واپسی پر اپنے جانور پر سوار ہونے کے لیے اس کے قریب گئیں تو گر پڑیں اور ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وفات پا گئیں۔ رضی اللہ عنہا

بَابُ مَنِ اسْتَعَانَ بِالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ فِي الْحَرْبِ

باب جس نے جہاد میں ضعیفوں اور نیکوں سے مدد طلب کی

۲۶۹۷۔ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ

مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ خیال ہوا کہ ان کو دوسروں پر فضیلت ہے تو

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ (بخاری)	تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تمہارے کمزوروں ہی کے صدقے ہیں مدد ملتی ہے اور روزی دی جاتی ہے

فوائد و مسائل (۱) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ بعض صحابہ پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ یہ خیال غرور و تکبر کی بنا پر نہ تھا بلکہ ایک امر واقعہ کا اظہار تھا ـــــ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ عشرہ مبشرہ سے ہیں جنہیں بقیہ صحابہ پر فضیلت ہے۔ غزوۂ احد کے ہولناک اور ہوش ربا موقع پر آپ ثابت قدم رہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنے کے اعزاز سے مشرف رہے۔ جب کہ گھمسان کے رن کی وجہ سے اکثر مسلمان منتشر ہو گئے تھے۔ یہ فضل نوالیسا ہے کہ ان کے قدم چومنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ حضور علیہ السلام کو اپنے جسم کی آڑ میں لیکر انتہائی جوانمردی، شجاعت اور بے جگری کے ساتھ دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے۔ حتیٰ کہ حبیب خدا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو مخاطب جتا کر فرمایا۔

اِرْمِ یَا سَعْدُ فِدَاکَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ	سعد تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان ؎
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی	یہ کیا کرم تھا یہ کیا عطا تھی

لیکن حضرت سعد کا خیال بظاہر ایک گونہ ترفع اور اپنی ذات کی بڑائی کا آئینہ دار تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس واقعی ترفع کو پسند نہ فرمایا کہ یہ بات ابرار کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے آپ نے انہیں ہر حال میں عاجزی، انکساری اور تواضع کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی جو انسانیت کا جوہر اور صالحین امت کا زیور ہے ؎

شاہوں سے پوچھتی ہے تیرِ خاک عاجزی کیسی یہ تمکنت تھی یہ کیا غرور تھا

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ اولیاء امت میں صحابہ کرام کا درجہ تمام اولیاء کرام غوث قطب ابدال و اوتاد اور تمام بزرگانِ امت سے بڑا ہے۔ ان میں تکبر و غرور کا پایا جانا ممکن نہیں ہے ـــــ مگر اس موقع پر نبی علیہ السلام نے عام مسلمانوں کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ تکبر و غرور کو اپنے قریب نہ آنے دو۔ اس لیے کہ تمہیں مدد اور روزی انہیں نیک اور صالح مسلمانوں کے صدقہ میں ملتی ہے خواہ وہ ضعیف و غریب ہی ہوں کیونکہ ان کی دعائیں خلوص کا خزانہ ہوتی ہیں۔

(۳) اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں مدد اور رزق اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی وجہ سے ملتا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں سے نفع و ضرر کی امید رکھنا جائز ہے شرک نہیں ہے

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ وہابی خیال کے لوگ یہ کہتے ہیں۔ نفع و ضرر پہنچانے کی امید زندہ سے رکھنا اور زندوں سے مدد مانگنا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے مگر جو لوگ وفات پا چکے ان سے ناجائز اور شرک ہے یہ زندہ اور مردہ کی تفریق عقلاً نقلاً غلط ہے۔

زندوں سے مدد مانگنا جائز اور وفات شدہ سے شرک؟

کیونکہ جو بات شرک ہے اس کے حکم میں زندہ مردہ سب برابر ہیں۔ غیر خدا کوئی ہو (مردہ ہو یا زندہ) خدا کا شریک نہیں ہو سکتا۔ لہذا جو بات، یا فعل زندہ کے ساتھ شرک نہیں ہے یقیناً مردہ کے ساتھ بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ یہ تفرقہ و فرق کہ زندہ سے مدد چاہنا جائز اور مُردہ سے شرک' عقل و شرع دونوں کی رو سے غلط اور مضحکہ خیز ہے۔ کیا زندہ خدا کا شریک نہیں ہو سکتا، صرف مُردہ کی شرکت ممنوع و شرک ہے؟ تو اگر زندہ سے توسل اور اس سے مدد و دُعا کرانا شرک نہیں ہے تو مُردے سے توسل اور طلب دُعا اور مدد بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کا شریک نہ ہونے میں مردے زندے سب برابر ہیں ـــــــ چنانچہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دھلوی قدس سرہٗ العزیز اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں کہ اگر منکر یہ گمان کرتا ہے کہ امداد و استمداد مردے سے بوجہ توجہ ماسوائے حق ہونے کی وجہ سے منع ہے تو پھر تو توسل و طلبِ دُعا بزرگانِ دین اور دوستانِ خدا سے ان کی حالت حیات میں بھی ممنوع ہونا چاہیئے۔ حالانکہ بزرگانِ دین سے ان کی حالتِ حیات میں طلب دُعا و توسل اور مدد لینا بالاتفاق جائز و جاری ہے جیسا کہ ہم نے روح کی بحث میں بیان کیا ہے ـــــ اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تم کو رزق اور مدد اللہ تعالیٰ کے بظاہر کمزور نیک بندوں کے وسیلہ اور دُعا سے ملتی ہے۔ یہاں بھی مُردے زندے کی قید لگانا ایک لایعنی موقف ہے جو عقل و نقل کے خلاف ہے۔

۲۶۹۸۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَاْتِیْ زَمَانٌ یَغْزُوْ فِیْہِ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ فِیْکُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِیَّ فَیُقَالُ نَعَمْ فَیُفْتَحُ عَلَیْہِ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ فَیُقَالُ فِیْکُمْ مَنْ صَحِبَ اَصْحَابَ النَّبِیِّ فَیُقَالُ نَعَمْ فَیُفْتَحُ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ فَیُقَالُ فِیْکُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ اَصْحَابِ النَّبِیِّ فَیُقَالُ نَعَمْ فَیُفْتَحُ

(بخاری)

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک زمانہ آئے گا۔ جس میں لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی تو پوچھا جائیگا کہ تم میں کوئی صحابی ہے تو کہا جائے گا ہاں۔ تو انہیں فتح ہوگی۔ پھر ایک زمانہ آئیگا اور پوچھا جائیگا کہ تم میں کوئی وہ ہے جس نے اصحاب نبی کی صحبت پائی (تابعین) تو کہا جائیگا کہ ہاں۔ تو انہیں فتح ہوگی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا تو کہا جائے گا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جس نے اصحاب نبی کے اصحاب (تبع تابعین) کی صحبت پائی تو کہا جائیگا کہ ہاں تو ان کو بھی فتح ہوگی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صالحین امت کا وجود اس دنیا میں خیر و برکت فتح و نصرت کا باعث ہوتا ہے اور جو لوگ ان کی صحبت میں رہتے ہیں وہ بھی باعثِ برکت و رحمت ہو جاتے ہیں۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کو خصوصی طور پر خیر و برکت کا زمانہ قرار دیا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، صحابہ کرام کا زمانہ اور تابعین کا زمانہ رضی اللہ عنہم ـــــــ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں مَنْ صَحِبَ کی جگہ مَنْ رَاٰی کا لفظ بھی آیا ہے

اور اس میں یعنی مَن رانی کے لفظ میں رَد ہے ان منصوفہ کا جو اس امر کے قائل ہیں کہ کسی شخص نے نبی علیہ السلام کی آپ کی صورت میں زیارت نہیں کی (ذکرہ السمعانی) عینی ج ۱۴ ص ۱۸۰ - لیکن باادب گزارش ہے کہ جن صوفیاً کرام نے یہ فرمایا ہے کہ کسی نے بھی نبی علیہ السلام کی صورتِ مبارک کی زیارت نہیں کی - اس کا مطلب یہ ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی حُسن وجمال آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا

کہ جس نے زیارت کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری چہرہ اقدس کی زیارت کی ہے اور صحابی کا مرتبہ پانے کے لیے صرف نبی علیہ السلام کے ظاہری شکل وصورت کی زیارت شرعاً کافی ہے ——— اور صوفیاءِ کرام کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ کسی نے آج تک نبی علیہ السلام کے چہرہ اقدس کے حقیقی جمال وجلال کی زیارت نہیں کی اور نہ کسی آنکھ میں طاقت ہے کہ وہ حضور کے حقیقی حسن وجمال کو دیکھ سکے کیونکہ حضور کا حسن وجمال تو اللہ تعالےٰ نے صرف اپنے دیکھنے کے لیے بنایا ہے - کیا منہ ہے آئینہ کا نرِی تاب لاسکے ؎

وہ حُسن ہے ٹھہرتا نظر کا محال ہے ——— دیکھے رُخِ نبی کسے تاب مجال ہے

تفسیر جلالین میں ہے کہ کوئی انسان فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل) میں نہیں دیکھ سکتا ——— ابن سعد وبیہقی حضرت عمار سے راوی ہیں کہ حضرت حمزہ سید الشہداء نے بحضور نبوت عرض کی - میں جبرئیل امین کو دیکھنا چاہتا ہوں - فرمایا کہ تم نہیں دیکھ سکتے - اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ اَنْ تَرَاهُ - لیکن حضرت حمزہ نے اصرار کیا تو فرمایا دیکھو - حضرت حمزہ نے صرف حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے پاؤں دیکھے تھے - فَخَرَّ مُغْشِيًا تو بے ہوش ہو کر گر گئے (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۵) اور مثنوی میں عارف رومی قدس سرالعزیز اس حدیث کو نقل کرتے ہیں - حضور جلوہ فرما تھے تو ابوجہل آیا اور کہا آپ بہت بدصورت ہیں (معاذ اللہ) حضور نے فرمایا - سچ کہتے ہو - پھر صدیقِ اکبر آئے - عرض کی میں نے آپ جیسا حسین نہیں دیکھا - حضور نے فرمایا سچ کہتے ہو - حاضرینِ مجلس نے عرض کی دونوں کی بات کیونکر سچ ہو سکتی ہے؟ کیونکہ دونوں میں تضاد ہے - نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا ؎

گفت من آئینہ مصقول دوست ——— دوست و دشمن آنچہ مے بیند کہ اوست

کہ میں تو اپنے رب کا صیقل کیا ہوا آئینہ ہوں - دوست و دشمن جو آتا ہے اس میں اپنا ہی چہرہ دیکھتا ہے ——— ابوجہل نے اس آئینہ خداوندی میں اپنی صورت جسے کفر وشرک کی ظلمت نے بدشکل کر دیا، دیکھی اور اپنی بدشکلی بیان کی اور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آئینہ حق میں اپنی شکل دیکھی جسے ایمان و ایقان اور عشقِ نبوت نے چار چاند لگا دیئے تھے - انھوں نے اپنی شکل کی خوبصورتی بیان کر دی ——— تو نہ تو ابوجہل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی حسن وجمال کو دیکھ سکا - نہ اصدق الصادقین سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ دیکھ پائے - اس لیے صوفیاءِ کرام کا یہ ارشاد بالکل حق وصواب ہے کہ نبی علیہ السلام کی حقیقی صورت اور آپ کا حقیقی حسن وجمال کسی آنکھ نے نہیں دیکھا - جس نے دیکھا حضور کی ظاہری صورت ہی کو دیکھا ——— حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے

لَمَّا نَظَرْتُ اِلٰی اَنْوَارِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعْتُ کَفِّیْ عَلٰی عَیْنَیَّ خَوْفًا مِنْ ذِھَابِ بَصَرِیْ

(جواہر البحار ج ۲ ص ۳۴۷)

چہرہ مبارک کے انوار اور جمال و جلال پر میری نظر پڑی تو میں نے اپنی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ لی اس خوف سے کہ کہیں میری آنکھوں کی روشنی نہ چلی جائے ؎

حسن ہے بے مثل صورت لاجواب
میں فدا تم پر آپ ہو اپنا جواب

تو جب چہرہ نبوت کے جمال و جلال کی یہ کیفیت تھی تو پھر کس میں طاقت تھی کہ نبی علیہ السلام کے حقیقی جمال کو دیکھ سکتا ؎

ایک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
تو اگر جلوہ کرے کون تماشائی ہو

بَابٌ لَا یَقُوْلُ فُلَانٌ شَھِیْدٌ

باب یہ نہ کہو کہ وہ قطعاً شہید ہے

قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَنْ یُّجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِہٖ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَنْ یُّکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِہٖ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں زخم کھاتا ہے

۲۶۹۹۔ عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْتَقٰی ھُوَ وَالْمُشْرِکُوْنَ فَاقْتَتَلُوْا فَلَمَّا مَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی عَسْکَرِہٖ وَمَالَ الْاٰخَرُوْنَ اِلٰی عَسْکَرِھِمْ وَفِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا یَدَعُ لَھُمْ شَاذَّۃً وَّلَا فَاذَّۃً اِلَّا اتَّبَعَھَا یَضْرِبُھَا بِسَیْفِہٖ فَقَالَ مَا اَجْزَاَ مِنَّا الْیَوْمَ اَحَدٌ کَمَا اَجْزَاَ فُلَانٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّہٗ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ اَنَا صَاحِبُہٗ فَخَرَجَ مَعَہٗ کُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَہٗ وَاِذَا اَسْرَعَ اَسْرَعَ مَعَہٗ قَالَ فَجُرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِیْدًا

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اصحاب کے ساتھ احد یا خیبر کی لڑائی میں) مشرکین سے مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ چھڑ گئی۔ پھر جب حضور اکرم اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین اپنے پڑاؤ کی طرف تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے ساتھ ایک شخص تھا۔ لڑائی کے دوران اس کا یہ حال تھا کہ اگر کسی اکیلے یا بھاگنے والے کو دیکھتا تو اس کا پیچھا کر کے اپنی تلوار سے اسے قتل کر دیتا۔ مجاہدین میں سے ایک شخص نے کہا۔ یہ شخص جس طرح لڑا ہے ہم میں کوئی بھی اس طرح نہ لڑ سکا ہوگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیکن یہ شخص تو جہنمی ہے۔ مجاہدین میں سے ایک شخص نے کہا میں اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ تو وہ اس کے ساتھ چلے۔ جب وہ رکتا تو وہ بھی رک

فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ آنِفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذَلِكَ فَقُلْتُ أَنَا لَكُمْ بِهِ فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ ثُمَّ جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ فِي الْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ

(بخاری)

جاتے اور جب وہ دوڑتا تو یہ بھی دوڑتے ـــــ پھر اس شخص کو سخت زخم لگا تو اس نے جلد موت چاہی اپنی تلوار کے دستہ کو زمین پر رکھا اور تلوار کی نوک اپنی چھاتی کے درمیان۔ پھر اس پر گر کر اپنے آپ کو قتل کر ڈالا۔ پھر یہ تحقیق کرنے والے مجاہد بحضور نبوت حاضر آئے اور عرض کی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضور نے فرمایا کیا بات ہے ان صاحب نے عرض کی ابھی حضور نے جس شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے۔ لوگوں پر یہ بات گراں گزری تھی تو میں نے (مجاہدین) سے کہا تھا کہ میں اس کو دیکھتا ہوں میں اس کی ٹوہ میں چلا۔ پھر وہ سخت زخمی ہوا اور جلدی موت چاہی۔ اس نے اپنی تلوار کا قبضہ زمین پر رکھا اور اس کی نوک اپنی چھاتی کے بیچ میں پھر اس پر گر کر اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص بظاہر جنتیوں کے سے کام کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور ایک شخص بظاہر جہنمیوں کے سے کام کرتا ہے مگر وہ جنتی ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام بخاری نے مغازی اور مسلم نے ایمان اور قدر میں ذکر کیا ہے (۲) شاذہ اسے کہتے ہیں جو قوم کے ساتھ رہے اور پھر علیحدہ ہو جائے۔ فاذہ وہ ہے جو قوم کے ساتھ بالکل نہ رہے (۳) وہ شخص بہت جوانمردی سے کفار کے ساتھ قتال کر رہا تھا۔ اس کے ظاہری حال کو دیکھ کر مجاہدین میں سے ایک شخص نے کہا کہ جس دلیری سے یہ لڑ رہا ہے ہم سے کوئی اس طرح نہیں لڑ سکا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تو دوزخی ہے۔ یہ بات چونکہ ظاہر کے خلاف نظر آتی ہے اس لیے لوگوں کو تعجب ہوا۔ ایک صاحب اس کی ٹوہ میں رہے اور دیکھا کہ اس نے خودکشی کر لی ـــــ حضور کا اس کو جہنمی قرار دینا یا اس بنا پر ہے کہ وہ منافق تھا یا یہ مراد ہے کہ خودکشی گناہِ کبیرہ ہے۔ اس وجہ سے یہ جہنم میں جائیگا۔ پھر نکالا جائیگا ـــــ نیز نبی علیہ السلام نے ایک اصولی بات بیان فرمائی۔ کہ ایک شخص جنتیوں کے سے کام کرتا ہے مگر وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک شخص جہنمیوں کے سے کام کرتا ہے اور وہ جنتی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محض اچھے یا بُرے کام کرنے کی وجہ سے کسی کے قطعی طور پر جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

کیونکہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے لیکن شریعت ظاہر پر حکم لگاتی ہے اس لیے جو جہاد میں قتل ہوا اس کے ساتھ شہیدوں جیسا معاملہ کیا جائے گا ـــــ یہ واقعہ غزوہ خیبر کا ہے کیونکہ امام بخاری نے اسی سند اور متن کے ساتھ اس حدیث کو غزوہ خیبر میں بھی ذکر کیا ہے ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ اعمال کا ثواب حسنِ نیت پر موقوف ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر کے ذریعہ بھی اپنے دین کی حفاظت کرالیتا ہے۔

(۴) بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ جس شخص نے جہاد میں زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کی، نبی علیہ السلام نے اسے جہنمی قرار دیا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس واقعہ کا تعلق خیبر سے بتایا ہے اور ابن جوزی نے کہا ہے کہ واقعہ غزوہ اُحد میں ہوا۔ جس شخص نے خودکشی کی اس کا نام (قُزمانُ) تھا۔ اس کا شمار منافقین میں ہوتا تھا۔ یہ ابتداءً غزوہ احد میں شامل نہیں ہوا۔ پھر عورتوں کے شرم دلانے پر پہلی صف میں کھڑے ہو کر پہلا تیر چلایا اور جب گھمسان کے رن کی وجہ سے بہت سے مسلمان منتشر ہو گئے تو خودکشی کرلی اور کہا کہ بھاگنے کی بہ نسبت مرجانا بہتر ہے ـــــ حضرت قتادہ نے اسے کہا کہ تجھے شہادت مبارک ہو۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں دین کے لیے نہیں بلکہ اپنے قبیلے کی عزت آبرو بچانے کے لیے لڑا ہوں۔ پھر اس نے زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کرلی۔ اسی موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد ایک فاسق و فاجر شخص سے بھی کرالیتا ہے۔ (عینی ج ۱۴ ص ۱۸۱)

(۵) علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا لہٰذا یہ شخص اہلِ جنت سے ہے۔ اگرچہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے متعدد جواب دیے ہیں مثلاً یہ کہ حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی علم ہو گیا تھا کہ یہ مومن نہیں ہے یا یہ کہ وہ خودکشی کو حلال سمجھ کر مرتد ہو جائے گا یا یہ کہ حضور کے ارشاد وہ دوزخی ہے کا مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمان پہلے دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور پھر سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے! اس کے بعد علامہ عینی فرماتے ہیں۔ اگر علامہ کرمانی اس بات پر مطلع ہو جاتے کہ اس شخص کا شمار منافقوں میں ہوتا تھا اور اس شخص نے یہ کہا تھا کہ میں دین کے لیے نہیں لڑا ہوں تو اپنی قوم کے وقار کے لیے لڑا ہوں تو علامہ کرمانی کو ایسی تاویلات کی ضرورت نہ پڑتی (عینی ج ۱۴ ص ۱۸۱) ـــــ باادب گزارش ہے کہ علامہ کرمانی نے جو یہ فرمایا کہ خودکشی گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا ـــــ تو نبی علیہ السلام نے یہ کہاں فرمایا کہ وہ شخص کفر کی وجہ سے جہنمی ہے۔ جب ارشادِ نبوت میں کفر کی وجہ سے جہنمی ہونے کی تصریح نہیں ہے تو پھر ارشادِ نبوت کا مطلب یہ قرار پائے گا کہ وہ شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے گا اس لیے جہنمی ہے اور سزا بھگت کر جہنم سے نکالا جائے گا۔ جیسا کہ عام گنہگار مسلمان سزا بھگت کر جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔

خودکشی حرام وگناہِ کبیرہ ہے مگر اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا بھی فرض ہے

(۶) خودکشی حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔ خودکشی کرنے والا اگر صحیح العقیدہ مسلمان ہو تو اسے غسل وکفن دیا جائے گا۔ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ ضابطہ شرعی یہی ہے کہ ہر مسلمان کا نمازِ جنازہ پڑھنا فرضِ کفایہ ہے۔ فرضِ کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے

اگر کسی مسلمان نے اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ایک مسلمان نے بھی پڑھ لی تو سب کی طرف سے کافی ہوگی ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھاتے تھے۔ البتہ بعض اوقات آپ نے زجر و توبیخ کی بنا پر بعض لوگوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی تاکہ لوگوں کو اس حرام فعل سے بچنے کا جذبہ پیدا ہو اور یہ احساس ہو کہ ان خلافِ شریعت افعال کا مرتکب شخص نبی علیہ السلام کے نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت سے محروم ہو سکتا ہے۔ اس حکمت کی بنا پر آپ نے بعض ایسے مسلمانوں کی جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے خود نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی اور عام مسلمانوں کو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا بلکہ حکم دیا کہ تم لوگ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لو ——— حضرت جابر سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے خودکشی کرنے والے کا نمازِ جنازہ نہیں پڑھا۔ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ (مسلم ج ۱ صہ ۳۱۴) علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ اِنَّہٗ اِمْتَنَعَ زَجْرًا لِغَیْرِہٖ عَنْ مِثْلِ ھٰذَا الْفِعْلِ کَمَا اِمْتَنَعَ عَلَی الصَّلٰوۃِ الْمَدْیُوْنِ (ردالمختار ج ۱ صہ ۵۸۴) علامہ نووی شارح مسلم اسی مضمون کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے خود نمازِ جنازہ نہیں پڑھی زجر و توبیخ کے لیے کہ لوگ خودکشی جیسے گناہ کبیرہ سے بچیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ابتداءِ اسلام میں نبی علیہ السلام نے اس مسلمان کا جنازہ نہیں پڑھا جس پر کسی کا قرض تھا۔ اور وہ اس نے ادا نہ کیا تھا۔ تاکہ لوگ قرض کی ادائیگی میں سستی نہ کریں۔ لیکن آپ نے صحابہ کو حکم دیا۔ صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ اپنے مسلمان ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو (نووی ج ۱ صہ ۳۱۴) ——— الغرض ہر صحیح العقیدہ مسلمان کا خواہ وہ کسی بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب رہا ہو جنازہ پڑھنا لازم ہے اور شرح عقائد میں ہے۔

مسلمان خواہ کیسا ہی گنہگار رہا ہو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

وَیُصَلّٰی عَلٰی کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ اِذَا مَاتَ عَلَی الْاِیْمَانِ لِلْاِجْمَاعِ وَلِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَا تَدَعُوا الصَّلٰوۃَ عَلٰی مَنْ مَّاتَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ (شرح عقائد صہ ۱۱۵)

یعنی ہر فاسق و فاجر کا نمازِ جنازہ پڑھیں گے جب کہ وہ مسلمان ہو اس پر اجماع ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر اس شخص کا نمازِ جنازہ پڑھو جو اہلِ قبلہ سے ہو۔

کتاب الآثار میں امام محمد علیہ الرحمہ نے بھی اس امر کی تصریح فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے۔ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

الغرض اس مسئلہ میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے (ردالمختار ج ۱ صہ ۵۸۱) طحاوی علی المراقی صہ ۳۷۷ قاضی خان ج ۱ صہ ۹۵ طحاوی صہ ۴۹۷ عالمگیری ج ۱ صہ ۸۳ شامی ج ۱ صہ ۵۸۴ فتح القدیر ج ۱ صہ ۱۱۶ وغیرہ۔ کتب فقہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ ہر مسلمان (صحیح العقیدہ) کا نمازِ جنازہ پڑھنا لازم و ضروری ہے ——— البتہ اگر کوئی بزرگ عالم یا پیر جس کی عوام میں بوجہ تقویٰ و طہارت و پارسائی قدر و منزلت ہو وہ اگر بطور زجر و توبیخ کبیرہ گناہ کے مرتکب کی نمازِ جنازہ نہ پڑھے تاکہ عوام میں اس گناہ سے نفرت ہو تو اس میں حرج نہیں جیسا کہ امام نووی علیہ الرحمۃ نے شرح مسلم ج ۱ صہ ۳۱۴ پر لکھا ہے

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلَى الرَّمْيِ وَقَوْلِ اللّٰهِ وَاَعِدُّوْا

باب تیراندازی پر ابھارنا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد

لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ

جتنی ہو سکے قوت مہیا کرو اور گھوڑے باندھو جس سے اللہ اور اپنے دشمن کو ڈراؤ

۲۷۰۰۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْاَكْوَعِ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى نَفَرٍ مِّنْ اَسْلَمَ يَنْتَضِلُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْمُوْا بَنِيْ اِسْمَاعِيْلَ فَاِنَّ اَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا وَّ اَنَا مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ قَالَ فَاَمْسَكَ اَحَدُ الْفَرِيْقَيْنِ بِاَيْدِيْهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكُمْ لَا تَرْمُوْنَ قَالُوْا كَيْفَ وَاَنْتَ مَعَهُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْمُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ (بخاری)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسلم کے ایک گروہ پر گزرے جو آپس میں تیراندازی کی مشق کر رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنی اسماعیل تیر چلاؤ کہ تمہارے باپ بھی تیرانداز تھے اور میں بنی فلاں کے ساتھ ہوں۔ یہ سُن کر دوسرے گروہ نے اپنا ہاتھ روک لیا تو رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا بات ہے تم لوگ تیر نہیں چلاتے تو انھوں نے عرض کی۔ کیسے تیر چلائیں جب کہ حضور ان کے ساتھ ہیں۔ یہ سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیراندازی جاری رکھو میں تم سب کیساتھ ہوں۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کی شرارتوں سے ملک و ملت کو محفوظ رکھنے کے لیے جنگی مشقیں جاری رکھنی چاہئیں۔

(۲) آیت میں (قوت) سے مراد ہر وہ سامان حرب و ضرب ہے جو لڑائی میں فائدہ مند ہو اور حدیث میں (قوۃ) کی تفسیر جو تیراندازی سے کی گئی ہے وہ اس دور کے اعتبار سے تھی۔ اس زمانہ میں تیراندازی کا فن بہت اہمیت رکھتا تھا۔

۲۷۰۱۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ اَبِيْ اُسَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ حِيْنَ صَفَفْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفُّوْا لَنَا اِذَا اَكْثَبُوْكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبْلِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ اَكْثَبُوْكُمْ يَعْنِيْ اَكْثَرُوْكُمْ (بخاری)

حضرت حمزہ بن ابی اسید اپنے والد سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر جب کہ ہم قریش کے مقابلہ میں صف بستہ ہو گئے اور وہ ہمارے مقابلہ میں تو حضور نے فرمایا۔ جب قریش تم پر ہجوم کر آئیں تو تم ان پر تیر چلاؤ۔ ——— تاکہ دشمن کا زور ٹوٹ جائے اور وہ اول مرحلہ ہی میں مرعوب ہو جائے۔

بَابُ اللَّهْوِ بِالْحِرَابِ وَنَحْوِهَا

باب نیزے وغیرہ سے مشق کرنا

۲۷۰۲- عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَا الْحَبَشَةُ یَلْعَبُوْنَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِحِرَابِهِمْ دَخَلَ عُمَرُ فَاَهْوٰی اِلَی الْحَصٰی فَحَصَبَهُمْ بِهَا فَقَالَ دَعْهُمْ یَا عُمَرُ وَزَادَ عَلِیٌّ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ فِی الْمَسْجِدِ

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حبشی نبی علیہ السلام کے پاس اپنے چھوٹے نیزوں سے مشق کر رہے تھے کہ حضرت عمر آگئے اور کنکری لی اور انہیں مارا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ عمر انہیں چھوڑ دو اور بطریق علی روایت میں یہ ہے کہ یہ مشق مسجد میں کر رہے تھے (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ تلواروں، برچھیوں، نیزوں وغیرہ سامانِ حرب سے مشق کرنا اور مسجد میں کرنا جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ حضرت عمر کا کنکری مارنا اس بنا پر تھا کہ ان کو خیال ہوا حضور نے بوجہ شفقت ان کو منع نہیں فرمایا ہے۔ حضرت عمر اس وقت تک اس امر سے واقف نہ تھے کہ حضور کے سامنے اور مسجد میں مشق کرنے میں حرج نہیں ہے اسلئے احترامِ نبوت کا لحاظ فرماتے ہوئے کنکری ماری اور حضور کے سامنے اور مسجد میں جنگی مشق کو مناسب نہ سمجھا تھا۔

بَابُ الْمِجَنِّ وَمَنْ تَتَرَّسَ بِتُرْسِ صَاحِبِهٖ

باب ڈھال کا بیان اور جو اپنے ساتھی کی ڈھال میں اپنے کو چھپائے

۲۷۰۳- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَّضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ یَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْیِ فَكَانَ اِذَا رَمٰی تَشَرَّفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَنْظُرُ اِلٰی مَوْقِعِ نَبْلِهٖ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ڈھال میں چھپائے ہوئے تھے اور ابوطلحہ اچھے تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سرِ اقدس اٹھا کر ان کے تیر گرنے کی جگہ ملاحظہ فرماتے۔ (بخاری)

(۱) یہ واقعہ غزوہ اُحد کا ہے۔ حضرت ابوطلحہ کے دونوں ہاتھ تیر اندازی میں مصروف تھے۔ اس لیے حضور نے اپنے ساتھ ان کو بھی ڈھال میں چھپا لیا۔ حضرت ابوطلحہ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ جب حضور سرِ مبارک اٹھا کر جنگ کا منظر دیکھنا چاہتے تو حضرت طلحہ عرض کرتے سرکار میرے ماں باپ آپ پر قربان سر نہ اُٹھائیں کہیں کوئی تیر آپ کے نہ لگ جائے۔

(۲) دونوں داڑھوں کے اغل بغل جو دانت ہوتے ہیں انہیں رباعیہ کہتے ہیں۔ غزوہ اُحد میں عتبہ بن ابی وقاص نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو زخمی کیا تھا اور ابن قمیہ نے تیر مارا تھا اور اس فعلِ بد پر فخر بھی کرتا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تجھے جہنم میں داخل کرے۔ اس واقعہ کے بعد یہ بکریوں کے ریوڑ میں داخل ہوا تو ایک جانور نے اس کو سینگ مار کر ختم کر دیا۔ اس موقع پر ابی بن خلف نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر چلانا چاہا اور حضرت ابوطلحہ بیچ میں حائل ہونے لگے تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوطلحہ تم جہاں ہو وہیں رہو۔ پھر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر تیر چلایا جو اس کے

سینہ میں زرہ کی جالی میں جا لگا اور مر گیا۔

۲۷۰۴۔ عَنْ سَهْلٍ قَالَ لَمَّا كُسِرَتْ بَيْضَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَاسِهٖ وَاُدْمِيَ وَجْهُهٗ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهٗ وَكَانَ عَلِيٌّ يَخْتَلِفُ بِالْمَاءِ فِي الْمِجَنِّ وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَغْسِلُهٗ فَلَمَّا رَأَتِ الدَّمَ يَزِيْدُ عَلَى الْمَاءِ كَثْرَةً عَمَدَتْ اِلٰى حَصِيْرٍ فَاَحْرَقَتْهَا وَاَلْصَقَتْهَا عَلٰى جُرْحِهٖ فَرَقَاَ۔

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود سر مبارک پر ٹوٹ گیا اور چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا اور آپ کے آگے کے دانت شہید ہو گئے تو علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں بھر بھر کر پانی لاتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم کو دھوتیں۔ جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ خون کا نکلنا اور زیادہ بڑھتا جا رہا ہے تو ایک چٹائی جلائی اور اسے زخم پر چپکا دیا۔ اور خون بند ہو گیا۔

۲۷۰۵۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيْرِ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً فَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَتِهٖ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بنی نضیر کے اموال پر اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا تھا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور سواریاں نہیں دوڑائی تھیں۔ بہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے۔ اس میں سے اپنے اہل کا خرچ سال بھر کے لیے نکال لیتے پھر مابقی کو ہتھیار اور گھوڑے میں صرف فرماتے تاکہ جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

مال فئ اور غنیمت کا بیان

(۱) جو اموال کفار سے بذریعہ جنگ و قہر و غلبہ حاصل ہوں ان کو غنیمت کہتے ہیں غنیمت کا حکم سورہ انفال کی آیت نمبر ۴۱ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کر دیے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں جمع کر کے یتیموں مسکینوں مسافروں اور مسلمانوں کے عام رفاعی کاموں میں خرچ کیا جائے گا ــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء سے افضل کیا ہے اور میری امتوں کو تمام امتوں سے افضل کیا اور ہمارے لیے مال غنیمت حلال کیا (ترمذی)

(۲) اور فئ اس مال کو کہتے ہیں جس کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو کوئی مشقت (جنگ) وغیرہ نہ کرنی پڑے جیسا کہ سورہ حشر ۶ میں ارشاد باری ہے :-

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ الخ

اور جو غنیمت دلائی اللہ نے ان سے اپنے رسول کو تو تم نے ان پر اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ

غزوہ اُحد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا۔ بنی نضیر نے خود پیش کش کی کہ ہمیں مدینہ سے باہر

جانے دیا جائے اور یہ اجازت دی جائے کہ ہم اپنے جتنے اموال لے جاسکیں لے جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمالیا۔ اسی کے مطابق بنی نضیر جتنے اپنے مال و متاع اپنے ہمراہ لے جاسکے لے گئے اور جو بچ رہا یہ "فی" قرار پایا یعنی کفار سے وہ مال جو بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ مال فی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور کے زیر تصرف دیا۔ جیساکہ حدیث ہذا میں حضرت عمر نے تصریح فرمائی ہے۔

(۳) حدیث زیر بحث کو حضرت امام مسلم نے مغازی میں، ابو داؤد نے جراع اور ترمذی نے جہاد، نسائی نے عشرۃ النسآء اور قسم الفی اور تفسیر میں ذکر کیا ہے

(۴) لم یوجف کے حاصل معنیٰ یہ ہیں کہ گھوڑوں، اونٹوں وغیرہ سے کام نہیں لینا پڑا (کدار) گھوڑے،

۲۷۰۶/۲۷۰۷- قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفَدِّيْ رَجُلًا بَعْدَ سَعْدٍ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ (بخاری)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے بعد کسی شخص کو فداک ابی وامی کہا ہو۔ میں نے سنا حضور فرماتے تھے (اے سعد) تیر چلاؤ۔ تم پر میرے والدین فدا

(۱) فداک ابی وامی کے حقیقی معنیٰ یہ ہیں کہ اپنی جان کسی کی جان بچانے کے لیے قربان کر دینا۔ مگر یہاں اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہیں بلکہ غایت محبت و یگانگت کے لیے یہ جملہ استعمال ہوا ہے اور جس سے قلبی محبت ہو اس کے لیے مذکورہ بالا جملہ استعمال کرتے ہیں۔

---

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے ورنہ یہی جملہ حضور علیہ السلام نے حضرت زبیر کے لیے بھی استعمال فرمایا ہے جیساکہ بخاری ہی میں باب غزوہ خندق میں مروی ہے (بخاری خصائل صحابہ مناقب زبیر ص۵۲۷) شارح مسلم علامہ نووی علیہ الرحمہ نے تصریح کی ہے کہ حضور نے ان دو صحابیوں کے علاوہ بھی یہ جملہ استعمال فرمایا ہے (جس کا مقصد صرف لطف و کرم محبت و شفقت اور تعلق خاص کا اظہار ہے (عینی ج ۱۴ ص۱۸۶)

(۳) اس موقع پر علامہ خطابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں جو موقع و محل بحث چھیڑی ہے وہ غلط اور واقعہ کے خلاف ہے۔ راقم ان کی اس بات پر بحث کرنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔

(۴) حدیث کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ فداک ابی وامی جملہ کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہے۔ یہ جملہ کسی سے نہایت محبت اور قلبی یگانگت کے لیے بولا جاتا ہے اور اس جملہ کا استعمال جائز ہے۔

۲۷۰۸- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهٗ فَدَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِيْ وَقَالَ مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور میرے ہاں تشریف لائے۔ دو بچیاں میرے پاس جنگ بعاث کے اشعار گا رہی تھیں۔ آپ بستر پر جلوہ فرما ہوگئے اور چہرہ مبارک دوسری طرف کر لیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ آگئے اور آپ نے مجھے ڈانٹا کہ یہ شیطانی

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْهُمَا فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا قَالَتْ وَكَانَ يَوْمَ عِيْدٍ يَلْعَبُ السُّوْدَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ فَاِمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِمَّا قَالَ لِيْ اَتَشْتَهِيْنَ اَنْ تَنْظُرِيْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَاَقَامَنِيْ وَرَاءَهٗ خَدِّيْ عَلٰى خَدِّهٖ وَيَقُوْلُ دُوْنَكُمْ بَنِيْ اَرْفِدَةَ حَتّٰى اِذَا مَلِلْتُ قَالَ حَسْبُكِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاذْهَبِيْ قَالَ اَحْمَدُ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ فَلَمَّا غَفَلَ

(بخاری)

گانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تو حضور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ انہیں گانے دو، پھر جب ابوبکر صدیق دوسری طرف متوجہ ہو گئے تو میں نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عید کے دن سوڈان کے کچھ صحابہ ڈھال اور حراب کے کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اب یا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا آپ ہی نے فرمایا کہ تم بھی دیکھنا چاہتی ہو۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ میری ٹھوڑی آپ کے چہرہ پر تھی اور آپ فرما رہے تھے۔ ارفدہ کے بیٹو کھیلو۔ جب میں تھک گئی (دیکھتے دیکھتے) تو آپ نے فرمایا، بس! میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا تو پھر جاؤ۔

(۱) یہ حدیث (ابواب العیدین باب الحراب) میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ وہ بچیاں جنگ بعاث کے واقعات پر مشتمل اشعار گا رہی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر کا انہیں شیطانی گانا کہنا حضور علیہ السلام کے غایت احترام کی بنیاد پر تھا۔ ورنہ ان اشعار میں کوئی ناجائز بات نہ تھی ——— اور حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے سوڈانیوں کے کرتب دکھائے۔ یہ کوئی ہمارے زمانے کا کھیل تماشہ (ڈرامہ) نہ تھا بلکہ یہ ایک قسم کی جنگی مشق تھی جس کا مظاہرہ مسجد میں بھی جائز ہے۔

(۲) بنی ارفدہ، ان سوڈانیوں کا جو جنگی کرتبوں کا مظاہرہ کر رہے تھے، لقب تھا۔ بعض نے کہا ان کے جدِ اعلیٰ یا دادا کا نام ارفدہ تھا۔ اسی طرف ان کی نسبت ہے۔

بَابُ الْحَمَائِلِ وَتَعْلِيْقِ السَّيْفِ بِالْعُنُقِ

۲۷۰۹۔ باب تلوار گلے میں لٹکانا

اس عنوان کے تحت امام نے حدیثِ انس لکھی ہے جو اوپر کئی بار گزر چکی ہے ملاحظہ کیجیے حدیث ۲۶۲۴

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حِلْيَةِ السُّيُوْفِ

باب تلواروں کی زیب و زینت کے متعلق

۲۷۱۰۔ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ حَبِيْبٍ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ يَقُوْلُ لَقَدْ فَتَحَ الْفُتُوْحَ قَوْمٌ مَا كَانَتْ حِلْيَةُ سُيُوْفِهِمُ الذَّهَبَ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قوم (صحابہ رضی اللہ عنہم) فتح پر فتح حاصل کرتے گئے اور ان کی تلواروں پر سونے اور چاندی کا کام نہیں ہوتا تھا۔ ان کی تلواروں

وَالْفِضَّةَ اِنَّمَا كَانَتْ حِلْيَتُهُمُ الْعَلَابِيَّ وَالْاٰنُكَ وَالْحَدِيْدَ

کا اونٹ کی پشت کا چمڑہ، سیسہ اور لوہا زیور تھا (بخاری)

علامہ اوزاعی نے فرمایا کہ علابی غیر مدبوغ کھال کو اور الانک سیسہ کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَنْ عَلَّقَ سَيْفَهٗ بِالشَّجَرِ فِى السَّفَرِ عِنْدَ الْقَائِلَةِ

جس نے بحالت سفر اپنی تلوار قیلولہ کے وقت درخت سے لٹکائی

۲۷۱۱- اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ وَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَاِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَاَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلٰثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ (بخاری)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کے اطراف میں ایک غزوہ میں شریک تھے۔ جب حضور مہم سے واپس ہوئے تو آپ کے ساتھ میں بھی واپس ہوا۔ راستے میں قیلولہ کا وقت ایک ایسی وادی میں ہوا جس میں ببول کے درخت بکثرت تھے۔ حضور اکرم نے اسی وادی میں پڑاؤ کیا اور صحابہ منتشر ہوکر درختوں کے سایہ میں چلے گئے۔ حضور اکرم نے بھی ایک ببول کے سایے تلے قیام فرمایا اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی۔ ہم سب سو چکے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو ایک اعرابی آپ کے پاس تھا۔ حضور نے فرمایا اس نے میری ہی تلوار مجھ پر کھینچ لی تھی اور میں سویا ہوا تھا۔ جب بیدار ہوا تو ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے کہا مجھ سے تمہیں کون بچائیگا؟ میں نے کہا کہ اللہ! تین مرتبہ (میں نے اسی طرح کہا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی) حضور اکرم نے اعرابی کو سزا نہیں دی اور آپ بیٹھ گئے۔

فوائد و مسائل (۱) تلوار وغیرہ ہتھیاروں پر سونے چاندی کا کام جائز ہے عموماً اس زمانہ میں چاندی سونے کا کام دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ ابتداء اسلام میں اگرچہ تلوار وغیرہ پر سونے چاندی کے کام نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے بعد ہونے لگے۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام کی تلوار پر چاندی کا کام تھا۔ ہشام بن عروہ بن زبیر نے عبد الملک کے عہد حکومت میں اس کی قیمت لگوائی تو تین ہزار لگائی گئی (بخاری باب غزوۃ البدر صـ۵٦٦)
—— امام بخاری کے نزدیک یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے اور انہوں نے اس واقعہ کو اسی غزوہ میں

ذکر کیا ہے (۲) اس واقعہ کے سلسلے میں سیر کی ایک روایت یہ ہے کہ جب تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست مبارک میں لے لیا اور فرمایا آج تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ اس نے عرض کیا کوئی نہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا جا چلا جا۔ اس نے منہ پھیر کر کہا۔ آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ پھر بعد میں مشرف باسلام ہو گیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنی قوم میں آیا اور انہیں بھی اسلام کی دعوت دی۔

(۳) یہ حدیث حضور کے رسول برحق، شجاع، دلیر اور متوکل علی اللہ ہونے کی آئینہ دار ہے۔

بَابُ لُبْسِ الْبَيْضَةِ

باب خود پہننا

۲۷۱۲۔ عَنْ سَهْلٍ اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ جُرْحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ فَقَالَ جُرِحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُسِرَتْ رُبَاعِيَتُهُ وَهُشِمَتِ الْبَيْضَةُ عَلٰى رَاْسِهٖ فَكَانَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَغْسِلُ الدَّمَ وَ عَلِيٌّ يُمْسِكُ فَلَمَّا رَاَتْ اَنَّ الدَّمَ لَا يَزِيْدُ اِلَّا كَثْرَةً اَخَذَتْ حَصِيْرًا فَاَحْرَقَتْهُ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا ثُمَّ اَلْزَقَتْهُ فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ

(بخاری)

حضرت سہل بن ساعدی سے احد کی لڑائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر زخم آئے تھے۔ آپ کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے تھے اور خود آپ کے سر مبارک پر ٹوٹ گئی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خون دھو رہی تھیں اور علی کرم اللہ وجہہ پانی ڈال رہے تھے۔ جب فاطمہ نے دیکھا کہ خون برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے تو آپ نے ایک چٹائی جلائی اور جب وہ بالکل راکھ ہو گئی تو راکھ کو آپ کے زخموں پر لگا دیا۔ جس سے خون بہنا بند ہوا۔

(حدیث نمبر ۲۷۰۳ ملاحظہ فرمائیے۔

مَنْ لَّمْ يَرَ كَسْرَ السِّلَاحِ عِنْدَ الْمَوْتِ

باب جس نے بوقت موت ہتھیار توڑنے کو جائز نہ سمجھا

۲۷۱۳۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَةً بَيْضَاءَ وَ اَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً

(بخاری)

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (وصال کے بعد) اپنے ہتھیار، ایک سفید خچر اور ایک قطعہ اراضی جسے آپ پہلے ہی صدقہ کر چکے تھے، کے سوا اور کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی

زمانہ جاہلیت میں عرب کا دستور تھا کہ جب کسی قبیلہ کا سردار یا قبیلہ کا کوئی بہادر مر جاتا تو اس کے ہتھیار توڑ دیے جاتے اور جانور ہلاک کر دیے جاتے۔ یہ عمل وہ اس امر کے اظہار کے لیے کرتے تھے کہ اب ان ہتھیاروں کا حقیقی معنوں میں استعمال کرنے والا باقی نہیں رہا ——— امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضور کے وصال کے بعد آپ کے متروکات

کا ذکر کرکے یہ بتایا ہے کہ اسلام میں اس قسم کی رسم کا کوئی جواز نہیں ہے۔

بَابُ تَفَرُّقِ النَّاسِ عَنِ الْإِمَامِ

باب قیلولہ کے وقت مجاہدین کا امام سے

عِنْدَ الْقَائِلَةِ وَالْإِسْتِظْلَالِ بِالشَّجَرِ الگ ہو جانا اور درختوں کا سایہ حاصل کرنا

۲۷۱۴
۲۷۱۵ ۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ وہ ایک غزوہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک تھے۔ قیلولہ کا وقت ہوگیا۔ تو صحابہ سایہ کی تلاش میں متفرق ہوگئے اور نبی علیہ السلام ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوتے اور تلوار درخت سے لٹکادی۔ پھر آپ بیدار ہوئے۔

وَرَجُلٌ عِنْدَهٗ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ سَيْفِيْ فَقَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قُلْتُ اللّٰهُ فَشَامَ السَّيْفَ وَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ (بخاری)

وہاں ایک شخص تھا جس کی طرف آپ نے توجہ نہ فرمائی حضور نے فرمایا اس شخص نے میری تلوار کھینچ لی اور کہا تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ میں نے کہا اللہ۔ پھر اس نے تلوار پھینک دی اور وہ یہ بیٹھا ہے۔ آپ نے اس کو کچھ نہ کہا۔ (حدیث نمبر ۲۵۱۱ ملاحظہ فرمائیے)

بَابُ مَا قِيْلَ فِي الرِّمَاحِ

باب نیزوں کے بارے میں

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ (بخاری)

حضرت عمر سے روایت کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری روزی میرے نیزے کے سایہ کے نیچے کی گئی ہے اور ذلت و رسوائی اس کے لیے مقدر کردی گئی ہے جو میری مخالفت کرے

مطلب یہ ہے کہ غنیمت اس امت کے لیے حلال ہے اور یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رزق غنیمت میں بھی ہے اور یہ کہ غنیمت دیگر کمائیوں سے افضل و اکمل ہے

۲۷۱۶ ۔ یہاں امام نے حدیث ابوقتادہ ذکر کی ہے جس میں نیزہ سے نیل گائے کے شکار کا ذکر ہے۔ یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔ باب محرم غیر محرم کو شکار میں مدد نہ دے اور محرم شکار کی طرف اشارہ بھی نہ کرے کتاب الحج میں احرام کے مسائل تفصیل سے بیان ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ دِرْعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب لڑائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ

وَالْقَمِيْصِ فِي الْحَرْبِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا خَالِدٌ فَقَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهٗ

اور قمیص کے متعلق روایات اور حضور علیہ السلام کا ارشاد کہ حضرت خالد نے تو اپنی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

۲۷۱۷ - عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ فَاَخَذَ اَبُوْ بَكْرٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ وَهُوَ فِي الدِّرْعِ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُوْلُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (بخاری)

زرہیں راہِ خدا میں وقف کر رکھی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ دعا فرمائی اور حضور گول خیمے میں تھے۔ اے اللہ میں تجھے تیرے حضور تیرا عہد اور تیرا وعدہ عرض کر رہا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور کا ہاتھ تھام کر عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ کے لیے یہ کافی ہے آپ نے اپنے رب سے دعا میں بہت مبالغہ فرمالیا۔ حضور زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اب باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی۔ بہت جلد یہ جماعت شکست کھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی اور ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت کڑوی اور سخت ہے۔

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فتح کا وعدہ فرمالیا تھا تو پھر حضور نے دعا میں مبالغہ کیوں فرمایا

(۱) واضح ہو کہ غزوہ بدر کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعاً یقیناً یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہوگی جیسا کہ سورہ قمر کی جو آیات حضور نے تلاوت فرمائیں۔ ان سے واضح ہے۔ نیز نبی علیہ السلام کو فتح و نصرت کا ایسا یقین تھا کہ آپ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی صحابہ کرام کو بتا دیا تھا کہ

هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ، هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ یہ ہے وہ جگہ جہاں کفار کا فلاں جرنیل مرا پڑا ہوگا جنگ کے ختم ہونے کے بعد جو آپ نے فرمایا ویسا ہی ظہور پذیر ہوا ——— اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی عاجزی انکساری اور والہانہ انداز میں دعا فتح و نصرت فرمائی جیسا کہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے۔ یہ دیکھ کر صدیق اکبر سے نہ رہا گیا عرض کی حضور یہی کافی ہے۔ آپ نے اپنے رب سے دعا میں بہت مبالغہ فرمالیا ——— علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فتح کا وعدہ فرمالیا تھا تو پھر دعا میں مبالغہ کیوں؟ اور یہ کہ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت صدیق اکبر کو اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر زیادہ بھروسہ تھا۔ لیکن یہ بات عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ کیونکہ جیسا پختہ یقین اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر نبی کو ہو سکتا ہے۔ غیر نبی کو نہیں ہو سکتا۔ شارحین نے اس کا جواب یہ دیا کہ شک نہیں کہ حضور کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق فتح و نصرت کا یقین کامل تھا۔ مگر آپ نے دعا میں مبالغہ صرف صحابہ کرام کے اطمینان اور

تقویتِ قلب کے لیے کہا تھا کیونکہ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ مسلمان ۳۱۳ اور کفار کی تعداد ایک ہزار مسلمان بے سروسامان اور کفار کی یہ کیفیت کہ ان کے لیے ہر روز دس دس اُونٹ ذبح ہوتے تھے (عینی ج ۱۴ ص ۱۹۳) ــــــ میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا سوال اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ گو کہ بارگاہِ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصرِ عالم آمادہ مدد تھے۔ ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصولِ جنگ پھر بھی اپنائے۔ فوجیں ترتیب دیں۔ علَم عنایت فرمائے۔ جنگی ہدایات دیں، فوجوں کی صف بندی کی۔ کیا یہ امُور وعدۂ الٰہی کے متعلق بھروسہ یا کم بھروسہ ہونے کی وجہ بن سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ نیز جس چیز کا بارگاہِ الٰہی کی طرف سے عطا کیے جانے کی بشارت اور وعدہ ہو اسے بھی اپنے رب سے بار بار مانگنا تو شانِ عَبدیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ و بشارت پر عدمِ اطمینان کی ہرگز دلیل نہیں۔ اس کی نظیر سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کا بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کرنا بھی ہے کہ الٰہی تو مُردے کیسے زندہ فرماتا ہے حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطعاً اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین تھا۔

۲۷۱۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں رہن کے طور پر رکھی ہوئی تھی (بخاری) ــــــ یہ حدیث کتاب الرہن میں تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۲۳۴۳)

سخی اور بخیل کی مثال

۲۷۱۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ مَثَلُ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى تَرَاقِيْهِمَا فَكُلَّمَا هَمَّ الْمُتَصَدِّقُ بِصَدَقَتِهِ اتَّسَعَتْ عَلَيْهِ حَتّٰى تُعَفِّيَ اَثَرَهُ وَكُلَّمَا هَمَّ الْبَخِيْلُ بِالصَّدَقَةِ انْقَبَضَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ اِلٰى صَاحِبَتِهَا وَتَقَلَّصَتْ عَلَيْهِ وَانْضَمَّتْ يَدَاهُ اِلٰى تَرَاقِيْهِ فَسَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فَيَجْتَهِدُ اَنْ يُوَسِّعَهَا فَلَا تَتَّسِعُ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بخیل اور صدقہ دینے والے (سخی) کی مثال ان دو شخصوں جیسی ہے جنھوں نے لوہے کے جبے (زرہ) پہنے ہوئے ہوں جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ گردنوں تک کھنچ گئے ہوں۔ تو جب سخی صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ اس کے بدن پر پھیل جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے نشان (جو بدن پر ہوتے ہیں) کو مٹا دیتا ہے اور اس کا جبہ اس کے بدن سے لٹکنے لگتا ہے۔ اور جب بھی بخیل صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ کا ایک ایک حلقہ اس کے بدن پر تنگ ہو جاتا ہے اور اس طرح سکڑ جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے لگ جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ پھر بخیل اسے کشادہ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سخی اور بخیل کی مثال ایک حکیمانہ انداز سے بیان فرمائی ہے جس سے سخی کی فضیلت اور بخیل کی مذمت ہوتی ہے۔ یعنی سخی سخاوت کے وقت ہر اس رکاوٹ کو ہٹا دیتا ہے جو اسے سخاوت سے منع کرتی ہو اور بخیل سرمایہ پرستی اور مال سے بے جا محبت میں ایسا جکڑا ہوا ہوتا ہے جیسے لوہے کی زرہ پہنے ہوئے شخص کو زرہ کی کڑیاں جکڑے ہوئے ہوتی ہیں ——— اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے زمین پر لٹکتا ہوا لباس زمین پر قدم کے نشانات کو مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح سخی کی سخاوت اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اس کے برعکس بخیل اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرکے سارے گناہ اپنے اندر ہی رہنے دیتا ہے۔

بَابُ الْجُبَّةِ فِى السَّفَرِ وَالْحَرْبِ

باب سفر اور جنگ جبہ پہننا

۲۷۲۰۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیث مغیرہ بن شعبہ ذکر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس ہوئے تو میں پانی لے کر حاضر ہوا آپ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے کو دھویا۔ اس کے بعد (ہاتھ دھونے کے لیے) آستین چڑھانے کی کوشش کی، لیکن آستین تنگ تھی۔ اس لیے ہاتھوں کو نیچے سے نکالا پھر دھویا اور سر کا مسح کیا اور دونوں موزوں (خفین) کا بھی (بخاری) ——— یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی الجبۃ الشامیہ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ الْحَرِيْرِ فِى الْحَرْبِ

باب جنگ کے موقع پر ریشم کا لباس پہننا

۲۷۲۱۔ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ فِىْ قَمِيْصٍ مِّنْ حَرِيْرٍ مِّنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر کو خارش کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی تھی

ضرورت شرعیہ کی وجہ سے مرد کو ریشمی لباس پہننا حلال ہے

واضح ہو کہ مرد کو ایسا کپڑا پہننا جس کا تانا بانا دونوں ریشم کے ہوں بالاتفاق ناجائز ہے۔ اسی طرح اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ جس کپڑے کا تانا ریشم کا ہو اور بانا سوت کا ہو تو یہ بھی ہر شخص کو ہر حال میں حلال ہے ——— کسی واقعی عذر کھجلی اور جوئیں کی وجہ سے ریشم کا کپڑا پہننا مطلقاً حلال ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام نے حضرت زبیر اور عبدالرحمٰن کو جوئیں اور کھجلی کی وجہ سے اجازت فرمائی تھی۔ ریشم کے لباس میں برودت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ جراثیم کش ہو جاتا ہے۔ نیز ریشم کے کپڑے پر جوؤں کا ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے۔

۲۷۲۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۴- عَنْ اَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرِ شَكَوَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي الْقَمْلَ فَاَرْخَصَ لَهُمَا فِي الْحَرِيْرِ فَرَاَيْتُ عَلَيْهِمَا فِي غَزَاةٍ
(بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوؤں کی شکایت کی (کہ ان کے بدن میں ہو گئی ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریشمی کپڑے کے استعمال کی اجازت دی تھی۔ پھر میں نے غزوے کے موقعہ پر انہیں ریشمی کپڑا پہنے ہوئے دیکھا۔

بحالتِ جنگ دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے مرد کو ریشمی کپڑا پہننا مستحب ہے

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ حالتِ جنگ میں ریشم پہننے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حضرت عطار فرماتے ہیں کہ ریشم کا کپڑا حالتِ جنگ میں ہتھیار ہے کیونکہ اس لباس سے دشمن مرعوب ہوتا ہے۔
(۲) اسی طرح حضرت محمد بن حنفیہ، عروہ، حسن بصری، امام ابو یوسف و محمد و شافعی علیہ الرحمۃ بحالتِ جنگ ریشم پہننے کو جائز قرار دیتے ہیں (۳) ابن حبیب علامہ ابن ماجشون کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ جہاد کی حالت میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے اور فخر کرنے کے لیے مرد کو ریشمی کپڑا پہننا مستحب ہے اور ریشمی کپڑا پہن کر نماز پڑھنا بھی مستحب ہے (۴) علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ضرورت کے وقت ریشم پہننا جائز ہے۔ بعض اصحاب مالک کا بھی یہی مذہب ہے ——— اور امام مالک مطلقاً منع کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں یہ حدیث نہ پہنچی ہو (۵) اور حضرت عمر و ابن سیرین و عکرمہ (بلا عذر) مرد کے لیے ریشمی لباس پہننے کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور بحالتِ جنگ سخت مکروہ کیونکہ جنگ میں شہادت کی امید ہوتی ہے (تو بحالتِ جنگ جسم پر ناجائز کپڑا نہیں ہونا چاہیئے) امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی موقف ہے (عینی ج ۱۴ ص ۱۹۶)

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي السِّكِّيْنِ

باب چھری سے کاٹ کر کھانے کے متعلق

۲۷۲۵- عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ مِنْ كَتِفٍ يَحْتَزُّ مِنْهَا ثُمَّ دُعِيَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ

عمر بن امیہ ضمری اپنے والد سے راوی کہ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کو شانہ کا گوشت چھری سے کاٹ کر کھاتے دیکھا۔ پھر نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔
(بخاری)

یحتز کے معنیٰ یقطع کے ہیں۔ یعنی گوشت کو چھری وغیرہ سے کھانا جائز ہے؟ ہڈی کو چھڑانا اور کاٹ کر کھانا۔ اگرچہ یہ جنگ کا واقعہ نہیں ہے مگر جہاد کے باب میں اس لیے ذکر کیا کہ چھری چاقو بھی جہاد میں بطور ہتھیار کام کرتے ہیں (۲) علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ شارح بخاری نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چھری وغیرہ سے گوشت کو کاٹ کر کھانا جائز ہے۔ حدیث ابوداؤد میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے چھری سے گوشت کو کاٹ کر کھانے سے منع کیا اور فرمایا (فَاِنَّہٗ مِنْ صُنْعِ الْاَعَاجِمِ) یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ دانتوں سے چھڑا کر کھاؤ۔ اس طرح کھانا زیادہ لذت دیتا ہے —— لیکن اس حدیث سے چھری کانٹوں سے کھانے کی کراہت تحریمی متعدد وجوہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ ممانعت کی حدیث ابوداؤد کے علاوہ بیہقی و طبرانی نے بھی روایت کی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۳۵ میں فرمایا۔ اس مضمون کی حدیث ضعف سے خالی نہیں اور اہل فارس کا چھری وغیرہ سے کھانا ازراہ تکبر و غرور تھا۔ نہ تکبر و غرور کی نیت نہ ہو تو چھری وغیرہ سے کاٹ کر کھانا مباح ہے اور خود حضور علیہ السلام کا چھری استعمال فرمانا جواز کی دلیل واضح ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر بحضور نبوی پنیر پیش کیا گیا۔ تو آپ نے چھری طلب فرمائی۔ بسم اللہ پڑھی اور چھری سے پنیر کاٹا (ابوداؤد) علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔ حدیث ممانعت میں نہی تنزیہی ہے۔ اَوِ الْمُرَادُ بِالنَّہْیِ۔ اَلتَّنْزِیْہُ وَفِعْلُہٗ لِبَیَانِ الْجَوَازِ (مرقات) علامہ عینی شارح بخاری نے فرمایا۔ حدیث ابوداؤد اور طبرانی جس میں چھری سے کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا گیا ہے یہ قابل استدلال نہیں ہے کیونکہ ضعیف ہیں (عینی) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ چھری کانٹے، چمچہ، مغز کش وغیرہ سے کھانا عموماً ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے کھیر اور اسی قسم کی متعدد اشیاء چمچہ سے کھائی جاتی ہیں۔ چرغہ بھنا ہوا ثابت مرغ، بکری کی ران، بڑے گوشت کا بھنا ہوا ٹکڑا۔ اسی طرح تربوز خربوزہ، گرما، پنیر، سوہن حلوہ، ڈبل روٹی، کیک اور اسی قسم کی متعدد اشیاء کاٹ کر ہی کھائی جاتی ہیں۔ اسی طرح چھری کانٹے وغیرہ سے بھی بہت سے ممالک میں کھانے کا رواج و عادت ہے۔ بنگال، چین ایسے ممالک میں چاول تک لکڑی کی بنی ہوئی تیلیوں سے کھایا جاتا ہے۔ چمچہ سے بھی متعدد اشیاء کھاتے ہیں۔ یہ سب یقیناً جائز و مباح ہیں۔ کیونکہ اس طرح کھانے کی ممانعت نہ قرآن نے، نہ سنت نے، نہ ائمہ فقہ نے فرمائی —— بعض غلو و تشدد میں مبتلا افراد جنھیں تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے وہ مذکورہ بالا طریقے سے کھانے کو حرام و مکروہ تحریمیہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چھری کانٹے سے کھانا عیسائیوں اور یہودیوں کا طریقہ ہے۔ اول تو کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ سے مشابہت کی نیت سے چھری کانٹے وغیرہ سے نہیں کھاتا بلکہ رواج و فیشن کی بناء پر کھاتا ہے اور رواج و فیشن کی بناء پر کھانا کھانے کو مکروہ تحریمیہ ہونے کا فتویٰ دینا غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہیہ کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ مگر جو فعل مکروہ تنزیہیہ ہو وہ جائز ہوتا ہے یعنی مستحب نہیں ہوتا۔ یعنی کھانے پینے پہننے میں حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنا بیشک مستحب اور کار ثواب ہے مگر اس کے خلاف حرام یا مکروہ تحریمیہ ہرگز ہرگز نہیں ہے —— مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے (مسلم) اسی طرح متعدد احادیث میں متعدد افعال و اعمال کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ مجوسیوں،

عجمیوں بلکہ شیطان کا طریقہ ہے۔ تو ان افعال کو مطلقاً حرام و مکروہِ تحریمہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ دیکھئے بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا طریقہ بتایا گیا ہے مگر اس کے باوجود دائیں ہاتھ سے کھانا صرف مستحب ہے۔

بائیں ہاتھ سے کھانا مکروہِ تنزیہہ ہے

فرض و واجب نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی بائیں ہاتھ سے کھائے تو اس کو فاسق و گنہگار قرار دینا صحیح نہیں ہے صرف یہ کہا جائیگا کہ اس نے بائیں ہاتھ سے کھا کر فعلِ مستحب کو ترک کیا اور ثواب سے محروم رہا کیونکہ مستحب پر عمل کارِ ثواب ہے اور اس کا ترک اچھا نہیں ہے لیکن گناہ بھی نہیں ہے۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ قِتَالِ الرُّوْمِ

باب جو قتالِ روم کے متعلق کہا گیا

۲۷۲۶ - اُمُّ حَرَامٍ اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا قَالَتْ اُمُّ حَرَامٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا فِيْهِمْ قَالَ اَنْتِ فِيْهِمْ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ فَقُلْتُ اَنَا فِيْهِمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا

حضرت ام حرام کہتی ہیں۔ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری سفر کے ذریعہ جہاد کرے گا مغفور ہے۔ میں نے عرض کی کیا میں بھی ان میں ہوں۔ فرمایا ہاں۔ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ مغفور ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں ان میں ہوں فرمایا نہیں۔

(بخاری)

فوائد و مسائل

(۱) حضرت مہلب نے فرمایا کہ امیر معاویہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سمندری سفر کے ذریعے جہاد کیا۔ ابن جریر اور دیگر صحابہ نے کہا کہ یہ غزوہ ۲۷ھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قبرص میں ہوا۔ واقدی نے کہا کہ یہ غزوہ ۲۸ھ کو اور ابو معشر نے کہا ۳۳ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ ام حرام اس میں شریک تھیں۔ علامہ ابن جوزی نے جامع مسانید میں ذکر کیا۔ ام حرام اس غزوہ میں حضرت عبادۃ بن صامت کے ساتھ شریک ہوئیں اور سواری سے گر کر شہید ہوئیں۔ ہشام ابن عمار نے کہا کہ میں ساحل پر ام حرام کی قبر پر کھڑا ہوں (۲) اس حدیث کو امام نے اوائلِ جہاد (باب الاعا بالجہاد) میں ذکر کیا ہے دیکھئے حدیث نمبر ۲۶۸۱۔

جہادِ قسطنطنیہ اور یزید

(۳) مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ حدیث زیرِ بحث میں "اوجبوا" کے معنیٰ بعض نے یہ کیے ہیں کہ ان کے لیے جنت واجب ہوگئی ــــ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ (اوجبوا) کا لفظ اس معنیٰ کا تقاضا نہیں کرتا کہ جنت ان کے لیے واجب ہوگئی ہے بلکہ اوجبوا کا معنیٰ یہ ہے کہ استحقاق الجنۃ یعنی استحقاقِ جنت کا وجوب او۔ علامہ کرمانی نے فرمایا۔ اس لفظ کے معنیٰ اى محبۃ لانفسھم کے ہیں یعنی ان کے لیے محبت کا وجوب ہوا ــــ علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

کہا جاتا ہے کہ لشکر سلطنتِ روم کے شہروں میں لڑتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جن میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر، ابوایوب انصاری بھی شامل تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری کی وفات قسطنطنیہ کے قریب واقع ہوئی اور آپ کی قبر مبارک بھی وہیں ہے۔ تَسْتَسْقِیْ بِہِ الرُّوْمُ اِذَا قُحِطُوْا رومی آپ کی قبر انور کے توسل سے قحط کے موقع پر دعا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مقربانِ الٰہی (اولیاءِ کرام) کی قبور سے توسل کر کے مشکلات میں دعا کرنا مسلمانوں کا ابتداء ہی سے معمول تھا اور وہابی خیال کے لوگوں کا توسل کو شرک و بدعت قرار دینا غلط اور ظلمِ عظیم ہے۔

(۴) علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اَلْاَظْہَرُ اَنَّ ھٰؤُلَاءِ السَّادَاتِ مِنَ الصَّحَابَۃِ کَانُوْا مَعَ سُفْیَانَ وَلَمْ یَکُوْنُوْا مَعَ یَزِیْدَ بْنِ مَعَاوِیَۃَ لِاَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ اَھْلًا اَنْ یَکُوْنَ ھٰؤُلَاءِ السَّادَاتِ فِیْ خِدْمَتِہٖ

یعنی بہت ظاہر یہ بات ہے کہ یہ اکابر صحابہ حضرت سفیان بن عوف کی قیادت میں تھے۔ یزید کی قیادت میں نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ مذکورہ بالا اکابر صحابہ کرام یزید پلید کی ماتحتی میں جہاد کریں۔ (عینی ج ۱۴ صـ ۱۹۸)

(۵) نیز حدیث میں اول جیش کے الفاظ ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے پہلے لشکر میں شامل افراد کا نام ذکر نہیں فرمایا۔ اب کون اس "پہلے لشکر میں شامل تھا" یہ سب تاریخ کی باتیں ہیں، حضور نبی کریم علیہ السلام کا قول (ارشاد) نہیں ہے ـــــ چنانچہ ابن اثیر علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ یزید پہلے لشکر میں شامل ہی نہ تھا۔ اور حدیث میں بشارت پہلے لشکر کے لیے ہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

وَفِیْ ھٰذِہِ السَّنَۃِ وَقِیْلَ سَنَۃَ خَمْسِیْنَ سَیَّرَ مُعَاوِیَۃُ جَیْشًا کَثِیْفًا اِلٰی بِلَادِ الرُّوْمِ لِلْغَزَاۃِ وَجَعَلَ عَلَیْھِمْ سُفْیَانَ بْنَ عَوْفٍ وَ اَمَرَ ابْنَہٗ یَزِیْدَ بِالْغَزَاۃِ مَعَھُمْ فَتَثَاقَلَ وَاعْتَلَّ فَاَمْسَکَ عَنْہُ اَبُوْہُ فَاَصَابَ النَّاسَ فِیْ غَزَاتِھِمْ جُوْعٌ وَّمَرَضٌ شَدِیْدٌ فَاَنْشَاَ یَزِیْدُ یَقُوْلُ ؎ مَا اِنْ اُبَالِیْ بِمَا لَاقَتْ جُمُوْعُھُمْ، بِالْفَرْقَدُوْنَۃِ مِنْ حُمّٰی وَمِنْ ھُوْمٍ بِدَیْرِ مُرَّانَ عِنْدِیْ اُمُّ کُلْثُوْمٍ اِذَا اتَّکَاتُ عَلَی الْاَنْمَاطِ مُرْتَفِعًا اُمَّ کُلْثُوْمٍ اِمْرَاَتُہٗ وَھِیَ ابْنَۃُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَامِرٍ فَبَلَغَ مُعَاوِیَۃَ

اور اسی سال ۴۹ھ میں اور کہا گیا ہے کہ ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے ایک لشکر جرار روم کے شہروں کی طرف بھیجا اور اس پر سفیان بن عوف کو امیر بنایا اور اپنے بیٹے یزید کو ان کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونے کا حکم دیا تو یزید بیٹھ رہا اور حیلے بہانے شروع کیے تو امیر معاویہ اس کے بھیجنے سے رک گئے۔ اس جنگ میں لوگوں کو بھوک پیاس اور سخت بیماری پہنچی تو یزید نے یہ اشعار کہے ؎ مجھے پروا نہیں کہ ان لشکروں کو مقام فرقدونہ میں بخار تنگی اور تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ جب کہ میں دیر مران میں اونچی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے ام کلثوم کو اپنے پاس لیے بیٹھا ہوں۔ ام کلثوم

شِعْرُهُ فَاَقْسَمَ عَلَيْهِ لَيُلْحِقَنَّ بِسُفْيَانَ فِي اَرْضِ الرُّوْمِ لِيُصِيْبَهُ مَا اَصَابَ النَّاسَ

(ابن اثیر ص ۱۸۹/۳)

بنت عبداللہ ابن عامر یزید کی بیوی تھی۔ یزید کے یہ اشعار امیر معاویہؓ تک پہنچے تو انہوں نے قسم کھائی کہ اب میں یزید کو بھی سفیان بن عوف کے پاس روم کی زمین میں ضرور بھیجوں گا تاکہ اسے بھی وہ مصیبتیں پہنچیں جو لوگوں کو پہنچی ہیں۔

معلوم ہوا کہ جو پہلا لشکر روم کی طرف جہاد کے لیے بھیجا گیا۔ اس کے قائد و امیر حضرت سفیان بن عوف تھے یزید ہرگز نہ تھا۔ امیر معاویہ نے اس کو اول جیش میں شرکت کا حکم ضرور دیا تھا مگر یہ اپنی شقاوت و نامرادی اور بزدلی کی وجہ سے اس پہلے لشکر میں شامل نہ ہوا۔ اس لیے بشارت اور مغفرت کا مستحق نہ ہوا۔

البتہ امیر معاویہ کو جب یزید کے مذکورہ بالا اشعار کا علم ہوا اور اس کے جہاد سے بلاعذر شرعی گریز کو آپ نے دیکھا تو پھر بطور زجر و توبیخ بعد میں اس کو محاذ پر زبردستی بھیجا جو اس امر کی دلیل ہے کہ وہ رضائے الٰہی اور اسلام کی سربلندی کے لیے نہیں گیا بلکہ اسے مجبوراً جانا پڑا (جیسا کہ حضرت امیر معاویہ کی قسم کے الفاظ سے واضح ہے) اور اعمال کے مقبول و محمود ہونے کے لیے خلوص و للّٰہیت شرط ہے اور وہ یزید میں نہیں پائی گئی۔ اس لیے وہ اس بشارت کا قطعاً مستحق نہیں قرار پاتا ——— یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ نے یزید کو فاسق، فاجر، ظالم، شرابی، بدکار اور نواسہ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام کے قتل ناحق کا مرتکب قرار دیا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ یزید بے دولت صحابہ کرام سے نہیں۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے۔ جو کام اس بدبخت نے کیے۔ کوئی کافر فرنگی بھی نہ کرے گا۔ مکتوبات ص ۵۴ مسلم شریف کی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا يُرِيْدُ اَحَدٌ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ

(مسلم ج۱ ص ۴۴۰)

جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ (دوزخ میں) اس کو ایسے پگھلائے گا جیسے رانگ کو پگھلایا جاتا ہے۔

اور یہ بات تواتر سے واضح و ثابت ہے کہ یزید پلید نے اہل مدینہ پر ناحق ظلم ڈھانے کے لیے ۱۲ ہزار فوج سے چڑھائی کی جسے واقعہ حرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے جس کی وجہ سے مسجد نبوی میں پنجگانہ نمازیں نہ ہو سکیں۔ یزید کی ظالم فوج نے مدینہ منورہ کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ ہر طرف لوٹ مار کی۔ امام زہری کی روایت کے مطابق سات سو معززین (صحابہ) اور دس ہزار کے قریب ساکنان مدینہ شہید ہوئے۔ یزیدی فوج کی وحشت کی انتہا یہ تھی کہ اہل مدینہ کے گھروں میں گھس کر بے دریغ مستورات کی عصمت دری کی۔ حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ان دنوں ایک ہزار مستورات زنا سے حاملہ ہوئیں۔ ان ظالمانہ کافرانہ واقعات کی تفصیل طبری ج ۴ ص ۳۷۲ البدایہ ج ۸ ص ۲۱۹ ابن الاثیر ج ۴ ص ۱۳۱ میں درج ہے۔ اس کے بعد یہ یزید کے فوجی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لیے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوئے۔ کعبہ پر سنگباری کی اور آگ برسائی۔ کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہوئی ——— اور سب سے بڑا ظلم

اور اس کی شقاوت یہ ہے کہ اس نے نواسہ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام کی حرمت کا ذرا بھی خیال نہ کیا اور نہایت بے دردی کے ساتھ نہ صرف ان کو شہید کرایا بلکہ آپ کی مقدس لاش سے جو کچھ تھا لوٹا گیا۔ حتیٰ کہ کپڑے تک اُتار لیے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑائے۔ حتیٰ کہ ان کی خیام گاہ کو بھی لوٹا گیا اور خواتین اہلبیت اطہار کے جسم سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ پھر تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر ظالم ابن زیاد نے نہ صرف ان کی بر سر عام نمائش کی بلکہ کوفہ کی جامع مسجد میں ممبر پر کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ حمد ہے خدا کے لیے جس نے حق کو غلبہ عطا فرمایا۔ امیر المومنین یزید اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی۔ وَقَتَلَ الْكَذَّابَ ابْنَ الْكَذَّابِ الْحُسَيْنَ ابْنَ عَلِيٍّ۔ جس کی تفصیل البدایہ ج ۸ صـ۱۹۱ طبری ج ۴ صـ۳۰۹ اور ابن الاثیر ج ۳ صـ۳۸۲ میں دیکھی جا سکتی ہے چنانچہ فقہ حنفی کے محقق حضرت امام ابن ہمام کا یہ قول علامہ علی قاری نے شرح فقہ اکبر صـ۸۸ پر نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یزید کے کافر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے اسے کافر کہا کیونکہ اس سے ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً شراب کو حلال کرنا اور سیدنا امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کے بعد یہ کہنا کہ میں نے بدلہ لے لیا ہے اپنے بزرگوں اور سرداروں کے قتل کا جو انہوں نے غزوہ بدر میں کیے۔ شاید اسی وجہ سے سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے یزید کی تکفیر کی ہے۔ نیز اہلسنت وجماعت کے عقائد کی معتبر کتاب شرح عقائد میں حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یزید کا سیدنا امام حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہونا اہلبیت نبوت کی توہین کرنا تواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس لیے ہم اس کے حال بلکہ ایمان میں توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی لعنت ہو یزید پر اور اس کے اعوان و انصار پر (فقہ اکبر)

میں کہتا ہوں کہ جلیل القدر ائمہ اہلسنت محدثین مفسرین اولیاء امت کا یزید پلید کو فاسق و فاجر ظالم، قاتل حتیٰ کہ کافر تک قرار دینا اس امر کی چمکتی ہوئی دلیل بھی ہے کہ سمندری راستہ کے ذریعہ جس لشکر کے متعلق حدیث مبارکہ میں بشارت آئی ہے یزید پلید سرے سے اس میں شامل ہی نہیں تھا۔

بَابُ قِتَالِ الْيَهُوْدِ

باب یہود سے جنگ کا بیان

۲۷۲۸/۲۷۲۹ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ اَحَدُهُمْ وَرَاءَ الْحَجَرِ فَيَقُوْلُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِيْ فَاقْتُلْهُ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ یہودیوں سے جنگ کرو گے۔ یہاں تک کہ کچھ یہودی پتھر کے پیچھے چھپ جائیں گے تو پتھر کہے گا اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے ہے۔ اس کو قتل کر۔

فوائد و مسائل (۱) امام بخاری نے اس عنوان کے تحت دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ بن عمر سے اور دوسری حضرت ابوہریرہ سے۔ دونوں حدیثوں کا مضمون ایک ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں

اگرچہ خطاب حاضرین صحابہ کرام کو ہے مگر مراد اس سے حضور کی امت کے وہ مسلمان ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوں گے۔ اس دور کے مسلمان حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے اور یہودی دجال کا ساتھ دینگے۔

نبی علیہ السلام کے علم کی وسعت

(۲) کثیر احادیث سے واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت واقعات وحالات کی ان کے پیش آنے سے پہلے خبر دی ہے۔ گویا کہ آپ اپنی دُور رس نگاہوں سے جو واقعات آئندہ پیش آنے ہیں، باقاعدہ دیکھ کر اطلاع دے رہے ہیں۔ حدیث زیر بحث میں یہود سے جنگ کی جو خبر دی گئی ہے اس کا تعلق حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول اور خروج دجال کے وقت سے ہے۔ یہ ایک ایسی پیشگوئی ہے جس کا نہ تو کوئی تصور کرسکتا تھا اور نہ سوچ سکتا تھا۔ اس ماحول میں اتنے وثوق کے ساتھ ایسی بات جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے سچا اور مقدس رسول ہی ارشاد فرما سکتے ہیں جس کے سر مبارک پر اللہ تعالیٰ نے عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کا تاج رکھا ہے اور جس کی قوتِ بینائی زمان ومکان کی قیود سے ماورٰی ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ضمناً یہ پیشگوئی بھی ہے کہ دینِ اسلام نزولِ عیسٰے علیہ السلام تک باقی رہے گا اور حضرت عیسٰی دینِ اسلام ہی کے لیے کافروں سے جہاد فرمائیں گے حتیٰ کہ جب امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور نماز کا وقت ہوگا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہی امام ہوگا اور حضرت عیسٰے علیہ السلام اس کی اقتدار میں نماز ادا فرمائیں گے جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں حضور نے فرمایا۔

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ	کیسا حال ہوگا تمہارا جب تم میں ابن مریم نزول کریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا

حضرت عیسٰی علیہ السلام نزول کے بعد فقہ حنفیہ پر عمل کریں گے

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کی جلالتِ علمی سے کسے انکار ہوسکتا ہے مگر باوجود وفورِ علم وفضل آپ حنفی المذہب ہیں اور سیدنا سراجِ امت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی تقلید پر آپ کو ناز اور فخر ہے۔ مجدد علیہ الرحمہ مکتوباتِ شریف میں فرماتے ہیں۔

از علوشان امام بزرگ ترین این بزرگواراں امام اجل پیشوائے اکمل، ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ نویسد کہ اعلم واورع واتقائے مجتہدین است چہ شافعی و مالک وچہ احمد بن حنبل۔	بزرگ ائمہ کے بزرگ امام اجل پیشوائے اکمل امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم الشان مرتبے کے بارے میں بھلا میں کیا لکھوں جب کہ مجتہدین سے زیادہ علم والے اور زیادہ ورع وتقویٰ والے ہیں خواہ وہ امام شافعی و امام مالک ہوں یا امام احمد بن حنبل۔
امام شافعی می فرماید اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ	امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال ہیں (مبداء ومعاد صد ۵۵)

معلوم شد کہ کمالاتِ ولایت را موافقت بفقہ شافعی است وکمالاتِ نبوت را مناسبت بفقہ حنفی اگر فرضاً درین امت پیغمبرے مبعوث می شد موافقِ فقہ حنفی عمل می کرد (مکتوباتِ دفتر اول ص۲۸۲)

معلوم ہوا کہ کمالاتِ ولایت کو فقہ شافعی سے اور کمالاتِ نبوت کو فقہ حنفی سے مناسبت ہے۔ اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتا۔

و خواجہ محمد پارسا در فصول ستہ نوشتہ است کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہبِ امام اعظم ابوحنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافقِ اجتہاد امام اعظم خواہد بود نہ آنکہ تقلیدِ ایں مذہب خواہد کرد کہ شانِ او علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ازآں بلندتر است کہ تقلید علماءِ امت می فرماید (مکتوب دفتر دوم ص۵۵)

حضرت خواجہ محمد پارسا فصولِ ستہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نزول کے بعد مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے مطابق ہوگا۔ یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب کی تقلید کریں گے۔ کیونکہ آپ کی شان کہیں بالاتر ہے کہ وہ علماء امت میں سے کسی کی تقلید کریں۔

و بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ می شود کہ نورانیتِ ایں مذہبِ حنفی بنظرِ کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید وسائرِ مذاہب در رنگِ حیاض وجداول بنظر می درآید

بغیر تکلف کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہبِ حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں

و اما چہ کنم کہ دیگراں را باوجود وفورِ علم وکمالِ تقویٰ در جنب امام ابی حنیفہ در رنگِ طفلاں می یابم

لیکن میں کیا کروں کہ دوسرے ائمہ مجتہدین کو وافر علم وکمالِ تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح پاتا ہوں۔

و خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ در فصولِ ستہ می فرماید وہمچنیں بزرگی ایشاں را کافی است کہ پیغمبرِ اولوالعزم بمذہب او عمل نماید۔ صد بزرگی دیگراں را بایں بزرگی عدیل نمی تواں یافت (مبدار ومعاد ص۵۵)

خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ فصولِ ستہ میں فرماتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے لیے یہی بزرگی کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر ان کے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ دوسرے کی سو بزرگی اس کے برابر نہیں ہو سکتی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور کے اُمّتی ہیں

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہیں کیونکہ آپ نے شبِ معراج حضور کی زیارت کی ہے۔

فَهُوَ نَبِيٌّ وَّصَحَابِيٌّ وَهُوَ اٰخِرُ

حضرت عیسیٰ نبی بھی ہیں اور حضور کے صحابی بھی اور

مَنْ يَمُوتُ مِنَ الصَّحَابَةِ

ایسے صحابی جواب بھی زندہ ہیں اور سب سے آخر میں انتقال فرمائیں گے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تخصیص اس بنیاد پر ہے کہ آپ کو حضور کی زیارت کی سعادت وفات سے قبل ہوئی ہے ورنہ شب معراج تو تمام انبیاء نے حضور کی زیارت کی ہے۔

امام تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ نے ایک معمہ کی صورت میں فرمایا۔ بتاؤ حضور کی امت میں وہ کونسا جوان ہے جو بالاتفاق تمام صحابہ کرام حتیٰ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہے جواب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نبی بھی ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی۔

جمادات کا بولنا

۵۔ پتھر کا بولنا، یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ٹیپ ریکارڈر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اہل سائنس نے اپنی عقل کو کام میں لاکر پلاسٹک کی ریل میں آواز بھر دی جس سے انسانوں کی طرح بولنے کی آواز آتی ہے اور کوئی تعجب نہیں کرتا۔ رہا رب العزت جل مجدہٗ کی قدرت کا معاملہ تو وہ جس چیز کو چاہے قوت گویائی سے نواز دے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جلیلہ میں یہ بھی ہے کہ پتھر درخت جانور آپ سے کلام کرتے اور آپ کی اطاعت کرتے، آپ کو سلام عرض کرتے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی احادیث صحاح ستہ کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جو صاحب ان کا نظارہ کرنا چاہیں وہ خصائص کبریٰ، دلائل النبوۃ، مدارج النبوۃ، شفا شریف مع ان کی شروح کے ملاحظہ فرمائیں۔ الغرض یہ بات تواتر کے ساتھ واضح و ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمادات، حیوانات وغیرہ نے کلام کیا ہے ؎

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدے کریں بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

تو اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پتھر مسلمان کو یہ بتائے کہ یہاں یہودی چھپا ہوا ہے اس کو قتل کر دو تو یہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے اور نہ کوئی تعجب کی بات ہے۔

بَابُ قِتَالِ التُّرْكِ

باب ترکوں سے جنگ کے متعلق

۲۷۳۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقَاتِلُوا قَوْمًا عِرَاضَ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے چہرے چوڑے ہوں گے ایسے جیسے دُہری ڈھال ہوتی ہے۔

۲۷۳۱۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى

حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب

تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ

(بخاری)

تک تم ترکوں سے جنگ نہ کرلو گے جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی، چہرے سرخ ہوں گے۔ ناک چپٹی اور چھوٹی ہو گی۔ ان کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے دُہری ڈھال ہوتی ہے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک تم ایک ایسی قوم سے جنگ نہ کرلو گے جن کے جوتے بال کے بنے ہوئے ہوں گے۔

بَابُ قِتَالِ الَّذِيْنَ يَنْتَعِلُوْنَ الشَّعْرَ

باب ان لوگوں سے جنگ کے متعلق جو بالوں والی جوتیاں پہنتے ہیں

۲۷۳۲- اس عنوان کے تحت بھی امام نے حدیث ۲۷۳۱ لکھی ہے۔ ترک سے کون مراد ہیں اس کے متعلق شارحین کے متعدد قول ہیں۔ جنہیں علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں بیان کیا ہے۔ البتہ یہ بات قطعی ہے۔ ان ترکوں سے وہی مراد ہیں جو کافر ہیں۔ جو مسلمان ہیں وہ ہرگز مراد نہیں ہیں اور یہ کہ یہ لڑائی متعدد بار ہوئی ہے۔ جیسا کہ بیہقی اور ابوداؤد کی احادیث سے واضح ہے۔ اور خروج دجال کے وقت بھی ہو گی جس کی پیشگوئی نبی علیہ السلام نے لاکھوں برس قبل ہی فرمادی ہے —— ابوداؤد کی وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا۔ اتركوا الترك ما تركوكم (ابوداؤد ج ۲ باب فی قتال الترک ص۲۲۵) یہ ہدایت ابتدائی دور کے لیے تھی لیکن ظہور قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان سے جنگ ہوئی ہے تو وہ ہوئی اور خروج دجال کے وقت ان سے جنگ ہونی ابھی باقی ہے۔ بہرحال جنگ ترکوں کے اسی گروہ سے ہوئی جو کافر تھے۔

بَابُ مَنْ صَفَّ اَصْحَابَهٗ

باب ہزیمت کے وقت اپنے ساتھیوں کی صف بندی

عِنْدَ الْهَزِيْمَةِ وَنَزَلَ عَنْ دَآبَّتِهٖ وَاسْتَنْصَرَ

۲۷۳۳- اَلْبَرَآءَ وَسَاَلَهٗ رَجُلٌ اَكُنْتُمْ فَرَرْتُمْ يَا اَبَا عُمَارَةَ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهٗ خَرَجَ شُبَّانُ اَصْحَابِهٖ وَاَخِفَّافُهُمْ حُسَّرًا لَيْسَ بِسِلَاحٍ فَاَتَوْا قَوْمًا رُمَاةً جَمْعَ هَوَازِنَ وَبَنِيْ نَصْرٍ مَا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ فَرَشَقُوْهُمْ رَشْقًا مَا يَكَادُوْنَ يُخْطِئُوْنَ فَاَقْبَلُوْا هُنَالِكَ

کرنا اور گھوڑے سے اُتر کر اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دُعا کرنا

حضرت براء سے ایک شخص نے سوال کیا اے ابو عمارہ کیا تم جنگ حنین میں منتشر ہو گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان سے نہیں ہٹے البتہ آپ کے وہ نوجوان ساتھی جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ وہ صف سے باہر ہونے پر مجبور ہو گئے جن کا کوئی تیر ضائع نہیں ہوتا تھا چنانچہ انھوں نے تیر برسائے اور شاید ہی کوئی نشانہ ان کا خطا گیا ہو۔ اس وقت مسلمان نبی علیہ السلام کے پاس جمع ہو گئے اور

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَابْنُ عَمِّهٖ أَبُوْ سُفْيَانَ ابْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَقُوْدُ بِهٖ فَنَزَلَ وَاسْتَنْصَرَ ثُمَّ قَالَ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ثُمَّ صَفَّ أَصْحَابَهٗ

(بخاری)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ آنحضور نے سواری سے اُتر کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی پھر فرمایا۔ میں نبی ہوں۔ اس میں غلطی کا شائبہ نہیں۔ میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اصحاب کی (نئے طریقے پر) صف بندی کی۔

یہ غزوہ حنین کے سلسلہ کی جس کے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی۔ دیکھئے حدیث نمبر

بَابُ الدُّعَاءِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ

باب مشرکین کی شکست اور ان کے قدم اُکھڑنے کی دُعا کرنا

بِالْهَزِيْمَةِ وَالزَّلْزَلَةِ

۲۷۳۴- عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ (بخاری)

حضرت علی نے کہا کہ یوم احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی، الٰہی ان کے گھر اور قبریں آگ سے بھر دے۔ انھوں نے ہم کو (صلوٰۃ وسطیٰ) نمازِ عصر نہیں پڑھنے دی۔ جب کہ سورج غروب ہو گیا تھا۔

۲۷۳۵- عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ فِي الْقُنُوْتِ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے قنوت میں یہ دُعا کی۔ الٰہی سلمہ بن ہشام، ولید بن ولید عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ الٰہی کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ الٰہی قبیلہ مضر پر سختی فرما اور ان کو ایسی قحط سالی سے دوچار فرما جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط پڑا۔

(بخاری)

(۱) اس حدیث کو امام نے دوبارہ مغازی میں، مسلم نسائی، ابوداؤد نے صلوٰۃ اور ترمذی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے (۲) یہ حدیث احناف کے اس موقف کی تائید کرتی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نمازِ عصر کو کہتے ہیں کیونکہ عصر کے بعد ہی سورج غروب ہوتا ہے اور سیدنا امام شافعی صلوٰۃ وسطیٰ سے نمازِ فجر مراد لیتے ہیں۔

۲۷۳۶- دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مشرکوں کے لیے

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اَهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اَهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (بخاری)

دعا کی۔ الٰہی کتاب نازل کرنے والے جلد حساب لینے والے احزاب کو شکست دے اور ان کے قدم اُکھاڑ دے۔

دُعا میں مسجع کلام کا استعمال

حدیثِ زیر بحث میں جو دُعا مذکور ہے وہ مسجع ہے اور ہم وزن ہم قافیہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر منقول دعاؤں میں بھی مسجع کلام کا استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام نے دعا میں مسجع کلام کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ ممانعت اس امر کی ہے کہ دعا میں مسجع کلام قصد و اختیار سے استعمال کیا جائے اور اگر بلا قصد و اختیار دعا میں ہم وزن و ہم قافیہ الفاظ آجائیں تو یہ منع نہیں ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا مسجع کلام پر مشتمل ہونا اتفاقاً تھا (عینی ج ۱۴ ص ۲۰۴) اور چونکہ نبی علیہ السلام فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ اس لیے بعض اوقات دعا میں کلام مسجع آجاتی تھی اور دعا میں مسجع کلام کی ممانعت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں عاجزی وانکساری سے دُعا کرنی چاہیئے۔ قصد و اختیار سے ہم وزن و ہم قافیہ الفاظ سے دُعا کرنے میں ایک گونہ ترفع کی بو آجاتی ہے اس لیے قصداً عمداً مسجع کلام سے دُعا کرنا مناسب نہیں ہے۔

۲۷۳۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کعبہ کے سایہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابوجہل اور قریش کے چند افراد نے مشورہ کیا۔ جب کہ مکہ کے باہر ایک اونٹنی ذبح کی گئی تھی۔ انھوں نے چند افراد کو بھیجا تو وہ اونٹ کی اوجھ لائے اور حضور کی پشتِ انور پر ڈال دی۔ سیدہ فاطمہ تشریف لائیں اور آپ نے اس اوجھ کو ہٹایا تو حضور نے دُعا کی۔ الٰہی قریش کی سخت گرفت فرما۔ (تین مرتبہ فرمایا) الٰہی ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابی بن خلف اور عتبہ بن ابی معیط کو ہلاک فرما۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں۔ میں نے (غزوہ بدر کے بعد) ان سب کو بدر کے کنویں میں مقتول پڑے دیکھا (بخاری) ——— یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا صنادید قریش کے حق میں جو ہلاکت کی دعا فرمائی وہ غزوہ بدر میں ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کفار و مشرکین کی ہلاکت کی دُعا کرنا جائز ہے تاکہ مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہ ظلم و عدوان پر آمادہ ہوں اور بلاوجہ مسلمانوں کو ستائیں، ان پر ظلم کریں۔

۲۷۳۸۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ الْيَهُوْدَ دَخَلُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا السَّامُ عَلَيْكَ فَلَعَنْتُهُمْ فَقَالَ مَا لَكِ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیکم (تم پر موت آئے) میں نے ان پر لعنت بھیجی۔ حضور نے فرمایا۔ کیا بات ہوئی؟ میں نے عرض کیا، کیا انھوں نے ابھی جو کہا تھا۔ آپ نے نہیں سُنا۔ حضور اکرم نے جواب دیا، اور تم

نے نہیں سُنا کہ میں نے اس کا جواب دیا۔ عَلَیْکُمْ تم پر موت ہو۔

سام کے معنیٰ موت کے ہیں۔ یہودی خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد رکھتے تھے۔ یہ ابتدا رہی سے اسلام و مسلمین کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ یہ جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں آتے تو السام علیک کہہ کر اپنے بغض وحسد کا اظہار کیا کرتے تھے۔ نبی علیہ السلام نے بھی علیک فرما کر جواب دیا سلام کے متعلق جملہ مسائل فیض الباری جلد اول کتاب الایمان میں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابٌ هَلْ يُرْشِدُ الْمُسْلِمُ

باب کیا مسلمان یہود و نصاریٰ کو اسلام

أَهْلَ الْكِتَابِ أَوْ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ | کی دعوت اور کتاب اللہ کی تعلیم دے سکتا ہے ؟

علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے امام کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اہلِ اسلام کو اسلام کی دعوت دے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ کافر خواہ حربی ہو یا ذمی اسے قرآن وفقہ کی تعلیم سے روشناس کرانا جائز ہے تاکہ وہ اسلام کی تعلیم اور اس کی خوبیوں سے واقف ہو کر ممکن ہے اسلام قبول کرلیں۔

۳۷۳۹۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے قیصرِ روم کو بذریعہ خط دعوتِ اسلام دی تھی۔ (بخاری)

بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ بِالْهُدَىٰ

باب مشرکین کے لیے ہدایت کی دُعا کرنا

لِيَتَأَلَّفَهُمْ

۴۰ ۲۷۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَدِمَ طُفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو الدَّوْسِيُّ وَأَصْحَابُهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ دَوْسًا عَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللَّهَ عَلَيْهَا فَقِيلَ هَلَكَتْ دَوْسٌ قَالَ اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ

(بخاری)

تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ طفیل بن عمر الدوسی اور ان کے ساتھی حضور نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ دوس کا قبیلہ سرکشی پر اُتر آیا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے انکاری ہے۔ آپ ان کے لیے دُعاءِ ہلاکت فرمائیے۔ اس پر بعض صحابہ نے کہا۔ قبیلہ دوس ہلاک ہو جائے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی۔ الٰہی انھیں ہدایت دے اور اسلام قبول کرنے کی توفیق دے۔

(۱) حضرت طفیل بن عمر دوسی یمن کے مشہور قبیلے دوس سے ہیں۔ یہ مکہ ہی میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ پھر اپنے وطن واپس ہوئے۔ پھر اصحاب کے ساتھ پہلی مرتبہ خیبر کے موقع پر حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے اور جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے ــــــ پھر دوسری بار خیبر میں اپنے اسی نوے ساتھیوں کے ہمراہ بحضور نبوت حاضر ہوئے تو انھوں نے یہ بھی کہا تھا حضور قبیلہ دوس میں زنا اور سود عام ہے۔ ان کی ہلاکت کی دُعا فرمائیے مگر حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہدایت کی دُعا فرمائی۔ واضح ہو کہ نبی علیہ السلام کو اپنے نورِ نبوت کی بنا پر جن کے اسلام قبول کرنے یا آئندہ اسلام لانے کا علم ہوتا ان کے حق میں دُعاءِ ہدایت فرماتے اور جن کے متعلق یہ علم ہوتا کہ وہ ایمان سے محروم رہیں گے ان کی ہلاکت کی دعائیں بھی آپ نے فرمائی ہیں۔

(۲) علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب ان کو قبیلہ دوس میں تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تو انھوں نے بحضورِ نبوت عرض کی میرے لیے کوئی علامت ہونی چاہیئے جس کی وجہ سے وہ ہدایت پائیں تو نبی علیہ السلام نے ان کے لیے دُعا فرمائی۔ الٰہی

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ لَهُ فَسَطَعَ نُورٌ لَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ يَا رَبِّ أَخَافُ أَنْ يَقُولُوا مُثْلَةٌ فَتَحَوَّلَتْ إِلَى طَرَفِ سَوْطِهِ فَكَانَتْ تَضِيءُ فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ فَسُمِّيَ ذُو النُّور (عینی ج ۱۴ ص ۲۰۸)

الٰہی انھیں نور عطا فرما تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمکنے لگا۔ اس پر انھوں نے کہا یارب مجھے خوف ہے کہ لوگ کہیں کہ ان کی شکل بگڑ گئی ہے تو یہ روشنی ان کے کوڑے کے کنارہ میں منتقل ہو گئی اسی بنا پر ان کا نام ذوالنور ہوا

بَابُ دَعْوَةِ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ

باب یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دینے

وَعَلَى مَا يُقَاتَلُونَ عَلَيْهِ وَمَا كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ وَالدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

اور ان سے جنگ کب کی جائے اور نبی علیہ السلام نے قیصر و کسریٰ کو خط لکھے اور جنگ سے قبل اسلام کی دعوت دی۔

۲۷۴۱۔ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ قِيلَ لَهُ أَنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَخْتُومًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ

حضرت انس کہتے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام نے قیصر روم کو دعوتِ اسلام کا خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو کہا گیا کہ وہ کوئی خط قبول نہیں کرتے جب تک سر بمہر نہ ہو تو حضور نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ اس کی سپیدی آپ کے دستِ مبارک پر میری نظروں میں ہے انگوٹھی پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

فوائد و مسائل

(۱) بادشاہِ روم قیصر کا لقب ہرقل ہے۔ قیصر کے لغوی معنیٰ پھٹنے یا پھاڑنے کے ہیں۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ قیصر جب اپنی والدہ کے پیٹ میں تھا تو اس کی ماں مر گئی پیٹ چاک کر کے اس کو نکالا گیا۔ اس لیے قیصر اس بات پر فخر کرتا تھا کہ میں شرمگاہ کے راستے پیدا نہیں ہوا۔ فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ترکی کے بادشاہ کا لقب خاقان، حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے۔

مرد کو چاندی، سونے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے؟ ۲۔ مستورات کو چاندی سونے کا زیور پہننا جائز

ہے اور مرد کو چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن ایک مثقال ہو جائز ہے اور سونے کی انگوٹھی مرد کو پہننے کے جواز میں اختلاف ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں جن سات باتوں سے منع فرمایا اس میں ایک سونے کی انگوٹھی بھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، امام نخعی، ثوری، اوزاعی، علقمہ مکحول اور ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ، شافعی، مالکی احمد اور اسحاق رضی اللہ عنہم مرد کو سونے کی انگوٹھی پہننے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہا سے استدلال فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے (نَھٰی عَنْ تَخَتُّمِ الذَّھَبِ) سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا (بخاری و مسلم)

—— اور فقہ حنفی کے رموز کو سب سے زیادہ جاننے والے سیدنا امام طحاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت جن میں حضرت عکرمہ، امام اعمش اور ابوالقاسم ازدی بھی شامل ہیں، مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کا جواز کرتے ہیں اور حدیث براء بن عازب سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ اور

فَاَلْبَسَنِیْہِ وَقَالَ اَلْبِسْ مَاکَسَاکَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ	مجھے سونے کی انگوٹھی پہنائی اور فرمایا پہن لے جو تجھے اللہ اور اس کا رسول پہنا رہا ہے۔

اس حدیث کو امام طحاوی نے اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کے جائز ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت براء و حذیفہ، سعد جابر بن سمرہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی مروی ہے —— شارح بخاری علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ بظاہر ان حدیثوں میں جواز و عدم جواز کا اختلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جب صحابی رسول کسی حدیث کو روایت کریں اور ان کا عمل یا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہو تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس حدیث کے خلاف ان کا عمل کسی دلیل کی بناء پر ہے۔ لِاَنَّہٗ لَا یُخَالِفُ مَارَوَاہُ اِلَّا بِدَلِیْلٍ تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا عمل اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہونا کسی دلیل پر مبنی ہوگا (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۰۸) —— یہ بحث

گھڑی کا چین

تو سونے کی انگوٹھی کے متعلق ہے جو شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمائی۔ اسی سے سونے کے علاوہ دھاتوں پیتل تانبہ وغیرہ کی کیفیت کا اندازہ ہو سکتا ہے —— میرا کہنا یہ ہے کہ جن امور میں گنجائش ہو ان میں اپنی یا کسی بزرگ کی تحقیق پر شدت و غلو مناسب نہیں ہے۔ کلائی پر جو گھڑی چین کے ساتھ باندھی جاتی ہے اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ خود گھڑی پیتل تانبے وغیرہ دھات سے بنی ہوتی ہے۔ اسے کلائی سے باندھنا کیوں جائز ہے؛ اگر وقت دیکھنے کی ضرورت جواز کی دلیل ہے تو جیبی گھڑی سے پوری ہو جاتی ہے۔ کلائی پر باندھنے کی ضرورت کیا؛ اور اگر گھڑی جائز ہے تو چین بھی گھڑی کا حصہ ہے وہ کیوں ناجائز ہوگی؟ اگر گھڑی انسان کی ضرورت ہے تو چین گھڑی کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ لطیفہ سُن لیجئے کہ مانعین پیتل تانبے وغیرہ دھاتوں سے بنی ہوئی عینکیں بڑے شوق سے پہنتے ہیں۔ یہ کیوں جائز ہیں؟

جب کہ یہ عینکیں بھی پیتل تانبے وغیرہ دھاتوں سے بنی ہوئی ہیں۔

۲۷۴۲ - یہاں امام بخاری نے حدیث عبد اللہ بن عباس ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ آپ نے کسریٰ کے نام ایک خط ارسال فرمایا جو اس نے پھاڑ دیا۔ نبی علیہ السلام نے ان کے لیے دعاءِ ہلاکت فرمائی۔

اَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ (بخاری) | الٰہی اسے ریزہ ریزہ کر دے

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک سال میں فارس کے چودہ بادشاہ ہلاک ہوئے۔ پھر اہلِ فارس نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ مقرر کیا۔ اس کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً | وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دے۔

یہ حدیث کتاب العلم فیوض ج اول صہ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔

بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب نبی علیہ السلام کا اسلام اور نبوت کی تبلیغ کرنا اور یہ

اِلَى الْاِسْلَامِ وَالنُّبُوَّةِ وَاَنْ لَّا يَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ (الآیۃ) | کہ ان میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کسی بشر کو لائق نہیں کہ اللہ اس کو نبوت اور کتاب دے پھر وہ کہے اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔

۲۷۴۳ - امام بخاری نے اس عنوان کے تحت وہی حدیث ذکر کی ہے جو فیوض ج اول ص۱۳۱ باب بدء الوحی میں گزر چکی ہے۔ جس میں ہرقل کو خط لکھنے کا ذکر ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے تمام مسائل و احکام ہم ذکر کر چکے ہیں۔ قارئین فیوض الباری جلد اول ص۱۳۱ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

۲۷۴۴ - عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يُّفْتَحُ عَلٰى يَدَيْهِ فَقَامُوْا يَرْجُوْنَ لِذٰلِكَ اَيُّهُمْ يُعْطٰى فَغَدَوْا وَكُلُّهُمْ يَرْجُوْ اَنْ يُّعْطٰى فَقَالَ اَيْنَ عَلِيٌّ فَقِيْلَ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ فَاَمَرَ فَدُعِيَ لَهٗ فَبَصَقَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَاَ مَكَانَهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بِهٖ شَيْءٌ فَقَالَ نُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا فَقَالَ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے دن نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی تو صحابہ کا حال یہ ہو گیا کہ یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ کس کو عطا کیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو سب کو امید تھی کہ جھنڈا اسے دیا جائیگا۔ حضور نے فرمایا۔ علی کہاں ہیں۔ عرض کیا گیا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ حضور نے حکم دیا تو انھیں لایا گیا۔ حضور نے اپنا لعاب دہن ڈال دیا تو وہ ایسے ٹھیک ہو گئے گویا ان کو کچھ تکلیف نہ تھی۔ حضرت علی نے عرض کی

تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يُهْدِيَ بِكَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ

(بخاری)

میں یہود سے جنگ کروں۔ حتیٰ کہ وہ ہماری مثل ہو جائیں۔ فرمایا ابھی توقف کرو۔ جب تم ان کے میدان میں پہنچو تو انھیں اسلام کی دعوت دو اور بتا دو جو ان پر واجب ہے۔ بخدا تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت ہو جائے تو یہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کا لعاب دہن ڈالنے سے حضرت علی کی آنکھیں فوراً درست ہو گئیں (۲) اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے کل کی خبر دی کہ میں ایسے شخص کو فوج کا جھنڈا عطا فرماؤں گا جس کے ہاتھ پر خیبر کا قلعہ قموص جو سب سے مضبوط قلعہ تھا فتح ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور کی پیشگوئی کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مرحب کو قتل کیا اور قلعہ کو فتح کر لیا (۳) اس حدیث سے واضح ہوا کہ اسلام کا مقصد صرف یہ نہیں کہ کفار و مشرکین کو قتل کر دیا جائے بلکہ ان کی بھلائی اور آخرت میں کامیابی کے لیے ان کی ہدایت مقصود ہے۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت ہو جائے وہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوتِ اسلام دینا واجب ہے

جمہور فقہائے اسلام کا مذہب یہ ہے کہ کفار سے جہاد کرنے سے پہلے انھیں دعوتِ اسلام دینا واجب ہے اور اگر ان کو پہلے اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے تو جنگ سے پہلے دوبارہ دعوتِ اسلام دینا مستحب ہے سیدنا امام مالک کا صحیح مذہب اور امام شافعی کا قولِ جدید اور سیّدنا امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے (نووی ج ۲ ص۸۲) ملک العلماء علامہ کاشانی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اگر کفار کو پہلے دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ زبانی انھیں دعوتِ اسلام دیں۔ سورہ نحل ۱۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ انھیں اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دیجئے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو کہ جو سب سے بہتر ہو۔ اگر ان کے کچھ شکوک و شبہات ہوں تو ان کو دُور کر دو تاکہ حجت تمام ہو جائے نیز جہاد کا مقصد کفار کو قتل کرنا نہیں ہے بلکہ جہاد دعوتِ اسلام کی بنا پر فرض ہے۔ اگر تبلیغ سے وہ اسلام کو قبول کر لیں تو اس سے بہتر اور کیا ہے۔ زیرِ بحث حدیث میں حضور کا یہ ارشاد کہ اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت ہو جائے وہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے، اسی امر کا آئینہ دار ہے۔

۱۲۷۴۵۔ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر چڑھائی کرنے جاتے تو اس وقت تک

إِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يَغْزُ حَتَّى يُصْبِحَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ بَعْدَ مَا يُصْبِحُ فَنَزَلْنَا خَيْبَرَ لَيْلًا

کوئی اقدام نہیں فرماتے تھے جب تک صبح نہ ہو لے جب صبح ہو جاتی اور اذان کی آواز سن لیتے تو رک جاتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو (اس یقین کے بعد کہ یہاں مسلمان نہیں ہیں) آپ حملہ کرتے تھے، صبح ہونے کے بعد۔ چنانچہ خیبر میں بھی ہم رات میں پہنچے تھے۔

۲۷۴۶۔ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ خَرَجَ إِلَى الْخَيْبَرِ فَجَاءَهَا لَيْلًا وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بِلَيْلٍ لَا يُغِيرُ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ (بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور رات میں خیبر تشریف لے گئے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کسی قوم تک رات کے وقت پہنچتے تو صبح سے پہلے ان پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکلے۔ جب انہوں نے لشکر دیکھا تو چیخ پڑے محمد، بخدا محمد لشکر کے ساتھ (آگئے) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی ذات سب سے اکبر وارفع ہے۔ خیبر تو تباہ ہوا کہ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔

۲۷۴۸۔ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ وَمَالَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ رَوَاهُ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ اس کا اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو اس کا جان و مال ہم سے محفوظ ہے مگر اسلام کے حق کے سوا کہ اسکا حساب اللہ پر ہے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ حالت جنگ میں جب تک وہ اسلام قبول نہ کریں اس وقت ان کا جان و مال محفوظ نہ ہوگا اور جب وہ اسلام قبول کرلیں تو پھر وہ ہمارے بھائی ہیں۔ الا یہ کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا جس کی وجہ سے اس کی جان و مال پر زد پڑتی ہے تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

بَابُ مَنْ أَرَادَ غَزْوَةً فَوَرَّى بِغَيْرِهَا

باب جس نے جہاد کا ارادہ کیا اور غیر کی طرف اشارہ کیا اور جس نے جمعرات کے دن جہاد کے سفر کو پسند کیا

وَمَنْ أَحَبَّ الْخُرُوجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ

۲۷۴۹- حضرت کعب ابن مالک کا بیان ہے کہ نبی علیہ السلام کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو توریۃً اس کا مقام کچھ اور بیان فرماتے (بخاری)

۲۷۵۰- حضرت کعب سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو بہت کم ایسا ہوتا کہ حضور اس مقام کا نام برملا بتا دیتے لیکن غزوہ تبوک کا موقع آیا اور آپ نے سخت گرمی میں طول وطویل اور جنگلات کا سفر کیا اور کفار کی کثیر تعداد کے مقابل لے گئے۔

فَجَلّٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ اَمْرَهُمْ لِیَتَاَهَّبُوْا اُهْبَةَ عَدُوِّهِمْ وَاَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِیْ یُرِیْدُ (بخاری)

تو حضور نے مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا تاکہ مسلمانوں کی تعداد اور قوت کے مطابق سامان مہیا کریں اور انہیں جہاد کی جگہ (تبوک) کی بھی نشاندہی فرما دی۔

۲۷۵۱- حضرت کعب سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور آپ جمعرات کو روانہ ہونا پسند فرماتے تھے (بخاری) ——— فوجیوں کو جنگ کی جگہ اور مقام کی طرف نہ بتانا اور جس طرف جانا ہے اس کے غیر کی طرف اشارہ کرنا، یہ جنگ کی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ دشمن کو یہ معلوم نہ ہو کہ مسلمانوں کا لشکر کس طرف کوچ کرنا چاہتا ہے یا کوئی جاسوس دشمن کو اصل مقام سے مطلع نہ کر دے ۲- جمعرات کو سفر کوئی ضروری نہیں ہے لیکن نبی علیہ السلام عموماً جمعرات کو سفر کا آغاز فرماتے تھے۔ ویسے آپ نے جمعرات کے علاوہ اور دنوں میں بھی سفر کا آغاز فرمایا ہے۔

بَابُ الْخُرُوْجِ بَعْدَ الظُّهْرِ

باب نماز ظہر کے بعد سفر کرنا

۲۷۵۲، ۲۷۵۳- اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے ظہر کے بعد سفر کا آغاز کیا۔

بَابُ الْخُرُوْجِ آخِرَ الشَّهْرِ

باب مہینہ کے آخر میں سفر کا آغاز کرنا

ذی القعدہ کے پانچ دن باقی رہ گئے (بخاری) ——— چونکہ احادیث میں حضور نبی کریم کے اقوال واعمال کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام نے جو دیکھا یا سُنا اسے بیان کر دیا۔ بہرحال حسب ضرورت ظہر کے بعد اور آخر مہینہ میں یا کسی بھی وقت سفر کرنا جائز ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل گیارھویں پارے کی تفہیم وترجمانی کی توفیق رفیق عطا کی اور اس حدیث پر پارہ گیارہ ختم ہوا۔ اب ان شاء اللہ بارھویں پارے کی تفہیم وترجمانی شروع کی جا رہی ہے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

اَلجُزءُ الثَّانِی عَشَر بارھواں پارہ

بَابُ الخُرُوجِ فِی رَمَضَانَ

باب رمضان میں سفر کرنا

۲۷۵۴- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام رمضان کے مہینے میں سفر کے لیے روانہ ہوتے جب کدید کے مقام پر پہنچے تو آپ نے افطار کرلیا (بخاری) ـــــ یہ حدیث فیوض الباری کتاب الصوم صہ پر گزر چکی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ماہِ رمضان میں سفر کرنا جائز ہے۔ روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔

۲- کدید مکہ معظمہ کے قریب دو مرحلہ پر ایک مقام ہے۔

بَابُ التَّوْدِیعِ

باب مسافر کو وداع کرنا

ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا اور فرمایا۔ اگر تمہیں قریش کے دو شخص جن کا آپ نے نام لیا۔

فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ قَالَ ثُمَّ اَتَيْنَاهُ نُوَدِّعُهُ حِينَ اَرَدْنَا الْخُرُوجَ وَقَالَ اِنِّي كُنْتُ اَمَرْتُكُمْ اَنْ تُحَرِّقُوا فُلَانًا بِالنَّارِ وَاِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللّٰهُ فَاِنْ اَخَذْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا

(بخاری)

مل جائیں تو انھیں آگ سے جلا دینا۔ پھر ہم سفر پر روانہ ہونے کے وقت حضور سے ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں کو آگ سے جلا دینا۔ آگ سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی سزا نہیں دے گا۔ پس اگر تم ان دونوں کو پکڑ لو تو قتل کردینا۔

ان دو اشخاص کا نام ہبار بن اسود اور نافع بن عبدالقیس تھا۔ انھوں نے حضور کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اونٹ سے گرا دیا تھا جس کے صدمہ سے وہ بیمار رہنے لگیں اور اسی مرض میں وفات پا گئیں۔

(۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ بطور حد کسی کو آگ میں جلانا جائز نہیں ہے بلکہ تلوار سے قتل کردینا چاہیے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، ابراہیم نخعی، سفیان عطا اور امام ابو یوسف و محمد کا بھی یہی موقف ہے۔ اسی طرح بجلی کی کرسی پر کرنٹ دے کر مجرم کو مار دینا بھی ممنوع ہے۔ قصاص اور حد میں تلوار ہی سے ملزم کو مارنا چاہیے۔

حالتِ جنگ میں کافر کی جان و مال محترم نہیں رہتا

واضح ہو کہ جہاد میں کافر کا مال و جان محترم نہیں رہتا۔ جب جان ہی محترم نہیں رہی تو مال کیسے محترم ہوگا۔ نیز حالتِ جنگ میں ہر طرح کے جدید و قدیم ہتھیاروں کو مصلحت کے مطابق استعمال کرنا مباح و جائز ہے جیسے

قتل وغارت، لوٹ مار، شب خون، درختوں اور مکانوں اور کھیتوں کو حسب ضرورت برباد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ محاصرہ کے وقت پانی بند کر دینا۔ دشمن کی فوج پر آگ برسانا، بم راکٹ وغیرہ جدید ہتھیاروں سے انھیں ہلاک کرنا۔ یہ سب کچھ حالت جنگ میں جائز ہے۔ حتیٰ کہ اگر کافر حالت جنگ میں مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنالیں اور ان پر حملہ کیے بغیر چارہ نہ ہو تو بھی حملہ کرنا جائز ہے خواہ مسلمان مرد اور عورت اور بچے ہلاک ہو جائیں۔ لیکن ایسی صورت میں مسلمان فوجیوں کو کفار کو تباہ و برباد کرنے کی نیت و قصد کرنا چاہیئے خواہ اس حملہ سے مسلمان بھی مارے جائیں (بدائع وصنائع ج ۷ ص۱۰۱)

بَابُ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

بَاب جب تک امام گناہ کا حکم نہ

لِلْإِمَامِ مَالَمْ يَأْمُرْ بِمَعْصِيَةٍ | دے اس کی بات سُننی اور ماننی چاہیئے

۲۷۵۵۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا

قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ | بات سُننا اور ماننا حق ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سُننا ہے اور نہ ماننا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام و خلیفہ اگر شریعت کے خلاف کسی کام کا حکم دیں اس میں ان کی اطاعت واجب نہیں ہے علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ امام و خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اور اگر وہ گناہ کے کام کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت مکروہ تحریمہ ہے (عینی) اس حدیث سے خوارج نے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق و فاجر ظالم حکام کے خلاف (خروج) جنگ کرنا واجب ہے۔ مگر جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ جب تک حاکموں سے کفر بواح کا ظہور نہ ہو اس وقت تک ان سے جنگ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَلَا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ | ہاں اگر تمہیں اس میں واضح کھلم کھلا کفر نظر آئے جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس قرآن و سنت سے واضح دلیل ہو۔ (تو اس صورت میں ایسے حاکم کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے)

بہر حال یہ مسئلہ تفصیلی طور پر کتب فقہ میں مع دلائل کے موجود ہے یعنی یہ کہ جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر معصیت یعنی جو کام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں امراء اور حکام کی اطاعت واجب ہے اور (معصیت) گناہ کے کاموں میں ان کی اطاعت حرام ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ) اور صاحبان امر (حکام) کی اطاعت کرو ــــ اب اگر حکام گناہ کے کام

کا حکم دیں تو معصیت میں ان کی اطاعت حرام ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کے خلاف خروج جنگ نہیں کرینگے کیونکہ ایسا کرنے سے ملک کی سالمیت کو نقصان ہوگا۔ امن کی اور لوگوں کے جان و مال کی بربادی ہوگی۔

بَابٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَآءِ الْإِمَامِ وَيُتَّقٰى بِهٖ

باب امام کی سرپرستی میں جنگ کی جائے اور اسکے ہی ذریعہ اپنا بچاؤ کیا جائے

۲۷۵۶۔ وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِيْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِهٖ وَ يُتَّقٰى بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَّاِنْ قَالَ بِغَيْرِهٖ فَاِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ہم آخر اور سابق ہیں۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور امیر ڈھال ہے اس کی پناہ میں لڑا جاتا ہے اور بچا جاتا ہے۔ پس اگر وہ اللہ کے تقوی (احکام) کے مطابق حکم دے اور انصاف کرے تو اس کے لیے ثواب ہے۔ اگر وہ اس کے سوا کسی اور بات کا یعنی خلافِ شرع کا حکم دے تو اس کا وبال اس پر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معروف میں امیر کی اطاعت لازم ہے کیونکہ خلافِ شرع کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ امیر ہو یا خلیفہ، پیر و مرشد ہو یا ماں باپ، خلافِ شرع کام میں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں ہے یہ حدیث فیوض جلد اول کتاب الوضوء میں گزر چکی ہے۔

بَابُ الْبَيْعَةِ فِي الْحَرْبِ

باب لڑائی کے موقع پر بیعت

عَلٰى اَنْ لَّا يَفِرُّوْا وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَلَى الْمَوْتِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

لینا کہ بھاگیں گے نہیں اور بعضوں نے کہا موت پر بیعت لینا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان مومنین سے جو تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے ہیں۔

۲۷۵۷۔ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِيْ بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَحْمَةً مِّنَ اللّٰهِ فَسَاَلْتُ نَافِعًا عَلٰى اَيِّ شَيْءٍ بَايَعَهُمْ عَلَى الْمَوْتِ قَالَ لَا بَلْ بَايَعَهُمْ عَلَى الصَّبْرِ

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم سالِ آیندہ بیعت رضوان کی جگہ پر پہنچے تو ہم میں سے دو شخص بھی اس بات پر متفق نہ ہو سکے کہ وہ کونسا درخت ہے؟ اور یہ درخت اللہ کی رحمت تھا (جویریہ) نے حضرت نافع سے پوچھا تم لوگوں نے کس بات پر بیعت کی تھی موت پر؟ تو انہوں

نے کہا نہیں بلکہ ان لوگوں نے صبر پر بیعت کی تھی۔

(۱) احادیث میں موت اور صبر اور دیگر اعمالِ خیر پر بیعت کا ذکر آیا ہے۔ دراصل موت اور صبر دونوں کا حاصل ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ بوقتِ جہاد بزدلی کی وجہ سے میدان سے نہیں بھاگیں گے بلکہ ثابت قدم رہ کر دشمن کا دلجمعی سے مقابلہ کریں گے۔ خواہ جان ہی چلی جائے۔

(۲) آیت میں مومنین سے مراد وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی اور جس درخت کے نیچے یہ بیعت ہوئی وہ کیکر یا بیری کا درخت تھا۔ اس بیعت میں چودہ سو یا پندرہ یا اٹھارہ سو صحابہ کرام شریک ہوئے جن میں حضرات خلفاء اربعہ ابوبکر، عمر و علی رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ سیدنا عثمانِ غنی کو چونکہ نبی علیہ السلام نے اس موقع پر اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تھا اس لیے وہ حاضر نہ تھے مگر نبی علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیکر انہیں بھی بیعت فرمالیا اور یوں حضرت عثمانِ غنی کو بھی اس بیعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔

(۳) اس بیعت کو بیعتِ رضوان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بیعت غزوہ حدیبیہ ۶ھ ذی قعد کے مہینہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ جس کا ذکر قرآنِ مجید کی مذکورہ بالا آیت میں ہے۔ روایت ہے کہ صحابہ صلح حدیبیہ کے بعد (آیندہ سال) اس مقام پر آئے تو وہ درخت صحابہ کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ اس لیے صحابہ نہ جان سکے کہ وہ درخت جس کے نیچے بیعت ہوئی کونسا ہے؟ وَرُوِیَ اَنَّھَا عُمِّیَتْ عَلَیْھِمْ مِنْ قَابِلٍ فَلَمْ یَدْرُوْا اَیْنَ ذَھَبَتْ (عینی ج ۱۴ ص ۲۲۳)

(۴) حدیث زیرِ عنوان میں اس درخت کے متعلق کَانَتْ رَحْمَۃً مِّنَ اللّٰہِ کے الفاظ آئے ہیں کہ یہ درخت اللہ تعالیٰ کی رحمت تھا۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے اس کی شرح ان لفظوں سے فرمائی ہے کہ

اَیْ کَانَتْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃُ مَوْضِعَ رَحْمَۃِ اللّٰہِ وَمَحَلَّ رِضْوَانِہٖ	یہ درخت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جگہ اور اس کی رضوان (رضا) کا محل تھا (عینی ج ۱۴ ص ۲۲۳)

تو اس درخت کا رحمت و رضوانِ الٰہی کا خزانہ ہونا حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے۔ جو چیز اللہ کی رحمت و رضا کی جگہ اور محل ہو اس کی تعظیم و توقیر اور اسے متبرک سمجھنا جائز ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے واضح ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے آثار کی تعظیم کرتے اور اسے متبرک سمجھتے تھے۔ اب یہ کہنا کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس لیے کٹوا دیا تھا کہ لوگ اس کی تعظیم کریں گے اور اس کو متبرک سمجھیں گے عقلاً و شرعاً غلط و باطل ہے۔

کیا جس درخت کے نیچے بیعت رضوان واقع ہوئی حضرت فاروق اعظم نے اسے کٹوا دیا تھا؟

بات دراصل یہ تھی کہ ایک سال گزرنے کے بعد ہی بیعتِ رضوان میں شامل صحابہ کرام کی نظروں سے وہ درخت ایسا اوجھل ہوا کہ دو عدد صحابہ کرام بھی قطعی طور پر یہ نہیں پہچان سکے وہ درخت کونسا ہے؟ جب ایک سال بعد

ہی اس کی یہ کیفیت ہو گئی تو دورِ فاروقی میں اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اس کی قطعی پہچان کیسے ممکن ہو سکتی ہے؛ بہر حال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو محض اس لیے کٹوا دیا کہ کسی کو قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ درخت کونسا ہے تاکہ مسلمانوں میں انتشار و اختلاف کی فضا باقی نہ رہے۔ حضرت عمر نے مسلمانوں کو افتراق و انتشار سے بچانے کے لیے اس درخت کو کٹوا دیا جسے لوگ بیعتِ رضوان والا درخت سمجھ رہے تھے ——— رہی یہ بات کہ اس درخت کو جس کو نبی پاک علیہ السلام کی ذاتِ پاک سے نسبت ہے کو متبرک و معظم جاننا تو یہ بات تو قرآن و سنت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ

انبیاء کرام اور صالحینِ امت سے نسبت رکھنے والی اشیاء کی تعظیم کرنا اور انھیں متبرک سمجھنا جائز ہے

انبیاء کرام اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی ذاتِ اقدس سے جس چیز کو نسبت ہو جائے اس کی تعظیم و توقیر کرنا، اسے باعثِ رحمت و برکت جاننا، ان اشیاء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت اور شفاءِ امراض کی دعا کرنا اور انبیاء و اولیاء کے ان تبرکات سے شفاءِ امراض اور حصولِ مراد کی توقع رکھنا جائز ہے شرک و بدعت ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مقدس درخت جس کے نیچے صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اس کے متبرک و معظم ہونے میں کیا شک ہے جب کہ بخاری شریف کی اس حدیث میں اس درخت کے رحمتِ الٰہی ہونے کی تصریح ہے۔ قرآن مجید سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۸ میں ارشادِ ربانی ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (قرآن ۲/۱۶)

بنی اسرائیل کے نبی (شموئیل) نے ان سے فرمایا کہ (طالوت کی) بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے (سامان) تسکین ہے اور موسیٰ و ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اس کو فرشتے اٹھا لائیں گے۔

یہ صندوق شمشاد کی لکڑی کا تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویریں تھیں۔ یہ تصویریں قدرتی تھیں۔ کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھیں۔ یہ صندوق جس میں تبرکات تھے وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ کے بعد بنی اسرائیل کے پاس رہا۔ اس وقت اس میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا، کپڑے اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصا مبارک اور چند ٹکڑے الواح کے تھے۔

بنی اسرائیل اس صندوق کو جس میں یہ تبرکات تھے لڑائی کے موقع پر ادب سے آگے رکھتے اور ان کو اس کی برکت سے فتح حاصل ہوتی اور جب انھیں کوئی حاجت پیش آتی تو وہ اس کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے۔ ان کی حاجت پوری ہو جاتی۔ لیکن جب بنی اسرائیل کے حالات خراب ہو گئے اور ان میں بدعملی پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ

نے ان پر قوم عمالقہ کو مسلط و غالب کر دیا۔ وہ ان سے یہ صندوق بھی چھین کر لے گئے۔ قوم عمالقہ نے اس صندوق کو نجس و گندے مقام پر رکھا اور اس کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کے مصائب و امراض میں مبتلا ہوئے اور ان کی پانچ بستیاں تباہ و برباد ہوگئیں۔ وہ بہت زیادہ متحیر اور پریشان ہوئے تو بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو ان کے پاس تھی، کہا کہ اگر سلامتی چاہتے ہو تو اس صندوق کو اپنے یہاں سے نکال دو۔ تمہاری تباہی کا باعث اس صندوق کی بے ادبی ہے۔ ان کو بھی یقین ہو گیا۔ آخر انھوں نے ایک بیل گاڑی پر اس صندوق کو رکھا اور دو شریر و سرکش بیل جوت کر ان کو چھوڑ دیا۔ فرشتے ان کو بنی اسرائیل کے سامنے ان کو بادشاہ طالوت کے پاس لے آئے۔ چنانچہ الٰہی تبرکات کی وجہ سے طالوت کو باذن اللہ فتح حاصل ہوئی اور اسی صندوق کا آنا طالوت کی بادشاہی کی نشانی تھا جس کی خبر ہمیں بنی اسرائیل کے نبی حضرت شموئیل علیہ السلام نے دی (تفسیر ابن جریر، تفسیر فارس، مدارک، خزائن العرفان) ——— ثابت ہوا کہ محبوبانِ خدا کے آثار اور ان کی طرف منسوب اشیاء کا اعزاز و احترام خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے اور ان کی تعظیم و توقیر لازم ہے اور ان کی اہانت و بے ادبی مصائب و آلام کا سبب ہوتی ہے۔

الغرض جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام سے نسبت رکھنے والی اشیاء کے متبرک ہونے کا یہ حال ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے نسبت رکھنے والی اشیاء کی عظمت و شان کا کیا عالم ہوگا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والد محترم حضرت یعقوب علیہم السلام کی بینائی میں کمزوری آگئی تو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَأْتِ بَصِيْرًا ج　|　کہ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

چنانچہ جب اس قمیص کو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر ڈالا گیا تو فوراً ان کی آنکھیں روشن و درست ہوگئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے استعمال شدہ قمیص کی یہ تاثیر بتائی کہ اس کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دینے سے ان کی بینائی میں جو خرابی پیدا ہوگئی ہے وہ ٹھیک ہو جائے گی ——— پھر اللہ رب العالمین نے اس واقعہ کو قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا۔ آخر کیوں؟ کیا اس واقعہ سے بنص قرآن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے منسوب اشیاء باعثِ رحمت و برکت ہو جاتی ہیں اور ان سے نفع کی توقع رکھنا (جیسے بیمار کا شفایاب ہونا وغیرہ) اور انھیں متبرک و معظم جاننا اور ان کی تعظیم کرنا جائز ہے شرک ہرگز نہیں ہے۔

(۲) حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اٰخِذٌ شَعْرَهٗ يَقُوْلُ مَنْ اٰذٰى شَعْرَةً مِّنْ شَعْرِىْ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ　|　میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ اپنا ایک موئے مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے فرما رہے تھے جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت پہنچائی تو اس پر جنت حرام ہے۔

(جامع صغیر ص ۱۴۵ کنز العمال ج ۲ ص ۲۷۶)

(۳) حضرت محمد بن سیرین تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ اَنَسٍ اَوْ مِنْ قِبَلِ اَهْلِ اَنَسٍ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعْرَةٌ مِّنْهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا (بخاری ج ۱ ص ۲۹)

میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس سے ملے ہیں (یہ سن کر) حضرت عبیدہ نے کہا کہ میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهُ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ (مسلم کتاب الفضائل ط ۲ ص ۲۵۶)

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کی حجامت بنا رہا ہے اور آپ کے اصحاب آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ آپ کا جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔

(۵) حضرت اسمٰعیل بن یعقوب تیمی فرماتے ہیں کہ ابن منکدر مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لیٹتے اور لوٹتے۔ ان سے اس بات کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے (وفاء الوفا)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا۔

وَاضِعًا يَدَهٗ مَقْعَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَهَا عَلٰى وَجْهِهٖ (شفا شریف ص ۲ / ۴۴)

کہ منبر اقدس میں جو جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی وہاں اپنے ہاتھوں کو ملتے پھر اپنے منہ پر پھیر لیتے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو وضو کے پانی کے حصول کے لیے حاضرین میں لڑائی تک نوبت پہنچنے لگتی اور پھر جس کو حاصل ہو جاتا وہ تبرک سمجھ کر اپنے چہرہ پر مل لیتا (بخاری)

(۶) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ چمڑی سرخ قبا میں تھے۔

وَرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَاكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَالٍ

میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے کے لیے دوڑ رہے تھے۔ جس کو اس میں کچھ ملتا وہ اسے اپنے (منہ اور ہاتھوں) پہ ملتا اور جس کو کچھ

يَدِ صَاحِبِهٖ (مسلم ۲ صہ ۱۹۰) | نہ ملتا وہ دوسروں کے ہاتھوں کی تری لے کر مل لیتا

(۷) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف تھا۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يَسْتَشْفٰى بِهَا (مسلم ۲ صہ ۱۹۰) | وہ فرماتی ہیں کہ اس جبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلاتے اور شفا ہو جاتی ہے۔

(۸) امام ابن مامون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔

فَكُنَّا نَجْعَلُ فِيْهَا الْمَآءَ لِلْمَرْضٰى فَيَسْتَشْفُوْنَ بِهَا (شفا شریف) | ہم اس میں پانی ڈال کر بغرض شفا بیماروں کو پلاتے تو شفا ہو جاتی۔

(۹) حضرت محمد بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا ہمارے پاس تھا۔

نَغْسِلُهَا لِلْمَرِيْضِ يَسْتَشْفِىْ بِهَا (ابن عدی، اصابہ) | ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلاتے تو شفا ہو جاتی۔

(۱۰) حضرت خداش بن ابی خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جو انھوں نے حضور سے لیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی کبھی حضرت خداش کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے، اسے آب زم زم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے (اصابہ ترجمہ حضرت خداش و کنز العمال)

(۱۱) حضرت عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عریض و عمدہ پیالہ دیکھا جو چوب نضارہ کا بنا ہوا تھا اور اس پر لوہے کا ایک حلقہ بنا ہوا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنا ئیں مگر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہوا سے تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ویسے ہی رہنے دیا اور فرمایا:۔

لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ هٰذَا الْقَدَحِ اَكْثَرَ مِنْ كَذَا وَكَذَا (بخاری) | میں نے اس پیالے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا پانی پلایا ہے

یہی پیالہ حضرت نضر بن انس کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم کا خریدا گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پیالے کو بصرے میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے (شرح شمائل للبیجوری بحوالہ شرح مناوی)

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنا عصا مبارک عطا

فرما کر فرمایا۔ اس کے ساتھ جنت میں چلے جانا۔ وہ عصا مبارک حضرت عبداللہ کے پاس رہا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (زرقانی علی المواہب، حیٰوۃ الحیوان، بیہقی، ابونعیم)

(۱۳) حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چھوٹا سا عصا مبارک تھا۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کی وصیت کے مطابق عصا ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (بیہقی، ابن عساکر)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا جسے وہ جمعہ اور عیدین اور جب لڑائی میں فتح پاتے تو بطور تبرک پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا تھا (اصابہ)

(۱۵) حضرت ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے دادا موصوف کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اسے اپنے چہرے پر ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر امام بخاری)

(۱۶) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے ایک چادر حضور علیہ السلام کو پیش کی۔ آپ وہ چادر باندھ کر تشریف لائے۔ ایک صحابی نے وہ چادر حضور سے مانگ لی۔ آپ مجلس سے اُٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور وہ چادر اس سائل کو بھجوادی۔

صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے چادر کا سوال کر کے اچھا نہیں کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے اس وقت حضور کو اس کی ضرورت تھی۔

فَقَالَ الرَّجُلُ وَاللّٰهِ مَا سَاَلْتُهَا اِلَّا لِتَكُوْنَ كَفَنِيْ يَوْمَ اَمُوْتُ قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفَنَهٗ (بخاری)

اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے صرف اس لیے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ چادر (جو آپ کے جسم اطہر سے لگ چکی ہے) میرا کفن بنے۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ وہی چادر مبارک اس کا کفن بنی۔

(۱۶) حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب میں مر جاؤں تو اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسبِ وصیت ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور اسی حالت میں دفن کیے گئے (اصابہ ترجمہ انس بن مالک)

(۱۷) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال اور ناخن مبارک منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (طبقات ابن سعد جزو خامس ص۳۰ و مدارج النبوت)

(۱۸) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خوش قسمتی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کے

بال میرے پاس تھے۔ میں نے ان کو اپنی ٹوپی میں آگے کی طرف سی رکھا تھا۔ ان بالوں کی برکت تھی کہ عمر بھر ہر جہاد میں مجھے فتح و نصرت حاصل ہوتی رہی۔ (اصابہ شریف، خصائص کبریٰ)

(۱۹) حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میری بیوی کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کسی کو نظر لگتی یا کوئی بیمار ہوتا تو وہ برتن میں پانی ڈال کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا کرتی کیونکہ ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔

فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ تُمْسِكُهٗ فِيْ جُلْجُلٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَخَضْخَضَتْهُ لَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ (بخاری، مشکوٰۃ صـ۳۹۱)

تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بال کو نکالتیں جس کو انھوں نے چاندی کی نلکی میں رکھا ہوا تھا اور پانی میں ڈال کر ہلا دیتیں اور مریض وہ پانی پی لیتا (جس سے اس کو شفا ہو جاتی)

(۲۰) حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احمد بن فضلو کے پاس ایک کمان تھی۔ وہ فرماتے ہیں۔

مَامَسَسْتُ الْقَوْسَ بِيَدِيْ اِلَّا عَلٰى طَهَارَةٍ بَلَغَنِيْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الْقَوْسَ بِيَدِهٖ (شفا شریف صـ۴۲/۲)

جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمان کو ہاتھ میں لیا ہے میں نے کبھی اس کو بے وضو نہیں چھوا۔

(۲۱) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک تھا۔ جہجاہ نے غصہ کی حالت میں حضرت عثمان سے لے کر اس کو گھٹنے پر رکھ کر زور سے توڑنا چاہا۔ ہر طرف سے شور ہوا۔ ارے یہ کیا کرتا ہے مگر اس نے نہ سُنا اور توڑ ہی ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے گھٹنے میں ایک پھوڑا پیدا ہوا جس کو اکلہ کہتے ہیں جو جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ تھوڑے عرصہ میں پاؤں کاٹنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اس کی تکلیف سے وہ مر گیا۔ (شفا شریف)

(۲۲) حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے حصے میں بالوں کا ایک گچھا تھا۔

اِذَا قَعَدَ وَاَرْسَلَهَا اَصَابَتِ الْاَرْضَ فَقِيْلَ لَهٗ اَلَا تَحْلِقُهَا فَقَالَ لَمْ اَكُنْ بِالَّذِيْ اَحْلِقُهَا وَقَدْ مَسَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ (شفا شریف صـ۲/۴۲، کنز العمال)

جب وہ بیٹھتے اور اس کو چھوڑ دیتے تو وہ زمین سے جا لگتا انھیں کہا گیا کہ تم ان کو منڈوا کیوں نہیں دیتے فرمایا میں انہیں ہرگز نہیں منڈواؤں گا کیونکہ ان پر حضور کا ہاتھ مبارک لگا ہوا ہے۔

(۲۳) حضرت امام مالک نے اس شخص کو تیس دُرّے مارنے کا حکم دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ آپ نے فرمایا جس سرزمین میں افضل الخلائق آرام فرما ہیں تو کہتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی خراب ہے تو اس لائق تھا کہ تیری گردن اُڑا دی جائے (شفا شریف)

(۲۴) حضرت سلمیٰ امرأۃ ابی رافع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تو میں نے

غسل کا پانی پیا اور آپ کو اطلاع دی۔

فَقَالَ اذْهَبِیْ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ بَدَنَكِ عَلَی النَّارِ	تو فرمایا جا تیرے جسم پر آتش دوزخ حرام ہو گئی (طبرانی، خصائص کبریٰ)

(۲۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے جو خون نکلا وہ ایک قریشی غلام نے پی لیا۔

فَقَالَ اذْهَبْ فَقَدْ اَحْرَزْتَ نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ (خصائص کبریٰ، زرقانی ص۲۲۹/۴)	تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جا تو نے اپنے نفس کو دوزخ سے بچا لیا۔

(۲۶) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی گئے تھے۔ جب کہ پچھنے لگوا کر خون ان کو دیا تھا کہ جاؤ باہر کہیں ایسی جگہ چھپا دو جہاں کوئی نہ دیکھے۔ وہ باہر نکل کر پی گئے۔ جب واپس آئے تو فرمایا کیا کر آیا ہے؟ عرض کی ایسی جگہ چھپا آیا ہوں جہاں کوئی نہ دیکھے گا۔ فرمایا یقیناً تو پی آیا ہے؟ عرض کی ہاں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس میں آپ کا خون ہوگا۔ اس کو دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ حضور نے فرمایا جا تو دوزخ کی آگ سے محفوظ ہو گیا۔ (مدرک، کنز العمال، شفا شریف، بزار، ابو یعلیٰ، بیہقی، خصائص کبریٰ ص۶۸/۱ زرقانی ص۲۳۰/۴)

(۲۷) حضرت عبد اللہ بن زبیر سے کسی نے پوچھا کہ خون اقدس کا ذائقہ کیسا تھا تو فرمایا ذائقہ شہد کی طرح اور خوشبو کستوری جیسی (شرح شفا ملا علی قاری)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ اُحد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا۔ تو لب مبارک بھی مجروح ہو گیا اور خون بہنا شروع ہو گیا۔ حضرت مالک بن سنان (حضرت ابو سعید خدری کے والد) رضی اللہ عنہم نے جو دیکھا تو آگے بڑھ کر لب مبارک کو چوسنا شروع کر دیا اور اتنا چوسا کہ وہ جگہ سفید ہو گئی۔ جب وہ چوس رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا۔ اسے پھینک دے تو انھوں نے کہا واللہ میں آپ کے خون مبارک کو زمین پر نہ پھینکوں گا اور اسے نگل لیا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی هٰذَا	تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص (مالک بن سنان کو دیکھ لے جس نے میرا خون پی لیا ہے۔ (زرقانی علی المواہب ص۲۳۰/۸)

(۲۸) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پیشاب کیا۔ میں اٹھی اور پانی سمجھ کر پی گئی۔ کیونکہ میں پیاسی تھی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر جب میں نے بتایا کہ واللہ وہ تو میں پی گئی تو آپ سن کر بہت ہنسے۔

وَقَالَ لَنْ تَشْتَکِیْ وَجَعَ بَطْنِكِ بَعْدَ یَوْمِكِ هٰذَا اَبَدًا (مستدرک حاکم ص۶۳/۴ دلائل النبوۃ ص۳۲۰)	اور فرمایا کہ آج سے تجھ کو کبھی پیٹ کی کوئی بیماری نہ ہوگی۔ (ابو نعیم، خصائص کبریٰ ص۷۱ زرقانی ص۲۳۱/۴)

اسی طرح برکت نامی کنیز نے (جو ام المومنین ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی) حضور کا بول مبارک پی لیا تھا۔ جس پر حضور نے اس کو منع فرمایا تھا کہ تو نے اپنے آپ کو جہنم سے بچالیا۔ (خصائص کبریٰ)

(۲۹) امام قاضی عیاض اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وَلَمْ يَأْمُرْ وَاحِدًا مِنْهُمْ بِغَسْلِ فَمٍ وَلَا نَهَاهُ عَنْ عَوْدَةٍ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے نہ تو کسی سے کہا کہ اپنے مونہوں کو دھوؤ اور نہ ہی آئندہ کے لیے منع فرمایا۔

معلوم ہوا کہ امت کے حق میں حضور کے فضلاتِ مبارک طیب وطاہر، باعث برکت اور دافع الامراض ہیں ورنہ حضور منع فرما دیتے۔ علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اَلْحَدِيْثُ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ الَّتِيْ شَرِبَتْ بَوْلَهُ صَحِيْحٌ (شفا شریف، زرقانی علی المواہب ص ۲۲۹/۴)

(۳۰) حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان تمام مقامات اور ان تمام اشیاء کی تعظیم وتکریم کرنا جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعظیم وتکریم ہے اور بہت ہی خیر وبرکت کا باعث ہے، یہاں تک کہ

وَاَوَّلُ اَرْضٍ مَسَّ جِلْدَ الْمُصْطَفٰى تُرَابُهَا اَنْ تُعَظَّمَ عَرَصَاتُهَا وَتُنَسَّمَ نَفَحَاتُهَا وَتُقَبَّلَ رُبُوْعُهَا وَجُدْرَاتُهَا

(شفا شریف ص ۴۶/۲)

جس سرزمین کی مٹی کو حضور کے جسم مقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے

(۳۱) علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَكَاثَرَتِ الْاَدِلَّةُ عَلٰى طَهَارَةِ فُضُلَاتِهٖ وَعَدَّ الْاَئِمَّةُ ذٰلِكَ فِيْ خَصَائِصِهٖ

(فتح الباری شرح بخاری ص ۳۲۲)

بیشک آپ کے فضلاتِ شریفہ کے طیب وطاہر ہونے پر بڑی کثرت سے دلائل قائم ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

(۳۲) شیخ الاسلام علامہ امام بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ وَرَدَتْ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ اَنَّ جَمَاعَةً شَرِبُوْا دَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَبُوْ طَيْبَةَ الْحَجَّامُ وَغُلَامٌ مِنْ قُرَيْشٍ حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زُبَيْرٍ شَرِبَ دَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ

بیشک بہت سی حدیثیں اس بارہ میں وارد ہوئی ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ مبارک پیا۔ ان میں حضرت ابوطیبہ حجام ہیں اور ایک قریشی لڑکا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنے لگائے تھے اور عبداللہ بن زبیر نے آپ کا خونِ مبارک پیا ہے۔ روایت کیا ہے اسے بزار،

وَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ وَ یُرْوٰی عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ شَرِبَ دَمَ النَّبِیِّ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ رُوِیَ اَیْضًا اَنَّ اُمَّ اَیْمَنَ شَرِبَتْ بَوْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَ الدَّارُ قُطْنِیُّ وَ اَبُوْ نُعَیْمٍ وَ اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ فِیْ رِوَایَةِ سَلْمٰی اِمْرَاَةِ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّهَا شَرِبَتْ بَعْضَ مَاءٍ غَسَلَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا حَرَّمَ اللّٰهُ بَدَنَكِ عَلَی النَّارِ

(عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۱/۴۷)

طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے حلیہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خونِ اقدس پیا ہے۔ نیز مروی ہے کہ ام ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پیا۔ اس حدیث کو حاکم دارقطنی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں ابورافع کی عورت سلمٰی سے روایت کیا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل میں استعمال کیا ہوا پانی پیا تو آپ نے اس کو فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس پانی کی وجہ سے تجھ کو دوزخ پر حرام فرما دیا۔

(۳۳) امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَ اَمَّا طِیْبُ رِیْحِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ عَرَقِهٖ وَ فُضَلَاتِهٖ فَقَدْ کَانَتِ الرَّائِحَةُ الطَّیِّبَةُ صِفَتَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنْ لَّمْ یَمَسَّ طِیْبًا (مواہب اللدنیہ ص ۱/۲۸۴)

وَ رُوِیَ اَنَّهٗ کَانَ یُتَبَرَّكُ بِبَوْلِهٖ وَ دَمِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (مواہب اللدنیہ ص ۱/۲۸۴)

بہر نوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریح مبارک، پسینۂ اقدس اور حضور کے فضلاتِ شریفہ کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سب حضور اقدس کی ذاتِ مقدسہ کی صفات تھیں خواہ آپ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں۔

اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول مبارک اور خونِ اقدس سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔

الغرض جلیل القدر صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین و محدثین اور فقہاءِ اسلام نے نبی علیہ السلام سے صحابہ کرام کی والہانہ عقیدت مندی کے واقعات کو نہ صرف بیان فرمایا ہے بلکہ شارحین کرام، علماءِ اسلام اور مفسرین عظام نے ان احادیث سے استدلال و استنباط فرمایا ہے۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے نسبت رکھنے والی اشیاء سے صحابہ کرام کی والہانہ عقیدت مندی کی نہ صرف تائید و توثیق اور تحسین فرمائی بلکہ انہیں جنت کی بشارت اور برکت و رحمت کی نوید بھی سنائی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبی علیہ السلام کی ذاتِ پاک سے نسبت رکھنے والی اشیاء سے صحابہ کرام کی عقیدت و محبت، تعظیم و توقیر کے یہ مناظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظہور پذیر ہوتے تھے، اور حضور نے کبھی منع نہیں فرمایا جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی اس عقیدت مندی کو حضور شریعتِ اسلامیہ کے خلاف نہیں جانتے تھے ورنہ ضرور بالضرور صحابہ کو روکتے اور منع فرماتے ——— تو جب قرآن و سنت اور صحابہ کے عمل سے یہ ثابت و واضح ہے کہ انبیاء کرام کے آثار، ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء کو باعثِ رحمت و برکت سمجھنا، انکی تعظیم و

توقیر کرنا اور ان تبرکات سے فتح و نصرت کی امید رکھنا جائز ہے تو ایسی صورت میں یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ نے اس درخت کو اس لیے کٹوا دیا تھا کہ لوگ اس کی تعظیم کریں گے اسے متبرک سمجھیں گے، محض ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دینی وشرعی حیثیت نہیں ہے اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ چونکہ وہاں متعدد درخت تھے۔ کسی کو بھی یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ تھا کہ وہ درخت جس کے نیچے بیعت ہوئی کونسا ہے؟ ایسی صورت میں کوئی کہتا وہ درخت یہ ہے اور کوئی کہتا وہ ہے اور اس طرح افتراق و انتشار پیدا ہو جاتا۔ چنانچہ آپ نے اس کے تدارک کے لیے اس درخت کو کٹوا دیا۔

۲۷۵۸۔ حضرت عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ حرہ کے زمانہ میں ایک آنیوالے نے بتایا کہ ابن حنظلہ لوگوں کو موت پر بیعت کر رہے ہیں تو کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے موت پر بیعت نہیں کرونگا (بخاری) ۔۔ چونکہ حضرت عبداللہ حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تھے اس لیے انھوں نے ایسا فرمایا۔

واقعہ حرہ یہ ۶۳ھ میں واقع ہوا حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے یزید کی خلافِ شرع باتوں کو دیکھا تو اس کی بیعت فسخ کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ۔۔ یزید پلید نے مسلم بن عقبہ جسے مسلمان مسرف بن عقبہ سے موسوم کرتے ہیں، کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ تین دن مدینہ منورہ میں لوٹ مار کی۔ سترہ سو اشرافِ مدینہ کو شہید کیا۔ دس ہزار عوام، عورتیں اور بچے جو مارے گئے وہ الگ ہیں۔ ایک ہزار خواتینِ حرم کی عصمت دری کی۔ مسجدِ نبوی میں گھوڑے باندھے۔ گھوڑوں کی لید سے مسجدِ نبوی ناپاک ہوتی رہی۔ تین روز تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی نہ نماز۔ یزید نے مدینہ منورہ کی حرمت کو اس بے دردی اور شقاوتِ قلبی سے پامال کرایا جس کا ایک کھلے ہوئے کافر سے بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) حضرت حنظلہ وہ مقدس صحابی ہیں جو غسلِ جنابت ادھورا چھوڑ کر میدانِ جنگ میں آ گئے اور شہید ہو گئے۔ انہیں کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ فرشتوں نے ان کو غسل دیا۔

۲۷۵۹۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ پھر میں درخت کے سایہ تلے چلا گیا۔ جب لوگ تھوڑے رہ گئے تو آپ نے فرمایا۔ اے ابن اکوع کیا تم بیعت نہیں ہوگے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر بیعت کر لو۔ تو میں نے دوسری بار بیعت کی۔ ابو عبیدؓ نے کہا کہ اے ابا مسلم تم اس دن کس پر بیعت کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا موت پر (بخاری)۔ یہ حدیث ثلاثیاتِ بخاری سے ہے جو گیارھویں جگہ انھوں نے ذکر کی۔ یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت مکی بن ابراہیم سے امام بخاری نے روایت کی۔ موت پر بیعت کا مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے میدانِ جہاد سے صبر و شکر کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور صرف جان بچانے کے لیے میدان چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں۔

۲۷۶۰۔ حمید نے کہا میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انصار خندق کے دن یہ شعر پڑھتے تھے ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضور کے دستِ مبارک پر جہاد پر بیعت کی جب تک ہم زندہ رہیں گے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب میں فرمایا۔ اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں۔ انصار و مہاجرین

کو عزت عطا فرما (بخاری)

۲۷۶۱۔ حضرت مجاشع نے کہا میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھتیجے کو لے کر حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی۔ ہم سے ہجرت پر بیعت لے لیجئے۔ فرمایا۔ ہجرت کا زمانہ گزر چکا۔ میں نے عرض کیا اب ہم سے کس بات پر بیعت لے رہے ہیں۔ فرمایا اسلام اور جہاد پر (بخاری) یعنی وہ مخصوص ہجرت جو فتح مکہ سے پہلے فرض تھی۔ وہ اب ختم ہو چکی ہے اور فتح مکہ کے بعد اسلام پر قائم رہنے اور جہاد پر بیعت قیامت تک باقی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۲۶۳۸ ملاحظہ کیجئے۔

اسلام میں بیعت کا تصور

واضح ہو کہ جو احادیث اوپر گزریں ان میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کو بیعت فرمانے کا ذکر ہے اور قرآنِ مجید میں بھی حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پر صحابہ کے بیعت ہونے کا ذکر آیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی نیک صالح جامع شرائط مسلمان کے ہاتھ پر بیعت ہونا جائز بلکہ سنت ہے اور صوفیاء کرام میں جو بیعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کی بنیاد قرآنِ مجید کی آیات و احادیث ہیں ——— یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مرشدِ اعظم، مرشدِ برحق، مرشد معصوم اور "مرشدِ عام" ہیں۔ حضور کی اطاعت اور آپ کا حکم "اللہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کا حکم ہے"۔ حضور کی اطاعت و اتباع غیر مشروط اور دائمی ہے اور سب سے اہم اور اصولی بات یہ ہے کہ آپ سے محبت اور عقیدت، آپ کا احترام تمام فرائض اور اعمالِ صالحہ سے زیادہ اہم ہے ؎

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

قرآنِ مجید کی آیات اور احادیثِ کثیرہ میں اس بنیادی مسئلہ کا اظہار و بیان ہے اور جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو "مرشدِ عام" تسلیم نہ کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

کوئی صحیح العقیدہ مسلمان بے پیرا نہیں ہوتا

(۲) اور کوئی سُنّی العقیدہ مسلمان، خواہ وہ نیک و صالح پابند شریعت ہو یا نہ ہو۔ اگر اس کے عقائد صحیح ہیں توحید و رسالت اور تمام ضروریاتِ دین کو تسلیم کرتا ہے۔ خواہ اس نے کسی جامع شرائط بزرگ سے بیعت نہ بھی کی ہو تو بھی وہ "بے پیرا" نہیں ہے۔ کیونکہ ہر سنی العقیدہ مسلمان کے "مرشد عام" حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جو بھی سنی العقیدہ مسلمان ہے "بوجہ حُسنِ اعتقاد" وہ حضور علیہ السلام ہی کا مرید قرار پائیگا۔ گو کہ وہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے "فلاح" پر نہ ہوگا۔ مگر اس کے باوجود اس کا شمار مرشدِ عام (حضور علیہ السلام) ہی کے مریدوں میں ہوگا۔ کیونکہ "فلاحِ تقویٰ" کے لیے مرشدِ خاص کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں "فلاحِ احسان" کے لیے "مرشدِ خاص" کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

کیا ہر مسلمان کے لیے بیعت ہونا فرض و واجب ہے؟

(۳) واضح ہو کہ فلاح "دو قسم کی ہے" فلاحِ ظاہر اور فلاحِ باطن"۔ فلاحِ ظاہر یہ ہے کہ

مسلمان احکامِ شرعیہ کی پابندی کرے۔ حلال کو اختیار کرے اور حرام کو ترک کرے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کتاب و سنت کے تمام احکام کی تکمیل کرے ——— اور فلاحِ باطن یہ ہے کہ احکامِ الٰہیہ کو بجالانے اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب، صغیرہ پر اصرار سے بچنے کے ساتھ ساتھ بغض، حسد، کینہ وغیرہ رذائلِ اخلاق اور شرکِ خفی سے قلب کو پاک کرے۔ میرے والد قبلہ امام اہلسنّت شیخ المحدثین حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قدس العزیز اس موقع پر فرمایا کرتے تھے ع

دل کا حجرہ صاف کر جاناں کے آنے کے لیے

حتیٰ لا مقصود الا اللہ، لا مشہود الا اللہ اور پھر لا موجود الا اللہ کی دل میں جلوہ گری ہو۔ تو فلاحِ ظاہر ہو یا فلاحِ باطن، مرشدِ عام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر ممکن نہیں ہے ——— اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں ہے وہ فلاح نہیں پا سکتا یا جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو بدمذہب اور بے دین ہوں ——— لیکن جو سُنّی مسلمان قرآن و سنت، آئمہ دین اور مجتہدین عظام کی تحقیقات اور علمائے حق کی تصریحات و تعلیمات کو مانتا ہو اور ان پر عمل کرتا ہو۔ نہ تو وہ بے مرشد ہے اور نہ اس کے لیے خاص جامع شرائط پیر کے ہاتھ پر بیعت ہونا فرض و واجب ہے ——— البتہ کسی جامع شرائط مردِ صالح کے ہاتھ پر بیعت ہو کر تائب ہونا اور سلوک کے منازل کو طے کرنا مستحسن بھی ہے اور سعادتوں اور برکتوں کے حصول کا سبب بھی (۵) امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف نقاء السلافہ فی احکام البیعۃ والخلافہ میں مسائل تصوف کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس کا بغور مطالعہ خواص کے لیے بہت مفید ہے۔ اسی رسالہ سے بعض نکات کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں :۔

(۱) بیعت کا ترک منافی فلاح نہیں ہے کیونکہ احکامِ فلاح شریعتِ اسلامیہ نے واضح طور بیان کر دیے ہیں مسلمان اپنے علم سے یا علمائے حق سے پوچھ کر متقی بن سکتا ہے۔ غیر متقی سُنّی بھی بے پیرا نہیں ہے متقی کیونکر بے پیرا معاذ اللہ مرید شیطان ہو سکتا ہے ؟ گو کہ اس نے کسی جامع شرائط بزرگ سے بیعت نہ کی ہو کیونکہ جس راہ پر یہ ہے اس میں صرف مرشدِ عام حضور علیہ السلام کافی ہیں۔ آپ کے سوا کسی مرشدِ خاص کی ضرورت نہیں ہے تو جتنا پیرا سے درکار ہے وہ اسے حاصل ہے۔ لہٰذا ایسے سنی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے یہ قول " جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے " نہیں ہے اور یہ قول کہ " بے پیرا فلاح نہیں پاتا " سنی صحیح العقیدہ مسلمان پر تو بداہتہً صادق نہیں آتا (نقاء السلافہ ۵۶)

(۲) تقویٰ ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے اور اس فلاح یعنی عذاب سے رستگاری (نجاتِ اُخروی) کے لیے بفضلِ الٰہی حسبِ وعدہ صادقہ کافی ووافی ——— احسان یعنی سلوک راہِ ولایت اعلیٰ درجہ کا مطلوب و محبوب ہے مگر تقویٰ کی طرح فرض نہیں ہے ورنہ اولیاء کے سوا کہ ہر دور میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں باقی کروڑہا مسلمان ہزارہا علماء و صلحا سب کے سب (کسی مرشدِ خاص کی بیعت نہ ہونے کی وجہ سے) معاذ اللہ تارکِ فرض و فساق ہوں (یعنی فرض کے تارک ہو کر فاسق قرار پائیں) امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی موقع پر صہ ۵۹ پر

تصریح فرمائی ہے کہ سلوک کی عام دعوت مشائخ طریقت نے ہر شخص کو نہیں دی (کہ میرے مرید ہو جاؤ) کروڑوں میں سے معدودے چند کو اس راہ پر چلایا اور جو اہل نہ تھا اسے واپس فرمایا (یعنی اسے بیعت نہیں فرمایا) یعنی اگر راہِ سلوک پر چلانا ہر طالب کے لیے فرض ہوتا تو مشائخ طریقت بیعت کرنے سے انکار نہ کرتے (نقار الاسلام ص۵۹)

البتہ راہِ سلوک کی دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کرنے، تزکیہ نفس اور راہِ سلوک کی راہ کے فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے مُرشد کی ضرورت ہے اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ آئمہ صوفیا نے چار شرطوں کا ذکر کیا ہے کہ جس میں یہ شرائط نہ ہوں اس سے بیعت نہیں ہونا چاہیے۔ اول سُنّی صحیح العقیدہ ہو۔ بد مذہب بے دین نہ ہو۔ دوم شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو۔ اس لیے کہ بے علم کیا رہبری کرے گا۔ سوم کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو۔ چہارم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی نسبت متصل ہو۔ اور اگر سندِ خلافت اور اپنے شیخ سے بیعت کرنے کی اجازت بھی ہو تو بہت بہتر ہے ——— لیکن جو لوگ ولایت اور کرامت کے مدعی شریعت پر عمل نہ کریں اور کبیرہ گناہوں اور خلافِ شرع کاموں کے مرتکب ہوں ان کی بیعت ناجائز و حرام ہے چنانچہ تمام آئمہ طریقت فرماتے ہیں۔

تصوّف، طریقت و شریعت

امام شعرانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اَلتَّصَوُّفُ تَصْفِيَةُ الْقُلُوْبِ وَاِتِّبَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّرِيْعَةِ (طبقات کبریٰ امام شعرانی ص۱۲)	تصوف یہ ہے کہ دل کو صاف کیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی ہو

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَاِتِّبَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّرِيْعَةِ (تصوف باب اول)	"تصوّف شریعت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا نام ہے

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی جو سلسلہ سہروردیہ کے سردار ہیں فرماتے ہیں:۔

کچھ فتنوں کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے "تاکہ صوفی کہلائیں حالانکہ صوفیا سے ان کو کچھ علاقہ نہیں۔ ایسے صوفی کہتے ہیں کہ ہم خدا تک پہنچے ہوتے ہیں اور شریعت کی پابندی تو صرف عوام کے لیے ہے۔ صوفی تو شریعت سے بے نیاز ہے۔ ایسے صوفیوں کا یہ قول "خالص الحاد اور زندقہ ہے"۔ کیونکہ

فَكُلُّ حَقِيْقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِيْعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ (عوارف المعارف ج ۱ ص ۴۳)	جس حقیقت کو شریعت رَد فرمائے وہ زندقہ ہے

حضرت قطبِ ربانی محبوب یزدانی مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی سردار سلسلہ عالیہ چشتیہ اشرفیہ فرماتے ہیں۔

خارقِ عادات اگر از ولی موصوف باوصافِ	اگر خرقِ عادت ولی سے ظاہر ہو جو اوصافِ ولایت

ولایت ظاہر گردد کرامت گویند و اگر از مخالفت شریعت صادر شود استدراج (لطائف اشرفیہ ص ۱۲۶)	سے موصوف ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور مخالف شریعت سے وہ چیز ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں

حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں۔

اگر صد ہزار خرق عادت بر ایشاں ظاہر شود چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت است نہ باطن ایشاں موافق آداب طریقت باشد آں از قبیل مکر و استدراج خواہد بود (نفحات الانس ص ۱۹)	اگر صد ہزار خارقِ عادت ایسے شخص سے صادر ہوں جس کا نہ ظاہر احکام شریعت کے مطابق ہو اور نہ باطن آدابِ طریقت کے موافق ہو (تو خارقِ عادت) مکر ہے۔ استدراج ہے کرامت نہیں ہے۔

حضرت ابویزید بسطامی نے عمی بسطامی کے والد سے فرمایا چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کیا ہے۔ جب وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت بسطامی فوراً واپس ہو گئے اور سلام تک نہ کیا اور فرمایا :۔

هٰذَا رَجُلٌ غَيْرُ مَاهُوْنٍ عَلٰى اَدَبٍ مِّنْ اٰدَابِ الشَّرِيْعَةِ فَكَيْفَ يَكُوْنُ اَمِيْنًا عَلٰى اَسْرَارِ الْحَقِّ (رسالہ قشیریہ ص ۱۵۳)	یہ شخص شریعت کے ایک ادب کا تو لحاظ نہیں کرتا ہے اسرارِ الٰہیہ کا کیونکر امین ہوگا۔

ان تصریحاتِ اولیاء کرام سے ثابت ہوا (۱) کہ تصوّف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی کامل پابندی کا نام ہے (۲) جو شخص شریعتِ اسلام کی پابندی کرتا ہے اور سنتِ رسول کریم اور آدابِ طریقت کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے وہی صوفی ہے ؎

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اکابر صوفیہ کے ان اقوال سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس کا ظاہر و باطن شریعتِ اسلام کے مطابق نہ ہو وہ اگر ہزار خارقِ عادت دکھائے۔ ہوا میں اڑے۔ پانی اور آگ پر حکومت کرے اس کو کرامت نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ سب استدراج میں شمار کیے جائیں گے۔ اسی طرح اس کے یہ کرشمے اور شعبدے اس امر پر دلالت نہیں کریں گے کہ وہ صوفی و ولی ہے کیونکہ ایسے شعبدے تو کافروں سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

شریعت حضور اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ کو کہتے ہیں۔ یہی وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ رب العزت جل مجدہٗ ہے اور جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچتا ہے۔ قرآن حکیم کا اعلان ہے :۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ	اسی سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ ملتا ہے

یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف گمراہ و بے دین ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے —— اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ   اے محبوب تم فرما دو، یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ | اس کی پیروی کرو۔ اس کے سوا اور راستوں پر نہ جاؤ کیونکہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جُدا کردیں گے۔ اللہ تمہیں اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شریعتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ راستہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہوتا ہے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور حقائقِ اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے۔ اسی طرح طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اور اس کا شریعت سے جُدا ہونا محال ہے۔ شریعت ایک چشمہ ہے اور طریقت اسی چشمہ سے نکلا ہوا ایک دریا ہے جس کو ہر لحظہ اس کی ضرورت و حاجت ہے۔ شریعت درخت ہے اور طریقت اس کا پھل ہے۔ درخت کے بغیر پھل کا ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے طریقت ہر آن شریعت کی محتاج ہے۔ طریقت کو شریعت سے جُدا کہنا غلط ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے خوب فرمایا کہ:۔

"شریعتِ مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں۔ اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں اور زیادت چاہنے' افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائقِ اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے اور نورِ حقیقی تجلّی فرماتا ہے۔ یہ مرتبۂ علم میں معرفت اور مرتبۂ تحقیق میں حقیقت ہے۔ تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے باختلافِ مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں" (مقالِ عرفا ص۶)

امام اجل حضرت عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:۔

عِلْمُ التَّصَوُّفِ تَفَرَّعَ مِنْ عَيْنِ الشَّرِيْعَةِ (طبقات کبریٰ ص۱۴) | کہ علمِ تصوف چشمۂ شریعت سے نکلی ہوئی جھیل ہے

حضرت بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:" اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دیا گیا ہے کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب مت کھاؤ:"

حَتّٰى تَنْظُرُوْا كَيْفَ تَجِدُوْنَهُ عِنْدَ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَآدَابِ الشَّرِيْعَةِ (قشیریہ ص۱۸) | جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض واجب مکروہ و حرام اور محافظتِ آدابِ شریعت میں اس کا کیا حال ہے۔

حضرت ابو سعید خراز جو حضرت ذوالنون مصری و سری سقطی کے اصحاب اور حضرت جنید سید الطائفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہم عصر ہیں فرماتے ہیں۔

كُلُّ بَاطِنٍ يُخَالِفُهُ ظَاهِرٌ فَهُوَ بَاطِلٌ (قشیریہ ص۲۵) | جو باطن ظاہر کے مخالف ہر وہ باطلِ محض ہے۔

حضور پُر نور سید الافراد قطب الارشاد غوثِ اعظم قطبِ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

كُلُّ حَقِيْقَةٍ لَا تَشْهَدُ لَهَا الشَّرِيْعَةُ فَهِيَ بَاطِلٌ (طبقات الاولیا ص۱۳۱) | کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ باطل ہے۔

بَابُ عَزْمِ الْاِمَامِ عَلَى النَّاسِ فِيْمَا يُطِيْقُوْنَ

باب امام کا لوگوں پر حسب استطاعت بوجھ ڈالنا

۲۷۶۲۔ حضرت ابووائل سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میرے پاس آج ایک آدمی آیا۔ اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کو کیا جواب دوں؟ اس شخص نے سوال کیا کہ ایک شخص مسلح ہو کر بخوشی ہمارے سرداروں کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتا ہے۔ امیر ہمیں ایسی باتوں کا حکم دیتا ہے جس کی طاقت نہیں میں نے اس سے کہا۔ بخدا مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ تجھے کیا جواب دوں۔

اِلَّا اَنَّا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَسٰى اَنْ لَا يَعْزِمَ عَلَيْنَا فِيْ اَمْرٍ اِلَّا مَرَّةً حَتّٰى نَفْعَلَهُ وَاَنَّ اَحَدَكُمْ لَنْ يَزَالَ بِخَيْرٍ مَا اتَّقَى اللّٰهَ وَاِذَا شَكَّ فِيْ نَفْسِهِ شَيْءٌ سَاَلَ رَجُلًا فَشَفَاهُ مِنْهُ وَاَوْشَكَ اَلَّا تَجِدُوْهُ وَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا اَذْكُرُ مَا غَبَرَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا كَالثَّغَبِ شُرِبَ صَفْوُهُ وَبَقِيَ كَدَرُهُ

(بخاری)

ہاں ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ ہوتے تو آپ ہمیں کسی کام کے کرنے کا حکم صرف ایک بار دیتے حتیٰ کہ ہم اس کو کر لیتے اور بے شک تم حق پر رہو گے جبتک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے اور جب مسئلہ میں شک ہو جائے تو کسی آدمی (عالم) سے پوچھ لے وہ اس کی تسلی کر دے اور عنقریب تم ایسے شخص کو نہیں پاؤ گے مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا کا حال ذکر کرتا ہوں جو اس تالاب کی طرح ہے جس کا صاف پانی پی لیا جائے اور گدلا چھوڑ دیا جائے۔

فوائد و مسائل (۱) عنوان کا مطلب علامہ عینی نے یہ لیا ہے کہ امام کی اطاعت اس کے اس حکم میں کرنی لازم ہے جس حکم میں کوئی شک اور تردد نہ ہو ــــ لیکن یطیقونہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام کے اس حکم کی تعمیل کرنی واجب ہے جب کہ وہ حکم شریعت کے خلاف نہ ہو اور آدمی اس کام کے کرنے کی طاقت رکھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام انسان کی طاقت کے مطابق دیے ہیں اور ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیا جو انسان کی قدرت و طاقت سے باہر ہو۔

لہٰذا امام کے ایسے حکم کی تعمیل واجب نہیں ہے جس کے کرنے کی آدمی طاقت نہ رکھے اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو (۲) "فِیْ اَمْرٍ اِلَّا مَرَّةً" سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کسی کام کے کرنے کا حکم فرماتے تو فوراً تعمیل کرتے تھے۔ حضور کو دوبارہ حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ (۳) یہ بھی واضح ہوا کہ جب کسی مسئلہ میں شک و تردد پیدا ہو جائے تو عالم سے دوبارہ پوچھ لینا چاہیئے تاکہ شک و تردد باقی نہ رہے (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ جو فرمایا کہ "عنقریب تم ایسا شخص نہیں پاؤ گے جو تمہارے اس سوال کا تسلی بخش جواب دے سکے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے بعد علماء حق اٹھتے جائیں گے اور ان کے ساتھ علم بھی اٹھتا جائے گا (جیسا کہ حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے) پھر لوگ جاہلوں اور نااہلوں کو اپنا مفتی بنا لیں گے اور کتاب و سنت سے ناواقف لوگ

اپنی ذاتی رائے سے ہٹ سٹ جواب دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے چنانچہ ہمارے دور میں جاہل اور نااہل مفتیوں کا ظہور زیادہ ہوتا جارہا ہے (ماتکدر من الدنیا) کے معنیٰ مابقی کے ہیں۔ تکدّر کے معنی یہ ہیں کہ پانی برتن میں یا کسی جگہ ٹھہرا ہو تو اوپر کا حصہ نتھر کر صاف وشفاف ہوجاتا ہے اور نچلے حصے میں کدورت وغیرہ رہ جاتی ہے نتھرا ہوا پانی پی لیا جاتا ہے اور کدورت والا پانی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دنیا کا حال بھی ایسا ہی ہے یعنی اس تالاب کی طرح ہے جس کا نتھرا ہوا پانی پی لیا جائے اور گدلا چھوڑ دیا جائے۔ یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ نیک، صالح، متقی، پرہیزگار، عادل لوگ اٹھتے جائیں گے اور پھر فاسق، فاجر، ظالم، نااہل لوگوں کی کثرت ہوگی اور دنیا ظلم سے بھر جائے گی۔ حتیٰ کہ حدیث میں آتا ہے کہ زمین پر ایک بھی اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوگی (مسلم)

بَابُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ

أَوَّلَ النَّهَارِ أَخَّرَ الْقِتَالَ حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ

باب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شروع دن میں لڑائی کی ابتداء نہیں فرماتے تو مؤخر فرمادیتے حتیٰ کہ سورج ڈھل جاتا

۲۷۶۳ - عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام اور کاتب سالم ابو النضر نے کہا کہ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ نے انہیں ایک مکتوب میں لکھا کہ بعض ان ایام میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن سے مقابلہ ہوا آپ نے انتظار فرمایا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا۔ پھر آپ نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا۔

فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ

اے لوگو! دشمن کے مقابلے کی آرزو نہ کرو۔ اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو اور جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو اور جان لو کہ بیشک جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ پھر عرض کی الٰہی کتاب نازل فرمانے والے بادلوں کو چلانے والے کافروں کو شکست دینے والے ان پر ہمیں فتح عطا فرما۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

(۱) حتیٰ مالت الشمس یعنی حضور علیہ السلام نے کفار سے جہاد میں انتظار فرمایا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا۔ یہ کوئی ضروری ضابطہ نہیں ہے کہ ایسا ضرور کیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ فوج کے کمانڈر کو حالات کے مطابق جنگ کی ابتداء کرنی چاہیئے اور ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ کھلے میدان میں موسم گرما میں مجاہدوں کو سورج کی سخت وشدید گرمی اور دیگر تکلیف دہ امور سے محفوظ رکھا جائے۔ ترمذی، مسند احمد اور طبرانی کی احادیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام جنگ شروع فرماتے زوال تک۔ طلوع فجر کے بعد جنگ سے رک جاتے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو پھر جب سورج ڈھل جاتا تو عصر تک جنگ کرتے۔ پھر نماز عصر ادا فرماتے اور مجاہدین اسلام کے لیے فتح ونصرت کی دعا فرماتے۔ اس کے بعد جنگ شروع فرمادیتے۔ غرضکہ جیسا کہ جنگی مصلحت

کا تقاضا ہوتا ویسے ہی کرتے (۲) جنت تلواروں کے سایہ میں ہے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں مجاہد تلوار سے قتل ہو کر شہید کا مرتبہ پاتا ہے۔ (۳) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ بلاوجہ دشمن سے جنگ کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت کی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اسلام، دینِ محبت و سلامتی ہے وہ بلاوجہ خون ریزی اور ظلم و عدوان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں اگر دشمن آمادۂ شر ہو، مسلمانوں کے حقوق تلف کرے یا حملہ کر دے تو پھر صبر و شجاعت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ حتیٰ کہ فتنہ و فساد کی جو آگ کفار نے بھڑکائی ہے وہ جڑ سے ختم ہو جائے۔

بَابُ اِسْتِئْذَانِ الرَّجُلِ الْاِمَامَ

باب، امام سے اجازت لینے کے متعلق

وَقَوْلِهٖ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام کے لیے حاضر ہوں جس کے لیے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔

یہ سورہ نور آیت نمبر ۶۲ کا ایک حصہ ہے (پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے) وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان میں سے جسے تم چاہو اجازت دیدو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (سورہ نور آیت ۶۱)

مطلبِ آیت یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے اہم امور سے متعلق مشورہ وغیرہ کے لیے جمع کیا جیسے جہاد، تدبیر جنگ اور اسی قسم کے دوسرے امور کے متعلق میٹنگ کی جائے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مجلس سے جانا جائز نہیں ہے اور اجازت بھی حضور کی صوابدید پر ہے جس کو مناسب سمجھیں اجازت عطا فرمادیں اور جس کو مناسب نہ سمجھیں اجازت نہ دیں ـــــــ امام مقاتل کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت عمر کے حق میں نازل ہوئی۔ انھوں نے غزوہ تبوک میں اپنے اہل و عیال کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ نبی علیہ السلام نے انھیں اجازت عطا فرما دی اور فرمایا:۔

اِنْطَلِقْ مَا اَنْتَ بِمُنَافِقٍ

جاؤ تم منافق نہیں ہو

واضح ہو کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر کے منافق نہ ہونے کا اظہار اس لیے فرمایا کہ جہاد اور نماز سے بلا عذرِ شرعی منافق ہی کتراتے تھے۔ چنانچہ سورۂ نور کی آیت ۶۳ میں منافقوں کا جمعہ کا خطبہ سُننے سے گریز کا بیان ہے۔ منافقین پر بروز جمعہ مسجد میں ٹھہر کر نبی علیہ السلام کے خطبہ کا سننا گراں ہوتا تھا اور وہ چپکے چپکے، آہستہ آہستہ صحابہ کی آڑ لے کر سرکتے سرکتے مسجد سے نکل جاتے تھے۔ اس پر سورۂ نور کی آیت ۶۳ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد باری ہے۔ "بلاشک اللہ جانتا ہے جو تم میں سے چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر۔ تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف

کرتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے ——— اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ ملکی دفاع یا دیگر امور کے متعلق حاکم یا جنرل میٹنگ بلائے تاکہ ملک کی سلامتی اور دشمن کی شرارتوں اور تدبیروں کا توڑ کرنے کے لیے مشورہ کرکے کوئی قدم اٹھایا جائے تو ایسی میٹنگ سے واقعی ضرورت کے باوجود حاکم اور کمانڈر کی اجازت کے بغیر چلے جانا جائز نہیں ہے اور یہ کہ اجازت دینا حاکم یا کمانڈر کی صوابدید پر ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھے تو اجازت دیدے ورنہ نہ دے۔

۲۷۶۴۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث جابر بن عبداللہ ذکر کی ہے جو استقراض، شروط وغیرہ میں مع تفہیم و ترجمانی کے بیان ہوچکی ہے۔

بَابُ مَنْ غَزَا وَهُوَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسِهِ فِيهِ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب جو جہاد میں شامل ہوا حالانکہ اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت جابر سے حدیث مروی ہے

بَابُ مَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ بَعْدَ الْبِنَاءِ فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب جو ولیمہ کے بعد جہاد میں شامل ہوا اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ سے حدیث مروی ہے

بَابُ مُبَادَرَةِ الْإِمَامِ عِنْدَ الْفَزَعِ

باب دشمن کے حملہ کے خوف کی بنا پر امام صاحب کا سب سے پہلے تفتیش حال کے لیے جانا ——— اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث انس ذکر کی ہے۔ یہ حدیث بھی ہبہ اور جہاد میں بیان ہوچکی ہے۔

بَابُ السُّرْعَةِ وَالرَّكْضِ فِي الْفَزَعِ

باب خوف کے وقت تیزی کرنا اور گھوڑے کو ایڑی لگانا

بَابُ الْخُرُوجِ فِي الْفَزَعِ وَحْدَهُ

باب خوف کے موقع پر (امام) کا اکیلے نکلنا

۲۷۶۵۔ عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ فَزِعَ النَّاسُ فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ بَطِيئًا ثُمَّ خَرَجَ يَرْكُضُ وَحْدَهُ فَرَكِبَ النَّاسُ يَرْكُضُونَ خَلْفَهُ فَقَالَ لَمْ تُرَاعُوا إِنَّهُ لَبَحْرٌ قَالَ فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

(بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا (دشمن کے حملہ آور ہونے کے شبہ میں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ابوطلحہ کے سست گھوڑے پر سوار ہوئے پھر باہر نکل کر گھوڑے کو ایڑی لگائی۔ آپ کے پیچھے لوگوں نے بھی گھوڑے دوڑائے تو آپ نے فرمایا مت گھبراؤ یہ گھوڑا تو دریا ہے۔ چنانچہ وہ گھوڑا اس کے بعد کبھی کسی گھوڑے سے پیچھے نہیں رہا۔

فوائد و مسائل | حضرت انس کا گھوڑا سست رفتار تھا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہونے کی برکت

سے اس کی سست رفتاری ختم ہو گئی اور اب یہ گھوڑا سب سے آگے جاتا تھا۔ اس نوع کے واقعات صحیح احادیث میں بھی مروی ہیں۔ حضرت طلحہ کا گھوڑا بھی سست رفتار تھا اور حضور کے سوار ہونے کی برکت سے تیز رفتار ہو گیا۔ ایسا کہ اب کسی کو اپنے آگے نہیں ہونے دیتا۔ یہ حضور علیہ السلام کا عظیم وجلیل معجزہ ہے۔

بَابُ الْجَعَائِلِ وَالْحُمْلَانِ فِي السَّبِيلِ

باب جہاد کے لیے مزدوری دینا اور سوار کرنا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ الْغَزْوَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُعِينَكَ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِي قُلْتُ قَدْ أَوْسَعَ اللَّهُ عَلَيَّ قَالَ إِنَّ غِنَاكَ لَكَ وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَكُونَ مِنْ مَالِي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَقَالَ الْعُمَرُ إِنَّ نَاسًا يَأْخُذُونَ مِنْ هَذَا الْمَالِ لِيُجَاهِدُوا ثُمَّ لَا يُجَاهِدُونَ فَمَنْ فَعَلَهُ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِمَالِهِ حَتَّى نَأْخُذَ مِنْهُ مَا أَخَذَ وَقَالَ طَاوُسٌ وَمُجَاهِدٌ إِذَا دُفِعَ إِلَيْكَ شَيْءٌ تَخْرُجُ بِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ وَضَعْهُ عِنْدَ أَهْلِكَ (بخاری)

(۱) مجاہد نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں تو انھوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنے کچھ مال سے تمہاری کچھ مدد کروں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت وسعت دی ہے انھوں نے کہا تمہاری مالداری تمہیں مبارک ہو میں تو یہ چاہتا ہوں کہ راہِ خدا میں مرے مال کا کچھ حصہ بھی خرچ ہو (۲)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ جہاد کے نام سے مال حاصل کر لیتے ہیں تاکہ جہاد کریں پھر وہ جہاد نہیں کرتے۔ جس نے ایسا کیا ہم (حکومت اسلامیہ) اس کی زیادہ حقدار ہے کہ جتنا مال اس نے لیا ہے وہ واپس لے لے۔ (۳) حضرت طاؤس اور مجاہد نے کہا کہ تمہیں جہاد کے لیے مال دیا جائے تو اس مال میں (جہاد کے مقاصد کے لیے) جو چاہو کرو اور حفاظت کے لیے اپنی بیوی کے پاس رکھ دو۔

جَعَائِل جَعِيلَة یا جَعَالَة کی جمع ہے۔ اس کے معنیٰ اجرت کے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو مال جس نیک کام کے لیے دیا گیا ہے۔ اسی کے لیے خرچ کیا جائے۔ اسے اپنے ذاتی اُمور میں خرچ کرنا بد دیانتی ہے۔

۲۶۷۸-۲۶۷۷- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں گھوڑا دیا تو اس کو فروخت ہوتا ہوا پایا۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ اس کو خرید لیں اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا اسے نہ خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو گھوڑا دیا تھا وہ وقف نہ تھا (حملان تھا) اگر وہ وقف ہوتا تو اس کو فروخت کرنا جائز نہ ہوتا نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "اپنے صدقہ کو واپس نہ لو" بھی اس امر کی دلیل ہے — یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ اور ہبہ میں گزر چکی ہے۔

۲۷۶۹- یہاں امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث نمبر ۲۶۰۴ ذکر فرمائی ہے جو گزشتہ اوراق میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔

بَابُ الْاَجِيْرِ

باب جہاد کے لیے ملازم کا حکم

وَقَالَ الْحَسَنُ وَابْنُ سِيْرِيْنَ يُقْسَمُ لِلْاَجِيْرِ مِنَ الْمَغْنَمِ وَاَخَذَ عَطِيَّةُ ابْنُ قَيْسٍ فَرَسًا عَلَى النِّصْفِ فَبَلَغَ سَهْمُ الْفَرَسِ اَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ فَاَخَذَ مِائَتَيْنِ وَاَعْطَى صَاحِبَهُ مِائَتَيْنِ (بخاری)

(۱) حضرت حسن بصری اور ابن سیرین نے فرمایا جہاد کے لیے جو ملازم رکھا جائے اس کو مال غنیمت سے حصہ دیا جائیگا (۲) اور عطیہ ابن قیس نے گھوڑا جہاد کے لیے کرایہ پر لیا اور یہ شرط رکھی کہ جو مال غنیمت ملا اس کا نصف تمہارا ہوگا تو مال غنیمت چار سو دینار ملے آپ نے دو سو دینار خود رکھ لیے اور دو سو دینار گھوڑے کے مالک کو دے دیے۔

(۱) امام مالک اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جہاد کے لیے ملازم رکھا گیا تو (جیسا کہ آج کل تمام ممالک میں فوجی ملازم رکھے جاتے ہیں۔) انہیں مال غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا۔ وہ صرف تنخواہ کے حقدار ہیں۔ اسی طرح اگر کسی مجاہد نے اپنی یا اپنے گھوڑے کی خدمت کے لیے کسی کو رکھ لیا تو اسے بھی مال غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا (۲) عطیہ بن قیس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تابعی ہیں اور ان کے والد صحابی تھے۔ یہ حضور علیہ السلام کی حیات اقدس میں ۷ھ میں پیدا ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جہاد میں حصہ لیا۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی ـــــ حضرت عطیہ کے اس عمل کو آئمہ ثلاثہ سیدنا امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم جائز نہیں قرار دیتے اور یہ فرماتے ہیں۔ یہ اجارہ مجہول ہے۔ خدا جانے مال غنیمت کی مقدار جہاد میں کیا ہو۔ یا مال غنیمت بالکل حاصل ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں گھوڑے کے مالک کو اس کا کرایہ مثل یعنی جو کرایہ بھی جانور کا معروف ہے وہ دیا جائیگا۔ اور اگر اجرت طے کر لی ہے تو یہ اجارہ جائز ہوگا۔

۲۷۷۰- یہاں امام نے حدیث نمبر ۲۱۲۳ ذکر کی ہے جو مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں غزوۂ تبوک کے موقع پر نوکر رکھنے کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ لِوَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور کے جھنڈے کے متعلق روایات

۲۷۷۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِیْ مَرْيَمَ ثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ اَخْبَرَنِیْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِیْ ثَعْلَبَةُ ابْنُ اَبِیْ مَالِكٍ الْقُرَظِیُّ اَنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدِنِ الْاَنْصَارِیَّ وَكَانَ صَاحِبَ لِوَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ الْحَجَّ فَرَجَّلَ

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرضی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قیس بن سعد انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اٹھایا کرتے تھے حج کا ارادہ کیا تو سر میں کنگھی کی۔

(بخاری)

لِوَآءِ، علامہ ابن عربی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ لوار وہ کپڑا ہے جو نیزے کے ایک طرف باندھ کر پیٹ دیا جاتا ہے اور "رایہ" یہ ہے کہ نیزے کے ایک طرف باندھ دیا جاتے اور اسے کھلا چھوڑ دیا جاتے کہ ہوا میں لہراتا ہے۔ اس سلسلہ میں علمار کے مختلف اقوال ہیں۔ لوار لشکر کی علامت ہے۔ لوار چھوٹے جھنڈے اور "رایہ" بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں۔ لوار امیر کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور "رایہ" فوج کے سپہ سالار کے ہاتھ میں ہوتا ہے (۲) جھنڈے کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص رنگ کا جھنڈا ضروری نہیں ہے۔ فتح مکہ کے دن حضور کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا (ترمذی) حضور کا جھنڈا سیاہ چمڑہ کا مربع تھا (ترمذی)۔ حضور کا "رایہ" سیاہ اور "لوار" سفید رنگ کا تھا (طبرانی) آپ کا جھنڈا زرد رنگ کا تھا (ابوداؤد) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا "رایہ" سیاہ اور لوا سفید تھا۔ اس میں پورا کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا (عینی ج ۱۴ صـ۲۲۲) غرضکہ شرعاً کسی خاص رنگ کے جھنڈے کا ہونا ضروری نہیں ہے ـــــ کتنی عجیب بات ہے کہ آج کل ہمارے بعض علمار اس امر پہ مناظرے کر رہے ہیں کہ پگڑی کا رنگ سبز ہو یا سرخ یا کالا۔ جتنا وقت وہ اس بحث پر ضائع کر رہے ہیں۔ کسی ضروری و اہم مسئلہ پر صرف کریں تو بہتر نہیں ہے؟

۲۷۷۲۔ یہاں امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث نمبر ۲۷۴۲ ذکر کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں فتح خیبر کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو جھنڈا دینے اور خیبر کے فتح ہونے کا ذکر ہے۔

۲۷۷۳۔ نافع بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت زبیر سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ اَنْ تَرْكُزَ الرَّايَةَ جھنڈا نصب کرنے کا حکم فرمایا تھا (بخاری) امام بخاری نے یہ حدیث ان لوگوں کے خیال کی تردید کے لیے ذکر کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "لِوا" اور "رایہ" دونوں ایک ہی چیز ہیں اور صحیح یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَقَوْلِ اللّٰهِ | ایک مہینے کی دوری تک رعب سے میری مدد کی

عَزَّوَجَلَّ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللهِ (آل عمران (۱۵۱) ص۱۴۱)

گئی اور اللہ کے اس ارشاد کا بیان کہ ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کیونکہ انھوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔

فوائد و مسائل (۱) طبرانی کی حدیث میں دو ماہ کا ذکر بھی ہے اور حدیث سائب بن مزید کے الفاظ یہ ہیں شَهْرًا اِمَامِيْ وَشَهْرًا خَلْفِيْ۔ ایک مہینہ کی مسافت میرے آگے اور ایک ماہ کی مسافت میرے پیچھے تک پر رعب سے میری مدد کی گئی (۲) ایک مہینہ کی دوری تک کی قید اس لیے ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ سے ایران، روم، مصر اور شام وغیرہ کی سلطنتیں ایک مہینہ کی مسافت پر واقع تھیں مگر کسی کو مدینہ منورہ پر حملہ کی جرات نہ ہوئی۔

۲۷۷۴- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ فَبَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدَيَّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَقَدْ ذَهَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتُمْ تَنْتَثِلُوْنَهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں اور رُعب سے میری مدد کی گئی۔ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھی گئیں۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور تم ان خزانوں کو نکال رہے ہو۔ (بخاری)

نبی علیہ السلام کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئیں

(۱) جَوَامِعُ الْكَلِمِ۔ جوامع، جامعۃ کی جمع ہے اور کَلِمِ کلمۃ کی جمع ہے جیسے تمر اور تمرۃ۔ یہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ اصل جملہ یوں تھا۔ الکلم الجامع اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کلمہ جو الفاظ کے لحاظ سے مختصر ہو۔ مگر معانی کا خزانہ ہو۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کے ارشادات کا جوامع الکلم ہونا ایک حقیقت ہے۔ اگر آدمی ذرا غور و فکر کرے تو نبی علیہ السلام کے ہر جملہ کے ہر لفظ میں علم و عرفان کا دریا نظر آئیگا ـــــــ علامہ ابن تین نے فرمایا کہ جوامع الکلم سے قرآن مجید مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ شک نہیں کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ اس کے ہر لفظ میں غیر متناہی معانی ہیں۔ قرآن مجید کے عجائب و غرائب کا انسان احاطہ نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید کلام الٰہی ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق حتیٰ کہ انبیاء کرام سے افضل و اعلیٰ ہے (۲) فَبَيْنَا اَنَا نَائِمٌ سے یہ خیال فاسد ذہن میں نہیں آنا چاہتے کہ یہ تو خواب کی بات بن گئی ہے کیونکہ انبیاء کرام کے خواب بھی وحی الٰہی ہوتے ہیں (بخاری) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ اسی لیے حضور کی نیند ناقض وضو نہیں ہے۔ شیخ الانبیا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خواب کی بنیاد پر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے اور جب آپ نے اپنا خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے ذکر کیا تو انھوں نے حضرت ابراہیم کے خواب کو حکم خداوندی قرار دیا اور بحضور ابراہیم عرض کی۔

یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ | اے میرے باپ جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے کیجیے

الغرض یہ مسئلہ کتاب و سنت سے واضح ہے کہ انبیاء کرام کو خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی وحی الٰہی ہوتی ہے

(۳) اس حدیث میں خزائن کی کنجیاں عطا ہونے کا ذکر ہے اور حدیث مسند احمد و طبرانی میں اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ کُلِّ شَیْءٍ کے لفظ ہیں (خصائص کبریٰ ج ۱ صفحہ ۱۹۵) حضور نے فرمایا۔ مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ عائشہ اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کریں (بخاری) —— حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا :۔

وَاللّٰهُ يُعْطِیْ وَ اَنَا قَاسِمٌ (طحاوی ج ۴ ص ۵۳۶) | اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمات پر غور کیجیے۔ فرماتے ہیں میں قاسم ہوں واللّٰهُ يُعْطِی اب اللہ تعالیٰ تو ہر چیز عطا فرماتا ہے اور اس چیز کے تقسیم فرمانے والے حضور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا بھی عام ہے اور حضور کی تقسیم بھی عام ہے۔ قید دونوں میں کوئی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی نعمتیں عطا فرماتا ہے بندوں تک حضور علیہ السلام ہی کے وسیلہ، ذریعہ اور تقسیم سے پہنچتی ہیں ؎

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم
دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

(۴) اس حدیث کی تائید و توثیق سورہ کوثر سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کو مخاطب بنا کر فرماتا ہے

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ | اے حبیب ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کوثر کے معنیٰ دریافت کیے تو آپ نے فرمایا اَلْكَوْثَرُ اَلْخَيْرُ الْكَثِيْرُ۔ "کوثر خیر کثیر ہے"۔ کسی نے عرض کی۔ کوثر تو جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو آپ نے جواب دیا۔

هُوَ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ | وہ نہر بھی تو خیر کثیر میں داخل و شامل ہے

حضرت عکرمہ اور امام مجاہد فرماتے ہیں۔ کوثر خیر کثیر ہے اور خیر کثیر کیا ہے؟ اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (تفسیر ابن جریر) معلوم ہوا دین و دنیا کی جو چیز بھی خیر قرار پاسکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرما دی ہے۔ حسن و جمال ہو، فضل و کمال ہو، علم و حکمت ہو۔ غرضیکہ دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ فرمائی ہو۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ہر چیز کی کنجیاں، دنیا کے خزائن کی کنجیاں مجھے عطا ہوئی ہیں۔ یہ بھی خیر کثیر میں شامل ہیں اور یہ حدیث قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ سورہ کوثر کی آیت اس حدیث کی تائید و توثیق فرما رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے خوش ہو کر ربیعہ بن کعب سے فرمایا "سَلْ" جو چاہو مجھ سے مانگو۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ مانگنا ہے تو مانگ لو۔ حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :۔

يُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا۔

اَلْاَمْرُ بِالسُّؤَالِ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مَکَّنَہٗ مِنْ اِعْطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ اللّٰہِ

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو چاہیں عطا فرمادیں۔

شیخ عبد الحق دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اشعۃ اللمعات میں یہی لکھا ہے —— نیز بخاری شریف کی حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی عطا بھی عام ہے اور حضور کا قاسم ہونا بھی عام ہے (۵) تَنْتَثِلُوْنَھَا اس کا مادہ نَثْلٌ ہے جس کا معنیٰ نکالنے کے ہیں۔ عرب بولتے ہیں نُثِلَتِ الْبِئْرُ کنویں سے مٹی نکالی۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کچھ جمع نہیں فرمایا۔ جو آیا ملک وملت کی بھلائی کے لیے خرچ فرمادیا۔ اور یہ آپ کی پیشگوئی ہی کا نتیجہ ہے کہ سرزمین عرب سونا چاندی اور تیل کی دولت سے مالامال ہے۔

۲۷۷۵۔ یہاں امام نے حدیث ابن عباس ذکر فرمائی ہے جس میں واقعہ ہرقل ہے۔ اس حدیث کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ شام مدینہ منورہ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے اور وہاں کے حکمرانوں پر حضور علیہ السلام کا رعب تھا حدیث نمبر ۲۷۴۲ دیکھیے۔

بَابُ حَمْلِ الزَّادِ فِی الْغَزْوِ وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی

باب غزوہ میں توشہ لے جانا اور اللہ تعالےٰ کے ارشاد

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ ۱۹۷)

کا بیان۔ اور توشہ ساتھ رکھو اور سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے

۲۷۷۶۔ عَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ صَنَعْتُ سُفْرَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْ بَکْرٍ حِیْنَ اَرَادَ اَنْ یُّھَاجِرَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ قَالَتْ فَلَمْ نَجِدْ لِسُفْرَتِہٖ وَلَا لِسِقَائِہٖ مَا نَرْبِطُھُمَا بِہٖ فَقُلْتُ لِاَبِیْ بَکْرٍ وَاللّٰہِ مَا اَجِدُ شَیْئًا اَرْبِطُ بِہٖ قَالَ فَشُقِّیْہِ بِاثْنَیْنِ فَارْبِطِیْ بِوَاحِدٍ السِّقَاءَ وَبِالْاٰخَرِ السُّفْرَۃَ فَفَعَلْتُ فَلِذٰلِکَ سُمِّیْتُ ذَاتَ النِّطَاقَیْنِ (بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا۔ جب حضور نے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے ابوبکر کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لیے ایک توشہ دان تیار کیا۔ لیکن توشہ دان اور پانی کا مشکیزہ باندھنے کے لیے کوئی چیز مجھے نہیں ملی۔ میں نے ابوبکر سے کہا۔ اپنے کمربند کے سوا اسے باندھنے کے لیے کچھ نہیں پاتی۔ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ اس کے دو ٹکڑے کر لو۔ ایک کے ساتھ مشکیزہ اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ توشہ دان باندھ لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس لیے میرا نام ذات النطاقین ہوگیا۔

اس حدیث کا تعلق اگرچہ غزوہ سے نہیں ہے مگر امام بخاری نے قیاس کیا ہے کہ غزوہ میں بھی توشہ دان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین کا لقب خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ یہ ان کا بڑا شرف ہے جس پر وہ خود بھی فخر کیا کرتی تھیں۔ یہ واقعہ مکہ سے مدینہ کی طرف حضور نے جو

ہجرت فرمائی اس سے متعلق ہے۔ حضرت اسماء نے ایک چمڑے کے تھیلے میں بکری بھون کر رکھ دی تھی اور اس کو باندھنے کے لیے اپنا کمر بند استعمال فرمایا تھا۔

۲۷۷۷۔ اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ کُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُوْمَ الْاَضَاحِیْ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ قربانی کا گوشت مدینے تک لے جاتے تھے۔ (بخاری)

اس حدیث کا بھی تعلق جہاد سے نہیں ہے۔ مگر اس حدیث سے واضح ہوا کہ سفر کی حالت میں مطلقاً (توشہ) کھانے پینے کی اشیاء رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے اور یہ بات توکل کے خلاف نہیں ہے اور یہ بھی کہ قربانی کرنے والوں کو اپنی قربانی کا گوشت کھانا اور اس گوشت کو آیندہ کام میں لانے کے لیے ذخیرہ کرنا بھی جائز ہے اگرچہ قربانی کرنے والا امیر آدمی ہو۔ واضح رہے کہ ابتدائی دور میں چونکہ تنگی تھی۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے اجازت دیدی کہ جتنے دن چاہو کھاؤ۔

۲۷۷۸۔ یہاں امام نے حدیث سوید بن نعمان ذکر کی ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر عصر کی نماز کے بعد آپ نے کھانا طلب فرمایا تو آپ کی خدمت میں ستو پیش کیے گئے جو سب نے کھائے۔ پھر نبی علیہ السلام نے کلی کی اور نماز پڑھی (بخاری) ـــــ اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ سفر میں زادِ راہ ساتھ رکھنا مستحب ہے اور یہ کہ ستو کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۷۷۹۔ یہاں امام نے حدیث سلمہ ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء ختم ہوگئیں تو نبی علیہ السلام نے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی۔ حضرت عمر نے بحضور نبوت عرض کی۔ اس کے بعد کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اعلان کردو کہ لوگوں کے پاس جو بچا ہوا کھانا وغیرہ ہے لے آئیں۔ حضور علیہ السلام نے

فَدَعَا وَبَرَّکَ عَلَیْہِ ثُمَّ دَعَاھُمْ بِاَوْعِیَتِھِمْ فَاحْتَثَی النَّاسُ حَتّٰی فَرَغُوْا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اس کھانے پر دُعاءِ برکت فرمائی۔ پھر لوگوں کو بُلایا کہ اپنے برتن ساتھ لائیں چنانچہ لوگوں نے اپنے برتن کھانے سے بھر لیے تو وہ سب فارغ ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس سے مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ طَعَامًا فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ الخ

جس کو اللہ تعالٰی کھانا دے وہ اس پر یہ دُعا کرے اے اللہ اس میں برکت فرما۔

امام ترمذی نے اس حدیث کے باب کا عنوان یہ ذکر کیا ہے۔ باب مَا یَقُوْلُ اِذَا اَکَلَ طَعَامًا۔ یعنی جب

کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو کیا دعا کرے اور دوسرے باب کا عنوان یہ ذکر کیا۔ بَابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا فَرَغَ مِنَ الطَّعَامِ یعنی جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو کیا دعا کرے۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور اس کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ نبی علیہ السلام کی دعا سے کھانے میں اضافہ ہوگیا۔ یہ آپ کا معجزہ ہے اور اس طرح کے معجزات بہت ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

بَابُ حَمْلِ الزَّادِ عَلَى الرِّقَابِ

باب جہاد کے موقع پر اپنا زادِ راہ کندھوں پر اٹھانا

۲۷۸۰۔ حضرت جابر سے مروی ہے۔ ہم تین سو آدمی جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ ہم میں سے ہر مجاہد ایک کھجور روزانہ کھاتا تھا۔ پھر جب کھجوریں ختم ہو گئیں تو ہم غمزدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہم سمندر کے کنارے آئے تو ایک مچھلی کو دیکھا جسے سمندر نے باہر پھینک دیا تھا۔

فَاَكَلْنَا مِنْهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا مَا اَحْبَبْنَا | ہم نے اس مچھلی سے اٹھارہ دن جتنا چاہا کھایا (بخاری)

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۳۲۰

بَابُ اِرْدَافِ الْمَرْاَةِ خَلْفَ اَخِيْهَا

باب عورت کا اپنے بھائی کے پیچھے سواری پر بیٹھنا

۲۷۸۱-۲۷۸۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ عائشہ کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھالیں اور تنعیم سے عمرہ کرائیں (خلاصہ بخاری)

بَابُ الرِّدْفِ عَلَى الْحِمَارِ

باب دراز گوش پر اپنے پیچھے بٹھانا

۲۷۸۴۔ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ عَلٰى حِمَارٍ عَلٰى اِكَافٍ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ وَّاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَرَآءَهٗ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار ہوتے جس کے پالان پر چادر پڑی ہوئی تھی اور اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔

(بخاری)

یہ ایک طویل حدیث کا ابتدائی حصہ ہے۔ غزوہ بدر سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہو گئے۔ ان کی عیادت کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت اسامہ کو آپ نے اپنے پیچھے بٹھایا تھا۔ مکمل حدیث کتاب التفسیر میں آئے گی۔

۲۷۸۵۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر اسامہ بن زید کو پیچھے بٹھائے مکہ کے بالائی حصہ سے کعبہ کی طرف آئے اور حضور کے ساتھ بلال بھی تھے اور کلید برداران میں سے عثمان بن طلحہ تھے۔

مسجد میں آکر اونٹ کو بٹھایا اور عثمان بن طلحہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کی چابی لائیں۔ انھوں نے چابی لاکر کعبہ کا دروازہ کھولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور حضور کے ساتھ اسامہ، بلال اور عثمان تھے۔ کعبے کے اندر دیر تک رہے۔ پھر باہر تشریف لائے۔ اب لوگ لپکے۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عمر اندر داخل ہوئے۔ بلال کو دروازہ کے پیچھے کھڑے پایا۔

فَسَأَلَهُ أَيْنَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَنَسِيْتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلّٰى مِنْ سَجْدَةٍ (بخاری)

ان سے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی۔ انھوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں حضور نے نماز پڑھی تھی۔ عبداللہ نے کہا میں بھول گیا پوچھنا کہ کتنی رکعت پڑھیں۔

بَابُ مَنْ أَخَذَ بِالرِّكَابِ وَنَحْوِهِ

باب جس نے رکاب وغیرہ تھاما

۲۷۸۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے۔ جس دن بھی سورج نکلے گا جس میں لوگوں کے درمیان کوئی انصاف کرنا صدقہ ہے۔ جانور پر سوار ہوتے وقت کسی کی مدد کرے اور اس پر سوار کرا دے یا سامان اٹھا کر دیدے صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ نماز کی طرف چلتے وقت ہر قدم صدقہ ہے۔ راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کو دور کر دینا صدقہ ہے (بخاری)

اس حدیث میں جن کاموں کا ذکر ہے۔ متعدد احادیث میں ان کو بجالانے والوں کو ثواب کی بشارت بھی آئی ہے۔ سُلامیٰ واحد وجمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ واحد ہے اور اس کی جمع سُلامیات ہے جس کے معنی انسانی جسم کے جوڑوں کے ہیں۔ حدیث نمبر ۲۶۹۳ ملاحظہ کیجیے۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّفَرِ بِالْمَصَاحِفِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ

باب قرآنِ مجید کو ساتھ لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنا مکروہ ہے

۲۷۸۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ إِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمین قرآنِ مجید کو ساتھ لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ یہ یقین ہوجائے کہ اس ملک کے کافر قرآنِ مجید کی بے ادبی کریں گے۔ اگر یہ گمان نہ ہو تو جائز ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيْرِ

باب بلند آواز سے تکبیر کہنا مکروہ ہے

۲۷۸۹۔ عَنْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم

مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا اِذَا اَشْرَفْنَا عَلٰى وَادٍ هَلَّلْنَا وَكَبَّرْنَا اِرْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّهٗ مَعَكُمْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ تَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالٰى جَدُّهٗ

(بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ہم جب کسی وادی پر چڑھتے تو لاالہ الا اللہ پڑھتے اور اللہ اکبر کہتے ہماری آوازیں زیادہ بلند ہوگئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ تم کسی بہرے کو نہیں بلا رہے اور نہ ہی کسی غائب کو پکار رہے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ سننے والا، اس کا نام برکت والا، اس کی شان بہت بلند ہے۔

یہ واقعہ غزوہ خیبر کا ہے حضور علیہ السلام نے خیبر پر بہت خفیہ طریقہ سے حملہ کیا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا مسلمان مجاہد ان کی آبادی میں پہنچ چکے تھے اور انھیں معلوم نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے کام کاج کے لیے اپنے گھروں سے باہر آ گئے تھے —— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بلند آواز سے تکبیر کہنا مصلحت کے خلاف ہو کہ دشمن کے کان کھڑے ہو جائیں گے تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ہے۔ خود حضور نے تکبیر پڑھی ہے۔ نیز تکبیر سے فوج میں جوش و خروش اور ہمت و جرأت میں اضافہ ہوتا ہے اور دشمن پر رعب پڑتا ہے۔ نیز تکبیر باعث رحمت و برکت ہے۔ لہٰذا اس نیت سے تکبیر کہنا مستحسن ہے۔

بَابُ التَّكْبِيْرِ عِنْدَ الْحَرْبِ

باب لڑائی کے وقت تکبیر کہنا

۲۷۸۸۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کے وقت خیبر پہنچے اور خیبر والے اپنی گردنوں پر پھاوڑے لیے ہوئے نکل چکے تھے۔ جب انھوں نے حضور کو دیکھا تو کہا یہ محمد لشکر کے ساتھ ہیں محمد لشکر کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے قلعہ میں پناہ لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا

وَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ وَاَصَبْنَا حُمُرًا فَطَبَخْنَاهَا فَنَادٰى مُنَادِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ فَاُكْفِئَتِ الْقُدُوْرُ بِمَا فِيْهَا

(بخاری)

اور کہا اللہ اکبر خیبر تباہ ہوا اور ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو جن کافروں کو ڈرایا گیا ان کی صبح بری ہو جاتی ہے اور ہم کو بہت سے گدھے ملے جن کو ہم نے پکایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے پکارا کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول تم کو گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں تو ہانڈیاں اور ہانڈیوں میں جو کچھ تھا انڈیل دیا گیا۔

غور کیجیے کہ حضور علیہ السلام کا حکم ملتے ہی صحابہ کرام نے ہانڈیاں مع گوشت الٹا دیں۔ حضور کے حکم کی تعمیل کا یہی انداز ہر قلب مومن میں ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ گھریلو گدھا اور خچر حرام ہے اور جنگلی گدھا جسے گورخر کہتے

ہیں حلال ہے ــــ اور گھوڑے کے متعلق روایتیں مختلف ہیں - اس لیے گھوڑے کا گوشت نہ کھایا جائے۔

بَابُ التَّسْبِيحِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا

باب نشیب میں اُترتے وقت تسبیح پڑھنا

۲۷۹۰- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَإِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں جب اونچی جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے اُترتے تو تسبیح پڑھتے (بخاری)

بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا عَلَا شَرَفًا

باب بلند جگہ پر چڑھتے وقت تکبیر کہنا

۲۷۹۱- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَإِذَا تَصَوَّبْنَا سَبَّحْنَا

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب ہم بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچی جگہ اُترتے تو تسبیح کہتے

۲۷۹۲- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنَ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ الْغَزْوِ يَقُولُ كُلَّمَا أَوْفَى عَلَى ثَنِيَّةٍ أَوْ فَدْفَدٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کر کے واپس ہوتے تو میرا گمان ہے کہ انھوں نے یہ کہا کہ جب غزوہ سے واپس آتے تو جب کسی اونچی جگہ چڑھتے یا نشیب میں اُترتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے اور فرماتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں - ملک اسی کا ہے اور حمد بھی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے - ہم واپس ہو رہے ہیں توبہ، عبادت، سجدہ اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں - اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تنہا اللہ نے کفار کو شکست دی۔

ان تمام احادیث میں اس امر کی تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ذکر اور تسبیح سے غافل نہیں رہنا چاہیئے - اسی لیے حضور نے حج وعمرہ کا سفر ہو یا جہاد ہو بلند جگہ پر چڑھتے اور نشیب میں اُترتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کی ہدایت دی ــــ حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ان لفظوں سے کی لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو حشر تک وہیں رہتے - تسبیح کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی - اس لیے مسلمانوں کو خوف اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا چاہیئے اور اس کی تسبیح وتہلیل کرنی چاہیئے تاکہ مصائب وآلام سے محفوظ رہیں۔

بَابُ يُكْتَبُ لِلْمُسَافِرِ

باب مسافر اقامت میں جتنا عمل

مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ فِى الْإِقَامَةِ

کرتا تھا مسافرت کی حالت میں اس کے لیے اتنا ثواب لکھا جاتا ہے۔

۲۷۹۳۔ حضرت ابو بردہ اور یزید بن ابی کبشہ ایک سفر میں ساتھ ہوئے۔ یزید سفر کی حالت میں روزہ رکھتے تھے ابو بردہ نے کہا۔ میں نے ابو موسیٰ کو بار بار یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا
(بخاری)

جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے یا سفر کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں اتنا ثواب لکھا جاتا ہے جتنا وہ مقیم اور تندرست ہونے کی حالت میں کرتا تھا۔

اس مضمون کی متعدد احادیث امام احمد حاکم نسائی نے ذکر فرمائی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل وکرم ہے۔ مسندِ احمد میں حدیث مرفوع میں ہے کہ جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس کا نیک عمل بدستور لکھتے رہو جو وہ صحت یا سکونت کی حالت میں کرتا تھا۔ امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ جس میں یہ ہے کہ جو مسلمان رات بیدار ہو کر (تہجد) پڑھتا تھا۔ اگر وہ بیمار ہو جائے اور تہجد نہ پڑھ سکے تو اس کی نیند اس کے لیے صدقہ ہو جاتی ہے اور وہ بدستور تہجد گزار لکھا جاتا ہے۔ (عینی ج ۱۴ ص ۲۴۷)

بَاب السَّيْرُ وَحْدَهُ
باب تنہا سفر کرنا

۲۷۹۴۔ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ۔ نَدَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ قَالَ سُفْيَانُ الْحَوَارِيُّ النَّاصِرُ (بخاری)

محمد بن منکدر نے حدیث بیان کی، کہا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ وہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کو پکارا تو زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ پھر آپ نے صحابہ کو پکارا اور اس مرتبہ بھی زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے پھر پکارا اور پھر زبیر رضی اللہ عنہ نے ہی اپنے آپ کو پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔ سفیان نے کہا کہ حواری کے معنیٰ معاون کے ہیں۔

۲۷۹۵، ۲۷۹۶۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جتنا میں جانتا ہوں اگر دوسروں کو بھی تنہا (سفر کرنے کی مضرتوں کا) اتنا علم ہوتا تو کوئی سوار بھی رات

رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ　(بخاری)

میں تنہا سفر نہ کرتا۔

مطلبِ حدیث یہ ہے کہ راستہ پُرامن ہو تو ایسی صورت میں اکیلے سفر کرنا جائز ہے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ دشمن یا درندے یا چور ڈاکو نقصان پہنچائیں گے تو پھر رات کیا دن میں بھی اکیلے سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

بَابُ السُّرْعَةِ فِي السَّيْرِ

باب سفر میں تیز چلنا

قَالَ اَبُو حُمَيْدٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي مُتَعَجِّلٌ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَتَعَجَّلَ مَعِيَ فَلْيُعَجِّلْ　(بخاری)

ابو حمید نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میں مدینہ جلدی پہنچنا چاہتا ہوں، اس لیے اگر کوئی شخص میرے ساتھ تیز چلنا چاہے تو چلے۔

ہشام کے والد نے کہا کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی علیہ وسلم اوسط چال چلتے تھے لیکن جب کوئی کشادہ جگہ آتی تو آپ اپنی رفتار تیز کر دیتے تھے۔ لفظ نص، متوسط چال (عنق) سے تیز چلنے کے لیے آتا ہے (بخاری)

۲۷۹۸۔عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بِطَرِيْقِ مَكَّةَ فَبَلَغَهُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ اَبِي عُبَيْدٍ شِدَّةُ وَجَعٍ فَاَسْرَعَ السَّيْرَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَقَالَ اِنِّي رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا

(بخاری)

حضرت زید کے والد نے کہا میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا، اتنے میں صفیہ بنت ابی عبید اللہ رضی اللہ عنہا (حضور کی زوجہ) کے متعلق شدید کرب و بے چینی کی اطلاع ملی۔ چنانچہ آپ نے تیز چلنا شروع کر دیا اور جب شفق کے غروب ہونے کا وقت قریب ہوا تو آپ اترے اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔ دونوں نمازیں آپ نے ایکساتھ پڑھی تھیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ تیزی کے ساتھ سفر طے کرنا چاہتے تو مغرب تاخیر کے ساتھ پڑھتے اور دونوں (عشاء و مغرب) ایک ساتھ ادا کرتے۔

معلوم ہوا کہ جب دو آدمی سفر کر رہے ہوں اور ایک کو کسی وجہ سے جلدی ہو تو ساتھی کو بتا دے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔ نیز حدیث میں جو یہ ہے کہ حضور نے عشاء و مغرب ایک ساتھ ادا کیں۔ اس کا مطلب یہ ہے مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھا جسے جمع صوری کہتے ہیں یہ جائز ہے۔

۲۷۹۹۔عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر بھی ایک عذاب سے کم نہیں۔ آدمی کی نیند، کھانے پینے سب میں خلل انداز ہوتا ہے۔

طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ (بخاری)

اس لیے جب مسافر اپنی ضرورت پوری کرلے تو اسے گھر جلدی واپس آجانا چاہیئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کو عذاب بطور محاورہ و تجربہ کے ارشاد فرمایا ہے۔ خصوصاً آپ کے زمانہ میں سفر کرنا بہت سی مشکلات کو دعوت دینا تھا۔ مشقت، گرمی سردی کی صعوبت، اہل و اولاد کی مفارقت، خوف و ہراس، دشمن، چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال مستحب یہ ہے کہ جب ضرورت و حاجت پوری ہو جائے تو جلد گھر واپس آنا چاہیئے تاکہ گھر بار کی دیکھ بھال میں رخنہ نہ پڑے۔

بَابُ إِذَا حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فَرَاٰهَا تُبَاعُ

باب کسی کو گھوڑا غزوہ کیلیے دیا پھر دیکھا کہ وہ گھوڑا فروخت ہو رہا ہے

۲۸۰۰ / ۲۸۰۱ دونوں حدیثیں اوپر گزر چکی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے راہِ خدا میں ایک گھوڑا دیا تھا پھر گھوڑا بازار میں فروخت ہو رہا تھا الخ حدیث نمبر ۲۴۴۷ دیکھیے۔

بَابُ الْجِهَادُ بِإِذْنِ الْأَبَوَيْنِ

باب جہاد میں شرکت والدین کی اجازت سے ہونی چاہیئے

۲۸۰۲۔ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ پھر انہیں میں جہاد (والدین کی خدمت) کر۔

واضح ہو کہ عام حالات میں والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شرکت کرنا ممنوع ہے لیکن نفیرِ عام کی صورت میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے خواہ والدین اجازت دیں یا نہ دیں شرکت واجب ہے۔

بَابُ مَا قِيلَ فِي الْجَرَسِ وَنَحْوِهِ فِي أَعْنَاقِ الْإِبِلِ

باب اونٹ کی گردن میں گھنٹی وغیرہ باندھنے کے متعلق

۲۸۰۳۔ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا أَنْ لَا يَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ (بخاری)

ابو بشیر انصاری نے کہا کہ لوگ اپنی خوابگاہوں میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک قاصد بھیجا یہ اعلان کرنے کے لیے کہ جس شخص کے اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ ہو یا کسی قسم کا بھی قلادہ ہو وہ اسے کاٹ دے۔

اس حدیث میں گھنٹی کا ذکر نہیں ہے۔ شارحین کرام نے اس موقع پر طول وطویل کلام فرمایا ہے کہ حدیث ابوہریرہ میں ہے کہ الجرس　　الشیطان (مسلم) امام بخاری نے اسی حدیث کی طرف اشارہ کر کے باب باندھا ہے لیکن ساری بحث کے بعد نتیجہ یہ بیان کیا ہے کہ علامہ نووی اور جمہور نے جانور کے گلے میں گھنٹیاں باندھنے کو مکروہ تنزیہہ قرار دیا ہے اور مکروہ تنزیہہ فعل جائز ہوتا ہے۔ نیز اونٹ گائے، گدھے گھوڑے کے گلے میں گھنٹی اس لیے باندھتے ہیں کہ اس کی آواز سے وہ تیز چلتا ہے۔ اسی لیے بعض نے "حاجت ہو تو جائز ہے" کا قول کیا ہے۔ نیز زینت کے طور پر باندھنے کو جائز قرار دیا ہے اور ایسا تعویز جو خلاف شرع الفاظ و حروف پر مشتمل ہو بلا خلاف ناجائز ہے اور ایسا تعویز جانور کے گلے میں باندھنا جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا آیاتِ قرآنیہ ہوں جیسے لکڑی کے چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے (تاکہ بے ادبی نہ ہو) جانور کے گلے میں باندھنا بلاشبہ جائز ہے۔

بَابُ مَنِ اكْتُتِبَ فِي جَيْشٍ فَخَرَجَتِ امْرَاتُهُ

باب کسی نے فوج میں اپنا نام لکھوالیا۔ پھر اس کی بیوی حج کے

حَاجَّةً اَوْ كَانَ لَهُ عُذْرٌ هَلْ يُؤْذَنُ لَهُ

لیے جانے لگی یا کوئی اور عذر پیش آگیا تو کیا اسے (اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جانے کی اجازت دیدی جائیگی؟

۲۸۰۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے۔ کوئی عورت اس وقت تک سفر نہ کرے جب تک اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو۔ اتنے میں ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں نے فلاں غزوے میں اپنا نام لکھوایا تھا اور ادھر میری بیوی حج کے لیے جارہی ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم بھی جاؤ اور اپنی بیوی کو حج کرالاؤ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس نے فوج میں اپنا نام لکھوایا اور اسے کوئی حاجت پیش آگئی تو وہ امام کی اجازت سے رخصت پر جاسکتا ہے۔ یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے (باب حج النسا) دیکھئے حدیث نمبر ۱۷۴۲)

بَابُ الْجَاسُوسِ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

باب جاسوس کے متعلق اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "میرے

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ
التَّجَسُّسُ التَّبَحُّثُ

اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ" تجسس کے معنیٰ تلاش وتفتیش کے ہیں۔

۲۸۰۵۔ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ قَالَ انْطَلِقُوْا حَتّٰى تَاْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَاِنَّ بِهَا ظَعِيْنَةً وَ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہم) کو ایک مہم پر بھیجا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جب تم لوگ روضہ خاخ (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام کا نام) پہنچ جاؤ تو وہاں ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک عورت تمہیں

مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوْهُ مِنْهَا فَانْطَلَقْنَا تَعَادٰى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا إِلَى الرَّوْضَةِ فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِيْنَةِ فَقُلْنَا أَخْرِجِي الْكِتَابَ فَقَالَتْ مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَأَتَيْنَا بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا فِيْهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِيْ بَلْتَعَةَ إِلٰى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ إِنِّيْ كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ بِمَكَّةَ يَحْمُوْنَ بِهَا أَهْلِيْهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِيْ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ صَدَقَكُمْ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِيْ أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ قَالَ إِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَكُوْنَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ قَالَ سُفْيَانُ وَأَيُّ إِسْنَادٍ هٰذَا

ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا۔ تم لوگ اس سے وہ خط لے لینا۔ ہم روانہ ہوئے۔ ہمارے گھوڑے ہمیں منزل بہ منزل تیزی سے لیے جارہے تھے اور آخر ہم روضہ خاخ پر پہنچ گئے اور وہاں واقعی ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک عورت موجود تھی (جو مدینہ سے مکہ خط لے کر جارہی تھی) ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں! لیکن جب ہم نے اسے دھمکی دی کہ اگر تم نے خط نہ نکالا تو تمہارے کپڑے ہم خود اتار دیں گے (تلاشی کے لیے) اس پر اس نے خط اپنی گندھی ہوئی چوٹی کے اندر سے نکال دیا اور ہم اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ اس کا مضمون یہ تھا حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے چند اشخاص کی طرف۔ اس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض رازوں کی اطلاع دی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے حاطب! یہ کیا واقعہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے بارے میں عجلت سے کام نہ لیجیے۔ میری حیثیت (مکہ میں) یہ تھی کہ قریش کے ساتھ میں نے بودوباش اختیار کرلی تھی۔ ان سے رشتہ ناتہ میرا کچھ بھی نہ تھا۔ آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں ان کی تو قرابتیں مکہ میں ہیں اور مکہ والے اسی وجہ سے (مہاجرین کے اس وقت مکہ میں موجود) عزیزوں کی اور ان کے اموال کی حفاظت وحمایت کریں گے۔ میں نے یہ فعل کفر وارتداد کی وجہ سے ہرگز نہیں کیا تھا اور نہ اسلام کے بعد کفر سے خوش ہوکر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا۔ تحقیق حاطب بن ابی بلتعہ نے تم کو صحیح بات بتادی۔ حضرت عمر نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجھے اجازت دیجیے۔ میں اس منافق کا گلا کاٹ دوں۔ حضور نے فرمایا۔ یہ بدر کی لڑائی میں (مسلمانوں کے ساتھ) لڑے ہیں اور تمہیں معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ بدر کے مجاہدین کے احوال (موت تک کے)

پہلے ہی سے جانتا تھا اور وہ خود ہی فرما چکا ہے کہ "تم جو چاہو کرو، میں تمھیں معاف کر چکا ہوں"۔ سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ حدیث کی سند بہت عمدہ ہے۔

حاطب بن ابی بلتعۃ کا واقعہ

(۱) اس حدیث کو امام بخاری نے مغازی و تفسیر میں، مسلم نے فضائل، ابو داؤد نے جہاد، ترمذی و نسائی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے (۲) ظعینہ کے معنیٰ ہودج نشین عورت کے ہیں (۳) جاسوس مرد ہو یا عورت ملک و ملت کی بھلائی اور ضرورت اس کو ننگا کر کے پوشیدہ رکھی گئی دستاویز وغیرہ کو حاصل کرنا جائز ہے (۴) حضرت حاطب نے اس عورت کو جس کا نام سارہ تھا کو دس دینار اُجرت دی کہ میرا خط مکہ میں فلاں کو پہنچا دینا (۵) صحیح یہ ہے کہ یہ عورت مشرکہ تھی جیسا کہ بخاری ہی میں (مغازی) ہے فَاِنَّ بِهَا امْرَأَةً مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کرنے کے لیے خفیہ طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ حضرت حاطب جو کہ سابقین اولین میں سے ہیں اور بدری بھی۔ انھیں کسی طرح حضور علیہ السلام کا مکہ پر چڑھائی کا علم ہو گیا۔ انھوں نے محض اس خیال سے کہ چونکہ مکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو جنگ کی حالت میں ان کی حفاظت کر سکے۔ اس لیے انھوں نے یہ خط بھیجا تھا تاکہ اس اہم اطلاع کو پا کر مکہ کے کفار ان کے رشتہ داروں کو نقصان نہ پہنچائیں ـــــ مگر چونکہ ان کی یہ حرکت انتہائی خطرناک تھی اور کسی مومنِ مخلص سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے حضرت عمر نے ان کو منافق قرار دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (آپ پر لوگوں کے دلوں کی کیفیت بھی پوشیدہ نہیں ہے) نے حضرت حاطب کو سچا قرار دیا اور ان کے عُذر کو قبول فرما لیا ـــــ لَعَلَّ اللّٰہَ لعل ترجی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں یقین نہیں ہوتا۔ علماءِ اسلام و شارحینِ حدیث نے فرمایا ہے کہ

خدا اور رسول کے کلام میں لَعَلَّ یقین کے معنیٰ میں آتا ہے

اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے کلام میں یہ لفظ تحقیق و یقین کے معنیٰ میں آتا ہے۔ لہٰذا حدیث میں بدری صحابہ کے متعلق جو ارشاد ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے مجاہدین کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

جاسوس کی سزا

(۷) جاسوس قتل کیا جائے یا قید کیا جائے۔ ائمہ دین کے اقوال پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر وہ ایسا جاسوس ہے جس کی ذات سے ملک و ملت کے مفاد کا محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ امام داؤدی علیہ الرحمۃ کا قول ہے اور اگر وہ ایسا خطرناک جاسوس نہیں ہے تو اس کو سخت مار دی جائے اور طویل مدت کی قید کی سزا دی جائے۔ جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور اوزاعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ (۸) صحیح یہ ہے کہ شرکاء بدر کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ جو چاہو کرو یہ مستقبل کے لیے ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اِعْمَلُوْا امر کا صیغہ ہے۔ عرب اس صیغہ سے کسی حال میں بھی زمانہ ماضی مراد نہیں لیتے خواہ ماضی پر کوئی قرینہ ہو یا نہ ہو (عینی ج ۱۴ ص ۲۵۶)۔ الغرض اس جملہ مذکورہ فی الحدیث کا مفہوم یہی ہے کہ اگر بدری صحابہ سے زمانہ آئندہ میں بھی بالفرض کوئی گناہ ہو جائیگا تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے اسے معاف

فرما دے گا اور حاطب کا واقعہ بھی اسی کی تائید و توثیق کرتا ہے۔ (فافہم)

بَابُ الْكِسْوَةِ لِلْأُسَارٰى

باب قیدیوں کو لباس پہنانا چاہیے

۲۸۰۶- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ أُتِيَ بِأُسَارٰى وَأُتِيَ بِالْعَبَّاسِ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ثَوْبٌ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ قَمِيصًا فَوَجَدُوْا قَمِيصَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أُبَيٍّ يَقْدُرُ عَلَيْهِ فَكَسَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُ فَلِذٰلِكَ نَزَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيصَهُ الَّذِيْ أَلْبَسَهُ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدٌ فَأَحَبَّ أَنْ يُّكَافِئَهُ (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر قیدی (مشرکین کے) لائے گئے جن میں عباس بھی تھے۔ ان کے بدن پر کپڑا نہیں تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قمیص تلاش کروائی۔ عبداللہ بن ابی (منافق) کی قمیص ہی آپ کے بدن پر آسکی اور حضور نے انھیں وہ قمیص پہنادی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (عبداللہ کی موت کے بعد) اسی وجہ سے اپنی قمیص اتار کے اسے پہنائی تھی۔ ابن عیینہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا جو احسان تھا حضور نے چاہا کہ اسے چکادیں۔

حضرت عباس غزوہ بدر میں قیدی ہو کر آئے اور ان کے بدن پر کپڑے نہ تھے۔ عبداللہ بن اُبَیّ منافق بھی لمبے قد کا تھا اور حضرت عباس بھی تو حضور علیہ السلام نے عبداللہ سے کرتہ لے کر انھیں پہنا دیا۔ جب عبداللہ مرا تو نبی علیہ السلام نے اپنا قمیص ان کو پہنایا تاکہ اس کے احسان کا بدلہ ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ کسی کے احسان کا بدلہ اس کے مرنے کے بعد اتارنا جائز ہے (حدیث نمبر ۱۲۷۱ ملاحظہ کیجیے۔)

بَابُ فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ عَلٰى يَدَيْهِ رَجُلٌ

باب اس شخص کی فضیلت جس کے ذریعہ کوئی شخص اسلام لایا ہو

۲۸۰۷- عَنِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُفْتَحُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَبَاتَ النَّاسُ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطٰى فَغَدَوْا كُلُّهُمْ يَرْجُوْهُ فَقَالَ أَيْنَ عَلِيٌّ فَقِيْلَ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ فَبَصَقَ فِيْ عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ فَقَالَ أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا

حضرت ابن سعد سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کل میں ایسے شخص کے ہاتھ میں اسلامی علم دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح حاصل ہو گی جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت رکھتے ہیں۔ رات بھر سب کے ذہن میں یہی بات رہی کہ دیکھئے کسے علم ملتا ہے اور جب صبح ہوئی تو ہر فرد پُر امید تھا لیکن حضور نے دریافت فرمایا کہ علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہو گیا ہے آنحضور

ثُلُثَ فَقَالَ انْفُذْ عَلٰی رِسْلِكَ حَتّٰی تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ (بخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ جیسے آنکھوں میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پھر آپ نے ان کو علم عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑوں گا جبتک یہ ہمارے جیسے (مسلمان) نہ ہو جائیں۔ حضور نے انھیں ہدایت دی کہ برنمی چلے جاؤ۔ جب ان کے میدان میں اترلو تو انہیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کیا امور واجب ہیں خدا گواہ ہے کہ اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اس مضمون کی حدیث اس سے قبل بھی گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اسلام کا مقصد محض خونریزی نہیں ہے بلکہ کافروں کو حق قبول کرنے اور انھیں دوزخ کی آگ سے بچانا ہے۔

بَابُ الْأُسَارٰى فِي السَّلَاسِلِ

باب قیدی زنجیروں میں

۲۸۰۸- عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اس قوم سے اللہ راضی ہوتا ہے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔

حدیث میں عجب اللہ کے الفاظ ہیں جس کا لفظی ترجمہ تعجب کرنے کے ہیں۔ امام بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا رسول کریم کے کلام میں کوئی ایسا لفظ آجائے جو ان کی شان کے لائق نہ ہو تو اس کے لازم یا غایت (حاصلِ معنیٰ) مراد لیے جائیں گے (عینی ج ۱۴ صفحہ ۲۵۸) یعنی اس لفظ کے لفظی معنیٰ مراد نہیں ہوتے جیسے لعلّ کا لفظ آئے تو اس کے معنیٰ شک و تردّد کے نہیں بلکہ یقین کے لیے جائیں گے۔ اس لیے حدیثِ ہٰذا میں عجب اللہ کے معنیٰ تعجب کے نہیں بلکہ رضا بر حق پر قائم رہنے کے رکھے جائیں گے ——— مطلب حدیث یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار نے گرفتار کیا۔ زنجیروں میں باندھا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ جنت میں داخل ہو گئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کفار قیدی بنا کر زنجیروں میں جکڑ کر مسلمانوں کے پاس لائے گئے اور پھر وہ مسلمان ہو گئے تو وہ جنت میں جائیں گے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

باب اہلِ کتاب کے کسی فرد کے اسلام لانے کی فضیلت

۲۸۰۹- یہاں امام بخاری نے حدیث ابوہریرہ ذکر کی ہے جو کتاب العلم میں گزر چکی ہے جس کا نمبر ۸۶ ہے۔ خلاصہ

حدیث یہ ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجروثواب عطا فرماتا ہے۔ ایک وہ شخص جو اپنی لونڈی کو تعلیم دے اور ادب بھی سکھائے۔ پھر اسے آزاد کرکے اس سے شادی کرلے۔ دوسرا وہ شخص جو اہلِ کتاب سے تھا۔ پہلے بھی حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوتے تھا۔ پھر وہ مسلمان ہوا اور نبی علیہ السلام کی نبوت پر بھی ایمان لایا۔ تیسرا وہ شخص جو غلام ہو وہ اپنے مالک کا حق بھی ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے۔ یہ تینوں دوہرے اجرو ثواب کے مستحق ہوں گے (بخاری)

بَابُ اَهْلِ الدَّارِ يُبَيَّتُوْنَ فَيُصَابُ

باب دارالحرب پر رات کے وقت حملہ ہوا اور بچے

اَلْوِلْدَانُ وَالذَّرَارِیُّ بَيَاتًا لَيْلاً لَيُبَيِّتُنَّهُ لَيْلاً يُبَيِّتُ لَيْلاً

اور عورتیں بھی زخمی ہوگئیں۔ قرآن مجید کی آیات میں بیاتا اور لَیُبَیِّتَنَّہٗ اور یبیت سے مراد رات کا وقت ہے۔

۲۸۱۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مَرَّبِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ وَسُئِلَ عَنْ اَهْلِ الدَّارِ يُبَيَّتُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيُصَابُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَ ذَرَارِيِّهِمْ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَا حِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابوار یا ودان میں میرے پاس سے گزرے تو آپ سے پوچھا گیا کہ مشرکین کے جس قبیلے پر شب خون مارا جائے گا۔ کیا ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ فرمایا یہ انہیں میں سے ہیں۔ اور میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ چراگاہ صرف اللہ اور رسول کے لیے ہے۔

مقصد سوال یہ تھا کہ کافروں اور مشرکوں کی بستیوں پر شب خون مارنے کی صورت میں کبھی بچے اور عورتیں بھی ہلاک ہوجاتی ہیں حالانکہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس صورت میں کوئی گناہ نہیں ہے عورتیں تو مشرکہ ہی ہیں اور بچے دنیاوی احکام میں اپنے مشرک ماں باپ کے پابند ہیں تو یہ بھی مشرک قرار پاتے ہیں ـــــ مطلب حدیث یہ ہے کہ حالتِ جنگ میں بوقتِ ضرورت شب خون مارا جائے یا بمباری کی جائے تو عورتیں بچے بوڑھے، بیمار وغیرہ سب ہی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اس صورت میں بچے اور عورتیں بھی ماری جاتی ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے (۲) حدیثِ ہٰذا میں ابوار فرع کے مضافات میں ایک جگہ ہے جو نشیب میں ہے اور مرطوب ہے اس وقت یہاں عموماً طاعون کی وبا پھیل جایا کرتی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کا وصال بھی اسی جگہ ہوا تھا اور ودان، ابوار سے آٹھ میل دور جحفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ (۳) حمیٰ کے

معنی منع کے ہیں یعنی وہ زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو وہ اللہ اور رسول کی ہے یا جو ان کے قائم مقام ہوں وہ اس زمین کو ملک وملت کی فلاح کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ قَتْلِ الصِّبْيَانِ فِي الْحَرْبِ

باب بحالت جنگ بچوں کو قتل کرنا

بَابُ قَتْلِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ

باب حالت جنگ میں عورتوں کو قتل کرنا

۲۸۱۱/۲۸۱۲ عَنْ اَنَّ نَافِعٍ عَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ امْرَاَةً وُجِدَتْ فِيْ بَعْضِ مَغَازِي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُوْلَةً فَاَنْكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلَ الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غزوات میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کے قتل کو ناپسند فرمایا۔ (بخاری)

اس سلسلہ کی احادیث پر غور و فکر کے بعد واضح ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کی عورتوں اور بچوں اور معذور، اپاہج اور بہت بوڑھے افراد کو حالتِ جنگ میں بلاوجہ اور بلاضرورت قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے اور حملہ ضروری ہو اور اس کی زد میں عورتیں اور بچے بھی آ جائیں تو حرج نہیں۔ اسی طرح عورتیں، بچے، معذور اور بہت بوڑھے افراد جنگ میں کسی طور بھی دشمن کی مدد کریں یا مشورہ دیں تو پھر ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس بات پر فقہاءِ اسلام کا اجماع ہے کہ اگر جنگ کی حالت میں کفار و مشرکین کی عورتیں اور بچے جنگ میں (کسی قسم کا) حصہ نہ لیں تو انہیں قتل کرنا جائز نہیں ہے ـــــ اور اگر وہ کسی طرح حصہ لیں تو انھیں قتل کرنا جائز ہے (نووی ج ۲ ص ۸۴)

بَابُ لَا يُعَذَّبُ بِعَذَابِ اللّٰهِ

اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دیا جائے

۲۸۱۳۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْثٍ فَقَالَ اِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا فَاحْرِقُوْهُمَا بِالنَّارِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَرَدْنَا الْخُرُوْجَ اِنِّيْ اَمَرْتُكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا اور یہ ہدایت کی اگر تمہیں فلاں اور فلاں مل جائیں تو انہیں آگ میں جلا دینا۔ پھر جب ہم نے روانگی کا ارادہ کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا فلاں اور فلاں کو جلا دینا لیکن

اَنْ تُحَرِّقُوْا فُلَانًا وَّفُلَانًا وَاِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللّٰهُ فَاِنْ وَّجَدْتُّمُوْهُمَا فَاقْتُلُوْهُمَا

آگ ایک ایسی چیز ہے جس سے سزا، صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے۔ اس لیے اگر وہ تمہیں ملیں تو انھیں قتل کر دینا۔

۲۸۱۴۔ عَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَرَّقَ قَوْمًا فَبَلَغَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحَرِّقْهُمْ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ

(بخاری)

عکرمہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو جلا دیا تھا۔ جب یہ اطلاع ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کے عذاب کی سزا کسی کو نہ دو۔ البتہ میں انھیں قتل کرتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے یعنی مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دو۔

(۱) امام مہلب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آگ سے جلانے کی "نہی" تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تواضع سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اونٹ چوری کرنے والوں کی آنکھوں میں گرم سلائی پھروائی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کو اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فجاۃ کو صحابہ کرام کی موجودگی میں آگ میں جلا دیا تھا اور مدینہ منورہ کے اکثر علماء فرماتے ہیں کہ قلعوں میں محصور کفار کو آگ سے جلانا جائز ہے۔

(۲) اسی حدیث کی روشنی میں جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ مرتد توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جاتے۔ شارح بخاری علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ (عینی ج ۱۴ ص ۲۶۴)

(۳) سورہ حشر کی آیت ۵ اور آثار اور شارحین کرام کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے بوقت جہاد کفار پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے دشمن کی زمین کے درختوں کو وہ پھل دار ہی ہوں، کاٹنا جلانا، عمارات اور قلعوں کو منہدم کرنا، آگ لگانا جائز ہے۔ بعض دشمن درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیتے ہیں۔ بعض اوقات عمارات اور قلعوں میں بند ہو کر مسلمان فوجیوں پر تیر برساتے، پتھر پھینکتے اور آج کے دور میں جدید ہتھیاروں سے کام لیتے ہیں۔ اس وجہ سے درختوں، عمارتوں، قلعوں کو برباد کرنا جائز بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ آئمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام کا بھی یہی مذہب ہے۔ سورۂ حشر آیت ۵ میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے فرمایا "جن درختوں کو تم نے کاٹا یا ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا یہ اللہ کی اجازت سے تھا۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے ـــــــ کفار کی رسوائی کی وجوہات میں سے یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں سے لگائے ہوئے درخت برباد ہو گئے اور جو درخت باقی رہ گئے وہ کفار کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں جا رہے جو ان کی حسرت اور

ذلّت کا باعث ہوئے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ترمذی ص۲۴۳ روح المعانی ج ۸ ۲ ص۴۳ زرقانی ج ۲ ص۸۲،
عینی ج ۱۲ ص۱۶۲

بَابُ قَوْلِهٖ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً

باب، قید کے بعد ان کو بطور احسان یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا فِيْهِ حَدِيْثُ ثُمَامَةَ وَقَوْلُهٗ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ يَعْنِيْ يَغْلِبَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا اَلْاٰيَة

اس میں ثمامہ کی حدیث ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد نبی کو مناسب نہیں ہے کہ اس کے لیے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین پر غلبہ حاصل کر لے تم دنیا کا سامان چاہتے ہو (بخاری)

(۱) حدیثِ ثمامہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا۔ وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے لے آئے اور اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔ پھر نبی علیہ السلام کے حکم سے اسے رہا کیا گیا۔ بعد میں وہ مسلمان بھی ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ کافر قیدی کو کسی مصلحت کی بناء پر بطور احسان رہا کر دینا جائز ہے۔

(۲) واضح ہو کہ قرآنِ مجید اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ امام کو یہ اختیار ہے کہ کفار و مشرکین کے جنگی قیدیوں کو احساناً بغیر فدیہ کے چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لے یا مال کے بدلہ میں ان کو چھوڑ دے یا قتل کر دے یا غلام بنائے۔ جس بات میں مصلحت دیکھے اسے اختیار کرے۔ امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر ج ۵ ص۲۲۲ میں لکھا ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے۔ علامہ قدوری اور صاحب ہدایہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے اور یہی روایت زیادہ ظاہر ہے۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، مالک احمد کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑا ہے۔ اس لیے جواز کے قول میں بہر حال قوت ہے۔

(۳) واضح ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے کفار قیدیوں میں سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو فدیہ لے کر یا بطور احسان رہا فرمایا ہے۔ اسی طرح بنی قریظہ اور بنی مصطلق کے قیدیوں کے ساتھ کیا۔ ابن خطل کو مکہ میں قتل کیا اور باقی کو اور ہوازن کے قیدیوں کو اور ثمامہ بن اثال کو بطور احسان چھوڑ دیا جیسا کہ امام ابو عبید علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ اس سلسلہ کی تمام آیات محکمہ ہیں۔ ان میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور نبی علیہ السلام نے تمام آیات پر عمل کیا ہے (عینی)

بَابٌ اِذَا حَرَّقَ الْمُشْرِكُ الْمُسْلِمَ هَلْ يُحَرَّقُ

باب اگر کوئی مشرک مسلمان کو جلا دے تو اسے بھی جلایا جا سکتا ہے

۲۸۱۵- اس عنوان کے تحت امام نے حدیثِ انس ذکر کی ہے جو اس سے قبل بھی ذکر ہوئی ہے۔ خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ افراد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن مدینہ کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی۔ انھوں نے عرض کی ہمارے لیے دودھ کا انتظام فرمادیں تو آپ نے فرمایا۔

مَا اَجِدُ لَكُمْ اِلَّا اَنْ تَلْحَقُوْا بِالذَّوْدِ

تمہارے لیے یہ تجویز کرتا ہوں کہ تم اونٹوں کے باڑے میں چلے جاؤ۔

چنانچہ انھوں نے اُونٹوں کا دُودھ اور پیشاب پیا اور خوب موٹے تازے صحت مند ہوگئے۔ پھر انہوں نے بدعہدی کی۔ چرواہے کو قتل کیا اور اُونٹ بھگالے گئے۔ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ اور اسلام لانے کے بعد کفر کیا مُرتد ہوگئے۔ نبی علیہ السلام کو اطلاع ہوئی ان کو پکڑنے کے لیے آدمی بھیجے۔ وہ گرفتار کر کے لے آئے۔

فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ ثُمَّ اَمَرَ بِمَسَامِيْرَ فَاُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَطَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَمَا يُسْقَوْنَ حَتّٰى مَاتُوْا قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ قَتَلُوْا وَسَرَقُوْا وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَسَعَوْا فِى الْاَرْضِ فَسَادًا (بخاری)

تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور حضور کے حکم سے سلائی گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیری گئی اور انھیں (حرہ) مدینہ کی پتھریلی زمین پر ڈال دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن انہیں نہیں دیا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ حضرت ابو قلابہ نے فرمایا انہوں نے قتل چوری اور اللہ و رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے جرائم کیے تھے اور زمین میں فساد مچایا تھا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث کتاب الوضوء میں بھی ذکر ہو چکی ہے۔ ان مُرتدوں کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو انہوں نے حضور علیہ السلام کے چرواہے کے ساتھ کیا۔ انہوں نے چرواہے کا مُثلہ کیا تھا۔ مسلم شریف کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ان مُرتدوں نے بھی حضور کے چرواہے کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری تھیں۔ اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے پانی مانگا۔ لیکن انہیں پانی نہیں دیا گیا۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جسے پھانسی یا قتل کی سزا دی جارہی ہو وہ اگر پانی مانگے تو اسے پانی پلانا چاہیے۔ بات یہی صحیح ہے کہ پانی نہ دینے اور مُثلہ کرنے کو اس کے بعد منع فرمادیا گیا۔ حدیث نمبر ۲۸۱۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۲۸۱۶- اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَاُحْرِقَتْ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نبیوں میں سے ایک نبی کو چیونٹی نے کاٹا اور انہوں نے چیونٹیوں کے مسکن کو آگ لگادی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا۔ تم نے چیونٹیوں کے

اَحْرَقْتَ اُمَّۃً مِنَ الْاُمَمِ تُسَبِّحُ (بخاری) | مسکن کو جلا دیا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی تھیں

مطلب یہ ہے کہ ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اس کے بدلے تمام چیونٹیوں کو جلا دینا مناسب نہ تھا۔ ویسے مسئلہ یہ ہے کہ موذی جانوروں جیسے سانپ بچھو وغیرہ کو مار دینا جائز ہے۔

بَابُ حَرْقِ الدُّوْرِ وَالنَّخِيْلِ

باب گھروں اور کھجور کے باغ کو جلانا

۷۵۱۶۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچائے گا اور یہ بنی خثعم میں ایک گھر تھا جس کو کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ تو میں احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ چلا اور یہ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے اور میں گھوڑے پر بیٹھ نہیں پاتا تھا تو حضور علیہ السلام نے میرے سینے پر ہاتھ مارا یہاں تک کہ میں نے انگشتانِ مبارک کے نشان کو اپنے سینے پر دیکھا اور حضور نے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کو گھوڑے کی پیٹھ پر ثابت رکھ۔ اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔ وہ وہاں گئے اور اسے توڑ دیا اور جلا دیا۔ پھر رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجا خبر دینے کے لیے۔ حضرت جریر کے قاصد نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں حضور کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا ہوں کہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ کھوکھلے یا خارش زدہ اونٹ کی طرح ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کے دعا فرمائی اے اللہ! احمس کے سواروں اور پیدل والوں میں برکت عطا فرما، پانچ مرتبہ (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے بدء الخلق، ابوداؤد نے ادب، نسائی و ابن ماجہ نے سیر میں ذکر کیا ہے (۲) ذی الخلصہ یہ ایک بیت خانہ کا نام ہے جو قبیلہ دوس خثعم اور بجیلہ کا بتخانہ تھا جسے لوگ کعبہ یمانیہ بھی کہتے تھے (۳) امام حاکم نے اکلیل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنی بدبلہ اور بنی قشیر کے سو افراد حاضر ہوئے جن میں جریر بن عبداللہ بھی تھے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے بنی خثعم کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر بن عبداللہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور تین سو انصار کرام کو ساتھ کیا اور حکم دیا کہ خثعم کے پاس جاؤ۔ تین دن تک انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کریں اور ذوالخلصہ بت خانہ کو ڈھا دیں تو بہتر ہے ورنہ ان سے جنگ کرو۔

(۴) اس حدیث میں اجوف و اجرب کے الفاظ آئے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بت خانہ میں جس قدر بت تھے سب توڑ دیے ہیں اور عمارت کو جلا دیا ہے جس کی جلی ہوئی کالی دیواریں خارشی اونٹ کی طرح ہوگئی ہیں ویسے اجرب خارش زدہ اونٹ کو کہتے ہیں جس کے بدن پر کالا تیل مل دیتے تھے اور اس طرح اونٹ کالا اور بدشکل ہو جاتا تھا۔ یہ عمل خارش کا علاج تھا۔

۲۸۱۸- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے باغوں کو جلادیا تھا (بخاری) معلوم ہوا کہ کفار کے پھلدار درختوں کو ضرورت و مصلحت کی بنا پر جلا دینا جائز ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ حَرَّقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِی النَّضِیْرِ (بخاری)

بَابُ قَتْلِ النَّائِمِ الْمُشْرِكِ

باب سوتے ہوئے مشرک کو قتل کرنا

۲۸۱۹- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اِلٰی اَبِیْ رَافِعٍ لِیَقْتُلُوْہُ فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنْھُمْ فَدَخَلَ حِصْنَھُمْ قَالَ فَدَخَلْتُ فِیْ مَرْبِطِ دَوَآبَّ لَھُمْ قَالَ وَاَغْلَقُوْا بَابَ الْحِصْنِ ثُمَّ اَنَّھُمْ فَقَدُوْا حِمَارًا لَّھُمْ فَخَرَجُوْا یَطْلُبُوْنَہٗ فَخَرَجْتُ فِیْمَنْ خَرَجَ اُرِیْھِمْ اَنِّیْٓ اَطْلُبُہٗ مَعَھُمْ فَوَجَدُوا الْحِمَارَ فَدَخَلُوْا دَخَلْتُ وَاَغْلَقُوْا بَابَ الْحِصْنِ لَیْلًا فَوَضَعُوا الْمَفَاتِیْحَ فِیْ کُوَّۃٍ حَیْثُ اَرَاھَا فَلَمَّا نَامُوْا اَخَذْتُ الْمَفَاتِیْحَ فَفَتَحْتُ وَاَغْلَقُوْا بَابَ الْحِصْنِ ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَیْہِ فَقُلْتُ یَا اَبَا رَافِعٍ فَاَجَابَنِیْ فَتَعَمَّدْتُ الصَّوْتَ فَضَرَبْتُہٗ فَصَاحَ فَخَرَجْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ کَاَنِّیْ مُغِیْثٌ فَقُلْتُ یَا اَبَا رَافِعٍ وَغَیَّرْتُ صَوْتِیْ فَقَالَ مَالَکَ لِاُمِّکَ الْوَیْلُ قُلْتُ مَا شَاْنُکَ قَالَ لَا اَدْرِیْ مَنْ دَخَلَ عَلَیَّ فَضَرَبَنِیْ قَالَ فَوَضَعْتُ سَیْفِیْ فِیْ بَطْنِہٖ ثُمَّ تَحَامَلْتُ عَلَیْہِ حَتّٰی قَرَعَ الْعَظْمَ ثُمَّ خَرَجْتُ وَاَنَا دَھِشٌ فَاَتَیْتُ سُلَّمًا لَّھُمْ لِاَنْزِلَ مِنْہُ فَوَقَعْتُ فَوُثِئَتْ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کا ایک گروہ ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ ان میں سے ایک شخص ان کے قلعہ میں داخل ہوگیا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں ان کے گھوڑوں کے اصطبل میں چھپ گیا اور انھوں نے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا۔ پھر انہوں نے گدھا گم پایا تو اس کی تلاش کو باہر نکلے۔ میں بھی باہر نکلا ان کو یہ محسوس کرانے کے لیے کہ میں بھی ان کے ساتھ گدھا تلاش کر رہا ہوں انہوں نے گدھا تلاش کرلیا اور قلعہ میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا اور ایک طاق میں اس کی کنجیاں رکھ دیں جس کو میں دیکھ رہا تھا۔ جب وہ سو گئے تو میں نے کنجیاں لیں اور قلعہ کا دروازہ کھولا۔ پھر میں ابو رافع کے پاس گیا اور کہا یا ابا رافع! اس نے جواب دیا تو میں نے اس کی آواز کا قصد کرکے تلوار ماری تو وہ چلایا۔ میں باہر آگیا۔ پھر اندر گیا گویا کہ میں اس کا مددگار ہوں۔ میں نے کہا یا ابا رافع! اور اپنی آواز تبدیل کرلی۔ اس نے کہا تو کون ہے تیری ماں کی ہلاکت ہو۔ میں نے کہا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا کوئی شخص میرے پاس آیا اور مجھے مار گیا (اسی اثنا میں) میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھی پھر اس پر زور دیا حتیٰ کہ وہ اس کی ہڈیوں میں اتر گئی۔ پھر میں باہر نکلا جب کہ میں گھبرایا ہوا تھا۔ میں

رِجْلِي فَخَرَجْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَقُلْتُ مَا أَنَا بِبَارِحٍ حَتَّى أَسْمَعَ الْوَاعِيَةَ فَمَا بَرِحْتُ حَتَّى سَمِعْتُ نَعَايَا أَبِي رَافِعٍ تَاجِرِ أَهْلِ الْحِجَازِ قَالَ فَقُمْتُ وَمَا بِي قَلَبَةٌ حَتَّى أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ

(بخاری)

ان کی سیڑھی کے پاس آیا تاکہ اس کے ذریعہ نیچے اُتروں تو میں نیچے گر پڑا۔ اور میرے پاؤں کا جوڑ اُکھڑ گیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو کہا میں تو یہیں رہوں گا حتیٰ کہ موت کی خبر دینے والوں کو سُنوں چنانچہ میں وہاں ہی ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ ابورافع کی موت کی خبر دینے والوں کی آواز سُنی جو اہلِ حجاز کا تاجر تھا۔ پھر میں وہاں سے اٹھا اور مجھے کوئی درد نہ تھا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔

۲۸۲۰- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلَى أَبِي رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ ابْنُ عَتِيكٍ بَيْتَهُ لَيْلًا فَقَتَلَهُ وَهُوَ نَائِمٌ

(بخاری)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کا ایک گروہ ابو رافع کی طرف بھیجا تو عبداللہ بن عتیک اس کے گھر میں رات کے وقت پہنچے اور اس کو قتل کر دیا جبکہ وہ سویا ہوا تھا۔

فوائد ومسائل

(۱)- ابورافع کا نام عبداللہ یا سلام بن ابی الحقیق تھا۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد رکھتا تھا اور آپ کی ہجو بھی کرتا تھا۔ اسی نے غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین کی مدد کی تھی۔ ابورافع یہود کا سردار اور عرب کے مالدار لوگوں سے تھا (۲) حضرت عبداللہ بن عتیک کو غزوہ احد میں شرکت کی بھی سعادت حاصل ہے۔ جس جماعت کو حضور علیہ السلام نے ابورافع کو قتل کرنے کے لیے روانہ فرمایا ان میں حضرت عبداللہ بن عتیک کے ساتھ معوذ بن سنان، عبداللہ بن انیس، ابوقتادہ، خزاعی بن اسود، عبداللہ بن عتبہ بھی شامل تھے (۳) ابورافع کا قلعہ خیبر اور حجاز کی سرحد پر واقع تھا۔ اسی وجہ سے بخاری ہی کی ایک روایت میں خیبر اور دوسری روایت میں حجاز بتایا گیا ہے (۴) بخاری معازی کی روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ بن عتیک نے کہا میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ حدیث زیر بحث میں ہے کہ جوڑ اُکھڑ گیا۔ تطبیق یہ ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔ اسی طرح حدیثِ زیر بحث میں ہے کہ ابورافع کو قتل کرنے کے بعد جب میں ساتھیوں کی طرف چلا تو مجھے کوئی تکلیف نہ تھی حالانکہ پنڈلی کا جوڑ اُکھڑ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تھی بلکہ شدید درد تھا اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک دشمن رسول اور گستاخ رسول کو قتل کرنے کے بعد خوشی ومسرت سے ایسے مدہوش ہو گئے کہ درد کی شدت کو محسوس نہ کیا ——— بہرحال اس حدیث سے واضح ہوا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے اور یہ سزا خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی۔

بَابُ لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ | باب دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو نہ کرو

۲۸۲۱ - عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور جب مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ بعض اوقات دشمن سے مقابلہ کی تمنا میں تکبر و غرور اور اپنی طاقت و قوت پر تکیہ کرنے کا کیڑا دماغ میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر حضور علیہ السلام نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کیا کرو البتہ کفار و مشرکین سے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی نیت سے جہاد کی تمنا کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے یا دشمن حملہ کر دے تو اس وقت صبر سے کام لینا ضروری ہے اور بعض صورتوں میں مدافعت فرض و واجب ہو جاتی ہے۔

بَابُ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ

باب جنگ ایک حیلہ ہے

۲۸۲۲، ۲۸۲۳، ۲۸۲۴ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلَكَ كِسْرٰی ثُمَّ لَا یَكُوْنُ كِسْرٰی بَعْدَهٗ وَقَیْصَرُ لَیَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا یَكُوْنُ قَیْصَرُ بَعْدَهٗ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوْزُهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَسَمَّی الْحَرْبَ خُدْعَةً (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کسریٰ ہلاک ہو گیا اس کے بعد کبھی کسریٰ نہیں ہوگا اور قیصر ضرور بضرور ہلاک ہوگا پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا اور حضور نے لڑائی کا نام حیلہ رکھا (بخاری) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے لڑائی کو حیلہ کے نام سے موسوم فرمایا اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ

بَابُ الْكِذْبِ فِی الْحَرْبِ

باب جنگ میں جھوٹ بولنا

۲۸۲۵ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لِّكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ آذَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ اَتُحِبُّ اَنْ اَقْتُلَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَنَّانَا وَسَاَلَنَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا۔ اس نے اللہ اور رسول کو ایذا پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ فرمایا ہاں۔ محمد بن مسلمہ کعب کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ انھوں نے (یعنی نبی علیہ السلام نے) ہمیں مشقت

الصَّدَقَةَ قَالَ وَ اَيْضًا وَاللّٰهِ قَالَ فَاِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ فَنَكْرَهُ اَنْ نَدَعَهُ حَتّٰى نَنْظُرَ اِلٰى مَا يَصِيْرُ اَمْرُهُ قَالَ فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُهُ حَتّٰى اسْتَمْكَنَ مِنْهُ فَقَتَلَهُ (بخاری)

ہیں ڈال دیا ہے۔ ہم سے صدقات وصول کرتے ہیں۔ کعب نے کہا تم اس سے بھی زیادہ تنگ پڑ جاؤ گے؛ محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی اتباع کی ہے اور (فی الحال) انہیں چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ وہ بہت دیر اسی طرح (حیلہ بہانے) کی اس سے گفتگو کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اس پر قابو پالیا اور اس کو قتل کر دیا۔

(۱) حدیث ہذا میں خدع کا لفظ آیا ہے جس کے لغوی معنیٰ دھوکہ فریب کے ہیں اور عنوان میں کذب کا لفظ ہے جس کے معنیٰ جھوٹ کے ہیں تو یہاں خدع اور کذب کا مطلب دشمن کو شکست دینے اور اس پر قابو پانے کے لیے خفیہ تدبیر، ذومعنیٰ الفاظ یا طرزِ عمل اختیار کرنے کے ہیں۔ یہ بات دورِ قدیم میں بھی تھی اور موجودہ دَور کی لڑائیوں کا بھی یہی حال ہے۔ میدانِ جنگ میں بظاہر فوج کا عمل کچھ ہوتا ہے اور وہ کرتیں کچھ اور ہیں۔ جس سے دشمن دھوکا کھا جاتا ہے۔ حالتِ جنگ میں اس قسم کے خفیہ اور متضاد طرزِ عمل کو آج کے دَور میں بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسلام میں بھی یہ جائز و مباح ہے۔ ویسے اسلام کی بنیادی دعوت یہی ہے کہ دھوکہ فریب، بدعہدی، خیانت اور جھوٹ حرام ناجائز اور گناہ ہے۔

(۲) خدع خائے ضمہ اور دال کے سکون۔ خار اور دال کے فتح کے ساتھ اور خا کے فتح اور دال کے سکون۔ یہ نبی علیہ السلام کا لغت ہے اور نبی علیہ السلام کا لغت تمام لغات سے افصح ہے اور خدع کے اصل معنیٰ وہ چیز جسے چھپایا جائے۔

(۳) یہ نبی علیہ السلام کا اعجاز ہے کہ آپ نے قیصر و کسریٰ کے خزائے تقسیم ہونے کی پیشگوئی فرمائی اور مسلمانوں نے ان ملکوں کو فتح کیا اور مالِ غنیمت میں ان کے خزانوں کو تقسیم کیا (۴) اس حدیث میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ رسولِ کریم علیہ السلام کی توہین کرنے والا واجب القتل ہے اور حضور نے اس بات کو پسند فرمایا ہے اور حکم بھی دیا ہے کہ میری توہین کرنے والے کو قتل کر دو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حدیث کے یہ جملے بڑے اہم ہیں۔

حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والا واجب القتل ہے

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهُ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ۔ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے۔ یہاں اللہ اور رسول کو ایذا پہنچانے کا ارشاد ہے جس سے واضح ہوا کہ رسول کو ایذا پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا ہے۔ اسی سے یہ واضح ہوا کہ رسول کی تعریف و مدح اللہ تعالیٰ کی تعریف اور مدح کرنا ہے۔ یہ حدیث اس سے قبل بھی گزر چکی ہے۔ کتاب الشرکہ میں دیکھیے حدیث نمبر ۲۳۴۴

بَابُ الْفَتْكِ بِاَهْلِ الْحَرْبِ

باب دار الحرب میں رہنے والے کافر کو اچانک قتل کرنا

۲۸۲۶۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث نمبر ۲۸۲۵ ہی درج کی ہے جس میں کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا ذکر ہے۔ فتک کے لغوی معنیٰ اچانک دشمن کو قابو کر کے قتل کرنے کے ہیں۔ اس حدیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ ـــــ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حدیث نمبر ۲۸۲۵ میں جن الفاظ سے کعب سے گفتگو کی ان الفاظ سے حضور علیہ السلام نے انہیں گفتگو کرنے کی اجازت بھی دیدی تھی۔ فافہم

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْاِحْتِيَالِ وَالْحَذَرِ مَعَ مَنْ تُخْشٰى مَعَرَّتُهٗ

باب کسی کے شر اور فساد سے محفوظ رہنے کے لیے حیلہ کرنا

۲۸۲۷۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جس میں ابن صیاد کا ذکر ہے۔

بَابُ الرَّجَزِ فِي الْحَرْبِ وَرَفْعِ الصَّوْتِ فِي حَفْرِ الْخَنْدَقِ

باب جنگ میں رجز کہنا اور خندق کھودتے وقت آواز بلند کرنا

۲۸۲۸۔ عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ وَهُوَ يَنْقُلُ التُّرَابَ حَتّٰى وَارَى التُّرَابُ شَعْرَ صَدْرِهٖ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيْرَ الشَّعْرِ وَهُوَ يَرْتَجِزُ بِرَجَزِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا، فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا، وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا، اِنَّ الْاَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا، اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ

حضرت براء ابن عازب کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو خندق کے روز دیکھا جب کہ آپ مٹی اٹھا کر لا رہے تھے اور غبار نے آپ کے سینہ اقدس کے بالوں کو ڈھانپا ہوا تھا۔ اور حضور علیہ السلام سینہ اقدس میں زیادہ بالوں والے بہادر مرد تھے اور آپ عبداللہ بن رواحہ کا رجز پڑھتے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے) الٰہی اگر حضور نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم پر سکون نازل فرما۔ اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ بے شک دشمنوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے اور جب بھی ہمیں فتنوں میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔ (اس پر نبی علیہ السلام بلند آواز سے رجز کہتے ـــــ حدیث ابوداؤد میں ہے کہ صحابہ کرام جنگ میں آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جواب یہ ہے کہ آواز بلند کرنا اس وقت منع ہے جب کہ دشمن اس سے فائدہ اٹھا سکے اور یہاں خندق کھودتے وقت جو رجز کہی گئی اس سے دشمن کو فائدہ پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ عرب کی عادت تھی کہ جنگ کے موقع پر رجز کہتے تھے۔ اس سے فوجیوں میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے۔

بَابُ مَنْ لَا يَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ

باب جو گھوڑے کی اچھی طرح سواری نہ کر سکے

۲۸۲۹۔ عَنْ جَرِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب سے میں

مَاحَجَبَنِیْ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِیْ اِلَّا تَبَسَّمَ فِیْ وَجْھِہٖ وَلَقَدْ شَکَوْتُ اَنِّیْ لَا اَثْبُتُ عَلَی الْخَیْلِ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ فِیْ صَدْرِیْ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ وَاجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا

(بخاری)

اسلام لایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مانگنے سے منع نہیں فرمایا اور جب بھی آپ کی نظر مجھ پر پڑتی خوشی سے آپ کا چہرہ کھل جاتا۔ ایک مرتبہ میں نے آپ کی خدمت میں شکایت کی کہ میں گھوڑے کی سواری اچھی طرح نہیں کر پاتا تو آپ نے میرے سینے پر دست مبارک سے مارا اور دُعا کی۔ اے اللہ! اسے اچھا گھوڑسوار بنادے اور دُوسروں کو سیدھا راستہ بتانے والا بنا اور خود اسے بھی سیدھے راستے پر قائم رکھ۔

شارحین کرام نے مَاحَجَبَنِیْ کے دو معنیٰ کیے ہیں۔ ایک یہ کہ جب بھی میں نے آپ سے کچھ مانگا۔ آپ نے عطا فرمایا اور دوسرے یہ کہ جب بھی میں نے کسی چیز کی طلب کی حضور نے عطا فرمادی۔ دوسرے معنیٰ یہ کیے ہیں کہ مجھے گھر میں داخل ہونے سے منع نہیں فرمایا۔ یعنی پردہ کرکے اندر بُلا لیتے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ پر حضور علیہ السلام کا یہ کرم تھا۔ نیز یہ حضور کا معجزہ ہے کہ حضور نے ان کے لیے جو دعاءِ خیر کی وہ پوری ہوئی۔

بَابُ دَوَاءِ الْجُرْحِ بِاِحْرَاقِ الْحَصِیْرِ

باب چٹائی جلا کر زخم کی دوا کرنا

وَغَسْلِ الْمَرْاَۃِ عَنْ اَبِیْھَا الدَّمَ عَنْ وَّجْھِہٖ وَحَمْلِ الْمَاءِ فِی التُّرْسِ۔

عورت کا اپنے والد کے چہرے سے خون دھونا اور (اس کام کے لیے) ڈھال میں پانی بھر بھر کر لانا

۲۸۳۰۔ سَاَلُوْا سَھْلَ ابْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بِاَیِّ شَیْءٍ دُوْوِیَ جُرْحُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِیَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ کَانَ عَلِیٌّ یَجِیْءُ بِالْمَاءِ فِیْ تُرْسِہٖ وَکَانَتْ یَعْنِیْ فَاطِمَۃَ تَغْسِلُ الدَّمَ عَنْ وَّجْھِہٖ وَاُخِذَ حَصِیْرٌ فَاُحْرِقَ ثُمَّ حُشِیَ بِہٖ جُرْحُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے شاگردوں نے پوچھا کہ (جنگِ اُحد میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کا علاج کس چیز سے ہوا تھا۔ انھوں نے اس پر فرمایا کہ اب صحابہ میں کوئی شخص بھی ایسا زندہ نہیں ہے جو اس کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لارہے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون کو دھورہی تھیں اور ایک چٹائی جلادی گئی تھی اور آپ کے زخموں میں اسی کو بھر دیا گیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے۔ میدانِ جنگ میں بوقتِ ضرورت مستورات بھی زخمیوں کی مرہم پٹی کرسکتی ہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالْاِخْتِلَافِ فِي الْحَرْبِ

وَعُقُوبَةِ مَنْ عَصَى إِمَامَهُ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. قَالَ قَتَادَةُ اَلرِّيْحُ الْحَرْبُ

باب، جنگ میں نزاع اور اختلاف کی کراہت اور جو شخص کمانڈر کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور نزاع نہ پیدا کرو کہ اس سے تم میں بزدلی پیدا ہو جائے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے۔" قتادہ نے فرمایا کہ (آیت میں) ریح سے مراد لڑائی ہے۔

۲۸۳۱ - عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا وَّاَبَا مُوْسٰى اِلَى الْيَمَنِ قَالَ يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا

(بخاری)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ اور انہیں یمن بھیجا۔ آنحضور نے اس موقع پر یہ ہدایت کی تھی کہ (لوگوں کے لیے) آسانی پیدا کرنا، انہیں سختیوں میں مبتلا نہ کرنا، خوش رکھنے کی کوشش کرنا (جائز حدود میں) اپنے سے دُور نہ بھگانا اور تم دونوں (حضرات ابوموسیٰ اور حضرت معاذ) باہم میل و محبت رکھنا، اختلاف و نزاع نہ پیدا کرنا۔

اس حدیث کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ جب کسی کو امیر مقرر کر دیا جائے تو امیر و کمانڈر کے احکامات کی تعمیل واجب ہے۔ اختلاف اور امیر کے احکام کی خلاف ورزی فتنہ و فساد کا موجب ہوگی اور اس طرح مسلمانوں کی قوت میں خلل واقع ہوگا اور دشمنانِ اسلام کو قوت ملے گی اس لیے امیر یا فوج کے کمانڈر کے احکامات کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(۲) اور حکام کو یہ ہدایت فرمائی وہ اپنے حکم و احکام میں آسانی و نرمی سے کام لیں اور سختی و شدت سے پرہیز کریں۔ ایسا انداز اختیار نہ کریں جس سے نفرت پیدا ہو اور یہ کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ اختلاف و انتشار سے بہرحال بچو۔

۲۸۳۲ - حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يُحَدِّثُ قَالَ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجَّالَةِ يَوْمَ اُحُدٍ وَكَانُوْا خَمْسِيْنَ رَجُلًا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ اِنْ رَاَيْتُمُوْنَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوْا

ابواسحٰق نے حدیث بیان کی کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ آپ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی جنگ کے موقع پر (تیراندازوں کے) ایک پیدل دستے کا امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ اس میں پچاس افراد تھے۔ حضور اکرم نے انہیں تاکید کر دی تھی کہ اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ

مَكَانَكُمْ هٰذَا حَتّٰى اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ وَاِنْ
رَأَيْتُمُوْنَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَاَوْطَأْنَاهُمْ
فَلَا تَبْرَحُوْا حَتّٰى اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ فَهَزَمُوْهُمْ
قَالَ فَاَنَا وَاللّٰهِ رَاَيْتُ النِّسَاءَ يَشْتَدِدْنَ
قَدْ بَدَتْ خَلَاخِيْلُهُنَّ وَسُوْقُهُنَّ رَافِعَاتٍ
ثِيَابَهُنَّ فَقَالَ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ
جُبَيْرٍ الْغَنِيْمَةَ اَيْ قَوْمِ الْغَنِيْمَةَ ظَهَرَ
اَصْحَابُكُمْ فَمَا تَنْتَظِرُوْنَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ
بْنُ جُبَيْرٍ اَنَسِيْتُمْ مَا قَالَ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا وَاللّٰهِ لَنَا
تِيَنَّ النَّاسَ فَلَنُصِيْبَنَّ مِنَ الْغَنِيْمَةِ
فَلَمَّا اَتَوْهُمْ صُرِفَتْ وُجُوْهُهُمْ فَاَقْبَلُوْا
مُنْهَزِمِيْنَ فَذَاكَ اِذْ يَدْعُوْهُمُ الرَّسُوْلُ
فِيْ اُخْرَاهُمْ فَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَاَصَابُوْا
مِنَّا سَبْعِيْنَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ اَصَابَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
يَوْمَ بَدْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَمِائَةً سَبْعِيْنَ اَسِيْرًا
وَسَبْعِيْنَ قَتِيْلًا فَقَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ اَفِي الْقَوْمِ
مُحَمَّدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجِيْبُوْهُ
ثُمَّ قَالَ اَفِي الْقَوْمِ ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ ثَلٰثَ
مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ
ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ
فَقَالَ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوْا فَمَا مَلَكَ عُمَرُ
نَفْسَهٗ فَقَالَ كَذَبْتَ وَاللّٰهِ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ
اِنَّ الَّذِيْنَ عَدَدْتَ لَاَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ

(ہم قتل ہو گئے اور) پرندے ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں،
پھر بھی اپنی اس جگہ سے نہ ہٹنا، جب تک تم
لوگوں کو بُلا نہ بھیجوں۔ اسی طرح تم اگر یہ دیکھو کہ
کفار کو ہم نے شکست دے دی ہے اور انھیں
پامال کر دیا ہے پھر بھی یہاں سے ٹلنا جب تک میں
تمہیں بُلا نہ بھیجوں۔ پھر اسلامی لشکر نے کفار کو شکست
دے دی۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ
بخدا، میں نے مشرک عورتوں کو دیکھا (جو کفار کے ساتھ
جنگ میں ان کی ہمت بڑھانے کے لیے آئی تھیں)
تیزی سے بھاگ رہی تھیں، ان کی پازیب اور پنڈلیاں
دکھائی دے رہی تھیں اور اپنے کپڑوں کو وہ اٹھائے
ہوئے تھیں۔ عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں
نے کہا کہ غنیمت، اے قوم غنیمت تمہارے سامنے ہے
تمہارے ساتھی (مسلمان) غالب آگئے ہیں۔ اب کس
بات کا انتظار ہے۔ اس پر عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ
نے ان سے کہا۔ کیا تمہیں جو ہدایت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کی تھی۔ تم اسے بھول گئے؟ لیکن وہ اسی پر
مُصر رہے کہ دوسرے اصحاب کے ساتھ غنیمت جمع کرنے
میں ہم بھی شریک رہیں گے۔ (کیونکہ کفار اب پوری طرح
شکست کھا کر بھاگ چکے اور ان کی طرف سے خوف کی
کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی) جب یہ لوگ اپنی جگہ چھوڑ
کر چلے آئے تو ان کے چہرے پھیر دیے گئے اور مسلمانوں کو
شکست کا سامنا ہوا۔ یہی وہ گھڑی تھی جب رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ میدان میں ڈٹے رہنے
والے صحابہ کی مختصر سی جماعت کے ساتھ مسلمانوں کو
آواز دی تھی (کہ عباد اللہ! میرے پاس آجاؤ۔ میں
اللہ کا رسول ہوں، جو کوئی دوبارہ میدان میں آجائے گا

وَقَدْ بَقِيَ لَكَ مَا يَسُوءُكَ قَالَ يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَالْحَرْبُ سِجَالٌ إِنَّكُمْ سَتَجِدُونَ فِي الْقَوْمِ مُثْلَةً لَمْ آمُرْ بِهَا وَلَمْ تَسُؤْنِي ثُمَّ أَخَذَ يَرْتَجِزُ أُعْلُ هُبَلْ أُعْلُ هُبَلْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تُجِيبُوا لَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا نَقُولُ قَالَ قُولُوا اللهُ أَعْلَى وَأَجَلُّ قَالَ إِنَّ لَنَا الْعُزَّى وَلَا عُزَّى لَكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تُجِيبُوا لَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا نَقُولُ قَالَ قُولُوا - اَللهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ

(بخاری)

اس کے لیے جنت ہے۔ اس کے لیے جنت۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ صحابہ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ آخر اس افرا تفری کے نتیجہ میں، ہمارے ستر آدمی شہید ہوئے اور غزوہ بدر میں حضور اکرم اور آپ کے صحابہ نے ایک سو چالیس کافر قیدی بنائے تھے جن میں ستر قیدی بنائے گئے اور باقی قتل کر دیے گئے تھے۔ ابو سفیان نے کہا۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کے ساتھ موجود ہیں۔ تین مرتبہ اس نے یہی پوچھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ پھر اس نے پوچھا، ابن ابی قحافہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) اپنی قوم (مسلمانوں) کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ سوال بھی تین مرتبہ کیا۔ پھر پوچھا۔ کیا ابن خطاب (رضی اللہ عنہ) اپنی قوم میں موجود ہیں؟ یہ بھی تین مرتبہ پوچھا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ یہ تینوں قتل ہو چکے ہیں۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور آپ بول پڑے کہ، دشمن خدا! خدا گواہ ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ جن کے تم نے ابھی نام لیے ہیں وہ سب زندہ ہیں جن کے نام سے تمہیں بخار چڑھتا ہے وہ سب تمہارے لیے ابھی موجود ہیں۔ سفیان نے کہا آج کا دن بدر کا بدلہ ہے اور لڑائی ہے بھی ایک ڈول کی طرح (کبھی ایک فریق کے لیے اور کبھی دوسرے کے لیے) تم لوگوں کو اپنی قوم کے بعض افراد مثلہ کیے ہوئے ملیں گے۔ میں نے اس طرح کا کوئی حکم (اپنے آدمیوں کو) نہیں دیا لیکن مجھے ان کا یہ عمل بُرا بھی معلوم نہیں ہوا۔ اس کے بعد وہ رجز پڑھنے لگے۔ ہبل (بت کا نام) بلند رہے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ تم لوگ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہ نے پوچھا۔ ہم اس کے جواب میں کیا کہیں یا رسول اللہ! حضور اکرم نے فرمایا کہو کہ اللہ! سب سے بلند اور بزرگ تر ہے۔ ابو سفیان نے کہا، ہمارا حامی و مددگار عزّیٰ (بت) ہے اور تمہارا کوئی بھی نہیں، آنحضور نے فرمایا، جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کا جواب کیا دیا جائے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو کہ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ (بخاری)

کتاب الجهاد

شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کی یہ تحریر مندرجہ ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔
(۱) جہاد کا مطلب و مفہوم اور اس کے شرائط (۲) مجاہد کا مرتبہ و مقام (۳) جہاد کی قسمیں (۴) حدیث ہجرۃ کی توضیح (۵) مستورات کا جہاد (۶) سمندری جہاد (۷) واقعہ بیر معونہ (۸) جہاد کی تمنا کرنا (۹) کیا حضورؐ کو شعر کا علم دیا گیا ہے (۱۰) جادو کی حقیقت (۱۱) حضورؐ امت کے نیک و بد اعمال کا علم رکھتے ہیں (۱۲) حیات شہداء ارواح شہداء کا سبز پرندوں کی صورت میں ہونا (۱۳) کیا شہید کا جسم سلامت رہتا ہے (۱۴) شہید حقیقی و فقہی کے احکام (۱۵) انبیاء کرام کو مرتبہ شہادت حاصل ہے (۱۶) حیات انبیاء کی کیفیت (۱۷) حضورؐ جس چیز کے قریب سے گزر جاتے ہیں اس میں حیات پیدا ہو جاتی ہے (۱۸) ہر کمال حضورؐ کے وسیلہ سے ملتا ہے (۱۹) ایک فرشتہ جہاں بھر کی آواز سنتا ہے (۲۰) روح اور اس کے خصائص (۲۱) روح فنا نہیں ہوتی (۲۲) سمع و بصر علم و فہم روح کے لیے ہے بدن مردہ کے لیے نہیں (۲۳) ارواح اولیاء دنیا و آخرت میں مدد فرماتی ہیں (۲۴) ارواح اولیاء سے فیض حاصل ہوتا ہے (۲۵) حضرت آدم علیہ السلام کے بعد تمام اولیاء کو حضرت علیؓ سے فیض ملا (۲۶) جو بات یا فعل شرک ہے اس میں زندہ و مردہ کا تفرقہ کرنا شرعاً و عقلاً غلط ہے (۲۷) اولیاء اللہ سے استمداد کا طریقہ (۲۸) عالم

برزخ (۲۹) عذاب قبر کی حقیقت کیا ہے (۳۰) جسم گل سڑ کر مٹی ہو جائے پھر بھی اسے عذاب و ثواب ہو گا (۳۱) قبر میں حضورؐ کی ذات مبارک کے متعلق سوال ہوتا ہے (۳۲) منکر نکیر کا قبر میں آنا اور مردے سے سوال کرنا۔

ایسے اہم مسائل بیان ہوئے ہیں ان مسائل پر فلاسفہ، معتزلہ اور منکرین بعث کے اشکالات و اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

اس تحریر کو بغور پڑھئے اس کے مطالعہ سے آپ کے ایمان و ایقان اور علم و عرفان میں یقیناً اضافہ ہو گا۔

باہتمام

صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی

حسب فرمائش

حضرت صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی مدظلہ

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

حضرت صاحبزادہ پیر سید فواد اشرف رضوی

آستانہ عالیہ شارح بخاری محدث لاہوری

ناشر

شعبہ تبلیغ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف (رجسٹرڈ)

گنج بخش روڈ، لاہور، پاکستان

دینِ مصطفیٰ
علیہ التحیۃ والثناء
بااہتمام
صاحبزادہ سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی